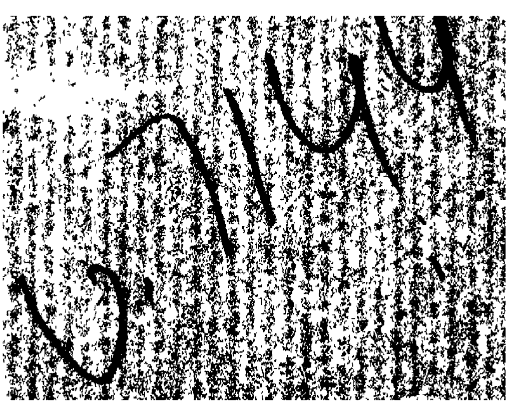


٧٨٦

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون

اخبار الصالحین

حصہ اول

پہلی صدی ہجری سے آٹھویں صدی ہجری تک

مؤلفہ

عالیجناب نواب معشوق یار جنگ بہادر

جس کو

خاکسار عبد القادر مالک اعظم اسٹیم پریس نے

اپنے

اعظم اسٹیم پریس واقعہ چار مینار حیدرآباد دکن میں طبع و شائع کیا

قیمت ۲ روپے

۱۳۵۲ھ

فہرست مضامین اخبار الصالحین

فہرست مضامین اخبار الصالحین

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون

اخبار الصالحین

حصہ اول

پہلی صدی ہجری سے آٹھویں صدی ہجری تک

مؤلفہ

جناب مولوی محمد معشوق حسین خاں صاحب بی اے

مطبوعہ

مطبع اعظم اسٹیم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پریس حیدرآباد دکن

۷۸۶

پیشکش

بہ گرامی خدمت فیضدرجت عالی منقبت قبلۂ عالم عالمیان

ملجاء و ماوائے غریباں دستگیر بیکساں دوائے دردمنداں

حضرت سیدی مولائی ملجائی ماوائی صاحبزادہ محبوب عالم میاں

ادام اللہ برکاتہٗ وفیوضہٗ سجادہ نشین بارگاہِ عالی پایگاہ دربار

دربار آوان شریف ضلع گجرات (پنجاب)

گذرانیدۂ:- کمترین بندگان بارگاہ:-

محمد معشوق حسین خاں سلطانی عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۝

امّا بعد یہ مجموعہ جسمیں اہل اللہ کے مختصر حالات ہیں ہدیہ ناظرین ہے اسکے بعض اجزا وقتاً فوقتاً عبداللہ کے نام سے النّاظر میں شائع ہوتے رہے ہیں مضمون اتنا وسیع ہے کہ اس پر قلم اٹھانا بڑے بڑے لوگوں کیلئے مشکل ہے چہ جائیکہ راقم سطور سا بے بضاعت کچھ قصد کرتا لیکن جن لوگوں کے حالات اسمیں درج ہیں انہیں کی برکت سے خدائے بزرگ و برتر نے دستگیری فرمائی جو یہ چند اجزا مرتب ہوگئے ناظرین اگر کچھ غلطی پائیں تو نظر تسامح سے ملاحظہ فرمائیں اور اصلاح کردیں۔ اپنی بے مائیگی کا مولف ھٰذا کو اعتراف ہے اور معذرت میں صرف یہ عرض کرتا ہے کہ بزرگان دین کی محبت نے اُسے اپنی عدم لیاقت پر نظر ڈالنے سے باز رکھا اور اسی جذبہ نے جو کچھ لکھوایا وہ ہدیہ احباب کیا جاتا ہے۔

مقدمہ

(۱)

امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علم تصوف اس علم کا نام ہے جو اولیاء اللہ کے دلوں میں اس وقت ظہور پذیر ہوتا ہے جب کتاب وسنت پر عمل کرنے سے وہ منور ہو جاتے ہیں۔ پس جو کوئی ان دونوں پر خالص نیت سے عمل کریگا اسپر اس عمل سے ایسے علوم و ادب و اسرار و حقایق منکشف ہو جائینگے جنکے بیان سے زبان عاجز ہو۔

امام صاحب اِس سلسلہ میں ایک مثال ذیکر فرماتے ہیں کہ جب علماء شریعت اپنے علم پر جو انہیں شریعت کے احکام پر حاصل ہے عمل کرتے ہیں تو ان پر احکام شریعت روشن ہو جاتے ہیں اور اسکا ما حصل جو ہوتا ہے وہ تصوف ہے بشرطیکہ عمل علتوں اور نفس کی لذتوں سے پاک ہو۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ جس نے تصوف کو ایک مستقل علم کہا وہ بھی سچا ہے اور جس نے خود اُسے احکام شریعت کا نام دیا وہ بھی سچا ہے۔ جیساکہ علم معانی وبیان کو جداگانہ علم کہنے والے بھی سچے ہیں۔ اور علم نحو میں داخل کرنے والے بھی راستی پر ہیں البتہ اسکا پتہ کہ تصوف کی نہر شریعت ہی کے چشمے سے نکلی ہے صرف اسی کو مل سکتا ہے جسے شریعت کے علم میں ایسا تبحر حاصل ہو کہ اسکے تہ کو پہونچ گیا ہو۔ چنانچہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ "ہمارا یہ علم کتاب وسنت سے مستحکم ہے"۔

تصوف کے معانی کی تحقیق میں بزرگوں کے اقوال مختلف ہیں شیخ ابوالحسن نوری رح فرماتے ہیں۔ کہ التصوف ترك كل حظ للنفس۔ حضرت داتا گنج بخش رح فرماتے ہیں التصوف حقيقة لا رسم له یہی قول امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ کا ہی۔ یعنی تصوف وہ حقیقت الٰہی ہے جسکے ظاہر ہوتے ہی حقائق کونی کی رویت باقی نہیں رہتی اور اسکی رسم وآثار سب محو ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابوعمرو دمشقی رح فرماتے ہیں کہ التصوف رؤية الكون بعين النقص بل غض الطرف عن الكون۔ حضرت شیخ شبلی کا قول ہے کہ التصوف صيانة القلب عن رؤية الغير۔ حضرت شیخ حصری رح فرماتے ہیں کہ التصوف صفاء السر من كدورة المخالفة حضرت امام باقر رح فرماتے ہیں کہ التصوف خلق فمن زاد عليك في الخلق زاد عليك في التصوف۔ جناب بڑے پیر صاحب فرماتے ہیں کہ دل کو تمام کدورتوں سے صاف کرنا خدائے عزوجل کے ساتھ صدق اختیار کرنا اور خلق اللہ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا تصوف ہے۔ غرضکہ تصوف کی بہت سی تعریفیں ہیں جنسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ علم ظاہری نہیں ہے بلکہ باطنی علم ہے۔ اور اسکا تعلق حسن اخلاق حسن نیت اور حسن معاملہ سے ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا میں تصوف کی حقیقت کے متعلق فرماتے ہیں کہ اسے عرف شرع میں **احسان** کا نام دیا گیا ہے اور اسکی بنیاد تین چیزوں پر ہے (ا) اعمال خیر (ب) تولید مقامات (ج) یقین۔

(الف) اعمال خیر

اعمال خیر کی مداومت سے مرتبہ یقین پیدا ہوتا ہے۔ اعمال خیر سے مراد نماز۔ روزہ۔ ذکر و تلاوت قرآن پاک وغیرہ ہے۔ اور یقین سے مراد وہ خاص یقین ہے جو وہبی ہوتا ہے۔ کسبی نہیں اور خدائے جل و علیٰ کیطرف سے بطور انعام صالحین امت کو نصیب ہوتا ہے۔ عرف صوفیہ میں اُسے **یاد داشت** کہتے ہیں۔ یہ یقین استدلال و تقلید سے حاصل نہیں ہوتا۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ بدیہی امر ہے کہ تمام مسلمان اپنی استعداد کے مطابق اعمال خیر کرتے رہتے ہیں مگر سب کو مرتبہ یقین تک رسائی نہیں ہوتی چند لوگ ہیں جنھیں یہ بات حاصل ہوتی ہے اور محض بطریق موہبت کے۔ لیکن اس نعمت کے حصول کیلئے اعمال خیر سے اپنی ذات کو آراستہ کرنا بہت ضرور ہے۔ اسمیں چند شرطیں ہیں۔ اُن اُمور کو جو مشروط قرار دیئے گئے ہیں شاہ صاحبؒ تین کلیوں کے تحت میں درج فرماتے ہیں۔

(۱) **اخلاص فی العمل** حضرت مجدد صاحبؒ ملا حاجی محمد لاہوری کو لکھتے ہیں کہ اخلاص کی تحصیل کے سوائے طریقت و حقیقت کے منزلیں طے کرنے کا اور کوئی مقصد نہیں۔ یہ شرط گویا اسقدر ضروری ہیکہ اسے مقصود سلوک طریقت و حقیقت بیان کیا گیا ہے

(۲) اکثار اعمال خیر مثلاً تہجد و ضحیٰ واذکار صبح و شام وغیرہ۔

(۳) وہ کیفیت خاص جس سے مراد ہے خشوع و خضوع و ترک حدیث نفس انہیں تین کلیوں کے بموجب قرآن پاک میں احسان کی یہ تعریف فرمائی گئی ہے قال اللہ تعالیٰ انھم کانوا قبل ذالک محسنین ہ کانوا قلیلا من اللیل ما یھجعون ہ وبالاسحار ھم یستغفرون وفی اموالھم حق للسائل والمحروم الآیۃ۔ احسان کی تعریف میں حضور پرنور صلعم کا ارشاد مبارک ہے۔ ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں احکام شریعت کے مصالح پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ **نماز** خدا کی یاد اور اسکے حضور میں حاجزی کرنے کے لئے مشروع کی گئی ہے۔ اقم الصلوٰۃ لذکری **زکوٰۃ** کی مصلحت بخل و کینہ کی عادت دور کرنے اور حاجتمندوں کی حاجت برآری

کے لئے ہے۔ ولا یحسبن الذین یبخلون بما اتاھم اللہ من فضلہ ھو خیر لھم بل ھو شر لھم سیطوقون ما بخلوا بہ یوم القیامہ۔

روزہ نفس کے مطیع کرنے کے لئے ہے۔ لعلکم تتقون۔ حدیث شریف میں ہے فان الصوم لہ وجاء یعنی روزہ نفس کی خواہش کو روکتا ہے۔

حج خدا کی نشانیوں کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ الآیۃ۔ قصاص کشت وخون سے باز رکھتا ہے ولکم فی القصاص حیوٰۃ یا اولی الالباب حدود وکفارے اس لئے قرار دئے گئے ہیں کہ گناہوں پر زجر و توبیخ ہوتی ہے۔ لیذوق وبال امرہ۔ جہاد کی مصلحت اعلاء کلمۃ اللہ اور اطفاء فتنہ و فساد ہے۔ وقاتلوھم حتی لاتکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ۔ یہ فرایض ہیں اور یہی وہ شئی ہیں جنکا نتیجہ تہذیب نفس و درستی اخلاق ہے جو تصوف کی جان ہے۔

ان اعمال خیر کی جب کثرت ہوتی ہے بشرطیکہ نیت خالص ہو۔ انما الاعمال بالنیات۔ اور خشوع وخضوع سے عبادت کی جائے تو ظرف میں موہبت الٰہی کے قبول کرنے کی استعداد پیدا ہوجاتی ہے اور فیضان الٰہی خود بخود جاری ہوتا ہے

مخفی نہ رہے کہ انسان کے اندر تین لطیفے ہیں۔ قلب۔ نفس۔ و عقل۔ عقل اس چیز کا نام ہے جس سے غیر محسوس اشیاء کا ادراک کیا جاتا ہے۔ قلب اس چیز کا نام ہے جس سے انسان محبت یا بغض رکھتا ہے یا کسی چیز کو پسند کرتا ہے یا اسکا ارادہ کرتا ہے۔ اور نفس اس چیز کا نام ہے جس سے انسان لذائذ کی خواہش کرتا ہے۔ انکے محل دماغ۔ قلب اور جگر ہیں یہ اعضائے رئیسہ ہیں جب انمیں سے کسی ایک میں فتور آتا ہے تو جس قوت کا وہ محل ہے اسمیں بھی فتور آجاتا ہے۔ ان تینوں سے جو افعال صادر ہوتے ہیں وہ یا تو باہم قریب ہوتے ہیں یا افراط و تفریط کے طرف مائل ہوتے ہیں یا دونوں کے مابین ہوتے ہیں

لہ سورۂ آل عمران کے اٹھارویں رکوع میں ہے۔

جب ان تینوں صورتوں کا انکے افعال متقاربہ اور امزجہ کے ساتھ اعتبار کیا جاتا ہے تو انہیں لطائف ثلاثہ کہا جاتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے صفات ہیں مثلاً قلب کی صفت غصہ دلیری محبت وغیرہ ہے۔ عقل کی صفت یقین شک و توہم۔ تلاش اسباب و انکار وغیرہ ہے اور نفس کی صفت لذائذ کی حرص ہے۔ فلاسفہ نے اپنے اصطلاح میں عقل کا نام نفس ملکی اور قلب کا نفس سبعی اور تیسرے کا نفس بہیمی رکھا ہے مگر صوفیائے کرام نے ان تین کے علاوہ اور لطیفے بھی ثابت کئے ہیں یعنی روح اور سر۔ دل کے دو رخ تصور کئے ہیں۔ ایک کا میلان بدن کیطرف اور دوسرے کا میلان تجرد محض کی طرف ہے۔ اسی طرح عقل کے بھی دو رخ ہیں ایک بدن کیطرف اور ایک کا تجرد محض کی طرف۔ پس جن کا میلان اسفل کی جانب ہے انہیں قلب و عقل کہتے ہیں۔ اور جن کا اتصال فوق سے ہے انہیں روح و سر کہتے ہیں۔ روح کی صفت انس و انجذاب ہے۔ عقل کی صفت ان اشیاء پر یقین کرنا ہے جو معمولی علوم سے قریب المآخذ ہیں۔ جیسے ایمان بالغیب اور توحید افعالی اور سر کی صفت ان اشیاء کا مشاہدہ کرنا ہے جو علوم معمولی سے برتر اور تجرد محض ہیں اور زمان و مکان کے قید سے منزہ ہیں۔

(ب) تولید مقامات

احسان یعنی تصوف کی دوسری بنیادی چیز تولید مقامات ہے یہ یقین اور طبیعت نفس و قلب کے درمیان سے پیدا ہوتے ہیں حضرت ابو طالب مکی (المتوفی ۳۸۶ھ) نے ان مقامات کو دس عنوانات پر تقسیم کیا ہے۔

توبہ[1]۔ زہد[2]۔ صبر[3]۔ شکر[4]۔ رجا[5]۔ خوف[6]۔ توکل[7]۔ رضا[8]۔ فقر[9] و محبت[10]۔ شاہ ولی اللہ صاحب رح فرماتے ہیں کہ انسان کا نفس اس طرز پر مخلوق ہوا ہے کہ ہمیشہ یہ احوال متضادہ اسپر وارد ہوتے رہتے ہیں۔ شروع شروع میں یہ احوال امور دینیہ اور دنیویہ کے متعلق وارد ہوتے ہیں۔ مثلاً دشمن کا خوف۔ تلف مال

و اولاد کا اندیشہ اور کثرت مال و اولاد و جاہ و اسباب کی امید لیکن جب یقین کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے اور یہ کیفیت آدمی کی فطرت پر مستولی ہو جاتی ہے تو تمام واردات للہ فی اللہ و باللہ ہوا کرتے ہیں مثلاً خوف جو ہوتا ہے۔ وہ اللہ ہی کا ہوتا ہے۔ اور اسکے اوامر و مواعید سے طبیعت لرزتی ہے اور بندہ کا اعتماد اسباب سے اٹھکر مسبب الاسباب پر جم جاتا ہے وعلیٰ ہذا القیاس۔ ان مقامات کے علاوہ اور بھی عنوانات ہیں مثلاً صدق حال۔ شدت لامر اللہ اور تواضع وغیرہ جنکا قرآن پاک اور حدیث شریف دونوں میں بار بار ذکر آیا ہے اور خود حضور پرنور صلعم نے بعض صحابہ کو ان مقامات کی بشارت سے سرفراز فرمایا ہے مثلاً صدیقیہ۔ محدثیہ۔ شہیدیہ۔ وحواریہ۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان مقامات میں اور بعض صفات بشری میں التباس واقع ہو جاتا ہے اور آدمی کو دھوکہ ہونے لگتا ہے مثلاً صبر کی صورت سختی دل سے مشابہ ہوتی ہے اور توکل و تہور میں اختلاط ہو جاتا ہے اس لئے محققین صوفیہ نے ہر ایک مقام کے خواص اور علامتیں امتیاز کی غرض سے بیان کر دی ہیں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان سب کا ایک اصل اصول بیان کرتے ہیں جو طول طویل بحثوں سے مستغنی کر دیتا ہے یعنی مقام وہ ہے جو یقین اور جبلت قلب و نفس کے درمیان سے متولد ہو۔ اگر کسی ایک صفت پر استیلائی یقین نظر نہ آئے تو کہنا چاہیئے کہ وہ صفت طبعی ہے اور سلوک کے مقامات سے نہیں ہے۔ اور اگر استیلائی یقین نظر آئے تو پھر دیکھنا چاہیئے کہ اس یقین کے پہلے یہ صفتیں اس شخص میں اسی طریق و وضع کے ساتھ موجود تھیں یا نہیں۔ اگر معلوم ہو کہ موجود تھیں تو کہا جاسکے گا کہ یہ سلوک کا کوئی مقام نہیں ہے اور اگر معلوم ہو کہ پہلے نہیں تھیں اور اب پیدا ہو گئی ہیں تو کہنا چاہیئے یہ سلوک کا ایک مقام ہے۔ مقام و حال میں بھی دھوکہ ہوتا رہتا ہے اس لئے ان دونوں کے بھی تمیز ضروری ہے۔ چنانچہ حضرت داتا گنج بخش رح حال و مقام میں یہ فرق بتاتے ہیں کہ مقام خدا کے راستہ میں بندہ کی اقامت کی جگہ ہے جہاں وہ خدا کے حق کی رعایت کرتا اور اُسے ادا کرتا ہے اور جب تک خدا نہ گزارے بندہ اپنے مقام سے نہیں

گزر سکتا مقامات میں ابتدا توبہ ہے پھر انابت یعنی خدا کی طرف رجوع کرنا پھر زہد پھر توکل یہ باتیں یکے بعد دیگرے سلسلہ وار حاصل ہوتی ہیں۔ وما منا الا لہ مقام معلوم اور حال وہ حقیقت ہے جو خدا کی طرف سے بندہ کے دلمیں ظاہر ہوتی ہے۔ نہ وہ کسب سے حاصل ہوسکتی ہے اور نہ کوشش و تکلیف سے دفع ہوسکتی ہے مقام کسبی ہے اور حال وہبی صاحب مقام اپنے مجاہدہ سے قایم ہوتا ہے اور صاحب حال کا قیام اُس حال پر ہوتا ہے جو حق تعالےٰ اس میں پیدا کرے۔

(ج) یقین

احسان یعنے تصوف کی تیسری بنیادی شئے یہ ہے کہ جب ایک شخص کو مرتبہ یقین حاصل ہوگیا اور یہ صفت اس پر مستولی ہوکر اسکے اندر جاگزین ہوگئی تو جو کچھ وہ کہیگا یقین سے کہیگا اور جو کچھ وہ کریگا یقین سے کریگا اسی یقین کو حاصل کرنے کے لئے ائمہ مشائخ نے سلوک و تعلیم باطنی اور پیری مریدی کے سلسلہ کو ضروری سمجھا ہے صحابہ کرام کو صرف صحبت نبوی صلعم میں یہ نعمت حاصل ہوجاتی تھی اور انہیں راہ سلوک طے کرنے مجاہدہ کرنے اور باطنی تعلیم کے ضرورت حصول یقین کیلئے نہیں پڑتی تھی متاخرین کو اسکی ضرورت لاحق ہوئی اور انھوں نے قواعد و اصول ترتیب دیئے حضرت مجددؒ صاحب شیخ درویش کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ ولایت سے مراد حصول دولت فنا و بقا ہے اور اس دولت سے مقصود یہی یقین ہے اور اسی کو حقیقت ایمان بھی کہتے ہیں جب یہ حقیقت ایمانی سالک میں پیدا ہوجائیگی تو اسکے سینہ میں بڑے بڑے مقامات پیدا ہونا شروع ہونگے اور جب اس مشرب میں استقلال پیدا ہوجائیگا تو اس سے خرق عادات اور کرامتیں صادر ہونے لگیں گے اور وہ اس قابل ہوگا کہ مریدوں کی تربیت کرسکے۔ سیدنا عیدروس اشہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (یعنی عبداللہ ابن ابی بکر بن العید روسؒ) اپنی وصایا میں لکھتے ہیں کہ جبتک تم ارکان اسلام۔ ایمان و احسان کو مضبوط نہ کرلوگے کبھی یقین کے درگاہ تک نہیں پہونچ سکتے اور یقین کی مضبوطی صرف اتباع شریعت و سلوک طریقت اور عوارف حقیقت کے معارف تک پہونچنے سے ہوسکتی ہے جیساکہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے

لا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ الخ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری فرماتے ہیں کہ اہل تصوف وہی ہیں جو ظاہر میں خلق اللہ سے معاملہ رکھتے ہیں اور احکام شرعیہ کی پابندی کرتے ہیں اور باطن میں ہر وقت حق تعالیٰ کے ساتھ انکی صحبت رہتی ہے جس طرح وہ چاہتا ہے انہیں الٹا پلٹتا رہتا ہے۔ احکام شریعت کی پابندی بہت ضروری ہے حضرت مجدد صاحبؒ تو طریقت وحقیقت کو خادم شریعت فرماتے ہیں اور ان دونوں کی تحصیل کو تکمیل شریعت کہتے ہیں۔ غرضکہ صوفی وہ ہے جو شریعت کے اجمال کی تفصیل طریقت وحقیقت میں دیکھے نہ کہ شریعت کو انسے الگ سمجھے اور تزکیۂ نفس و توجہ نام اسکا شعار ہو جناب بڑے پیر صاحب رح کا ارشاد مبارک ہے کہ صوفی وہ ہے جو نفس کی برائیوں سے پاک ہو اسکے قلب کو مخلوق میں سے کسی کے ساتھ آرام نہ ملے اور مالوف طبع چیزوں کو ترک کرتا ہو یہ ترک اور بے چینی اور نفس کی پاکی اسی وقت حاصل ہوسکتی ہے جبکہ حقیقت ایمانی یعنے دولت یقین نے اسکے قلب پر جلوہ گری کی ہو۔

(۲)

حضرت شیخ عبد العزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ متقدمین جو مریدونکی تربیت کیا کرتے تھے اب بھی وہ تربیت باقی ہے۔ تربیت سے ذات کے رعونتوں کا تصفیہ کرنا اور اسے پاک کرنا مقصود ہے تاکہ اسمیں بھید کے تحمل کی قوت آجائے اور یہ بات اسوقت تک حاصل نہیں ہوتی جبتک کہ اسکی ظلمت کا ازالہ اور جو علایق باطل اسکے ساتھ ہیں انکا انقطاع نہ ہوجائے۔

کبھی ایسا ہوتا ہیکہ اللہ جل شانہ بلا واسطہ طالب کی ذات میں طہارت پیدا کردیتا ہے اور اس طرح جب اسکی اصل خلقت میں صفائی آجاتی ہے تو اسکی وجہ سے باطل کا انقطاع ہوجاتا ہے جیسا کہ قرون ثلاثہ کے بزرگوں کی حالت تھی اُس زمانہ کے لوگونکا تعلق خاطر حق کے ساتھ ہوتا تھا وہی انکا مطلوب ہوتا تھا جب سوتے تھے تو اُسی دُھن میں سوتے تھے اور اُٹھتے تھے تو اسی دُھن میں اُٹھتے تھے اور

چلتے تھے تو اسی خیال میں چلتے تھے۔ اگر کوئی صاحب بصیرت انکی باطن پہ نظر ڈالتا تو یہ معلوم ہوتا کہ اکثر انکی عقلیں خدا اور اسکے رسول کے دھیان میں گم ہیں اور خدا اور اسکے رسول کی مرضی اور خوشنودی کی طلب میں انکی کوششیں صرف ہیں یہی وجہ تھی کہ اس زمانہ میں خیر بہت ظاہر ہوئی اور لوگوں کی ذاتوں میں انوار حق طالع ہوئے اور انہیں ایسا علم اور درجہ اجتہاد حاصل ہوا جو دوسروں کو نہیں حاصل ہوسکتا۔ اس زمانہ میں تربیت متداولہ کی حاجت نہ تھی اور شیخ اپنے مرید کے کان میں کلمہ حق پھونک دیا کرتا تھا جس سے مرید کو فوراً فتحباب ہوجاتا تھا۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ حق جلشانہ بواسطہ پیر مرید میں طہارت و صفائی پیدا فرماتا ہے اور شیخ کو سبب بناکر انکے ذاتوں سے ظلمت دور فرماتا ہے۔ یہ حالت قرون ثلاثہ کے بعد پیدا ہوئی اس لئے کہ لوگوں کی نیتوں میں فساد اور انکی ضمیروں میں کساد پیدا ہوگیا اور انکی عقلیں دنیا کے امور و خواہشات کے حصول میں پھنس گئیں کوئی صاحب بصیرت انہیں دیکھتا تو معلوم کرتا کہ انکی عقول باطل کے ساتھ متعلق اور حصول شہوات نفسانی میں منہمک ہیں اور انکی ذاتیں انہیں عقلوں کی پیروی کررہی ہیں۔ جب یہ حالت شیخ کی نظر سے گذری تو اُسنے خلوت۔ ذکر اور تقلیل طعام کا حکم دیا تاکہ خلوت سے باطل راہ چلنے والونکی صحبت سے نجات ملے۔ ذکر سے کلام باطل اور لہو و لعب لغو کا ازالہ ہو اور تقلیل طعام سے خواہشات نفسانی دبی رہیں پھر جب اس مجاہدہ سے عقلیں ٹھکانے لگجاتی ہیں۔ خدا اور رسول سے انکا تعلق پیدا ہوجاتا ہے اور مرید میں طہارت و صفائی اور بھید کے تحمل کی طاقت پیدا ہوجاتی ہے جو کہ تربیت و خلوت کے غرض تھی تو شیخ اپنے مرید کے کان میں کلمہ حق پھونک دیتا ہے جس سے فوراً مرید کا فتحباب ہوجاتا ہے۔

لیکن پھر ایک ایسا زمانہ آیا۔ کہ باطل حق کے ساتھ اور ظلمت نور کے ساتھ مختلط ہوگئی اور جھوٹے پیر پیدا ہوئے جنھوں نے ادخال خلوت اور تلقین اسمار

سکے بنیاد فاسد نیت پر قائم کی اور حق کی مخالفت اپنا مقصود ٹھہرالیا جب یہ خرابیاں پیدا ہوئیں تو مشائخ حقہ نے جیسے شیخ زروق رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اُس تربیت کو جسمیں بہت سے مبطل و مکار بھی شامل ہوگئے تھے ترک کرکے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مجرد اتباع کی طرف لوگوں کو ترغیب دینی شروع کی جسمیں کوئی اندیشہ فساد نہ تھا لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ جو تربیت حقیقی متقدمین کی تھی اس سے منع کیا ہو۔ اب بھی اگر کوئی مرشد کامل ملجائے جسے سُرخ گندھک سمجھنا چاہیئے اور وہ اسی طرح خلوت و ذکر و تقلیل طعام کا حکم دے تو اسکی فرمانبرداری لازم ہے۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک باقی ہے اور قیامت تک اسکی عام برکتیں اور نیکیاں شامل حال رہینگی جب تم شیخ کی اتباع کروگے تو سرالہی تم میں ڈال دیا جائیگا اور مشاہدہ کے مقامات تمھیں حاصل ہونگے جنکے بارے میں شیخ عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان مشاہدات میں اول مشاہدہ اجرام تُرابیہ کا ہے۔ پھر اجرام علویہ کا۔ پھر اجرام نورانیہ کا۔ پھر مخلوق میں سریان افعال حق تعالیٰ کا۔ ان مقامات کے مزید تفصیل انھوں نے بیان فرمائی ہے جو یہاں بنظر طوالت نظرانداز کیجاتی ہے۔ رہا یہ امر کہ ایسا شیخ مربی کہاں ملے جس کا دامن تھاما جائے۔ اس سوال کے جواب میں شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کا دامن تھامو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کا عارف ہو جسکی ذات کی پرورش نور نبی صلعم سے ہوئی ہو اور جو حضور کے قدم بقدم چلتا ہو اور اللہ جل شانہ نے جسے کمال ایمان و صفائی عرفان عطا فرمائی ہو۔ ایسا شخص بندے کو رب سے ملادیگا اور معرفت الہی میں جو وسوسے پیدا ہونگے انہیں قطع کردیگا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت مرید کے قلب میں زیادہ کریگا اسکی ہمت مرید کے شامل حال ہوگی۔ ہمت جو شیخ کے ایمان باللہ کا نور ہے اسی نور سے وہ مرید کی تربیت کریگا اور ایک حال سے دوسرے حال پہونچائیگا۔ اگر اسی نور ایمان سے مرید کی محبت شیخ کے ساتھ رہی تو شیخ حاضر ہو یا غائب بقید حیات ہو یا انتقال فرماچکا ہو مرید کی تربیت برابر ہوتی رہیگی۔ ایسے لوگ ہر ملک میں

ملینگے۔ طلب شرط ہے۔ انہیں تلاش کرو تمھیں ملجائینگے۔ من طلب وجد۔

(۳)

شیخ احمد[ل] بن عبد اللہ بن احمد بن حسین عیدروس رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک رسالہ عنوان الذہاب میں جو امام محمد بحرق رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے ترتیب السلوک کا خلاصہ ہے لکھتے ہیں کہ سلوک یعنی سیر الی اللہ کی تین منزلیں ہیں۔ پہلی منزل مرید کی وہ سیر ہے جو ظاہر سے نفس کی طرف ہوتی ہے اسے سیر شریعت بھی کہتے ہیں۔ علم ظاہر اس کا آلہ۔ احکام الٰہی کا بجالانا اور منہیات سے بچنا اس کا سرمایہ اور صلاح حال اسکا نفع ہے۔ علم ظاہر جو آلہ ہے چند اصول و فروع پر مشتمل ہے۔ اصول علم ایمان ہے الایمان ان تومن باللہ الخ اور فروع علم اسلام ہے الاسلام ان تشہد الخ۔ احکام الٰہی کے بجالانے کو "بر" کہتے ہیں اور منہیات سے بچنے کو "تقویٰ"۔ اعمال بر دلوں کے دوا و غذا ہے اور اعمال تقویٰ اعمال بر کے مقبول ہونے کے شرط ہیں۔ صلاح جو نفع قرار دیا گیا ہے حصول جنت۔ دوزخ سے نجات پانا اور دنیا میں صفات ابرار سے متصف ہونے کا نام ہے۔

دوسری منزل مرید کی وہ سیر ہے جو نفس سے قلب کیطرف ہو۔ اس سیر کو طریقت کہتے ہیں۔ یعنی اس خلق عظیم کے ساتھ متصف ہونا ہے جسکے ساتھ خدائے عز و جل نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف فرمائی ہے۔ انک لعلی خلق عظیم۔ طریقت کا آلہ علم باطن ہے۔ اسکا سرمایہ تزکیہ نفس ہے یعنی برائیوں سے نفس کو پاک کرنا اور بھلائیوں سے آراستہ کرنا اور ہدایت و فلاح اسکا نفع ہے۔ علم باطن سے مراد تمام موانع و عوارض و قوادح (مفاسد) اور بواعث کا معلوم کرنا ہے۔ موانع سیر کے شروع میں لاحق ہوتے ہیں۔ مثلاً دنیا۔ شیطان و مخلوق عوارض اثنائے راہ میں پڑتے ہیں مثلاً رزق کی فکر۔ مخاوف۔ قضا و شدائد قوادح (مفاسد) سرمایہ کو فاسد و برباد کرنے والے ہوتے ہیں مثلاً ریاکاری۔

[ل] ان بزرگ کا مزار چوک بازار کسارہٹہ بلدۂ حیدرآباد دکن میں ہے اور سید احمد فرید کے نام سے مشہور ہیں اور انہیں بکریوں والے سید صاحب بھی کہتے ہیں ۱۲

خود بینی۔ بواعث وہ ہیں جو سفر کی مشقت برداشت کرنے پر آمادہ کرتے ہیں مثلاً خوف ورجا اس سفر کا سرمایہ ہے ترک دنیا بزہد۔ قطع علاقہ خلق بہ عزلت اور قطع علاقہ شیطان بذریعہ التجا وزاری بجناب باری تعالیٰ۔ شیطان سے لڑنا۔ اسکے فریب کو معلوم کرنا۔ زہد کی حقیقت پہچاننا۔ گوشہ نشینی کی شرطوں سے آگاہی ہونا۔ رزق میں توکل علی اللہ مخاوف میں تفویض الی اللہ۔ قضا میں رضا باللہ۔ شدائد میں صبر کرنا۔ ریا سے بچنے میں فضل الٰہی پر نظر رکھنا یہ سب سرمایہ میں داخل ہیں۔ اس سعی کا نفع ہدایت وفلاح ہے جس سے مراد ہے نفس مطمئنہ کی حفاظت جسکے لئے عقبیٰ میں رضا کا وعدہ ہے اور استقامت وحفاظت مقامات مثلاً زہد۔ التجا۔ توکل۔ تفویض۔ صبر۔ رضا۔ اخلاص صدق وغیرہ۔

تیسری منزل مرید کی وہ سیر ہے جو قلب سے رب کی طرف ہو۔ اس سیر کو حقیقت کہتے ہیں یعنی ماسوی اللہ کو قلب سے مٹا دینا۔ خدائے عزوجل کے ذکر سے ہمیشہ انس رکھنا۔ ظاہر وباطن کی درستی اسکا آلہ۔ انقطاع الی اللہ اسکے سرمایہ اور اسکا نفع ذکر کرنے والے کے قلب میں مذکور کا جم جانا ہے۔ اس منزل کا آلہ یعنی ظاہر وباطن کی درستی وہ شئی ہے جسے منزل اول کے نفع یعنی بر وتقویٰ اور منزل دوم کی نفع یعنی ہدایت وفلاح کا حاصل کہتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے ان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب یعنی انسان کے جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے اگر اسکی حالت سنبھلی رہی تو کل جسم کی حالت سنبھلی رہتی ہے اور اسکی حالت خراب ہوگی تو تمام جسم کی حالت خراب ہو جاتی ہے۔ یہ لوتھڑا آدمی کا دل ہے۔ اس منزل کو قطع کرنے کے لئے جسم وقلب دونوں کی درستی شرط ہے۔ انقطاع الی اللہ سے مراد ماسوی اللہ سے روگردانی کرنا ہے اور یہ بات ذکر الٰہی کی ملازمت ومداومت سے حاصل ہوتی ہے۔ اسکے دو راستے ہیں۔ ایک سلوک کا راستہ ہے دوسرا جذب کا۔ سلوک کا راستہ افضل وبہتر ہے اس سے مراد ہے نگہبانی اوقات۔ اوراد مشروعہ کا پڑھنا۔ خشوع وخضوع اور حضور قلب سے نماز ادا کرنا۔ ذکر اور تلاوت

قرآن کرنا۔ کائنات الٰہی میں فکر و تدبر کرنا۔ روزہ رکھنا۔ زکوٰۃ دینا حج معہ تمام آداب کے کرنا۔ نماز و ذکر سے مقصود یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کے ساتھ قلب کو انس پیدا ہو جائے۔ یہی تمام عبادتوں کا نچوڑ ہے۔ اور یہی سلوک کا نتیجہ ہے۔

(۴)

شروع میں بیان کیا گیا ہے کہ تصوف کی دوسری بنیادی چیز تولید مقامات ہیں یہ مقامات سلوک ہیں اور مشاہدہ کے مقامات سے مختلف ہیں۔ ان سے مراد توبہ۔ زہد صبر۔ شکر۔ رجا۔ خوف۔ توکل۔ رضا۔ فقر و محبت ہے۔ انکی کسی قدر توضیح و تشریح ذیل میں کی جاتی ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ ان مقامات سے اہل تصوف کی مراد کیا ہے۔

توبہ

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ خدا کے راستہ کے سالکوں کا پہلا مقام توبہ ہے۔ خدائے عزوجل فرماتا ہے یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا۔ پھر فرماتا ہے تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعًا اَیُّھَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ احادیث میں بھی اسکے ہم معنی مضامین وارد ہیں مثلاً ما من شیئٍ احب الی اللّٰہ من شاب تائب۔ التائب من الذنب کمن لاذنب له لوگوں نے حضرت سرور کائنات علیہ التحیۃ والصلوٰۃ سے پوچھا کہ توبہ کی علامت کیا ہے فرمایا شرمندگی۔ الندام توبۃ حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ اس قول میں توبہ کی سب شرطیں موجود ہیں یعنے۔ ایک شرط یہ ہے کہ گناہ کیطرف سے طبیعت میں مخالفت پیدا ہو اور دل اندوہ اور غم کھائے۔ دوسری ترک توبہ کے حال میں ذلت کا ہونا۔ تیسرا گناہ پر لوٹنے کے ارادہ سے باز رہنا۔

حضرت سہیلؒ بن عبداللہ کا قول ہے کہ التوبۃ ان لا تنسٰی ذنبك حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ التوبۃ ان تنسی ذنبك حضرت داتا گنج رحؒ توبہ کی تین قسمیں بیان فرماتے ہیں۔ ایک خطا سے صواب پر۔ والذین اذا فعلوا فاحشۃ او ظلموا انفسھم

ذکروا اللہ فاستغفروا اللہ نوبھی دوسری صواب سے صواب پر جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ تُبْتُ اِلَیْکَ۔ تیسری قسم یہ ہے کہ اپنی خودی سے حق تعالیٰ کیطرف رجوع ہو اور اسکے سامنے توبہ کرے۔ جیسا کہ حضرت سرورِ کائنات علیہ التحیۃ و الصلوٰۃ فرماتے ہیں کہ انی کنت لا استغفر اللہ فی کل یوم سبعین مرۃ اسی کو مولانا روم اپنے دلکش طریقے پر بیان کرتے ہیں ؎

گر سیہ کردی تو نامہ عمرِ خویش — توبہ کن زانہا کہ کردستی تو پیش
عمر اگر بگذشت بیخش این دم است — آب توبہ دہ اگر او بے نم است
بیخ عمرت را بدہ آبِ حیات — تا درختِ عمر گردد باثبات
جملہ ماضیہا ازو نیکو شوند — زہرِ پارینہ ازو گردد چو قند

زُہد

زہد رغبت کی ضد ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ افضل الناس مومن مزھد اس سے مراد یہ ہے کہ لذائذ دنیوی اور اتباع نفس سے پرہیز کیا جائے۔ حضرت عمر رضؓ کا قول ہے کہ ان الدنیا خضرۃ حلوۃ فمن اخذھا بحقھا کان قمنا ان یبارک لہ فیہ ومن اخذھا بغیر ذالک کان کالآکل الذی لا یشبع۔ قرآن پاک میں پروردگار عالم حضور پرنور صلعم کو یوں تعلیم فرماتا ہے۔ لا تمدن عینیک الیٰ ما متعنا ازواجا منھم زھرۃ الحیوٰۃ الدنیا۔ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

آرزو بگذار تا رحم آیدش — آزمودی کہ چنیں می بایدش
آرزو جستن بود بگریختن — پیش عدلش خون تقویٰ ریختن
ایں جہان دام است و دانہ اش آرزو — در گریز از دانہائے دام او
دام را بدراں رہا کن دانہ را — باز کن درہائے تو این خانہ را

صبر

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ بغیر صبر کے توبہ درست نہیں ہوتی۔ یہی نہیں بلکہ کوئی فریضہ بغیر اسکے ادا نہیں ہو سکتا اور نہ کسی معصیت سے اسکے بغیر خلاصی ملتی ہے یہی وجہ ہے کہ جب حضور سرور کائنات صلعم سے پوچھا گیا کہ ایمان کیا ہے تو آپ نے جواب دیا کہ صبرؔ قرآن پاک میں پروردگار عالم نے تقریباً ستر جگہ اس کا ذکر فرمایا ہے اور بے انتہا نعمتیں اسکے انعام میں عطا فرمائے ہیں انما یوفی الصابرون اجرهم بغیر حساب۔ حدیث شریف میں ہے کہ ان اقل ما اوتیتم الیقین وعزیمة الصبر۔ جس کسی کو یہ دو نعمتیں یعنے یقین و صبر عطا ہوئیں اگر وہ نمازیں زیادہ نہیں پڑھتا اور روزے زیادہ نہیں رکھتا تو کوئی حرج نہیں سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ صبر کی ایمان سے وہی نسبت ہے جو سر کی تن سے ہے اور صبر خواص انسانی میں سے ایک خاصیت ہے جو نہ بہائم میں ہے اور نہ ملک میں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔ الصبر صبران احدهما افضل من الآخر۔ الصبر فی المصائب حسن وافضل منه الصبر عما حرم اللہ تعالیٰ ؎

صد ہزاراں کیمیا حق آفرید — کیمیائے ہمچو صبر آدم ندید

ما التصوف قال وجد ان الفرح — فی الفوادی عند ایتان الترح

شکر

یہ ایک ایسا مقام ہے جس کا درجہ بہت بلند ہے اور ہر شخص اس درجہ تک نہیں پہونچتا۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے وقلیل من عبادی الشکور۔ امام غزالی رح فرماتے ہیں کہ اس درجہ کی بزرگی اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اپنے ذکر کے ساتھ بیان فرمایا۔ فاذکرونی اذکرکم واشکروا لی ولا تکفرون۔ شکر ان نجات دینے والی صفتوں میں سے ہے جو راہ دین کے مقاصد و نہایتوں میں سے ہیں! امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ علم سے حال پیدا ہوتا ہے اور حال سے عمل رونما ہوتا ہے

شکر کا علم۔ نعمت کا پہچاننا ہے اور اس کا حال دل کی خوشی ہے اور عمل یہ ہے کہ خدائے جل و علیٰ کی جو مراد ہے اسکے لئے نعمت کو کلام میں ملائے اور یہ عمل دل اور زبان و تن تینوں سے تعلق رکھتا ہے ؎

شکر جان نعمت و نعمت چو پوست ۔ زانکہ شکر آرد ترا تا کوئی دوست
نعمت آرد غفلت و شکر انتباہ ۔ صید نعمت کن بدام شکر شاہ

رجا

حضرت الٰہیہ کے حجابات بہت بلند ہیں۔ جبتک کہ اُمید صادق نہ ہو اور لذت جمال کی لالچ نہ ہو یہ عقبات حجاب طے نہیں ہوسکتے ہر اس و ڈر کی عبادت سے خدائے جل و علیٰ کے فضل و کرم پر امید رکھکر عبادت کرنا بہتر ہے۔ اُمید سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنے گناہوں کی کثرت کیوجہ سے بہت ناامید سا ہو رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ ناامید مت ہو اس لئے کہ اسکی رحمت تیرے گناہوں سے عظیم تر ہے۔ مگر رجا اور امید اسی کا نام ہے کہ آدمی کچھ عمل خیر کرے اور بھلائی کی امید رکھے اور جو شخص بغیر بیج ڈالے ہوئے فصل کی اُمید رکھتا ہے اُسے حماقت کہتے ہیں امید نہیں کہتے۔

امام غزالیؒ ایک حکایت لکھتے ہیں کہ یحییٰ بن اکثم کو کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا کہ خدائے تعالیٰ نے تمھارے ساتھ کیا کیا۔ انھوں نے کہا کہ مجھے سامنے کھڑا کرکے پوچھا کہ تو نے ایسا کیا اور ایسا کیا۔ میں بہت ڈرا اور کہنے لگا کہ بارخدایا تیری خبر لوگوں نے مجھے کچھ اور ہی دی تھی۔ ارشاد ہوا کہ کیا خبر دی تھی۔ کہا کہ مجھ سے عبدالرزاق نے بیان کیا۔ ان سے معمر نے کہا۔ معمر سے زہری نے کہا۔ ان سے انسؓ نے کہا۔ انسؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان سے حضرت جبرئیلؑ نے کہا۔ اور جبرئیل نے تجھ سے روایت کی کہ انا عند ظن عبدی بی۔ جیسا بندہ میری طرف گمان رکھتا ہے میں اسکے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرتا ہوں۔ مجھے تجھسے امید تھی کہ مجھ پر رحم فرمائے گا۔

ارشاد ہوا کہ جبریل نے سچ کہا۔ رسول اللہ نے سچ کہا۔ انسؓ نے سچ کہا۔ زہری نے سچ کہا۔ معمر نے سچ کہا عبدالرزاق نے سچ کہا۔ میں نے تجھ پر رحمت کی ؎

ازچنیں محسن نہ شاید ناامید — دست در فتراک ایں رحمت زنید
کوئی ناامیدی مرو امیدہاست — سوی تاریکی مرو خورشیدہاست

خوف

خوف و رجا دو بازو ہیں جنکی مدد کے بغیر سالک مقامات محمود کو طے نہیں کر سکتا۔ جس طرح لذت جمال کی اُمید قطع عقبات حجاب میں کام آتی ہے اسی طرح جبتک دل میں دہشت نہیں ہوتی شہوات و خواہشات نفسانی سے جو دوزخ کیطرف لیجاتے ہیں آدمی بچ نہیں سکتا۔ خوف ایک بہت بزرگ مقام ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء۔ رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ ذالک لمن خشی ربہ۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ راس الحکمۃ مخافۃ اللہ تعالیٰ۔ خوف کے ثمرات عفت۔ ورع وتقویٰ ہیں اور یہ سب سعادت کے تخم ہیں۔ مولانا روم ؎

ہر کہ ترسید از حق وتقوے گزید — ترسد از وے جن و انس و ہر کہ دید
ہر کہ ترسد مر ورا ایمن کنند — مر دل ترسندہ را ساکن کنند

توکل

مقربین کے مقامات میں سے یہ ایک مقام ہے اور اس کا بڑا درجہ ہے لیکن امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اسکا علم مشکل اور اسکا عمل دشوار ہے۔ دشواری کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی شئے میں حق تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو موثر قرار دیگا تو توحید میں نقصان واقع ہوگا۔ اور اگر اسباب کو درمیان سے اُٹھا دیگا تو شریعت میں مطعون سمجھا جائے گا۔ اس لئے توکل کے معنے یہ سمجھنا چاہئیں کہ وہ دل کے احوال میں سے ایک حالت کا نام ہے جو توحید باری تعالیٰ اور اسکے کمال لطف پر ایمان لانے کا ثمرہ ہے۔

دل کو جب وکیل مطلق پر اعتماد کامل ہو جاتا ہے اور اسکے وجہ سے آرام حاصل ہوتا ہے
اور اسباب ظاہری کے شکستہ ہو جانے سے اس میں خلل نہیں پڑتا تو یہ حالت پیدا
ہوتی ہے۔ توکل کے تین درجے ہیں۔ ایک یہ کہ آدمی کا حال اس شخص کیطرح ہو جس نے
کسی خصومت میں کسی شخص کو اپنا وکیل مقرر کیا ہے اور اس پر اعتماد رکھتا ہے۔ دوسرے
اس چھوٹے بچہ کیطرح اسکا حال ہو جو ہر چیز میں اپنی ماں کیطرف رجوع کرتا ہے۔ تیسرا
درجہ یہ ہے کہ مردہ کے مانند اس کا حال ہو جسے غسال جسطرح چاہتا الٹتا پلٹتا ہے۔
مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ توکل کی بنیاد شرع پر ہے۔ اگر کوئی شخص بیمار ہو اور دوا
نہ کرے اور کہے کہ میں متوکل ہوں تو یہ اسکی غلطی ہے اس لئے کہ یہ شرع کے خلاف ہے
حق تعالی نے توکل کو شرط ایمان قرار دیا ہے۔ وعلی اللہ فتوکلوا ان کنتم مومنین
اور متوکلین کو دوست رکھتا ہے۔ ان اللہ یحب المتوکلین پھر خود فرماتا ہے۔
الیس اللہ بکاف عبدہ۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو کوئی خدائے عزوجل کی
پناہ میں آتا ہے تو خدائے تعالی اسکے تمام تکالیف دور فرما دیتا ہے اور ایسی جگہ
سے اُسے روزی پہونچاتا ہے کہ اُسے سان وگمان بھی نہیں ہوتا۔ مولانا روم ؒ

گر توکل میکنی در کار کن ۔۔۔ کسب کن پس تکیہ بر جبار کن
گفت پیغمبر ؐ بآواز بلند ۔۔۔ بر توکل زانوے اشتر بہ بند

رضا!

رضا کے دو پہلو بیان کئے گئے ہیں۔ ایک خدائے بزرگ برتر کی رضا بندے
سے۔ دوسری بندہ کی رضا خدائے بزرگ و برتر سے۔ رضی اللہ عنھم
ورضوا عنہ۔ اول الذکر سے مراد ہے حق تعالی کا ارادہ کہ اپنے بندہ کو ثواب و
نعمت کرامت فرمائے اور آخر الذکر سے مراد ہے اسکے فرمان پر بندہ کا ثابت
قدم رہنا۔ اور اسکے حکم پر سر تسلیم خم کرنا۔ بعض کا قول ہے کہ شرط رضا یہ ہے کہ
کوئی دعا نہ کرے۔ جو کچھ پاس نہیں ہے اسے نہ مانگے اور جو ہے اسپر راضی رہے

حتیٰ کہ فسق و معصیت سے بھی انکار نہ کرے اور قضائے الٰہی سمجھکر اُس پر بھی راضی رہے امام غزالیؒ فرماتے ہیں یہ قول درست نہیں ہے۔ خود رسول اللہ صلعم نے دعا فرمائی ہے اور لوگوں کو دعا کرنے کی ترغیب دی ہے اور معصیت پر راضی ہونا اس شئے پر راضی ہونا ہے جسے خدائے عزوجل ناپسند فرماتا ہے مثلاً جس مقام پر معصیت غالب ہو اور اندیشہ ہو کہ وہاں سے نہ بھاگے گا تو بلا و عقوبت میں گرفتار ہوگا۔ وہاں سے بھاگنا ضروری ہے اور وہاں کے قیام پر قضائے الٰہی سمجھکر راضی رہنا سخت غلطی ہے خدائے بزرگ و برتر فرماتا ہے۔ ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا۔ مگر بندہ کے رضا کا قیام خدا کے رضا پر منحصر ہونا چاہیئے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ رضا قضا کے وارد ہونے سے پہلے درست نہیں ہوتی حضور پر نور صلعم نے دعا فرمائی ہے کہ اسألک الرضا بعد القضاء اور رضا کا ارادہ عین رضا نہیں ہوتا حضرت حارث محاسبیؒ کا خیال ہے کہ رضا مقام نہیں ہے بلکہ حال ہے۔ اسی لئے وہ فرماتے ہیں کہ الرضا سکون القلب تحت مجاری الاحکام۔ مگر مشائخ عراق کا قول ہے کہ رضا ایک مقام ہے اور یہ توکل کے نہایت ہے۔ مولانا روم۔

بر قضا کم نہ بہانا اے جوان ۔۔۔ جرم خود را چوں نہی بر دیگراں
بل قضا حق است جہد بندہ حق ۔۔۔ ہیں مباش اعور چو ابلیس خلق
گر قضا صد بار قصد جان کند ۔۔۔ ہم قضا جانت دہد درمان کند
مردہ باید بود پیش حکم حق ۔۔۔ تا نیاید زخم از رب الفلق

فقر

حضرت داتا گنج بخشؒ نے فقر کی تعریف یہ فرمائی ہے کہ فقر ما سوا سے دل کے فراغت کا نام ہے فقر کے معنے متاع کے قلت کے ہیں اور متاع سب خدا کے ملک ہیں پس جب طالب نے ملک کو ترک کرنا چاہا اور دونوں جہان سے صفر الیدین ہوگیا۔ تو شرکت درمیان سے اُٹھ گئی اور دونوں رسموں سے فراغ ہوگیا۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ لیس الفقیر

من خلا من الزاد وانما الفقیر من خلا من المراد۔ حضرت یحییٰ معاذ کا قول ہے
کہ علامت الفقیر خوف الفقر۔ پس فقر کے صحیح ہونے کی علامت حضرت داتا گنج بخش رح
یہ بتاتے ہیں کہ فقیر وہ ہے جو ولایت کے قائم ہونے اور مشاہدے کے قائم رہنے اور صفت کے
فنا ہونیکے باب میں ڈرتا ہے کہ ایسا نہو یہ منقطع ہوکر مفقود ہو جائیں۔ حضرت شبلیؒ کا قول ہے کہ
الفقیر من لا یستغنی بشئی دون اللہ یعنے فقیر وہ ہے جس کا غنی جسکا آرام
جسکی مراد سب اللہ ہو اور اسکے سوا کچھ نہو۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں۔ الفقر خلو القلب
عن الاشکال یعنے فقیر کو چاہیئے کہ اسکا دل شکل کے اندیشہ سے خالی ہو تب کہیں
غیریت دور ہوگی۔ حضرت داتا گنج بخش رح فرماتے ہیں کہ میں نے مدعیونکا ایک گروہ دیکھا جو
سمجھتا تھا کہ اپنے وجود کی نفی کرنا عین فقر ہے۔ ایک ایسا گروہ اور دیکھا کہ فقر کی حقیقت
میں جو نفی بیان کی گئی ہے اس سے نفی صفات مراد لیتے تھے ایک گروہ اور دیکھا کہ
طلب حق وحقیقت کی نفی کو فقر کہتے تھے اور ایک گروہ دیکھا جو کل کی نفی کرتا تھا۔ یہ
سب اپنے اپنے درجہ میں فقر سے حجاب میں تھے ؎ مولانا روم

آدمی را عجز وفقر آمد اماں	از بلائے نفس پُر حرص وغماں
فقر ازاں رو فخر آمد جاوداں	کہ بہ تقویٰ ماند دست نارساں
چوں فناش از فقر پیرایہ شود	او محمدؐ وار بے سایہ شود

محبت

حق تعالیٰ کی محبت تمام مقامات سے اعلیٰ تر مقام ہے بلکہ سب مقامات کا مقصود یہی ہے
بندہ کا کمال اس میں ہے کہ حق تعالیٰ کی محبت اسکے دل پر غالب ہو۔ یحبّھم ویحبونہ۔
محبت کی شناخت اس قدر مشکل ہے کہ بعض متکلمین نے اس سے انکار ہی کر دیا و
محبت الٰہی کے معنے فرمانبرداری کے لئے ہیں۔ لیکن انہیں اصل دین کی خبر نہیں۔
حدیث شریف میں ہے کہ ایمان اسوقت تک درست نہیں ہوتا جبتک کہ آدمی خدا
ورسول کو ما سوا سے دوست تر نہ رکھے۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ہے

اللھم ارزقنی حبک وحب من احبک وحب ما یقربنی الی حبک واجعل حبک احب الیّ من الماء البارد۔ جو شخص حق تعالیٰ کو دوست رکھتا ہے۔ ہر چیز کو جو اس سے نسبت رکھتی ہے دوست رکھتا ہے۔ کل کائنات میں اسی کا جلوہ دیکھتا اور سب سے محبت کرتا ہے کسی سے اسکی دشمنی نہیں ہوتی۔ زن و فرزند کی محبت میں لذائذ کی حلاوت میں کائنات کے حسن میں محب کو خدا ہی کا جلوہ نظر آتا ہے۔ انسان کا شرف اسمیں ہے کہ مصنوع میں صانع کا جلوہ دیکھے لیکن مصنوع کی محبت میں پھنس کر نہ رہ جائے بلکہ مصنوع سے قطع نظر کر کے صانع کی محبت کو اپنے دل میں جگہ دے۔ حضرت مخدوم شرف الدین یحییٰ منیریؒ فرماتے ہیں کہ خدائے عز وجل کی محبت بندہ کے ساتھ یہ ہے کہ اُسے بکثرت نعمتیں عطا فرماتا ہے۔ دنیا و عقبیٰ میں ثواب دیتا ہے محل عقوبت سے ایمن کرتا ہے۔ گناہوں سے بچاتا ہے۔ احوال رفیعہ اور مقامات عالیہ کرامت فرماتا ہے۔ بندہ کے سر میں اگر غیر کیطرف التفات ہوتا ہے تو وہ دور کر دیتا ہے اور عنایت ازلی اسکے شامل حال فرماتا ہے تاکہ کُل سے مجرد ہو کر خدائے عز وجل کے رضا کی طلب میں یگانہ ہو جائے اور بندہ کی محبت خدائے عز وجل کیطرف یہ ہے کہ اسکی تعظیم و تکریم اسکے دل پر غالب ہو جائے اسکی رضا ہر آن اور ہر بات میں ڈھونڈھتا رہے اور اسکی لقا کے لئے بے صبر ہو اور اسکے سوا کہیں اسے آرام نہ ملے۔ اسی کے ذکر کی عادت ہو جائے۔ دوسرے کا ذکر پاس نہ پھٹکے اور تمام مالوفات و مستانسات سے منقطع ہو کر محبت خداوندا اسکے دل پر غالب ہو جائے۔ آپ فرماتے ہیں کہ "اسم عشق بر غایت دوستی و کمال محبت رونده نہند۔ تا می پرستد عابد گویند و تا میداند عاقل گویند و تا می شناسد عارف گویند و تا از غیر احتراز می کند زاہد گویند و تا بصدق قصد او می کند مخلص گویند و تا در دوستی قدم نہد مشتاق گویند و چوں در رضاے او جملہ آفریدہا براند از خلیل گویند و تا در شہود او وجود خویش بذل می کند حبیب گویند۔ چوں چناں شود کہ فنا و بقاء خویش را یکبارگی در وجود دوست تلف کند عاشق گویند۔ مولانا روم ؎

عاشق تصویر و وہم خویشتن   کے بود چوں عاشقان ذو المنن

جملہ معشوق ست و عاشق پردۂ زندہ معشوق ست و عاشق مردہ
علت عشق از ہمہ علت جدا ست عشق اصطرلاب اسرار خدا ست

اسلام میں کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا جو اہل تصوف سے خالی رہا ہو اور انھوں نے اپنے اصحاب و مریدین کی تربیت و تزکیہ نفس میں سعی نہ کی ہو۔ شاہ ولی اللہ رح فرماتے ہیں کہ سلسلہ صوفیہ کی ابتدا حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی ہے اور یہ سلسلہ آپکے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے واسطہ سے اسوقت تک جاری ہے۔ صحابہ و تابعین و تبع تابعین کے زمانہ میں بیعت و خرقہ کی رسم نہ تھی۔ صرف لوگ صحبت میں رہا کرتے تھے اور کبھی ایک ہی بزرگ کی صحبت میں رہتے اور کبھی متعدد شیوخ کی صحبت میں فیض حاصل کیا کرتے اور متعدد سلاسل سے رابطہ رکھتے تھے لیکن جسکے پاس زیادہ زمانہ بسر ہوتا اور جسکے اثر صحبت کو اپنے نفس میں غالب پاتے اسی سے اپنا سلسلہ قائم کرتے اور یہ مشہور ہوتا کہ یہ فلاں کے اصحاب ہیں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو طاہر رح نے جو میرے شیخ تھے شیخ حسن العجمی المکی کے حوالہ سے بیان فرمایا ہے کہ انھوں نے اپنے شیخ حضرت شیخ عیسیٰ مغربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا کہ اگر کسی طالب کا ایک شیخ ہو تو آیا وہ کسی دوسرے شیخ کیطرف رجوع کرسکتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں باپ ایک ہی ہوتا ہے لیکن چچا کئی ایک ہوتے ہیں۔ چنانچہ صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین نے اسی طرح کبھی صرف ایک کی صحبت اختیار کی اور کبھی متعدد مشائخ کی۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر رض کی صحبت سے بہت سے بزرگوں نے جو باوجودیکہ ذات نبوی صلعم سے فیضان حاصل کرچکے تھے فیض صحبت حاصل کیا اور دوسروں نے ان سے فیض صحبت حاصل کیا علیٰ ہذا القیاس اسی طرح حضرت عبداللہ ابن مسعود رض جو کبار صحابہ میں سے تھے اور رسول پاک صلعم نے انھیں بڑی بڑی بشارتیں دی تھیں اور ذات پاک نبوی (صلعم) سے برسوں فیضان حاصل کیا تھا اور صاحب سواک اور صاحب مطہرہ کہلاتے تھے انھوں نے حضرت عمر رض سے فیض حاصل کیا۔ یہ فرماتے ہیں کہ اگر حضرت عمر رض کا علم ایک پلہ میں رکھا جائے اور قبائل عرب کا علم دوسرے پلہ میں تو حضرت عمر رض کا پلہ

جھک جائے گا۔ پھر فرماتے ہیں کہ لقد کانوا یرون انہ (یعنے حضرت عمرؓ) ذھب بتسعۃ اعشار العلم والمجلسؓ کنت اجلسہ من عمر اوثق فی نفسی من عمل سنۃ یزید کہا کرتے تھے لوسلک الناس وادیا وسلک عمر شعبا سلکت شعب عمر باوجود صحبت ذات پاک نبوی (صلعم) کے حضرت عمرؓ کی صحبت بھی انھوں نے اٹھائی اور اس صحبت کی تاثیر اپنے دل میں پائی جو انکے کلام سے ظاہر ہوتی ہے جن لوگوں نے آپسے فائدہ حاصل کیا وہ اصحاب عبداللہ ابن مسعود کہلائے لیس لھم سمۃ الاھذا اصحبوا طویلا واجلوہ جمیلا واثنوا علیہ جزیلا۔ ان میں سے علقمہ بن قیس۔ اسود بن یزید النخعی۔ عمر بن میمون الاودی اور ربیع بن خثیم وغیرہ تھے ان بزرگوں کے بھی اصحاب تھے مثلاً ابراہیم النخعی۔ ابواسحاق السبیعی۔ اعمش اور منصور رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ ان بزرگونکی صحبت میں جو لوگ بیٹھے وہ انکے اصحاب کہلائے مثلاً حضرت سفیان ثوری۔ فضیل بن عیاض وغیرہم۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

اسی طرح حضرت عثمان غنی ذوالنورینؓ اور حضرت سیدنا و مولانا شیر خدا علی مرتضی ابن ابی طالب کرم اللہ تعالی وجہہ کی صحبت میں جو بزرگ رہے وہ انکے نام سے منسوب ہوئے مثلاً حضرت سلمان فارسیؓ۔ حضرت محمد بن ابوبکرؓ۔ حضرت خواجہ حسنؒ بصری۔ حضرت خواجہ کمیل ابن زیادؒ۔ یہ سب حضرت شیرؓ خدا کی صحبت سے مستفید ہوئے اور آپکے صحابی کہلائے اور آپ سے انکا سلسلہ جاری ہوا اور اسوقت تک چلا آرہا ہے۔

حضرت سرور کائنات علیہ التحیۃ والصلوٰۃ کے زمانہ میں قرآن پاک کی تعلیم اور آپکی صحبت مبارک مسلمانوں کے تزکیہ اور تربیت نفس کی باعث ہوتی تھی۔ جب آپ رفیق اعلی کیطرف تشریف لے گئے تو قرآن چھوڑا جو الحمد للہ ابتک بجنسہ موجود ہے اور ایک امت چھوڑی جو صحابہ تھے۔ ان سے فیضان صحبت کا سلسلہ شروع ہوا جو ابتک موجود ہے۔ تکمیل دین کے لئے جس قدر قرآن پاک کی تعلیم ضروری ہے اسی قدر ایک مرد خدا کی صحبت بھی ضروری ہے تاکہ احکام الہی پر صحیح طور سے عمل کرنیکی توفیق نصیب ہو۔ بعض لوگ ان دونوں کو لازم ملزوم نہیں سمجھتے اور صرف قرآن پاک کو کافی سمجھتے ہیں

مگر یہ نہیں دیکھتے کہ اسکی شان میں آیا ہے کہ یھدی بہٖ کثیرا ویضل بہٖ کثیرا۔
قرآن پاک کے مطالب و معانی پر اسی وقت عبور ہو سکتا ہے جبکہ طالب علوم دینی کا عالم اور عامل ہو اور پھر کسی ایسے شخص کی صحبت میں اس نے کچھ زمانہ گزارا ہو جو خود بھی قرآن پاک کا عالم و عامل ہو اور اُن لوگوں کا صحبت یافتہ ہو جنکا سلسلہ فیضان صحبت حضرت سرور کائنات علیہ التحیتہ والصلوۃ تک پہونچتا ہے۔ اس صحبت سے طالب کو تصحیح عمل کا موقعہ حاصل ہوگا جو بہت ضروری ہے۔

حضرت مخدوم شرف الدین یحیٰی منیری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "بسے مجاہدت و ریاضت آنجا نرساند کہ صحبت یکروزہ ایں طائفہ ؎

مور مسکین ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد　　دست در پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

اسی صحبت کا اثر تھا کہ جاہل عرب تمام عالم سے بزرگ تر ہوگئے اور رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کی بشارت کے مستحق قرار پائے۔

امام قشیریؒ فرماتے ہیں کہ دور اسلام میں کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا جسمیں کوئی شیخ وقت موجود نہ رہا ہو اور علما و ائمہ وقت نے اسکے سامنے گردن خم نہ کی ہو۔ حضرت ابوالعباس ابن سُریج نے جب حضرت جنیدؒ کا کلام سنا تو کہا کہ جو کچھ جنیدؒ کہتے ہیں اسکو تو میں جانتا نہیں لیکن انکے کلام میں ایک رعب پایا جاتا ہے جو اہل باطل میں نہیں ہو سکتا۔ امام شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ اہل تصوف کے مرتبہ کے پہچاننے کے لئے ہمارے واسطے اسی قدر کافی ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص ہمارے نزدیک علم کے مقام میں کامل نہیں ہوتا جبتک کہ اسکا علم بغیر واسطہ نقل یا اسناد کے خدائے عز و جل کیطرف سے نہو کیونکہ جسکا علم نقل یا اسناد سے حاصل ہوتا ہے وہ برابر جدید چیزوں سے اخذ کرتا ہے اور اللہ والے لوگ اُسے خالی از علت نہیں سمجھتے اور جس نے جدید اشیاء اور انکی شناخت میں عمر گنوائی اس نے اپنا حصہ خدائے عز و جل کے پاس کھو دیا۔ اس لئے کہ "وہی ان علوم میں جو جدید (نو پیدا) چیزوں سے علاقہ رکھتے ہیں اپنی عمر کو فنا کر دیتا ہے:۔ اور انکی حقیقت کو نہیں پہونچتا۔ بھائی جان اگر تم اہل اللہ میں سے کسی شیخ کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلوک اختیار کرو تو وہ تم کو حق تعالیٰ سے

درگاہ تک پہونچا دیگا اور وہاں سے تم اشیاء کا صحیح علم الہام کے طریقہ سے حاصل کروگے جسمیں نہ مشقت ہے نہ ماندگی ہے اور نہ بے خوابی ہے جیساکہ خضر علیہ السلام نے حاصل کیا ہے اور علم وہی علم ہے جو کشف وشہود سے حاصل ہو نہ کہ وہ جسکی بنیاد نظر وفکر وگمان وقیاس پر ہو"

حضرت مخدوم شرف الدین یحییٰ منیریؒ فرماتے ہیں کہ علم دو نوع کا ہوتا ہے۔ ایک کسبی جسے استادوں سے یا کتابوں کے مطالعہ سے حاصل کرتے ہیں اور دوسرا علم وہ ہوتا ہے کہ سینہ کے اندر ظاہر ہوتا ہے۔ یہ بھی دو قسم کا ہے ایک وہ جو درگاہ بے نیاز سے پیغمبران علیہم الصلوٰۃ والسلام کے دلوں میں اُترتا ہے۔ اِسے وحی کہتے ہیں یا وہ جو اولیاء اللہ قدس اسرارہم کے دلوں میں من اللہ وارد ہوتا ہے اسے الہام کہتے ہیں اور دوسری قسم وہ ہے کہ پیغمبران علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واسطہ سے صدیقوں کے سینوں اور پیرونکے واسطہ سے مریدوں کے سینوں میں حاصل ہوتا ہے۔ یہ تمام سعادت کا سرچشمہ ہے۔ یہ علم صوفیونکا علم ہے۔ اور اس کے حاملین اہل تصوف ہیں انکی صحبت فرض ہے جو علماء آخرت ہیں نہ علماء دنیا تاکہ هم یخرجهم من الظلمات الی النور کی نعمت کے مستحق قرار پائیں۔

شیخ ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ صوفیوں کے علم تک پہونچنے کا راستہ ایمان وتقویٰ ہے جو معنی یہ لوگ کتاب وسنت کی بیان کرتے ہیں وہ بناوٹی نہیں ہیں اور نہ اسے "احالہ" کہا جا سکتا ہے۔ بلکہ وہ ایسے معانی ہیں جو آیت وحدیث کو پڑھتے وقت ان پر منجانب اللہ منکشف ہوئے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ ہر آیت کا ظاہر وباطن وحد ومطلع سات بطن (تک) ہے اس لئے انکے معانی پر اعتراض کرنا واجب نہیں۔ اللہ جلشانہ اور رسول خدا صلعم سے کلام کا احالہ (یعنے اسکے معنی کو دوسری طرف کھینچکر لیجانا) اسوقت ہوتا جبکہ وہ کہتے کہ اس آیت وحدیث کے معنی اسکے سوا جو ہم کہتے ہیں اور کوئی نہیں ہیں۔

امام شاذلیؒ فرماتے ہیں کہ اس گروہ کو اللہ جلشانہ نے عوام الناس اور جھگڑالو لوگوں کے ساتھ مبتلا کر دیا ہے اور امام شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ عوام الناس اور جھگڑالوؤنکا دل کسی خاص ولی کی تصدیق کیطرف رجوع ہوا ہو۔ اولیاء اللہ کے وجود سے وہ انکار نہیں کرتے مگر کہتے ہیں کہ معلوم نہیں وہ کہاں ہیں۔ ایسا شخص جو

تعصب میں مبتلا اور خواہ مخواہ کا جھگڑا ہو اس سے بہت پرہیز کرنا چاہیئے۔ خدا نے اپنے خاص بندوں کو اس ابتلا میں اس لئے ڈالا ہے کہ وہ اُسی کیطرف رجوع رہیں۔ اور عام لوگوں کیطرف جھک نہ جائیں۔ لیکن جب وہ اپنی انتہائی سیر کے بعد بردباری۔ درگزر اور عیب پوشی کی خلعت سے سرفراز ہوکر آتے ہیں تو خلق اللہ کی رہنمائی اختیار کرتے ہیں اور اس کام میں جو اذیتیں اٹھانے پڑتی ہیں سب خوشی خوشی برداشت کرتے ہیں۔

امام شعرانی رح فرماتے ہیں کہ اولیا، اللہ کی شناخت سے سب سے بڑھکر باز رکھنے والا مماثلت اور مشابہت کا خیال ہے۔ یہ خیال بہت بڑا حجاب ہے جس نے بہت سے اولین وآخرین کی راہ ماری ہے لیکن جب اللہ جلشانہ چاہتا ہے کہ اپنے کسی بندہ کو اپنے کسی ولی سے ملائے تاکہ اس سے ادب سیکھے اور اخلاق میں اسکی پیروی کرے تو اسکی بشریت کا رُخ اسکی طرف سے پھیر دیتا ہے اور اسکی خصوصیت کا پہلو اسکے سامنے ظاہر کر دیتا ہے۔

بعض اولیاء اللہ کا کلام فلاسفہ اور معتزلہ کے کلام کے مطابق معلوم ہوتا ہے مگر غور کرنے والے کو چاہیئے کہ جبتک انکے دلیلوں کو غور و تامل سے نہ دیکھ لے اسوقت تک انکار نہ کرے۔ سید محمد مغربی شاذلی رح فرماتے ہیں کہ گروہ صوفیہ کا طریقہ شہود و اثبات ایسے عقائد پر مبنی ہے جو بعض حالات میں معتزلیوں کے طریقہ کے قریب ہو جاتا ہے اور وہ حالت یہ ہے کہ جمال ذات کی وحدت کے شہود میں غلبت صفات کے شہود کی حالت ہے یہانتک کہ گویا صفات سرے سے ہیں ہی نہیں اور اگرچہ اور حالت اس سے بلند تر بھی ہے لیکن یہ حالت عزیزالمرام سخت مبہم اور مذہب معتزلہ کے مشابہت کے باعث جلیل القدر بزرگوں کی نسبت سوء ظن میں مبتلا کرنے والی ہے۔ اور اس حالت میں کوئی شبہ نہیں ہے اس سبب سے سالک کو اس سے آگاہ رہنا اور گروہ صوفیہ کی نسبت بدگمانی سے پرہیز کرنا چاہیئے کیونکہ یہ بڑے مہلکات میں سے ہے۔

شیخ محی الدین رح فرماتے ہیں کہ عارفوں کے دلوں پر نفحات الہیہ کی نسیم اکثر چلا کرتی ہے۔ پس اگر انکو زبان پر لائیں تو عارفان کامل ان کو جہل کیطرف منسوب کریں اور دلیل والے اہل ظاہر انکی تردید کرنے لگیں۔ حالانکہ یہ سب خیال نہیں کرتے اللہ تعالیٰ

جس طرح اپنے اولیاء کو کرامت عطا فرمائی ہے جو معجزات کی فرع ہے اسی طرح کیا انکی زبانیں ایسے کلام ادا نہیں کر سکتیں جنکے سمجھنے سے علماء عاجز ہوں۔ امام شعرانی رح فرماتے ہیں کہ جسے اس قول میں شک ہو اسے چاہیئے کہ شیخ محی الدینؒ کی کتاب المشاہد یا سید محمد وفی کی کتاب الشعائر یا ابن قسی کی کتاب لنعلین یا ابن العربی کی کتاب عنقاء مغرب پر نظر ڈالے۔ شیخ عزالدین بن عبدالسلام رح جب شیخ ابوالحسن شاذلی رح کی صحبت میں آئے تو فرقہ صوفیہ کو مان لینے کے بعد کہا کرتے تھے کہ سب سے بڑی دلیل اس امر کی کہ صوفیہ کا گروہ دین کی سب سے بڑی بنیاد پر بیٹھا ہوا ہے وہ کرامات وخوارق عادات ہیں جو اُن سے واقع ہوتے ہیں۔ حالانکہ ان میں سے کوئی بھی کبھی کسی ایسے فقیہہ یا مولوی سے سرزد نہیں ہوتیں جو صوفیہ کے مسلک پر نہ چلتا ہو۔

امام یافعی روض الریاحین میں فرماتے ہیں کہ مجھے ان لوگوں پر سخت تعجب آتا ہے جو اولیاء کی کرامت کا انکار کرتے ہیں حالانکہ انکا ذکر آیتوں صحیح حدیثوں میں مشہور آثار اور معتبر حکایات میں اس کثرت سے موجود ہے کہ احاطۂ حصر سے باہر ہے۔

خدائے عزوجل نے اپنے دوستوں کو لوگوں کے انکار ومخالفت کی بلا میں ڈالا ہے یہ بھی انکے خصوصیات میں سے ہے۔ چنانچہ حضرت ابویزید بسطامیؒ کی نسبت منقول ہے کہ لوگوں نے سات مرتبہ انہیں شہر سے باہر نکالا۔ سمنون محبؒ پر ایک عورت نےجو اُن پر عاشق تھی اور اپنے مقصد میں ناکام رہی تھی حرامکاری کا دعویٰ کیا تھا اور وہ برسوں اسوجہ سے روپوش رہے یہانتک اللہ جلشانہ نے اس بلا کو ان سے دور کیا۔ لوگوں نے اسیطرح حضرت ابوسعید خراز پر تہمت لگائی اور علماء نے انکی تکفیر کا فتویٰ دیا۔ سہل ابن عبداللہ رح کو لوگوں نے انکے شہر سے نکالدیا اور صرف اتنی سی بات پر مولوی انسے خفا ہوگئے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہر سانس میں بندہ پر توبہ فرض ہے۔ غرضکہ ان بلاؤں میں ڈالکر خدائے عزوجل نے اپنے دوستوں کو خوب آزمایا ہے۔

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

سلہ۔ اے برادر ہزار ہزار ساجد و راکع تھی اور ہزار ہزار تسبیح و تحمید کرنے والے تھے۔ اسکے اسرار میں ہزار ہزار متحیر اور اسکے کار میں ہزار ہزار سوختہ تھے۔ لیکن ایک بے باک قوم کو اسنے خاک سے پیدا کیا اور تمام مطیعوں اور عابدوں کے مقابلہ میں اسی کو برگزیدہ فرمایا۔ نہ کوئی سابقہ خدمت تھی اور نہ کوئی مقدمہ شفاعت۔ اور ارشاد فرمایا کہ اے مشت خاک الست بربکم کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں۔ ایک ساعت میں ایک خرابات نشین کو اٹھا کر تکا اقبال و مشاہدہ ذوالجلال میں جگہ دیتا ہے اور ہردم خلعتیں کرامتیں اور قبول کے نعمتیں اور ہر لحظہ تحفہ وصول کے بخشش عطا فرماتا ہے اور ایک ساعت میں ایک مناجاتی کو رشتہ رو و حجاب و صد عتاب گردن میں ڈالکر دربار سے خارج کر دیتا ہے۔ واحسرتا کہ ایک کو بت خانہ سے لاتے ہیں اور طراز اعزاز قبول اسکے لباس پر مزین کرتے ہیں اور دوسرے کو مسجد سے باہر نکال کر رشتہ طرد دراسکے گردن میں ڈالدیتے ہیں جس طرح کہ اسکا لطف معروف بکار ہے اسکا قہر بھی مصروف بہ کار ہے ؎

غافل مرو کہ مرکب مردان مرد را	در سنگلاخ بادیہ پیہا بریدہ اند
نا امید ہم مباش کہ رندان بادہ نوش	ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

شاہ ولی اللہ صاحب قول الجمیل میں فرماتے ہیں کہ بعض کا یہ خیال ہے کہ صوفی جو بیعت لیا کرتے ہیں وہ کچھ نہیں ہے یاد رکھو کہ یہ گمان فاسد ہے اس لئے کہ نبی صلعم کبھی اقامت ارکان اسلام پر بیعت لیتے تھے اور کبھی تمسک بالسنہ پر اور محض قبول خلافت پر بیعت منحصر نہیں تھی۔ خلفاء راشدین کے زمانہ میں بسبب اسکے کہ اصحاب رسول صلعم کو تصفیہ باطن کے واسطے بیعت کی حاجت نہ تھی اور وہ صحبت نبوی صلعم میں نورانی ہو چکی تھی اسلئے ارکان اسلام اور تمسک بالسنہ پر بیعت لینے کا سلسلہ منقطع رہا اور خلفا کے سوا اور زمانہ میں اس سبب سے کہ مسلمانوں میں پھوٹ نہ پڑ جائے اور بیعت تصفیہ باطن سے بیعت خلافت کا گمان نہ ہو اور فساد پیدا نہ ہو جائے یہ سلسلہ بیعت متروک رہا۔ اُس زمانہ میں اہل تصوف بیعت لینے کے بجائے خرقہ دیا کرتے تھے۔ پھر جب ایک مدت کے بعد ملوک و سلاطین میں بھی رسم بیعت منقطع ہو گئی تو حضرات صوفیہ نے غنیمت جانکر سنت بیعت کو اختیار کیا یعنی ایک

سلہ مکتوب بست و دوم از مکتوبات مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری رحمہ۔

مردہ سنت کو زندہ کیا۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ بیعت سنت ہی واجب نہیں۔ اور سنت اسطرح یوں جاری ہے کہ امور خفیہ جو نفوس میں مضمر ہیں وہ افعال و اقوال ظاہری سے منضبط ہوں اور یہ افعال و اقوال امور قلبیہ کے قائم مقام ہوں مثلاً اللہ و رسول کی تصدیق ایک امر مخفی ہے اس تصدیق قلبی کا قائم مقام اقرار ایمان کو کیا گیا اور اسی اقرار پر ایمان کے احکام دائر ہوئے مثلاً حفاظت جان و مال اور وجوب نصرت مومن وغیرہ۔ اسی طرح توبہ اور عزم ترک معاصی وغیرہ امور مخفیہ ہیں جنکا قائم مقام بیعت کو کیا گیا اور ایفائے عہد اور حرمت عہد شکنی وغیرہ احکام اسی پر دائر ہوئے۔

بیعت کی تین قسمیں قرار دیگئی ہیں (۱) بیعت توبہ (۲) بیعت تبرک یعنی بقصد برکت صالحین کی سلسلہ میں داخل ہونا (۳) بیعت تاکد عزیمت یعنی امتثال اوامر و ترک مناہی ظاہر و باطن کے لئے خلوص کے ساتھ عزم مصمم کرنا اور اللہ جل شانہ سے دل لگانا۔ یہ تیسرا طریقہ اصل اصول ہے۔ اول الذکر دو قسم کی بیعتوںمیں ترک کبائر اور صغائر پر عدم اصرار اور طاعات مذکورہ جو واجبات و سنن موکدہ کی قسم سے ہوں انکو اختیار کرنا کافی ہے اور انپر مستعد نہ ہونا بیعت شکنی ہے لیکن تیسرے طریقہ میں بیعت سے مراد یہ ہے کہ اس ہجرت اور مجاہدہ و ریاضت پر مرید ہمیشہ قائم رہے حتی کہ نور سکینہ سے وہ منور ہو جائے اور یہ حالت اسکی عادت و جبلت ہو جائے اور اسمیں قبل نورانیت قلب خلل واقع ہونے سے قضا اور بیعت شکنی واقع ہوتی ہے۔

شاہ صاحب رح فرماتے ہیں کہ ہیئتہ نفسانیہ کے تحصیل کیطرف لیجانے والے جتنے راستہ ہیں ان سب کے مرجع کو صوفیہ نے نسبت۔ سکینہ اور نور کے نام سے موسوم کیا ہے۔ نسبت کا لفظ اس لئے استعمال کیا ہے کہ اسمیں اللہ عز و جل کیطرف ایک نسبت ہے اور اسکی حقیقت وہ کیفیت ہے جو نفس ناطقہ انسانی میں حلول کی ہوئی پائی جاتی ہے اور اسمیں عالم جبروت کیطرف نظر اور تشبہہ بہ ملائیکہ کی صورت ہوتی ہے یعنی بندہ جب طاعتوں۔ طہارتوں اور ذکر اذکار پر مداومت کرتا ہے تو اسمیں ایک

صفت پیدا ہو جاتی ہے جسکا قیام نفس ناطقہ کے ساتھ ہوتا ہے اور اس طرح عالم ملکوت سے ایک گونہ مشابہت ہو جاتی ہے اور اس توجہ کا ایک راسخ ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔ ان دو جنسوں یعنی تشبہہ بہ عالم ملکوت و نظر بہ عالم جبروت میں نسبت کی تقسیم ہوئی ہے اور انمیں سے ہر جنس کے تحت میں بکثرت انواع داخل ہیں مثلاً نسبت محبت و عشق میں۔ نسبت کسر نفس جسے نسبت اہل بیت بھی کہتے ہیں یعنی جس شخص کے قلب میں یہ صفتیں راسخ ہو جائینگی اُسے کہا جائے گا نسبت عشق یا نسبت کسر نفس حاصل ہوئی۔ اسی طرح نسبت مشاہدہ ہے جو مجرد وبسیط یعنی ذات مقدس کیطرف توجہ کرنے کا ایک ملکہ ہے۔ اشغال طرق سلاسل سے غرض اس نسبت کی تحصیل اور دواماً اسمیں ڈوبے رہنا ہے تاکہ نفس میں اس مواظبت و مشق دائمی سے ایک ملکہ راسخہ پیدا ہو جائے۔ لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ان اشغال کے سوا اور کسی طرح نسبت مذکورہ حاصل نہیں ہوتی ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے صلوٰۃ و تسبیح کی مواظبت اور خلوت میں خشوع و حضور کی محافظت سے نیز مواظبت تلاوت قرآن اور اسکی معانی پر غور کرنے سے اور اسی طرح دیگر اور طور پر نسبت حاصل کیا کرتے تھے۔ اسی سے انہیں تقرب الی اللہ کا ملکہ راسخہ اور ہئیات نفسانیہ حاصل ہو جاتی تھی۔ قادریہ۔ چشتیہ۔ اور نقشبندیہ وغیرہم تمام طرق سلاسل کے اشغال مخصوصہ گو صحابہؓ اور تابعینؒ کے زمانہ میں نہ تھے مگر جس مقصد کے لئے اولیاے طریقت رضی اللہ عنہم نے یہ اشغال مقرر کئے ہیں وہ زمانہ جناب رسالتمآب صلعم میں بھی وہی تھا اور اب بھی وہی ہے گو اسکی تحصیل کے طریقے مختلف ہیں یعنی جسطرح مجتہدین شریعت نے احکام ظاہر شریعت کے اصول مستنبط کئے اسی طرح اولیاے طریقت نے طریقت یعنی باطن شریعت کے اصول مستنبط کئے پس جسطرح اول الذکر کو بدعت نہیں کہہ سکتے اسی طرح آخر الذکر کو بھی بدعت نہیں کہا جا سکتا۔

اس نسبت پر مداومت کرنے سے سالک کے حالات نوبت بہ نوبت رفیع ہوتے جاتے ہیں۔ ان حالات کو غنیمت جاننا چاہیئے اس لئے کہ یہ علامات قبول طاعات ہیں مثلاً حق سبحانہ و تعالیٰ کی طاعت کو جمیع ماسوا کے طاعت پر مقدم جاننا۔ اللہ جل شانہ

کے خوف کا غلبہ اس طرح پر کہ بدن وجوارح پر اسکا اثر ظاہر ہونے لگے۔ رویائے صالحہ جسے حدیث میں نبوت کا چھیالیسواں حصہ بیان کیا گیا ہے۔ فراست صادقہ جسکے متعلق حدیث شریف میں وارد ہے کہ اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللّٰہ۔ اجابت دعا جو آدمی کی صحت ایمان۔ قبول طاعت اور اسکی قلب میں سرایت نور کی دلیل ہے جب سالک کو نسبت حاصل اور اسکی قلب میں ملکۂ راسخ ہوگیا تو فنا فی اللہ وبقا باللہ کیطرف عروج کرتا ہے لیکن یہ مرتبہ وہبی ہے نہ کہ کسبی اور خدائے عزوجل کے انعام واکرام پر منحصر ہے۔ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے عنایت فرمائے۔

ہندوستان میں جو سلاسل مشائخ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ وہ قادریہ چشتیہ نقشبندیہ ہیں۔ انکی بعض فروع بھی ہیں مثلاً سہروردیہ وفردوسیہ جو قادری طریقہ کے فروع ہیں۔ نظامیہ وصابریہ جو چشتی طریقہ کے فروع ہیں اور مجددیہ واحراریہ جو نقشبندی طریقہ کے فروع ہیں۔ ان بزرگوں کے سلسلوں میں صحبت شیخ۔ آداب طریقت وسلوک کے متصل سند جناب رسالت مآب صلعم تک ہے۔ مثلاً قادریہ طریقہ میں حضرت سیدی ملجائی وماوای غوث الصمدانی محبوب سبحانی ابو محمد محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام طریقت ہیں جسقدر سلاسل آپ تک پہونچتے ہیں وہ سب بواسطہ حضرت ابو سعید مخزومیؒ ابو الحسن قرشیؒ ابو الفرج طرطوسیؒ۔ ابو الفضل عبدؒ الواحد تمیمی شیخ عبد العزیز تمیمی۔ حضرت ابو بکر شبلیؒ۔ حضرت جنید بغدادی۔ حضرت عبد اللہ سری بن مغلس سقطی۔ حضرت معروف کرخی۔ حضرت داود طائی۔ حضرت حبیب عجمی۔ حضرت حسن بصری رحمہم اللہ علیہم اجمعین اور جناب مرتضی علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے جناب رسالت مآب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر منتہی ہوتے ہیں حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت انس خادم رسول اللہ صلعم اور حضرت کمیل بن زیاد اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ چاروں کی صحبت نصیب ہوئی ہے۔

چشتیہ طریقہ میں امام طریقت حضرت سیدی ومولائی خواجہ معین الدین سنجری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جنکا سلسلہ جناب رسالتمآب صلعم تک یہ ہے۔ خواجہ عثمانؒ ہارونی۔ حاجی شریف

زندنیؒ خواجہ مودود چشتیؒ خواجہ یوسف چشتی رح خواجہ محمد چشتی رح خواجہ ابو احمد چشتی رح خواجہ ابو اسحٰق رح شامی حضرت علو دینوری رح حضرت ابو ہبیرۃ البصری رح حضرت حذیفۃ المرعشیؒ حضرت ابراہیم ابنؒ ادہم حضرت فضیل ابنؒ عیاض حضرت عبدالواحد بن زید رح حضرت حسن بصری رحمہم اللہ علیہم اجمعین۔ حضرت سیدنا و مولانا علی ابن طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ۔

نقشبندیہ طریقہ میں امام طریقت حضرت بہاالدین نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جنکا سلسلہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ ہے :۔ امیر سید جلال رح خواجہ محمد باباسماسیؒ۔ خواجہ علی رامتینیؒ۔ خواجہ محمود تغنوی رح۔ خواجہ عارف ابوکریؒ۔ خواجہ عبدالخالق غجدوانی رح۔ خواجہ یوسف ہمدانی رح۔ خواجہ ابوعلی فارمدیؒ۔ حضرت ابوالقاسم گرگانی رح حضرت شیخ عثمان مغربی رح شیخ ابوعلی کاتب۔ شیخ ابوعلی رودباری۔ حضرت جنید بغدادی الی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مثل سلسلہ قادریہ۔ نقشبندی طریقہ میں خواجہ ابوعلی فارمدی کو حضرت ابوالقاسم قشیری سے بھی بیعت تھی۔ انہیں حضرت ابوعلی دقاقؒ سے انہیں ابوالقاسم نصرآبادی سے انہیں ابوالحسین حضرمی سے انہیں شیخ شبلیؒ سے انہیں حضرت جنید بغدادی سے رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

سلاسل قادریہ اور چشتیہ ائمہ اہل بیت رضوان اللہ علیہم سے بھی اس طرح منسوب ہیں۔ حضرت معروف کرخی کو فیض صحبت پہونچا امام علی بن موسیٰؑ رضا سے۔ انہیں امام موسی کاظم رض سے۔ انہیں امام جعفر صادق رض سے۔ انہیں امام محمد باقر سے۔ انہیں امام زین العابدین رض سے انہیں حضرت امام حسین علیہ السلام سے انہیں امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے۔ انہیں جناب رسالتمآب صلعم سے۔

سلسلہ نقشبندیہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیطرف بھی اس طرح منسوب ہے :۔ حضرت امام جعفر صادق رض کو فیض صحبت پہونچا اپنے نانا قاسم بن محمد سے۔ انہیں محمد بن ابی بکرؓ ابن الصدیق سے انہیں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہیں حضرت سیدنا ابوبکرؓ ابن الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہیں جناب سیدالوجود حضرت

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

ان سلاسل کے بعض بزرگون کے مختصر حالات تیمناً و تبرکاً اس تذکرہ مین درج کئے جاتے ہیں۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وائمہ اہل بیت علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حالات قصداً ترک کر دیئے گئے اس لئے کہ وہ اس قدر مشہور ہیں کہ کسی بیان کی حاجت نہیں۔

حضرت کمیل ابن زیاد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

رئیس الاولیا۔ پیشوائے اصفیا۔ بزرگترین عباد۔ قطب ارشاد۔ خواجہ کمیل ابن زیاد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کاملان روزگار و مرشدان زمانہ سے تھے اور حضرت امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے خلیفہ بزرگ تھے۔ صاحب مراۃ الاسرار فرماتے ہیں کہ "کمالات و خوارق عادات او دریں مختصر نمی گنجد" آپکے سلسلہ میں بڑے بڑے لوگ گزرے ہیں۔ حتیٰ کہ حضرت حسن بصری رح باوجود اس کمال کے آپ سے تولا رکھتے تھے۔ حضرت شیخ رکن الدین علاء الدولہ سمنانی رح چہل مجلس میں فرماتے ہیں کہ ایک روز امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اونٹ پر سوار تھے اور حضرت کمیل ابن زیاد رح جو آپ کے صاحب سر کہلاتے تھے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے حضرت امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت مبارک تھی کہ جب آپ کے باطن میں علوم و اسرار موج مارتے اور آپ چاہتے کہ کچھ ارشاد فرمائیں تو حضرت کمیل ابن زیاد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو سامنے بلا کر بٹھاتے اور اسرار الٰہی بیان فرمانا شروع کرتے۔ بعض اوقات خود حضرت کمیل بن زیاد رح سوال کرتے کہ امیر المومنین اسکی حقیقت کیا ہے، آپ فرماتے کہ تمھیں حقیقت پوچھنے سے کیا کام آپ کہتے کہ میں آپ کا صاحب سر کیا نہیں ہوں۔ حضرت فرماتے کہ ہاں۔ لیکن جب میرے سینہ کا دیگ جوش مارتا ہے اسوقت کچھ اُبل پڑتا ہے تم برابر پوچھتے رہا کرو۔ اسکے بعد طریقت کے عنوان پر

اسرار حقایق و توحید بیان فرماتے کہ انکا احصا نہیں ہو سکتا۔ چہل مجلس مذکور میں ہے کہ ایک روز حضرت سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے حضرت کمیل رح سے اپنے سینہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ اسمیں بہت سے علوم محفوظ ہیں لیکن میں کسی کو اہل نہیں پاتا جو بیان کروں جنمیں دانائی اور بزرگی ہے میں دیکھتا ہوں کہ وہ ان علوم کو دانم نہ بنائیں گے اور جنمیں دانائی اور بزرگی نہیں ہے وہ انہیں کہاں سمجھ سکتے ہیں یہ دونوں صفتیں مجھے ایک شخص میں جمع نہیں ملیں لیکن امید ہے کہ حق تعالیٰ ان لوگوں سے زمین کو خالی نہ رکھے گا جنکے دل ان علوم سے منور ہونگے۔ تعداد میں یہ لوگ بہت کم ہونگے لیکن از روے اجر کے بہت زیادہ ہونگے واشوقاہ الی لقائھم۔

خواجہ کمیل رح حضرت رض کی شہادت کے بعد خانہ نشین ہو گئے اور صرف اُن مریدوں کو تعلیم دیتے تھے جو اعتقاد صادق سے حاضر ہوتے اور طلب علم کرتے۔ آپ نے عبدالملک ابن مروان کی حکومت کے زمانہ ۸۲ھ بیاسی ہجری میں حجاج ابن یوسف ثقفی کے ہاتھ سے شہادت پائی رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

پروردۂ ولایت و نبوت۔ کان حقیقت و فتوت۔ بحر ورع و علم۔ گنج عمل و حلم۔ متفق علیہ بہ برتری و بہتری۔ امام المتقین خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ متقدمین صوفیہ میں سے ہیں۔ آپکا پورا نام ابو علی الحسن بن الحسن بصری ہے بعض لوگ آپکی کنیت ابو محمد بیان کرتے ہیں اور بعض ابو سعید۔ آپ حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے خلیفہ اور سیدنا امام حسن اور خواجہ کمیل رح بن زیاد کے صحبت یافتہ ہیں۔

روضۃ الاحباب میں ہے کہ آپ کے والد ماجد بارھویں سنہ ہجری میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر ایمان لائے۔ میلسان جو بصرہ اور واسط کے درمیان ایک شہر تھا وہاں کے وہ رہنے والے تھے اور حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت ام المومنین ام سلمہ رض کی

لونڈی تھیں۔ جب یہ پیدا ہوئے تو حضرت عمرؓ بن خطاب کے پاس انکے والد لے گئے۔ آپ نے فرمایا کہ اس لڑکے کا نام حسن رکھو۔ ایک مرتبہ آپکی والدہ ماجدہ کسی کام کو گئیں تھیں اور یہ پڑے رو رہے تھے کہ حضرت ام المومنین ام سلمہؓ تشریف لائیں۔ اور اپنی گود میں لیکر دودھ پلایا۔ کہتے ہیں کہ چند قطرے نکلے اور انکے پیٹ میں گئے اور بعد میں جو برکات و کرامات آپ سے ظاہر ہوئیں وہ سب اسی دودھ کے چند قطروں کی برکت تھی۔

حضرت ام المومنینؓ آپ کے لئے ہمیشہ دعا کرتی رہتیں کہ خدایا اسے مقتدائے خلق بنا اس دعا کا اثر یہ ہوا کہ اکثر سلاسل طریقت آپ ہی سے منشعب ہوئے ہیں۔ آپ ایک سو تیس اصحاب رسول صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انکی صحبت اٹھائی ہے۔

تذکرۃ الاولیاء میں ہے کہ حضرت سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ جب بصرہ میں تشریف لائے تو تمام واعظین اور مذکرین کو روکدیا۔ لیکن آپکا منبر باقی رکھا۔ اور ایک مرتبہ آپکی مجلس میں خفیہ طریقہ پر تشریف لاکر پوچھا کہ تم عالم ہو یا متعلم۔ آپنے کہا کہ میں کچھ نہیں ہوں جو کچھ حضرت رسالتمآب صلعم کا کلام مجھ تک پہونچا ہے وہ خلق کے سامنے بیان کرتا ہوں۔ آپنے فرمایا کہ یہ جوان شائستہ کلام ہے۔ حضرت حسن بصریؒ نے فراست سے معلوم کرلیا کہ آپ کون ہیں اور منبر پر سے اتر کر آپ کے پیچھے پیچھے چلے اور عرض کی کہ امیر المومنین خدا کے واسطے مجھے طہارت سکھائی جائے۔ حضرت شیر خداؓ نے صوری اور معنوی دونوں طہارتوں کی تعلیم دی اور آپکی صحبت مبارک سے خواجہ حسن بصریؒ نے بہت کچھ فیض حاصل کیا[1]

[1] حضرات محدثین رحمہم اللہ علیہم اجمعین نے عام طور پر یہ لکھا ہے کہ یہ ثابت نہیں ہے کہ حضرت حسن بصری رح سیدنا حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ سے ملے ہوں مگر ایک شخص کی ملاقاتیں تو نکا احصا کرنا محالات سے ہے اور نہ کوئی یہ کہسکتا ہے کہ جتنے صحابہ کے نام معلوم ہیں انکے سوا اور کسی کو ذات نبوی صلعم کا شرف دیدار یا شرف صحبت خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر حاصل ہی نہیں ہوا ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں علم نہیں ہے۔ لیکن انکار نہیں کیا جا سکتا۔ سیدنا و مولانا شاہ فخر الدین چشتی نظامی المعروف بہ مولانا فخر دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک رسالہ لکھا ہے فخر الحسن (جو مولف کی نظر سے نہیں گزرا) اسمیں حضرت خواجہ حسن بصریؒ کی ملاقات و صحبت حضرت امیر المومنین کیساتھ اور آپ سے استفادہ کرنا ثابت کیا ہے (ملاحظہ ہو۔ مراۃ ضیاء مؤلفہ رحمت علی خان چشتی حالات مولانا فخر دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

ایک شخص نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ حسنؒ ہم سے بہتر ہیں۔ انھوں نے جواب دیا اس لئے کہ خلائق کو انکے علم کی حاجت ہے اور انھیں سوائے حق کے کسی کی حاجت نہیں۔ ایکدفعہ ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ "مسلمانی چیست و مسلمان کیست" آپنے فرمایا کہ "مسلمانی در کتاب است و مسلمانان در زیر خاک" کسی نے آپ سے پوچھا کہ اصل دین کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ورع۔ پوچھا کہ ورع کو کونسی چیز نقصان پہونچاتی ہے۔ فرمایا طمع۔ کسی نے پوچھا کہ طبیب خود بیمار ہو تو دوسرونکا علاج کیسے کریگا۔ فرمایا تم میرا کلام سنو۔ میرے علم سے تمھیں فائدہ پہونچے گا اور میرے عمل سے کوئی نقصان نہ پہونچیگا۔ لوگوں نے کہا کہ ہمارے دل سوئے ہوئے ہیں آپکا کلام اثر نہیں کرتا۔ آپنے فرمایا کہ کاشکے سوئے ہوئے ہوتے۔ سوئے ہوئے کو تو بیدار کر سکتے ہیں۔ مگر تمھارے دل تو مردہ ہیں۔ ہر چند جنبش دیتا ہوں بیدار نہیں ہوتے۔

خوف الٰہی آپ پر بہت غالب تھا حتی کہ کسی نے آپ کو خنداں نہیں دیکھا گویا کہ دوزخ صرف آپکے لئے بنائی گئی ہے۔

ایک مرتبہ بصرہ میں قحط پڑا اور تقریباً دو لاکھ آدمی باہر نماز استسقاء پڑھنے آئے۔ خواجہ حسنؒ بصری کو منبر پر کھڑا کیا کہ دعا فرمائیں۔ آپنے کہا کہ پانی چاہتے ہو تو مجھے بصرہ سے نکالدو تاکہ حق تعالیٰ پانی بھیجے اس کلمہ کا ادا ہونا تھا کہ پانی برسنے لگا۔

ایک دن آپ گھر میں رو رہے تھے لوگوں نے کہا کہ تم ایسی زندگی بسر کر رہے ہو اُس پر روتے ہو۔ فرمایا ممکن ہے کہ بے قصد و علم مجھ سے ایسا کوئی کام ہوا ہو اور ایسی جگہ میں نے قدم رکھا ہو جو جناب باری عز اسمہ کو پسند نہو۔ انکا یہ خیال کمال قرب اور حضوری کیوجہ سے تھا۔

منتخب التاریخ میں ہے کہ ہشام ابن عبد الملک ابن مروان کے زمانہ سلطنت میں غرہ رجب ۱۱۰ھ ایک سو دس ہجری کو نواسی سال کی عمر میں آپ نے وفات پائی رحمۃ اللہ علیہ۔

امام عبد الوہاب شعرانی کی کتاب طبقات الکبریٰ سے آپ کے چند کلمات

طلبات ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں:۔
آپ فرمایا کرتے تھے کہ معرفتیں اٹھ گئیں اور برائیاں رہ گئیں اور مسلمانوں نے جو باقی رہ گیا ہے وہ مغموم ہے۔ فرماتے ہیں کہ عاجزی کرنے والے کی شان یہ ہے کہ گھر سے باہر نکلے تو جس شخص پر اسکی نظر پڑے اُسے اپنے آپ سے افضل سمجھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب بندہ نے گناہ کیا اور پھر اس سے توبہ کی تو اس توبہ سے قرب الٰہی بڑھتا ہے اسی طرح بار بار توبہ کرنے سے اس قرب میں ترقی ہوتی جاتی ہے۔ آپ کا قول ہے کہ ہزار آدمی کی دوستی کو ایک شخص کی بھی عداوت کے بدلے نہ خریدو۔ لالچ عالم کو بدنما بنا دیتی ہے۔ آدمی کا علانیہ اپنے نفس کو برا کہنا اسکی دراصل تعریف کرنا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ تمھارے بھائیوں میں سب سے زیادہ قابل عزت وہ ہے جسکی دوستی تمھارے ساتھ ہمیشہ رہے۔ فرماتے تھے کہ جس نے خدائے عزوجل کے سامنے عاجزی اور فروتنی کے خیال سے صوف پہنا خدا اسکی بینائی اور قلب میں نور زیادہ کرتا ہے اور جو فخر و غرور کیلئے پہنتا ہے وہ سرکشوں کے ساتھ جہنم میں ڈالا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ ان سے کسی نے کہا کہ فقہا یہ کہتے ہیں۔ آپنے جواب دیا کہ تم نے کوئی فقیہہ دیکھا بھی ہے۔ فقیہہ وہ ہے جو دنیا سے پرہیز کرنے والا اپنے گناہوں کا دیکھنے والا اور اپنے پروردگار کی عبادت کا پورا پابند ہو اور خدا کی قسم جس نے زر کی عزت کی اُسکو اللہ تعالیٰ نے ذلت دی۔ فرماتے تھے کہ دنیا تمھاری سواری ہے اگر تم اس پر سوار ہو گئے تو وہ تم کو لئے چلیگی اور اگر وہ تم پر سوار ہو گی تو تم کو مار ہی کر رہیگی۔ فرماتے تھے کہ اگر تم کسی سے دشمنی کرنا چاہو تو اگر وہ خدا کا فرماں بردار بندہ ہے تو اس سے دست بردار ہو جاؤ کیونکہ اللہ عزوجل اُسے تھارے حوالہ نہ کریگا اور اگر نافرمان ہے تو تمھارا مطلب خود بخود نکل آئے گا۔ دشمنی کرنے سے کیا فائدہ۔ آپ فرماتے تھے کہ اسلام یہ ہے کہ اپنے قلب کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردے۔ پس ہر مسلمان تجھ سے محفوظ رہے گا۔

حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ

صاحب یقین بے گمان۔ خلوت نشین بے نشان۔ فارغ از تکلفات رسمی۔ رئیس قوم خواجہ حبیب عجمی قدس سرہ۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے مرید اور خاص خلیفہ تھے۔ آپکی کنیت ابو محمد تھی اور فارسی الاصل تھے۔ اس لئے آپکو عجمی کہا کرتے تھے۔ صاحب مراۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ آپ کو عجمی اس لئے کہتے ہیں کہ آپ قرآن پاک درست نہیں پڑھتے تھے۔ صاحب سفینۃ الاولیاء نے آپکا نام حبیب عجمی لکھا ہے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ حبیب بن محمد بن العجمی سوداگر تھے اور درا ہم کا بیوپار کیا کرتے تھے ایک دن چند لڑکوں کے پاس سے جو کھیل رہے تھے آپکا گزر ہوا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ دیکھو یہ سود خوار آگیا۔ یہ سنکر آپنے سر جھکا لیا اور کہا کہ اے رب بچوں تک تو نے میرا حال ظاہر کر دیا ہے جب گھر پہونچے تو ایک صوف کا کرتہ پہن لیا اور تمام مال واسباب سامنے رکھکر دعا کی کہ اے پروردگار میں اس مال کے عوض تجھ سے اپنا نفس خریدنا چاہتا ہوں مجھے آزاد فرمائے۔ جب دوسرا دن ہوا تو آپنے تمام مال راہ خدا میں خیرات کر دیا اور عبادت الٰہی میں مصروف ہوئے اور صائم الدہر اور قائم اللیل رہنے لگے اور ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہتے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ پھر ان لڑکوں کے پاس سے انکا گزر ہوا تو لڑکوں نے آپس میں کہا خاموش رہو حبیب العابد جاتے ہیں یہ سنکر آپ رونے لگے اور کہا اے اللہ یہ سب تیری طرف سے ہے۔ مراۃ الاسرار میں بحوالہ تذکرۃ الاولیا مذکور ہے کہ ابتدائے زمانہ میں آپ بہت مرفہ الحال تھے اور سود بھی لیا کرتے تھے۔ جب خواجہ حسنؒ بصری کی خدمت میں حاضر ہوئے تو تمام منہیات سے توبہ کی اور جو کچھ اندوختہ تھا سب راہ خدا میں صرف کر دیا اور دریائے فرات کے کنارے ایک مکان بناکر عبادت میں مشغول ہوئے۔ دن کو خواجہ حسنؒ سے علم حاصل کرتے اور رات کو عبادت کرتے۔ ذہبی کہتے ہیں کہ آپ بڑے مستجاب الدعوات تھے۔ معتمر نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ میں نے حبیب عجمی رح سے زیادہ

صادق الیقین کسی کو نہیں دیکھا۔

ایک دن خواجہ حسن بصریؒ آپ کے مکان پر آئے۔ آپ نماز میں مشغول تھے اور الحمد کو الہمد پڑھ رہے تھے۔ خواجہ حسنؒ نے فرمایا کہ تمہارے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں ہے اور تنہا نماز پڑھی۔ صاحب مراۃ الاسرار فرماتے ہیں کہ شب کو خواجہ حسنؒ نے خدائے عزوجل کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ الٰہی تیری رضا کس چیز میں ہے فرمان ہوا کہ اے حسن میری رضا جلیب کے پیچھے نماز پڑھنے میں تھی مگر تم نے نہیں پڑھی "پس تفاوت است از زبان راست کردن تا دل راست کردن"۔

ایک روز خواجہ حسنؒ حجاج کے لوگوں سے بھاگ کر حضرت جلیب عجمیؒ کے مکان میں آکر چھپے مگر یہاں بھی وہ لوگ پہونچ گئے اور پوچھنے لگے کہ حسنؒ کہاں ہیں۔ حضرت جلیب عجمیؒ نے فرمایا کہ اس مکان میں ہیں، سرہنگوں نے اندر جاکر ہرچند تلاش کیا مگر نہ پایا اور لوٹ گئے انکی واپسی کے بعد خواجہ حسنؒ باہر نکلے اور پوچھا کہ تم نے کیا کیا جو اُن لوگو نکی نظر مجھ پر نہ پڑی۔ آپنے فرمایا کہ میں نے دس بار آیتہ الکرسی۔ دس بار آمن الرسول اور دس بار قل ھو اللہ - پڑھکر خدائے عزوجل سے دعا کی تھی کہ حسنؒ کو میں نے تیرے سپرد کیا انکی حفاظت فرما۔

حضرت جلیب عجمی کے سامنے جب قرآن پاک پڑھا جاتا تو زار زار روتے۔ لوگوں نے کہا کہ تم سمجھتے تو ہو نہیں۔ روتے کس واسطے ہو۔ کہنے لگے کہ میری زبان گو عجمی ہے مگر دل عربی ہے۔ ایک درویش نے آپکو دیکھا کہ ایک عظیم مرتبہ پر فائز ہیں حیرت سے پوچھا کہ یہ تو عجمی ہیں اس مرتبہ پر کیسے پہونچے۔ ارشاد ہوا کہ "آرے او عجمی است اما جلیب است"۔

سفینتہ الاولیاء میں ہے کہ آپ کی وفات ۱۵۶ھ ہجری میں واقع ہوئی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ۔

حضرت عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ

رئیس افراد پیشوائی اوتاد۔ گنج ہدایت۔ کان ولایت۔ فارغ از وسواس و کید۔

واصل حق۔ خواجہ عبدالواحد بن زید قدس سرہٗ العزیز خواجہ حسن بصریؒ کے مرید اور خلیفہ بزرگ تھے مگر آپ نے خرقۂ خلافت خواجہ کمیل بن زیادؒ کے ہاتھ سے پہنا تھا۔ آپکے کمالات اور خوارق عادات بہت ہیں۔ صاحب مراۃ الاسرار فرماتے ہیں کہ "در ریاضت و مجاہدات و ترک و تجرید و ذوق و عشق در عہد خود نظیرے نہ داشت" تاریخ یافعی (مولفہ امام عبداللہ یافعی) میں ہے کہ چالیس سال تک آپ نے فجر کی نماز عشاء کے وضو سے ادا فرمائی ہے۔ امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے حالات میں عجیب غریب حکایات لکھی ہیں جو اُسی کتاب میں پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان میں سے ایک حکایت کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ جہاد کے ارادہ سے روانہ ہوئے راستہ میں آپکے اصحاب میں سے ایک شخص نے قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی اِنَّ اللّٰہ اشترٰی من المؤمنین انفسہم واموالھم بان لھم الجنۃ ایک پندرہ سال کا لڑکا نزدیک کھڑا تھا اس نے یہ آیت سنکر آپ سے کہا کہ عبدالواحد کیا خدائے عزوجل کا یہ قول صحیح ہے آپنے فرمایا بیشک صحیح ہے لڑکے نے کہا اچھا آپ گواہ رہئے میں اپنی ذات مال و دولت سب جنت کیلئے فروخت کرتا ہوں۔ اسکے بعد لڑکے نے آپ سے بیعت کی اور تمام مال راہ خدا میں صرف کرکے صرف ایک گھوڑا اور سلاح رکھ لیا اور جہاد کیلئے نکلا اور ہمارے ہمراہ ہوگیا دن کو روزہ رکھتا اور راتوں کو نمازیں پڑھتا تھا۔ راہ میں ایک مرتبہ اس نے ایک خواب دیکھا جسے دیکھکر چونک پڑا اور بیتاب ہوگیا اور معلوم ہوا کہ اسکی نیت چونکہ خالص تھی اس لئے اسکا سودا قبول ہوگیا اور جنت کی بشارت ملی۔ لڑکے نے ابھی اپنا خواب بیان کرنا تمام ہی کیا تھا کہ غنیم کی فوج نظر آئی یہ جھپٹا اور نو دشمنوں کو مار گرادیا اور خود شہید ہوگیا۔ حضرت عبدالواحد ابن زید فرماتے ہیں کہ جب میں اسکی لاش پر پہونچا تو دیکھتا کیا ہوں کہ تڑپ رہا ہے اور خوشی کے مارے قہقہہ مار کے ہنستا جاتا ہے حتی کہ اسی حالت میں اسکی روح پرواز کر گئی۔ آپکے خوارق عادات بیشمار ہیں۔ آپکی وفات ۱۷۷ھ ایکسو ستتر ہجری میں بمقام بصرہ واقع ہوئی۔

رحمۃ اللہ علیہ۔

امام شعرانیؒ نے طبقات الکبریٰ میں آپکے کلمات طیبات جمع کئے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ مومن کی مثال رحم کے بچہ کی سی ہے کہ باہر نکلنا نہیں چاہتا اور جب نکل آیا تو پھر واپس جانا نہیں چاہتا۔ مومن کی دنیا سے نکلتے وقت بھی یہی حالت ہوتی ہے۔ آپکا قول ہے کہ بندہ کی عمدہ ترین حالت یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ موافقت کرے۔ اور راضی برضا رہے۔ پس اگر وہ دنیا میں طاعت کیلئے اسے باقی رکھنا چاہے تو وہ اسی کو پسند کرے اور اگر اٹھا لے تو اسی پر خوش رہے۔ آپکا ارشاد ہے کہ جس بندہ کو دنیا میں سے کچھ عطا ہوا اور وہ کسی اور ہی چیز کی خواہش کرے تو اللہ تعالیٰ اس سے اپنے ساتھ کی خلوت کا لطف سلب کر لیتا ہے اور قرب کو دوری سے اور انس کو وحشت سے بدل دیتا ہے۔

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ

عالم رموز طریقت۔ واقف اسرار حقیقت۔ سلطان مملکت عزلت و تنہائی مرد خدا ابو سلیمان خواجہ داؤد بن نصر طائی قدس سرہٗ العزیز۔ مشائخ کبار و ائمان اہل تصوف سے ہیں۔ آپ خواجہ حبیب عجمیؒ کے مرید اور امام اعظم ابو حنیفہ کوفیؒ کے شاگرد تھے۔ حضرت فضیل ابن عیاض اور ابراہیم ادہمؒ آپکے ہمعصر ہوئے ہیں۔ صاحب نفحات الانس فرماتے ہیں کہ "در علوم ظاہر حظ وافر داشت و بدرجۂ اعلیٰ بود و در فقہ فقیہ الفقہا بود۔ عزلت اختیار کرد و از ریاست اعراض نمود و طریق زہد و ورع و تقویٰ بر دست گرفت"، بعض نے کہا ہے کہ آپ حبیب بن سلیم الراعی کے مرید تھے جو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصحاب میں گزرے ہیں۔ چنانچہ کشف المحجوب میں یہی ہے۔ مگر موجودہ تمام سلاسل کے شجروں میں آپ خواجہ حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید بیان کئے گئے ہیں۔

صاحب مراۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص کچھ شعر پڑھ رہا تھا جسکا مطلب یہ تھا کہ "کدام موئے و روئی نبود کہ بر خاک ریختہ نہ شد و کدام جسم است کہ در زمین

بیختہ نہ گشت" یہ سنکر آپ بے خود ہو گئے اور حضرت امام اعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے یہ سراسیمگی دیکھکر حال دریافت کیا۔ آپنے فرمایا کہ میرا دل دنیا سے بھر گیا اور دل میں کچھ ایسی بات پیدا ہو گئی ہے کہ جس کا راستہ نہیں ملتا۔ آپنے فرمایا جاؤ گوشہ نشینی اختیار کرو۔ یہ گھر میں جاکر معتکف ہو گئے اور لوگوں سے بات چیت ترک کر دی جب سال بھر ہو گیا اور کشود باطن نہ ہوا تو شیخ حبیب عجمیؒ کے پاس گئے اور وہاں سے نعمت پائی اور خواجہ معروف کرخیؒ جیسے بزرگ نے آپ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

آپ کو عزلت و تنہائی سے اس قدر رغبت تھی کہ جب وقت اخیر ہوا تو وصیت کی کہ مجھے دیوار کے پیچھے دفن کرنا تاکہ کوئی میرے سامنے نہ گزرے آپکی وفات خلیفہ مہدی عباسی کے زمانہ میں اٹھائیسویں ربیع الاول ۱۶۵ھ ایکسو پینسٹھ (یا بقول بعض ایکسو ساٹھ) ہجری کو واقع ہوئی۔

حضرت معروف کرخیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی شخص نہیں دیکھا جو حضرت داؤد طائیؒ سے زیادہ دنیا کو بے قدر و منزلت سمجھتا ہو۔ آپکا ارشاد ہے کہ:۔

ان اردت السلامة سلم علی الدنیا وان اردت الکرامة کبر علی الاخرۃ۔

یعنی اگر سلامتی چاہتے ہو تو دنیا کو خیرباد کہو اور اگر کرامت چاہتے ہو تو آخرت پر تکبیر کہو اس لئے کہ یہ دونوں محل حجاب ہیں۔

امام شعرانی رح فرماتے ہیں کہ مرض الموت میں جو لوگ آپکے گھر گئے انھوں نے مکان میں صرف یہ چیزیں پائیں۔ ایک چھوٹا سا مٹکا جس میں سوکھی روٹیاں تھیں ایک بدھنی اور ایک بڑی سی کچی اینٹ جس سے وہ تکیہ کا کام لیتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ سے کہا گیا کہ کوئی آدمی ایسا بتائیے جسکے پاس بیٹھکر ہم فائدہ حاصل کریں۔ آپنے فرمایا یہ شئی مفقود ہے نہیں مل سکتی کسی نے آپ سے ایک مسئلہ پوچھا آپنے فرمایا کہ لڑائیاں لڑنے والے جب جنگ کا ارادہ کرتے ہیں تو آلات حرب جمع کرتے ہیں۔ لیکن اگر وہ اپنی عمر ہتیاروں ہی کے جمع کرنے میں صرف کر دینگے تو لڑائی کب لڑینگے۔ یہی حال علم کا ہے علم دراصل عمل کا آلہ ہے لیکن اگر کسی نے اسی میں اپنی عمر صرف کر دی تو عمل کا وقت کب آئے گا

یعنی علم اس لئے حاصل کیا جاتا ہے کہ جہانتک جلد ہو سکے اس پر عمل کیا جائے اور جب طالب علم نے اسکے جمع کرنے ہی میں عمر گنوا دی تو عمل کا وقت کب آئیگا۔ آپ فرماتے تھے کہ مجھے خدا سے جنت مانگتے ہوئے شرم آتی ہے۔ آپکا قول تھا کہ مرید کی نشانی یہ ہے کہ دنیا سے اُسے کسی قسم کا لگاؤ نہ ہو اور جس قدر دوست و آشنا مائل بہ دنیا ہوں سب کو یکقلم ترک کر دے اور اُن کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا چھوڑ دے۔ یہی نہیں بلکہ انکی عیادت تک نہ جائے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

حضرت خواجہ فضیل ابن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سر حلقۂ تائبین۔ اکمل واصلین۔ آفتاب کرم و احسان۔ دردریائے ورع و عرفان۔ علم الٰہی کے ریاض خواجہ فضیل بن عیاض قدس سرہٗ العزیز خواجہ عبد الواحد بن زید کے مرید اور خلیفہ تھے۔ آپکی کنیت ابو علی تھی۔ صاحب سفینۃ الاولیا لکھتے ہیں کہ "اصل از کوفہ و بعضے گفتہ اند از خراسان از ناحیہ مرو و بعضے گفتہ اند کہ تولد ایشاں در سمرقند بودہ و نشو و نما در باورد و نیز بعضے گفتہ اند کہ بخاری الاصل بودہ اند"

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ "انکے دادا مسعود بن بشر تیمی (بعدہ) یربوعی تھے اور مرو علاقہ خراسان کے ایک گاؤں میں جس کا نام فندین تھا نشو و نما پائی" لیکن نفحات الانس میں ہے کہ "سمرقند زادہ است در باورد بزرگ شدہ و کوفی الاصل است"

شیخ فرید الدین عطارؒ فرماتے ہیں کہ "وے از کبار مشائخ بود و عیار طریقت و غریق بحر حقیقت و مرجع قوم در ریاضات و کرامات شانے رفیع داشت و در ورع و معرفت بے ہمتا بود"

آپ ابتداءً ڈاکو تھے لیکن موٹے کپڑے پہنکر اور کلاہ پشمینی سر پر رکھکر اور ایک تسبیح گلے میں ڈالکر چوروں کے ساتھ رہا کرتے تھے جو لوٹ کا مال آتا اسے تقسیم کر دیا کرتے اور اپنا بھی حصہ نکال لیتے تھے لیکن نماز باجماعت کے سخت پابند تھے۔ ایک عورت سے عشق تھا۔ اس لوٹ مار میں جو کچھ ملتا سب اُسے بھیجدیتے اور کبھی کبھی اسکے پاس جاتے اور رویا کرتے۔

ایک دن کسی کارواں کو لوٹنے کیلئے گئے تھے کہ قرآن پاک کی یہ آیت ان کے کان میں پڑی۔ الم یأن للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ۔ یہ سنکر آپ چونک پڑے اور توبہ کی۔ اور دشمنوں کو راضی کرنے میں بہت جدوجہد سے کام لیا۔ اسکے بعد کوفہ میں آئے اور امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد اور خواجہ عبدالواحد ابن زید کے مرید ہوے۔ اور عزلت اختیار کرکے یاد حق میں مشغول ہو گئے۔

ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوریؒ شب کو آپ کے پاس تشریف لائے اور آیات واخبار کا ذکر ہوتا رہا جب جانے کا وقت آیا تو انھوں نے فرمایا بڑی مبارک شب تھی اور ایسی اچھی یہ صحبت تھی کہ اس سے بہتر ہرگز نہیں ہو سکتی۔ آپنے فرمایا کہ بدترین شب اور بڑی تباہ صحبت تھی حضرت سفیان ثوریؒ نے پوچھا یہ کیسے آپنے فرمایا کہ تم اس فکر میں تھے کہ ایسی بات کہو جو مجھے پسند آئے اور میں اس خیال میں تھا کہ ایسا جواب دوں جو تمھیں اس سے زیادہ پسند آئے۔ غرضنکہ ہم تم دونوں ایک دوسرے کے کلام میں مبتلا اور حق سے دور تھے۔ اس سے بہتر تنہائی اور مناجات باحق ہے۔

ایکدفعہ ہارون الرشید آپسے ملنے گیا۔ آپ تلاوت قرآن پاک میں مشغول تھے۔ اُس نے دروازہ کھٹکٹایا۔ آپ نے پوچھا کون ہے۔ فضل برمکی نے جو ساتھ تھا کہا امیر المومنین۔ آپنے فرمایا اُسے مجھ سے اور مجھے اس سے کیا کام۔ فضل نے کہا اطاعت اولی الامر واجب ہے۔ آپنے فرمایا مجھے پریشان کرتے ہو۔ یہ کہکر اُٹھے اور چراغ بجھا دیا اور دروازہ کھولا۔ ہارون نے اندر آکر آپسے مصافحہ کیا۔ آپنے اسکا نرم نرم ہاتھ دیکھکر فرمایا کہ کیا اچھا ہاتھ ہے اگر آتش دوزخ سے خلاصی پائے۔ ہارون نے رونا شروع کیا اور عرض کیا کچھ اور فرمائیے۔ آپنے کہا کہ تمھارے باپ حضرت عباسؓ حضور پرنور صلعم کے چچا تھے۔ جب آپسے انھوں نے درخواست کی کہ کسی قوم پر مجھے بھی میر بناکر بھیجا جائے تو پیغمبر صاحبؐ نے فرمایا چچا جان آپکے لئے طاعت حق بہتر ہے۔ ہارون نے کہا کچھ اور فرمائیے آپ نے فرمایا کہ جب حضرت عمرؓ بن عبد العزیز کو خلافت ملی تو آپنے سالم بن عبد اللہ اور محمد بن کعب کو بلایا اور کہا کہ میں اس بلا میں گرفتار ہوا ہوں مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ انھوں نے

فرمایا کہ اگر تو فردائے قیامت میں نجات حاصل کرنا چاہتا ہے تو بڈھوں کو اپنے باپ کی جگہ۔ جوانوں کو اپنے بھائی کی جگہ اور بچوں کو اپنی اولاد کی جگہ اور عورتوں کو اپنی بہنوں کیطرح سمجھ۔ غرضکہ اس صحبت کے بعد جب ہارون الرشید جانے لگا تو ہزار دینار کی تھیلی آپ کے سامنے پیش کی۔ آپنے فرمایا کہ میری یہ نصیحتیں تمھیں کام نہ آئیں اور اسی جگہ سے ظلم شروع کر دیا۔ میں تمھاری نجات چاہ رہا ہوں اور تم مجھے بلا میں ڈال رہے ہو یہ فرما کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہاروں نے رخصت ہو کر فضل برمکی سے کہا کہ درحقیقت خواجہ فضیل مرد خدا ہیں۔

آپکا قول ہے کہ جو کوئی خدائے عز و جل سے ڈرتا ہے وہ کسی چیز سے خوف نہ کھائیگا جب حق تعالیٰ کسی بندہ کو دوست رکھتا ہے تو اُسے بہت اندوہ دیتا ہے اور جب دشمن کر لیتا ہے تو دنیا کو اس پر فراخ کر دیتا ہے۔

آپنے فرمایا کہ جو شخص اپنی کچھ قدر و قیمت سمجھتا ہے اُسے تواضع سے کوئی حصہ نہیں ملا ہے آپنے فرمایا کہ دنیا میں آنا آسان ہے مگر باہر جانا اور خلاصی پانا دشوار ہے۔ آپنے فرمایا کہ اگر تم سے کوئی پوچھے کہ کیا اللہ کو تم دوست رکھتے ہو تو خاموش ہو جاؤ اس لئے کہ اگر انکار کرو گے تو کافر ہو جاؤ گے

اگر اقرار کرو گے تو تمھارے فعل دوستان خدا کے فعل کیطرح نہیں ہیں۔ آپنے فرمایا جو کوئی ایسے بھائی کا جویا ہے جسمیں کوئی عیب نہو اُسے کوئی بھائی نہ ملیگا۔ اسحٰق ابن ابراہیم نے انسے درخواست کی کہ مجھے کوئی حدیث سنائیے۔ آپنے فرمایا کہ اگر تم مجھ سے دنیا مانگتے تو یہ مجھ پر حدیث کے طلب سے زیادہ آسان ہوتا اور اے غافل جو کچھ تجھے معلوم ہے اگر تو اُس پر عمل کرتا تو تجھے حدیث سننے کی فرصت نہ ملتی۔ آپنے فرمایا کہ میں اللہ جلشانہ کی عبادت دوستی اور محبت سے کرتا ہوں اور مجھ میں اتنا صبر اور یارا نہیں ہے کہ اس پرستش سے باز آؤں۔ آپنے فرمایا کہ اُخروی عالم کا علم چھپا رہتا ہے اور دنیاوی عالم کا علم کھلا رہتا ہے اس لئے اخروی عالم کی پیروی کرو اور دنیاوی عالم کے پاس بیٹھنے سے پرہیز کرو۔ آپنے فرمایا کہ جو شخص اسکی خبر رکھے کہ کونسی چیز اسکے پیٹ میں جاتی ہے وہ خدا کے نزدیک صدیق ہے پس اے مسکین دیکھ کہ تیری خوراک کہاں سے آتی ہے آپنے ماہ محرم ۱۸۷ھ اکیسو

ستاسی ہجری (یا بروایت امام شعرانی رح ایکسو اسی ہجری) میں مکہ معظمہ میں انتقال فرمایا اور جنت المعلی میں دفن ہوئے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۔

حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سلطان السالکین، مقرب حضرت رب العالمین، تارک مملکت دنیا۔ صاحب سلطنت عقبیٰ ظل اللہ فی العالم ۔ رئیس افراد کامل خواجہ ابراہیم ادہم قدس سرہٗ متقدمین اولیاء میں سے تھے ۔ آپکا نام ابراہیم وکنیت ابواسحاق تھی ۔ اور والد ماجد کا نام ادہم بن سلیمان بن منصور البلخی تھا ۔ اور بلخ کے بادشاہوں کے عزیزوں میں سے تھے ۔ آپ کو خرقہ خلافت حضرت فضیل ابن عیاض رح سے حاصل ہوا ۔ صاحب نفحات الانس فرماتے ہیں کہ "در جوانی توبہ کرد ۔ وقتے بہ صید بیروں رفتہ بود ہاتفے آواز داد کہ ابراہیم نہ برائے ایں کار آفریدہ اند ترا ویرا آگاہی پدید آمد وست در طریقت نیکو زد" ایک روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ آپ دربار کر رہے تھے کہ ایک شخص بلا روک ٹوک سیدھا آپ کے قریب چلا آیا ۔ آپنے پوچھا کیا چاہتے ہو ۔ اس نے کہا میں اس مسافرخانہ میں ٹھہرنا چاہتا ہوں آپنے کہا یہ مسافرخانہ نہیں ہے بلکہ میرا مکان ہے ۔ اس نے پوچھا کہ تم سے پہلے یہاں کون رہتا تھا آپنے نام بتایا اسی طرح وہ پوچھتا گیا حتیٰ کہ چھ سات پشت تک پوچھ گیا اور آپ اپنے اجداد کا نام بتاتے رہے یہ سنکر اس نے کہا کہ پھر یہ مسافرخانہ نہیں تو کیا ہے ۔ آپ کو اس سے تنبیہ ہوئی اور دل سلطنت سے اُچٹ گیا ۔

توبہ کے بعد آپ بلخ سے مرو تشریف لے گئے وہاں سے نیشاپور گئے اور ایک غار میں نو برس معتکف رہے ۔ جب لوگوں کو آپکا حال معلوم ہوا تو وہاں سے نکلکر مکہ معظمہ تشریف لے گئے حضرت فضیل ابن عیاض رح ۔ سفیان ثوری رح اور ابو یوسف غسولی رح کی صحبت میں رہے ۔ صاحب سفینۃ الاولیاء بیان کرتے ہیں کہ آپنے حضرت امام اعظم رح سے علم ظاہری کی تحصیل کی ۔ پھر شام چلے گئے وہیں ناطورہ بانی کرکے کسب روزی کرتے اور یاد الٰہی میں مشغول رہتے تھے ۔ شرح آداب المریدین میں ہے کہ آپ عرصہ تک بصر

میں بھی رہے اور جامع مسجد میں معتکف رہتے اور تین شبانہ روز میں ایکبار افطار کرتے تھے۔

ایک شخص ایک مرتبہ آپکا ہمسفر ہوا جب جدا ہونے لگا تو کہنے لگا کہ میرا کہا سنا معاف کیجئے گا۔ آپنے فرمایا کہ میں تمہارا دوست تھا اور دوستی نے تمہارے عیبونکو مجھسے پوشیدہ رکھا ہے

ویقبح من سواک الفعل عندی   فتفعلہ فیحسن منک ذا کا

یعنے جو فعل کہ تمھارے غیر سے مجھے قبیح معلوم ہوتا ہے جب تم سے صادر ہوتا ہے تو اچھا معلوم ہوتا ہے۔

آپکا قول ہے کہ میزان میں وہی عمل سب سے زیادہ بھاری ہوگا جو جسم پر سب سے زیادہ دشوار ہے جس نے عمل میں جان لڑا دی اسکو پورا اجر ملیگا اور جس نے عمل نہیں کیا وہ دنیا سے آخرت کیطرف خالی ہاتھ گیا۔ آپ باہر سے مکان کا دروازہ بند کرا دیا کرتے تھے جو لوگ ملنے آتے یہ سمجھتے کہ نہیں ہیں۔ واپس چلے جاتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ عمل کرنے کیلئے علم کی جستجو کرو کیونکہ بہت سے آدمی غلطی میں پڑ گئے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ انکے علم پہاڑوں کے برابر ہیں اور اسکا عمل چیونٹی کے برابر۔ آپ اس قدر زار و نحیف تھے کہ اگر کوئی دیکھتا تو کہتا کہ گویا ان میں جان ہی نہیں ہے اور ہوا کے جھونکے سے گر جائینگے۔ آپ سے ایک عالم نے کہا کہ مجھے نصیحت فرمائیے۔ آپنے کہا دُم بنا سر نہ بنا کیونکہ دُم بچ جاتی ہے اور سر چلا جاتا ہے۔ آپکا قول ہے کہ اللہ جل شانہ کے پہچاننے والے کی نشانی یہ ہے کہ سب سے بڑی فکر اُسے نیکی اور عبادت کی ہو اور سب سے زیادہ اسکا کلام مدح و ثنا ہو۔ قرآن پاک کی اس آیت کی تلک الدار الاخرۃ نجعلھا للذین لا یریدون علواً فی الارض ولا فساداً والعاقبۃ للمتقین۔ آپ تفسیر میں کہتے تھے کہ اگر تم اپنے جوتے کے تسمے کو اپنے بھائی کے جوتے کے تسمے سے بہتر سمجھو تو یہ بھی شیخی ہے۔

شیخ فریدالدین عطارؒ فرماتے ہیں کہ جب آپکی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ معلوم کہاں چلے گئے لیکن بعض کہتے ہیں کہ آپ بغداد میں امام احمد ابن حنبلؒ کے پہلو میں دفن ہوئے بعض کہتے ہیں کہ شام میں حضرت لوط علیہ السلام کی قبر کے پاس دفن ہوئے سنہ وفات کے متعلق بھی کئی روایتیں ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سنہ ۱۶۱ھ ایکسو اکسٹھ یا باسٹھ ہجری ہیں

۲۶ جمادی الاول کو انتقال ہوا مگر اکثر ۱۶۶ھ ایکسو چھیاسٹھ کہتے ہیں جو خلیفہ مہدی عباسی کا زمانہ تھا۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ہمدم نسیم وصال محرم حریم ذوالجلال۔ فارغ از حادثات چرخی۔ قطب ارشاد خواجہ معروف کرخی قدس سرہ قدیم زمانہ کے مشائخ کبار میں سے تھے۔ آپکی کنیت ابو محفوظ تھی آپ ساتوں خانوادوں کے اولیاء کے پیشوا اور اپنے زمانہ کے کاملوں کے سردار تھے۔ آپکی ریاضتیں اور محنتیں مشہور ہیں۔ صاحب مراۃ الاسرار فرماتے ہیں کہ "در مقام انسیت وشوق بغایت بودہ است کہ نظیر نداشت" امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ امام موسیٰ رضا کے آزاد کردہ غلام تھے۔ مگر صاحب نفحات الانس لکھتے ہیں کہ آپکے والد حضرت امام کے غلام تھے اور حضرت ہی کے ہاتھ پر ایمان لائے تھے۔ آپکے والد کے نام کے متعلق صاحب نفحات لکھتے ہیں "فیروز و بعضے گفتہ اند فیروزان و بعضے گفتہ اند معروف بن علی الکرخی"۔ "شیخ فریدالدین عطار کہتے ہیں کہ آپکے ماں باپ عیسائی تھے"۔ مگر فیروز و فیروزان اکثر پارسیوں کے نام ہوتے ہیں۔ عیسائیوں کے یہ نام سننے میں نہیں آئے۔ صاحب مراۃ الاسرار فرماتے ہیں کہ حضرت معروف کرخی حضرت امام ہمام کے ہاتھ پر ایمان لائے اور آپکے دربان تھے۔ اور مدتوں آپکی خدمت میں رہے اور تربیت حاصل کی اور پھر آپکے خرقہ مبارک سے مشرف ہوئے۔ اسکے بعد خواجہ داؤد طائی رح کی صحبت میں رہے اور انسے خرقہ حاصل کیا چنانچہ آپسے دو سلسلے منشعب ہوئے۔ ایک اہل بیت کا سلسلہ حضرت امام علی بن موسیٰ رضا کے واسطہ سے اور دوسرا مشائخ کا سلسلہ حضرت داؤد طائی رح کے واسطہ سے۔

شیخ الاسلام عبداللہ انصاری قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ "معروف[1] از اجلہ مشائخ قدیم است بورع وزہد وفتوت۔ با داؤد طائی رح صحبت کردہ بود۔

[1] دیکھو نفحات الانس حالات حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲

صاحب مراۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ ایک روز آپ مریدوں کے ہمراہ کہیں جارہے تھے۔ جوان لونڈوں کی ایک جماعت نے آکر گانا بجانا اور فساد کرنا شروع کیا۔ جب آپ دجلہ کے کنارے پہونچے تو مریدوں نے عرض کی۔ حضرت ان کمبختوں کیلئے بددعا کیجئے کہ سب غرق ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا اچھا ہاتھ اٹھاؤ۔ سب نے ہاتھ اٹھائے اور آپنے یہ دعا کی کہ الٰہی جیسی اس جہان میں تونے انکی زندگی خرم وخوش رکھی ہے اسی طرح اُس جہان میں بھی خوش وخرم رکھ۔ یہ تیر نشانہ پر لگا یعنی جسوقت اُن نوجوانوں نے آپکو دیکھا اپنے رباب توڑ ڈالے اور شراب پھینکدی اور گریہ کناں آپکے قدموں پر آکر گر پڑے اور توبہ کی۔

آپکا طریقہ یہ تھا کہ ہر فرقہ کے ساتھ تواضع سے پیش آتے۔ اور ہر دین وملت کے لوگ آپ سے ملنے آیا کرتے تھے۔ دوسری محرم سنہ ۲۰۰ھ دوسو ہجری کو بزمانہ مامون الرشید آپکا انتقال ہوا اور بغداد میں دفن ہوئے تبرک وزیارت۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

آپکا قول ہے کہ صوفی اس دنیا میں مہمان کیطرح ہے۔ مہمان کا میزبان پر تقاضا کرنا سراسر جفا ہے۔ باادب مہمان منتظر ہوا کرتا ہے نہ کہ متقاضی۔ ایک شخص نے آپ سے کہا کہ کچھ وصیت فرمائیے۔ آپ نے کہا کہ خبردار ایسا نہو کہ خدائے عزوجل تجھے مسکینوں کے سوا کسی دوسرے لباس میں دیکھے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ محبت کیا چیز ہے۔ آپنے فرمایا کہ محبت خلق کی تعلیم سے نہیں آتی بلکہ یہ خدا کا انعام اور فضل ہے۔ آپنے فرمایا کہ جب اللہ جلشانہٗ کسی بندہ کا بھلا چاہتا ہے تو اُسپر عمل کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ اور جدل کا دروازہ بند کردیتا ہے اور جب کسی کا بُرا چاہتا ہے تو عمل کا دروازہ بند کردیتا ہے اور جدل کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ آپنے فرمایا کہ نیکوکار بہت ہیں مگر ان میں صدق والے بہت تھوڑے ہیں۔ عارف بلا اختیار دنیا کیطرف رجوع کرتا ہے اور دنیا کا مبتلا بہ اختیار۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کا بھلا چاہتا ہے تو اپنے سے روگرداں نہیں ہونے دیتا اور سچے فقیروں میں جگہ دیتا ہے اور جب کسی بندہ کا بُرا چاہتا ہے تو اسے نیک اعمال سے بیکار کردیتا ہے یہانتک کہ وہ دل پر پہاڑوں سے بھی زیادہ بھاری معلوم ہوتے ہیں اور اسے مالداروں میں رکھتا ہے۔ کذا فی طبقات الکبریٰ للشعرانی۔

خواجہ حذیفہ مرعشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

واقف فضل و احسان۔ اکرم رجال زمان مست جام بے غشی۔ امام الفقرا خواجہ حذیفہ مرعشی قدس سرہ العزیز۔ اپنے زمانہ کے پیشوائے اولیاء صاحب اسرار تھے اور زہد ورع وتجرید میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ توابع شام میں مرعش ایک شہر ہے وہاں آپکا وطن تھا۔ اور خرقہ ارادت وخلافت خواجہ ابراہیم بن ادہمؒ سے حاصل کیا تھا آپکے زمانہ میں جسقدر بڑے بڑے بزرگ تھے سب کی خدمت میں آپ حاضر ہوئے تھے۔ آپکے مریدونکا طریقہ محض تجرد ظاہر و باطن تھا اور سفر وحضر میں ذکر جلی کیا کرتے تھے۔ اور کبھی کسی شئی کی طمع سے اپنے قلب کو آلودہ نہ کرتے اور بے طلب جو کچھ مل جاتا اسپر اکتفا کرتے اور اسمیں سے دوسرونکو بھی دیتے تھے اور کبھی اہل دنیا سے میل جول نہ رکھتے تھے۔ آپکی کرامتیں اور خوارق عادات بہت ہیں صاحب مراۃ الاسرار فرماتے ہیں کہ ”ہمیں خوارق ویرا لبس بود کہ جمیع خواجگان چشت بوے می پیوندند“

آپکا قول ہے کہ اخلاص یہ ہے کہ آدمی کے افعال ظاہر و باطن میں یکساں ہوں آپ کہا کرتے تھے کہ اگر تجھے اسکا خوف نہو کہ اللہ جلشانہ تیرے بہترین اعمال پر تجھے عذاب کریگا تو تو ہلاک ہونیوالا ہے یعنے جن اعمال کو تو بہترین سمجھتا ہے وہ درحقیقت ایسے ہیں کہ اللہ جلشانہ اگر عفو نہ فرمائے تو سخت عذاب کا اندیشہ ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ اچھے اعمال میں سے مجھے کوئی چیز گھر میں بیٹھنے سے افضل نہیں معلوم ہوتی اور اگر میرے پاس کوئی تدبیر ایسی ہوتی کہ فرائض کیلئے باہر نکلنے سے چھوٹ جاتا تو میں ضرور اس کو عمل میں لاتا۔

مراۃ الاسرار وسفینۃ الاولیاء میں آپکے وفات کی تاریخ درج ہے۔ مگر سنہ نہیں ہے اور طبقات الکبریٰ میں سنہ درج ہے تاریخ نہیں ہے۔ ان دونوں کو ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپکی وفات چودھویں شوال ۲۰۰ھ دوسو سات ہجری میں ہوئی مؤلف ہذا کی نظر سے ایک کتاب میں پچیس شوال ۲۰۲ھ دوسو دو ہجری بھی گزری ہے

مگر اول الذکر زیادہ معتبر ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

خواجہ ہُبیرہ بصری رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ

امام اہل طریقت۔ سرحلقۂ واصلان حقیقت۔ تاج العارفین۔ مقتدائے دین۔ آں مخصوص بہ رہروی قطب وقت خواجہ ہُبیرہ بصری قدس سرہ العزیز اکمل اولیاء وقت میں سے تھے۔ آپنے خرقۂ ارادت خواجہ حذیفہ مرعشیؒ سے پہنا تھا۔ خدائے عزوجل کی معرفت میں آپکا قدم بڑا راسخ تھا۔ اور مشائخ کبار میں شہرت خاص رکھتے تھے۔ آپنے بکثرت ریاضتیں کی تھیں آپکے خوارق عادات اور کرامتیں مشہور ہیں۔ صاحب مراۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ مریدونکی تربیت میں دست قوی اور قبولیت تمام رکھتے تھے۔ اور صاحب خانوادہ تھے۔ آپکے مریدوں کو ہبیریان کہا کرتے تھے۔ آپکا اور آپکے مریدونکا طریقہ یہ تھا کہ دن رات باوضو رہتے اور حضور دل سے نماز ادا کرتے اور خدائے عزوجل کے سوا کسی اور کا ذکر اپنی مجلس میں نہیں کرتے تھے۔ اور صفائے باطن میں بہت کوشاں رہا کرتے تھے۔ تین تین چار چار روز کا روزہ رکھتے اور جنگلی میوہ یا سبزی سے افطار کرتے۔ ہمیشہ مراقبہ اور محاسبہ نفس میں مشغول رہا کرتے اور خلق اللہ کی آمیزش سے بھاگتے تھے اور ظاہر و باطن کو باہم جمع کرکے فنا و توحید کامل حاصل کرنیکی کوشش کرتے تھے ؎

ظاہر و باطن چو شد تسلیم دوست　　　　ماکنوں حقا مسلماں میروم

آپکے نزدیک کشف و کرامات کی بالکل قدر نہ تھی۔ آپ کی تاریخ وصال نہم یا ساتویں شوال ۲۸۷ھ دوسو ستاسی ہجری ہے۔ شہر بصرہ میں آپ دفن ہوئے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

حضرت سری بن مغلس سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سالک حضرت ملکوت۔ شاہد عزت جبروت۔ سردار گروہ بہشتی قطب عالم خواجہ

۱؎ دیکھو کشف المحجوب مصنفۂ علی بن عثمان ہجویری المخاطب بہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

سری بن مغلس سقطی قدس سرہ العزیز کی کنیت ابوالحسن تھی۔ حضرت جنیدؒ اور تمام اہل بغداد کے آپ استاد ہیں۔ امام ابوالقاسم قشیریؒ فرماتے ہیں کہ آپ حضرت جنیدؒ کے ماموں اور پیر تھے۔ حضرت معروف کرخیؒ کی صحبت میں رہے اور پرہیز گاری اور اعلیٰ احوال و علم توحید میں اپنے زمانہ کے یکتا تھے۔ یہی پہلے شخص ہیں جنھوں نے بغداد میں علم توحید پر گفتگو کی ہے۔ اور بغداد کے اکثر پیران طریقت کی نسبت انہیں تک پہونچتی ہے۔ صاحب مراۃ الاسرار کہتے ہیں "مرید خواجہ معروف کرخی است۔" خواجہ حبیب راعیؒ و خواجہ حارث محاسبیؒ و خواجہ بشر حافیؒ را دیدہ بود۔ وخال خواجہ جنید است وہم پیروے واکثر مشائخ عراق وجمیع بغدادیان مرید او بودند۔"

کشف المحجوب و تذکرۃ الاولیاء میں ہے کہ پہلے آپ کم قیمت اور پرانا مال بیچا کرتے تھے اسی لئے آپکو سقطی کہتے تھے۔ ایکمرتبہ بازار میں آگ لگی۔ لوگوں نے کہا کہ تمھاری دوکان بھی جل گئی ہوگی۔ آپنے فرمایا جھگڑا اچھوٹا۔ لوگوں نے جب اچھی طرح دیکھا تو معلوم ہوا کہ آپ کی دوکان بچ گئی ہے اور ادھر اُدھر دونوں طرف کی دوکانیں جل گئی ہیں۔ آپنے جب یہ حال دیکھا تو اپنا تمام مال راہ خدا میں لٹا دیا اور اہل تصوف کا طریقہ اختیار کیا اور خواجہ معروف کرخیؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر سخت ریاضتیں کیں۔

لوگوں نے پوچھا کہ آپ اس طرف کیسے رجوع ہوئے۔ فرمایا کہ ایک دن خواجہ حبیب راعیؒ میری دوکان پر سے گزرے۔ میں نے چند ٹوٹی پھوٹی اشیا انہیں دیں کہ درویشوں پر تقسیم فرمادیں۔ انھوں نے دعا دی کہ اللہ جلشانہ تجھے نیکی عطا فرمائے۔ جب سے میں نے یہ دعا سنی میری حالت بدلنی شروع ہوئی۔ امام ابوالقاسم قشیریؒ فرماتے ہیں ان السری السقطی کان یکون فی السوق وھو من اصحاب معروف کرخیؒ۔ ایکدن حضرت معروف کرخیؒ ایک یتیم لڑکے کو ہمراہ لئے انکی دوکان پر آئے اور کہا کہ اس یتیم کو کپڑے پہنادو۔ حضرت سری کہتے ہیں کہ میں نے اس لڑکے کو کپڑے پہنائے جس سے حضرت معروف کرخی رح بہت خوش ہوئے اور یہ دعا دی کہ بغض اللہ الیک الدنیا واراحک فیما انت فیہ۔ آپ کہتے ہیں کہ جب میں دوکان سے اُٹھا تو

کوئی شئے میرے دل میں دنیا سے زیادہ مبغوض نہ تھی اور جس حال میں کہ میں ہوں یہ سب حضرت معروف کرخیؒ کی دعا کی برکت سے ہے۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی شخص نہیں دیکھا جو خواجہ سری سقطیؒ سے زیادہ عبادت کرتا ہو باوجود اسکے چند بار روزانہ آئینہ میں اپنی صورت دیکھا کرتے تھے کہ کہیں شامت گناہ سے سیاہ تو نہیں ہوگئی ہے۔ یہ ہیبت کمال قرب وحضور کے وجہ سے تھی سہ

ہیبتِ قرب زبعد افزون ست ۔۔۔ جگراز ہیبت قربم خون است

ایکبار صبر پر کلام فرمارہے تھے کہ ایک بچھو نے ڈنک مارا لیکن آپنے التفات نہ فرمایا اسکے بعد لوگوں نے کہا کیوں نہ آپ نے بچھو کو نکالکر پھینکدیا۔ آپنے فرمایا مجھے شرم آئی اس لئے کہ صبر پر گفتگو کر رہا تھا۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت سری سقطیؒ بیمار ہوئے تو میں انکی عیادت کو گیا اور پنکھا اٹھا کر جھلنا شروع کیا۔ آپ نے فرمایا رکھدو ہوا سے آگ اور بھڑکتی ہے پھر مجھے وصیت کی کہ حق تعالیٰ کو چھوڑ کر اسباب خلق میں پھنس مت جانا۔

آپکا قول ہے کہ اے اللہ اگر تو مجھے کسی شئی سے عذاب دینا چاہے تو حجاب کی ذلت سے عذاب مت دینا کیونکہ جب میں تجھ سے حجاب میں نہونگا تو تیرے مشاہدہ کے باعث بلا وعذاب مجھ پر آسان ہو جائیگا اور اگر حجاب میں ہونگا تو اس ذلت کی حالت میں خود تیری نعمتیں مجھے ہلاک کردینگی۔ آپنے فرمایا سب سے بڑی قوت یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس کو مغلوب کرے۔ جو شخص اپنے تئیں ادب دینے سے عاجز رہا وہ غیر کو کب ادب دیسکتا ہے بندہ کی استدراج کی علامت یہ ہے کہ اپنے عیب سے اندھا اور دوسروں کے عیبوں سے آگاہ ہو۔ آپکا قول ہے کہ اس فقیر کا دل کیونکر روشن ہو سکتا ہے جو لین دین میں خیانت کرنے والوں۔ اور ظالموں اور رشوت خواروں سے معاملہ رکھنے والوں کے مال میں سے کھاتا ہو۔ آپنے فرمایا عارفوں کا برترین مقام شوق ہے۔ اور عارف وہ ہے جسکا کھانا بیماروں کا سا کھانا ہو جس کا سونا مارگزیدہ کا سا ہو اور جس کا عیش غرق شدہ لوگوں کا سا عیش ہو۔

علی بن حسینؒ کہتے ہیں کہ ایکبار میرے والد نے کھانسی کی کچھ گولیاں دیکر حضرت سری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس مجھے اس لئے بھیجا کہ انھیں کھانسی کی شکایت تھی انھوں نے مجھ سے دام پوچھے۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے کچھ نہیں بتایا ہے۔ آپ نے گولیاں واپس کردیں اور کہا کہ میرا اسلام کہنا اور یہ کہنا کہ ہم پچاس برس سے لوگوں کو یہ تعلیم دے رہے ہیں کہ دین کو معاش کا ذریعہ نہ بناؤ تو کیا آج تم سمجھتے ہو کہ میں دین کے ذریعہ سے کچھ کھاؤنگا۔ آپکا قول ہے کہ جو شخص لوگونکے ولی اللہ کہنے پر مطمئن ہوجائے وہ اپنے نفس کے ہاتھ میں گرفتار رہے آپنے فرمایا کہ تین باتیں اللہ تعالیٰ کے بندہ سے ناراض ہونے کی نشانیاں ہیں۔ کثرت سے کھیلنا۔ ٹھٹے کرنا اور غیبت کرنا۔ اور میں نے کوئی چیز اپنے نفس کی قلت معرفت اور دوسرنکے عیبوں پر نظر رکھنے سے بڑھکر اعمال کے مٹنے والی۔ دلونکو بگاڑنے والی۔ بندہ کو ہلاکی تک جلد پہونچانے والی۔ رنجونکو ٹھہرانے والی۔ غضب الٰہی سے قریب کرنے والی ریا و خود پسندی وحب جاہ کو پائدار کرنے والی نہ دیکھی۔ آپنے فرمایا کہ دو باتیں بندہ کو اللہ تعالیٰ سے دور کرتی ہیں۔ ایک فریضہ کو ضائع کرکے نفل کو ادا کرنا۔ دوسرے بغیر صدق دل کے اعضا سے عمل کرنا اور کہا کرتے تھے کہ جو تاریکیوں میں اپنے پروردگار سے مانوس ہوا قیامت کے دن اسی کا نام بلند روشن ہوگا۔ آپکی وفات بزمانہ خلافت ابو العباس احمد بن متوکل باللہ ۲۵۳ھ دوسو ترپن ہجری (یا امام شعرانی کی روایت کے بموجب ۲۵۱ھ دوسو اکیاون ہجری) میں سہ شنبہ کے روز تیسری رمضان کو بمقام بغداد واقع ہوئی۔ اور محلہ شونیزیہ بغداد میں دفن ہوئے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

خواجہ علو دینوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

شمس الفقرا۔ بدر الاتقیا۔ پیر ابدال۔ پیشوائے رجال۔ قامع کفر و ضلالت معروری مقتدائے وقت خواجہ علو دینوری قدس سرہ العزیز سلسلہ چشتیہ کے مشائخ متقدمین سے ہیں آپکو خرقۂ ارادت خواجہ ہبیرہ بصریؒ سے ملا تھا۔

صاحب مراۃ الاسرار فرماتے ہیں کہ "در مجاہدات و ریاضات محلے رفیع داشت و در

مشاہدہ مقامات عالی بے نظیر وقت بود۔" آپکے کمالات صوری و معنوی پر تمام اہل اللہ کا اتفاق تھا۔ بیان حقائق و معارف میں دستگاہ عظیم رکھتے تھے اور صفائے باطن کیطرف اسقدر متوجہ تھے کہ مثال نہیں مل سکتی۔ آپ مادر زاد عارف باللہ تھے۔ آپ شیفتۂ عشق و محبت تھے۔ اور سماع کیساتھ بہت ذوق تھا مگر جب اپنے پیرونکا عرس کرتے صرف اسی زمانہ میں عرس ہی کے روز سماع سنتے تھے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ عرس کے روز سماع سننے کی کیا وجہ ہے۔ آپنے فرمایا کہ یہ وہ دن ہے کہ اس روز حبیب اپنے حبیب سے ملا ہے الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب۔ پس میں صرف پیروں کی خوشی کے دن سماع کرتا ہوں تاکہ انکی توجہ سے بھی مقام وصال حاصل ہو۔

تذکرۃ الاصفیا اور بعض شجرات مشائخ چشت کی رو سے شیخ علو دینوری اور شیخ ممشاد دینوری دونوں ایک ہی شخص ہیں لیکن نفحات الانس سے معلوم ہوتا ہے کہ الگ الگ ہیں اور شیخ ممشاد دینوری کا تعلق خاندان سہروردیہ سے ہے اور خواجہ علو دینوری رح کا چشتیہ سے اسی خیال سے صاحب مراۃ الاسرار نے آپکا نام صرف علو دینوری لکھا ہے اور حضرت ممشاد دینوری کا حال الگ لکھا ہے اور صاحب سفینۃ الاولیا نے بھی اس شک کو ظاہر کیا ہے۔ آپکی وفات کا سنہ نہیں ملا۔ تاریخ سب تذکروں نے چودھویں محرم الحرام لکھی ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

مرجع مشائخ کبار۔ مطلع سعادت و انوار۔ بحر حقائق و اسرار۔ پیشوائے اہل حقیقت مقتدائے جہاں۔ اوتاد زمان شیخ علی الاطلاق۔ امام طریقت بالاتفاق سبق بردہ باشائی سید الطائفہ خواجہ جنید بغدادی قدس سرہ العزیز اکابر سلسلہ مشائخ اور اس راہ کے اماموں میں سمجھے جاتے ہیں۔ آپکی کنیت ابوالقاسم تھی۔ لقب کئی ایک تھے کوئی اس رعایت سے کہ آپکی والدہ ماجدہ آبگینہ کی تجارت کرتے تھے۔ آپ کو زجاج قواریری کہتا تھا۔ کوئی خزاز کہتا تھا۔ صاحب تاریخ یافعی لکھتے ہیں کہ "انما قیل لہ الخزاز لانہ کان یعمل الخز"

کہاجاتا ہے کہ آپکے بزرگ نہاوند کے رہنے والے تھے لیکن آپکا مولد و منشار بغداد شریف ہے بعض کہتے ہیں کہ آپ امام شافعیؒ کے شاگرد رشید حضرت ابوثورؒ کے مذہب پر تھے اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت سفیانؒ ثوری کے مذہب پر تھے۔ آپ کو اپنے ماموں حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت طریقت حاصل تھی جنکے علاوہ حضرت حارث محاسبیؒ اور محمدؒ قصابؒ کی صحبتوں میں بھی آپ رہے ہیں اور زانوئے شاگردی ان بزرگوں نے سامنے بھی تہ کیا ہے۔ صاحب مراۃ الاسرار فرماتے ہیں کہ ائمہ سادات ایں قوم است واکثرے ازیں طائفہ نسبت ارادت بوے درست کنند" اور اکابر مابعد مثلاً حضرت خرازؒ حضرت رویمؒ حضرت نوری۔ اور حضرت شبلیؒ آپکے شاگردوں اور مریدوں میں سے گزرے ہیں حضرت ابو العباس عطارؒ فرماتے ہیں کہ "امامنا فی هذا العلم ومرجعنا المقتدی به الجنید" یعنی علم طریقت و حقیقت میں حضرت جنیدؒ ہمارے پیشوا اور مرجع و مقتدی تھے۔ آپکی صحبت نہایت تہذیب خاموشی اور ادب کی صحبت تھی۔ اور جس شخص کو تھوڑی سی بھی یہ نعمت صحبت نصیب ہوئی ہے اس نے ہمیشہ فخر کیا ہے حضرت رویمؒ کا ایک واقعہ ہے کہ خلیفہ بغداد نے ایکمرتبہ انہیں بے ادب کہا۔ آپنے جواب دیا کہ مجھے نیم روز حضرت جنید کی نعمت صحبت نصیب ہوئی ہے پس میں کیونکر بے ادب ہوسکتا ہوں۔ آپکا قول ہے کہ" التصوف کله ادب"۔ یعنے تصوف سے مراد ادب ہے حضرت ابو جعفر حداد فرماتے ہیں کہ اگر عقل کسی انسان کی صورت میں تشکل ہوتی تو وہ حضرت جنیدؒ کی صورت ہوتی۔

کشف المحجوب میں صوفیوں کے دس مذہبوں کا ذکر ہے۔ ان میں سے ایک مذہب آپکے نام سے منسوب ہے اور جنیدیہ کہلاتا ہے۔ اس کا طریقہ صحو پر مبنی ہے اول سے آخر تک آپکا زمانہ نہایت پسندیدہ گزرا ہے اور اکثر مشائخ آپکے مذہب پر ہوئے ہیں۔ آپکو طاوس العلما اور سلطان المحققین بھی کہا کرتے تھے۔ مراۃ الاسرار میں ہے کہ زہد و عشق میں آپ بے نظیر تھے اور باوجود عشق صحو آپکے مذہب کی شان خاص تھی۔

آپ کی تصانیف بہت عالی ہیں جو حقایق و معانی سے پُر ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے جس بزرگ نے علم اشارت کو پھیلایا وہ آپ ہی تھے۔

نفحات الانس ملا جامیؒ ایکدن کا ذکر کرتے ہیں کہ حضرت جنیدؒ بچپن میں لڑکوں کیساتھ کھیل رہے تھے کہ حضرت سری سقطی کا ادھر سے گزر ہوا آپنے پوچھا "ما تقول فی الشکر یا غلام" یعنے کہو میاں صاحبزادے تمھاری رائے میں شکر کسے کہتے ہیں۔ آپنے جواب دیا۔ الشکران لا تستعین بنعمتہ علی معاصیتہ، یعنے حق سبحانہ تعالیٰ کے شکر بجالا نیکے معنی یہ ہیں کہ اسکی نعمتوں کو سوائے طاعت کے معاصی وغیرہ میں صرف نہ کرے حضرت سریؒ نے فرمایا "بسیار می ترسم کہ بہرۂ تو ہمیں از زبان تو باشد" حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ "ہمیشہ ازاں سخن ترساں بودم تا آنکہ روزے برو سے در آمدم وآنچہ محتاج الیہ وے بود ہمراہ بردم"

خواجہ جنیدؒ تمام تر درد اور شوق تھے۔ اور ابھی سات ہی برس کا سن تھا کہ اپنے ماموں کے ہمراہ مکہ معظمہ تشریف لے گئے وہاں سے بغداد شریف آئے اور آبگینہ فروشی اختیار کی ہر روز دوکان پر آتے لیکن پردہ ڈالکر نماز میں مشغول ہو جاتے۔ ایک مدت تک یہی حال رہا آخرکار دوکان اٹھا دی اور خواجہ سری سقطیؒ کے دروازہ پر بیٹھکر دل کی پاسبانی شروع کی اور ایک مدت مدید خلوت میں گزار دی تمام رات نماز پڑھتے اور صبح تک اللہ اللہ کہتے رہتے۔ حتیٰ کہ اس بلند مرتبہ پر پہونچے کہ خواجہ سری سقطی رح خود فرماتے تھے کہ جنید رح کا درجہ میرے درجہ سے بلند تر ہے۔

حضرت سری سقطیؒ نے ایکمرتبہ آپسے فرمایا کہ وعظ کیا کرو لیکن آپ گھبراتے تھے چنانچہ ایک شب جمعہ کو حضرت رسالت مآب صلعم کو خواب میں دیکھا کہ ارشاد فرماتے ہیں کہ کَلِّمْ عَلَی النَّاسِ حضرت جنید رح فرماتے ہیں کہ "چوں بیدار شدم پیش از صبح بدر خانہ سریؒ رفتم در بکوفتم۔ گفت مرا راست گو نہ دانستی تا ترا نہ گفتند" اسکے بعد آپ نے مجلس منعقد فرمائی اور وعظ فرمانا شروع کیا۔

صاحب سفینۃ الاولیا رنے ایک نقل بیان کی ہے کہ اس زمانہ کے بزرگوں میں سے کسی نے حضرت سرور کائنات علیہ الف الف تحیۃ والصلوٰۃ کو خواب میں دیکھا کہ حضورؐ تشریف فرما ہیں اور خواجہ جنید رح بھی حاضر ہیں کہ ایک شخص نے ایک فتویٰ لاکر حضورؐ کے ہاتھ میں دیا آپنے

فرمایا کہ جنیدؒ کو دو۔ اس نے کہا کہ یا رسول اللہ آپ تشریف فرما ہیں تو پھر میں کسی دوسرے کو کیوں دوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس قدر دیگر انبیاء کو اپنی تمام اُمت پر فخر و مباہات ہے مجھے جنیدؒ پر ہے۔

آپکا کلام ایسا تھا کہ سنکر لوگ محو ہو جاتے اور حیرت و سکوت کا عالم طاری رہتا ایکمرتبہ کسی نے پوچھا کہ "ایں علم را از کجا می گوئی گفت از کجا بودی برسیدی" آپ کو حضرت محمد بن علی القصابؒ سے بھی خاص فیض پہونچا تھا چنانچہ ایکمرتبہ آپکا ارشاد ہے "مردمان می انند کہ من شاگرد سری سقطی ام۔ من شاگرد محمد بن علی القصاہم"

آپکی صحبت میں سماع اور وجد ہرگز نہیں ہوا کرتا تھا اور ظاہر و باطن کی آراستگی شریعت سے کی جاتی تھی۔ ایکدن کا ذکر ہے کہ آپکی صحبت میں ایک مرید نے نعرہ مارا آپنے منع فرمایا اور کہا کہ اگر دوبارہ یہ حرکت کروگے تو باہر نکال دیئے جاؤگے۔ یہ ارشاد فرماکر آپنے پھر سلسلہ کلام آغاز فرمایا۔ اس جوانمرد مرید کی پھر کیفیت بدلی لیکن اسنے ضبط کیا مگر نوبت یہانتک پہونچی کہ نہ وہ اپنا حال ضبط کرسکتا تھا اور نہ آواز منھ سے نکال سکتا تھا حتی کہ اسی حالت میں اسکی روح پرواز کرگئی۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ آپنے بغداد میں ایک چور کو سولی پر لٹکا ہوا دیکھا جھپٹ کر اسکے پاؤں کو بوسہ دیا لوگوں نے اسکا سبب دریافت کیا تو آپنے فرمایا کہ وہ اپنے کام میں مستقل رہا اور اس قدر کمال حاصل کیا کہ اسی کام پر اپنی جان ہار دی۔

ایک دن ایک شخص نے آپکی مجلس میں کھڑے ہو کر یہ سوال کیا کہ دل کب خوش ہوتا ہے آپ نے فرمایا کہ اسوقت جبکہ وہ دل کے اندر ہوتا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ مرد اپنی سیرت کیوجہ سے مرد ہوا کرتا ہے نہ کہ صورت کیوجہ سے۔ وقت کی قدر کرو اگر وہ فوت ہو جائیگا تو پھر نصیب نہوگا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہمنے اس تصوف کو نہ قیل و قال سے حاصل کیا ہے اور نہ جنگ و کارزار سے بلکہ جو کچھ پایا ہے گرسنگی اور برہنگی سے پایا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ یہ راہ وہی چل سکتا ہے جو خدائے عزوجل کی کتاب کو دست راست میں رکھے اور سنت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کو دست چپ میں اور ان دو شمعوں کی روشنی میں منزل

طے کرے تاکہ غلط گاہوں میں گر کر ضائع ہونے سے محفوظ رہے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ اصول و فروع اور رنج برداشت کرنے میں ہمارے شیخ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہیں۔ باوجودیکہ آپ سپہ سالار اولیاء تھے مگر اس قدر تقویٰ تھا کہ دوسرے لوگ وہاں تک نہیں پہونچ سکتے۔ حضرت شیر خدا کو پروردگار عالم نے علم و حکمت کرامت عطا فرمائی تھی اور اگر آپکا یہ کلام موجود نہ ہوتا تو نہ معلوم اہل طریقت کا کام کیونکر نکلتا۔ یعنے ایکمرتبہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے کسی نے پوچھا کہ آپنے خدائے عز وجل کو کیسے پہچانا۔ آپ نے فرمایا اس نے خود ہی مجھے اپنے آپسے شناسا فرمایا کہ وہ ایسا خداوند ہے جسمیں کسی صورت سے شبہ نہیں ہوسکتا۔ نہ اُسے کسی جنس میں ہم پا سکتے ہیں اور نہ کسی مخلوق پر اُسے قیاس کر سکتے ہیں وہ باوجود دوری کے نزدیک ہے اور باوجود نزدیکی کے دور ہے ہر چیز سے بالاتر ہے اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسکے پہلے کوئی چیز تھی "او نیست چوں چیزے نیست از چیزے و نیست بہ چیزے۔ سبحان اللہ خدائے کہ او چنیں است و چنیں نیست ہیچ چیز"۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ دس سال میں نے دل کی پاسبانی کی۔ پھر دس سال دل نے میری پاسبانی کی اور اب بیس سال ہوگئے ہیں کہ نہ مجھے ابُ ل کی خبر ہے اور نہ دل کو میری۔

حضرت ابو اسمعیل عبد اللہ بن ابی منصور محمد الانصاری الہروی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ایکمرتبہ حضرت جنیدؒ حضرت ذوالنون فراقلیح مجنون کے پاس پہونچے اور سوال کیا کہ کیوں ہمیں نہ بتائیگا کہ یہ جنون کہاں سے پیدا ہوا۔ حضرت ذوالنون نے فرمایا حُبست فی الدنیا فجننت بفراقہ۔ یعنے دنیا میں محبوس ہوکر حق سبحانہ تعالیٰ کے فراق میں دیوانہ ہوگیا ایک شخص نے آپ سے کہا خراسان کے درویش حجاب کی تین قسمیں بتاتے ہیں۔ ایک حجاب خلق۔ دوم حجاب دنیا۔ سوم حجاب نفس آپنے فرمایا یہ تو عوام کے حجابات ہیں۔ خاص لوگوں کے حجابات دوسرے ہیں۔ رویۃ الاعمال و مطالبۃ الثواب علیہا ورویۃ النعم۔ یعنے اعمال پر نظر رکھنا۔ ثواب کا طلبگار رہنا اس طرح گویا اسکے فضل و احسان کو بھول جانا ہے۔ جو کوئی کہ اپنے اعمال پر نظر رکھتا ہے اسکا دل اللہ جلشانہ سے

محجوب رہتا ہے۔ اور جو کوئی اپنے اعمال کی جزا چاہتا ہے۔ یا یہ کہ منعم کی نعمت پر نظر رکھتا ہے وہ بھی محجوب ہے۔ آپ سے کسی نے پوچھا کہ عطا بغیر عمل بھی ممکن ہے۔ آپنے فرمایا ممکن ہے کل العمل من عطائہ یکون" یعنے عمل خود اسکی عطایا میں سے ہے۔ ایکمرتبہ ایک شخص آپکے پاس پانسو دینار لایا اور حضرت کے سامنے رکھکر کہنے لگا کہ انکو اپنے لوگوں میں تقسیم کردیجئے۔ آپنے پوچھا تمھارے پاس انکے سوا اور دنیا رکھی ہیں اسنے کہا کہ ہاں آپنے پھر پوچھا کہ جو کچھ تمھارے پاس ہے ان میں اضافہ بھی چاہتے ہو۔ اسنے کہا کہ ہاں آپنے فرمایا کہ ان دیناروںکو تمھیں لیجاؤ کیونکہ ہمسے زیادہ تم کو انکی احتیاج ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ ایکمرتبہ مجھسے شیطان سے ملاقات ہوئی وہ بازار میں ننگا پھر رہا تھا اور اسکے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا تھا جسے کھا رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ تجھے لوگوں سے شرم نہیں آتی۔ اس نے کہا کہ کیا ابوالقاسم روئے زمین پر اب کوئی ایسا بھی ہے جس سے شرم کیجائے جس سے شرم آتی تھی وہ خاک کے نیچے ہیں۔ اور ان کو مٹی کھا گئی۔ آپ سے پوچھا گیا کہ کیا بات ہے کہ آدمی سکون کی حالت میں رہتا ہے اور جب سماع سنتا ہے تو بیچین ہوجاتا ہے۔ آپنے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدم کی ذریت کو میثاق اول میں الست بربکم سے خطاب فرمایا تو روحوں پر اس کلام کے سماع کی روشنی نے اثر کیا اس لئے جب سماع سننے میں آتا ہے تو اسکی یاد ان کو حرکت میں لاتی ہے۔

ایک روز آپ حضرت سری سقطیؒ کے پاس تشریف لے گئے وہاں دیکھا کہ ایک شخص غشی کی حالت میں پڑا ہے۔ آپنے پوچھا کہ حضور یہ کیا ماجرا ہے حضرت نے فرمایا کہ اسنے قرآن پاک کی ایک آیت سنی تھی جسے سنکر بیہوش ہوگیا۔ آپ فرماتے ہیں میں نے عرض کی کہ اسکے سامنے پھر وہی آیت پڑھی جائے۔ چنانچہ پڑھی گئی اور وہ شخص ہوش میں آگیا اس پر حضرت سریؒ نے کہا کہ تم کو یہ کہاں سے معلوم ہوا میں نے جواب دیا کہ حضرت یعقوبؑ کی آنکھیں حضرت یوسفؑ کی قمیص سے جاتی رہی تھیں اور پھر اُسی کی سبب سے اُنکی بینائی لوٹ بھی آئی تھی۔

آپ سے کسی نے پوچھا کہ اسکا کیا باعث ہے کہ لوگ اشعار اور راگ سنکر خوشی منا تے ہیں۔ انھوں نے کہا اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں اور اس سبب سے کہ عاشقوں کے کلام ہیں۔

آپ سے پوچھا گیا کہ اہل اللہ لوگوں کے مال سے کیوں محروم رکھے گئے۔ اسکے جواب میں انھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انکے لئے لوگوں کے قبضہ کی چیزونکو پسند نہیں فرماتا مبادا یہ خلق کیطرف مائل اور اس باعث حق تعالیٰ سے منقطع ہو جائیں۔ پس اللہ تعالیٰ کو چونکہ انکی نگہداشت منظور ہے اس لئے ان کے ارادہ کو یکسو کر کے اپنی طرف کر لیا ہے۔ آپ جب توحید کے مضامین بیان فرماتے تو طرح طرح سے بیان کرتے بعض بیانات ایسے مشکل ہوتے کہ دوسرونکی سمجھ میں آنا دشوار ہوتا۔ ایکدن شیخ شبلی رح آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی جلسہ میں انھوں نے اللہ جلشانہٗ کا نام لیا خواجہ جنیدؒ نے فرمایا کہ اگر خدا غائب ہے تو غائب کا ذکر کرنا غیبت میں داخل ہے اور غیبت حرام ہے اور اگر وہ حاضر ہے تو مشاہدہ کی حالت میں اس کا نام زبان پر لانا ترک حرمت ہے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ جلشانہٗ اپنے بندوں سے دو قسم کے علوم کا طلبگار ہے۔ ایک اسکی شناخت اور عبودیت کا علم اور دوسری اسکی ربوبیت کا علم۔ ان دو کے علاوہ جو کچھ ہے وہ سب حظ نفس ہے۔

آپ فرماتے تھے کہ اقربائے بدخو سے صحبت رکھنے کے مقابلہ میں نیک خصلت فاسقونکی صحبت مجھے زیادہ پسند ہے۔ آپ سے کسی نے پوچھا کہ توحید کیا شئے ہے۔ آپنے فرمایا۔ کہ وہ یقین ہے۔ پوچھا کیونکر فرمایا کہ جب تم یہ جان جاؤ کہ خلق کے حرکات و سکنات سب خدائے عزوجل کے فعل ہیں اور کسی کو نہ اسکے کام میں دخل ہے اور نہ شرکت حاصل ہے۔ جب سمجھ لوگے تو توحید کی شرط بجالاؤگے۔ کسی نے آپ سے پوچھا کہ کس شخص کے پاس بیٹھنا چاہیئے۔ آپنے فرمایا کہ اسکے پاس بیٹھو جس نے تمھارے ساتھ جسقدر نیکیاں کی ہیں ان میں سے کوئی بھی اُسے یاد نہوں۔ آپ سے پوچھا کہ بندہ کسے کہتے ہیں فرمایا کہ بندہ وہ ہے جو لوگوں کی بندگی سے آزاد ہو۔ آپ سے پوچھا کہ خدا کی راہ کیونکر نصیب ہو فرمایا دنیا کو

ترک کرو مل جائیگی۔ دنیا کے ترک سے آپکی مراد یہ ہے کہ دنیاوی تعلق میں پھنسکر کوئی خدائے عزوجل کو نہ بھول جائے۔

آپ فرماتے ہیں کہ ایک شب میں نماز پڑھ رہا تھا مگر طبیعت حاضر نہیں ہوتی تھی اور جی نہیں لگتا تھا۔ ہرچند کوشش کرتا تھا مگر نفس ایک سجدہ میں بھی موافقت نہیں کرتا تھا اور اسکی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی تھی آخر کار میں گھبرا گیا اور ارادہ کیا کہ گھر سے باہر چلا جاؤں جب دروازہ کھولا تو ایک جوان آدمی کو دیکھا کہ کمل پہنے ہوئے دروازہ پر منتظر کھڑا ہے۔ جب مجھے دیکھا تو کہنے لگا اتنی دیر تک آپنے انتظار کرایا۔ میں نے کہا کہ تم ہی تھے جو میرے دل کو بیقرار کر رہے تھے اس نے کہا ہاں۔ میرے ایک مسئلہ کا جواب دیجئے یعنے آیا کبھی ایسا ہوتا ہے کہ نفس کا درد اُسی کی دوا ہو جاتا ہے۔ میں نے کہا "آرے چوں مخالفت ہوائے خود کند کہ درد او دوائے او گردد"۔ جب میں نے یہ کہا تو اس نے سر گریبان میں ڈالدیا اور اپنے نفس سے کہنے لگا اتنے بار تونے مجھ سے یہی جواب سنا ہے اب جنیدؒ سے بھی سُن لے یہ کہکر وہ اٹھا اور چلا گیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ کہاں سے آیا تھا اور کہاں گیا۔

جب آپ کے انتقال کا وقت آیا تو آپ نے وصیت کی کہ جو کچھ علم میری طرف منسوب ہے وہ بھی میرے ساتھ دفن کردیا جائے۔ کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ جس حال میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم لوگوں کے پاس موجود ہے مجھے اللہ تعالیٰ ایسی حالت میں نہ دیکھے کہ میں نے کوئی ایسی چیز چھوڑی ہو۔ جو میری طرف منسوب ہو۔ وفات کے قریب ابو محمد جریریؒ انکے پاس آکر پوچھنے لگے کہ آپ کو کوئی کام ہے۔ انھوں نے کہا ہاں جب میں مرجاؤں تو مجھے غسل دو کفناؤ اور میری نماز پڑھو۔ یہ سنکر جریریؒ روئے اور انکے ساتھ اور لوگ بھی روئے۔ اسکے بعد حضرت جنیدؒ نے کہا کہ ایک کام اور بھی ہے۔ جریریؒ نے عرض کی وہ کیا۔ کہا کہ میرے اصحاب کیلئے ولیمہ کا کھانا تیار کراؤ اس لئے کہ جب وہ جنازے سے واپس آئیں تو انکو یہ کھانا ملے تاکہ ان میں پراگندگی واقع نہ ہو۔ یہ سنکر جریریؒ رونے لگے اور کہا کہ واللہ اگر ہم اپنی یہ دونوں آنکھیں بھی کھو بیٹھیں تو بھی آپکے بعد ہم میں سے کبھی دو آدمی ایک جا جمع نہونگے۔ ابو جعفر فرغانی کہتے ہیں کہ واللہ جنیدؒ کی وفات کے بعد ایسا ہی معاملہ پیش آیا

سنیچر کے دن ۲۹۷ھ (دو سو ستانوے ہجری) میں آپ بزمانہ خلافت ابو الفضل جعفر بن معتضد جسکا لقب مقتدر باللہ تھا رگرا سے عالم جاودانی ہوئے اور بغداد شریف میں دفن ہوئے جہاں آپکا مزار مبارک ابتک خاص و عام کی زیارت گاہ ہے۔ جُریری کا بیان ہے کہ جنیدؒ کے پڑوس میں ایک دیوانہ ایک کھنڈر میں رہتا تھا۔ جب جنیدؒ نے قضا کی اور ہم ان کو دفن کرکے واپس آرہے تھے تو وہ دیوانہ ہمارے سامنے آیا اور ایک بلندی پر چڑھکر کہنے لگا کہ اے ابو محمدؒ کیا تم سمجھتے ہو کہ جب میں اس سردار کو کھو چکا تو میں اس کھنڈر میں پھر لوٹ کر آؤنگا۔ یہ کہکر چند اشعار پڑھے اور کسی طرف غائب ہوگیا۔ عالم ربانی غوث الصمدانی حضرت سیدنا امام عبدالوہاب شعرانی رح کی مشہور و معروف کتاب طبقات الکبریٰ سے آپکے چند اقوال اقتباس کرکے یہاں درج کئے جاتے ہیں۔ آپکا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ دلوں کی طرف سے اسی قدر اپنی خالص بھلائی پہونچاتا ہے جس قدر دلوں نے خلوص کے ساتھ اسکا ذکر کیا ہے اس لئے دیکھا کرو کہ تمہارے دل میں کونسی چیز ذکر مل گئی ہے۔ تصوف اللہ تعالیٰ کے ساتھ صاف معاملہ رکھنا ہے اور اسکی اصل دنیا سے پھر جانا ہے جیسے کہ حضرت حارث نے کہا ہے کہ میں نے اپنے نفس کو دنیا سے پھیر دیا پس راتوں کو جاگتا رہا اور دنوں کو تشنگی میں کاٹا۔ اللہ جلشانہ سے غافل ہونا دوزخ میں جانے سے زیادہ تر سخت ہے۔ جس نے اللہ تعالیٰ کیطرف (ظاہراً) اشارہ اور اسکے غیر کے پاس (باطناً) قیام کیا اس کو اللہ تعالیٰ مصیبت میں مبتلا فرماتا ہے اور اپنا ذکر اسکے قلب سے روکدیتا ہے اور اسکی زبان سے جاری رکھتا ہے۔ پس اگر وہ چونکا اور اللہ ہی کا ہو رہا تو اللہ تعالیٰ جلشانہ اس مصیبت کو اس سے دور فرماتا ہے اور اگر برابر غیر ہی کے پاس ٹھہرا رہا تو خلایق کے دلوں سے اُس پر رحم کرنیکا مادہ نکال لیتا ہے اور اس کو لوگوں سے امیدیں رکھنے کا جامہ پہنا دیتا ہے اور اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسکا سوال اُن سے بڑھتا جاتا ہے حالانکہ اُن کے دل اس پر رحم کرنے سے خالی ہوتے ہیں۔ پس اسکی زندگی بیکسی کی اور اسکی موت صعوبت کی اور اسکی آخرت افسوس و حسرت کی ہوتی ہے۔ ہم اللہ کے سوا اور کسی طرف مائل ہونے سے اللہ ہی کی پناہ چاہتے ہیں۔ آپ فرمایا

کرتے تھے کہ جو شخص اپنے دین کو سلامت رکھنا اور اپنے جسم و دل کو آرام دینا چاہے وہ
لوگوں سے نہ ملا کرے کیونکہ یہ وحشت کا زمانہ ہے اس لئے عاقل وہی ہے جو اس میں
گوشہ گیری اختیار کرے سچے مرید کو علما کے علم کی حاجت نہیں اور جب اللہ تعالیٰ مرید
کی بھلائی چاہتا ہے تو اسکو صوفیوں کیطرف پہونچاتا ہے اور مولویوں کی صحبت سے
روکدیتا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب تم کسی صوفی کو اپنے ظاہر کی پرداخت کرتے
دیکھو تو سمجھ لو کہ اسکا باطن خراب ہے وہ توحید جسمیں صوفیہ منفرد ہیں قدیم کو حدوث سے
الگ کر لینا۔ وطنوں سے باہر نکلنا محبتونکا قطع کرنا۔ معلوم و مجہول کا ترک کر دینا اور
سب کی جگہ حق کا قایم ہو جاتا ہے۔ آپکا قول ہے کہ تصوف کی بناء آٹھ اخلاق پر ہے جو
انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے پہونچے ہیں (۱) سخاوت جو حضرت ابراہیم کی عادت
تھی (۲) رضا جو حضرت اسحٰق میں تھی (۳) صبر جو حضرت ایوبؑ کی صفت تھی
(۴) اشارہ جو حضرت زکریا میں تھی (۵) گھربار چھٹنا جسکا مظہر حضرت یحییٰ تھے (۶)
صوف پہنا جو حضرت موسیٰ کا وصف تھا (۷) سیاحت جو حضرت عیسیٰ کی خصوصیت
تھی اور (۸) فقر جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف تھا۔ اللہ جلشانہ
کی معرفت کے متعلق آپ سے پوچھا گیا کہ یہ کسب سے حاصل ہوتی ہے یا بلا اختیار؟ آپنے
فرمایا کہ چیزیں دو طرحسے دریافت ہوتی ہیں جو چیزیں کہ سامنے موجود ہوتی ہیں وہ تو حواس
سے اور جو غائب ہوتی ہیں وہ دلیل سے اور چونکہ حق تعالیٰ ہمارے حواس کے سامنے حاضر
نہیں ہے اس لئے اسکی معرفت دلیل و جستجو سے ہوگی کیونکہ ہم پوشیدہ اور غائب کو دلیل
ہی سے جانتے ہیں اور حاضر کو حس ہی سے پہچانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے کسی کو
نہیں دیکھا کہ اس نے دنیا کی عظمت کی ہو اور اسمیں اسکی آنکھیں ٹھنڈی ہوئی ہوں
اسمیں آنکھیں انھیں لوگونکی ٹھنڈی ہوتی ہیں جو اسے حقیر سمجھتے ہیں اور اس سے اعراض
کرتے ہیں۔ آپنے فرمایا کہ علم کی ایک قیمت ہے۔ اس لئے قیمت لئے بغیر کسی کو نہ دیا کرو
اسپر لوگوں نے پوچھا کہ بھلا علم کی قیمت کیا ہے۔ آپنے فرمایا کہ ایک ایسے شخص کے پاس اُسے
رکھنا جو خوبی کیساتھ اسکا بار اٹھائے اور اُسے ضایع نہ کرے ایکمرتبہ آپسے پوچھا گیا کہ آپنے

اصحاب کیسے ہیں یہ تو کھاتے بہت ہیں۔ انھوں نے کہا اس لئے کہ بھوکے بہت رہتے ہیں
پھر پوچھا کہ قوت شہوت کیوں نہیں اُن کو دباتی۔ آپ نے فرمایا اس سبب سے کہ انھوں نے
زنا کا مزا نہیں چکھا ہے اور حلال کھاتے ہیں۔ اسکے بعد پوچھا کہ اسکی کیا وجہ ہے کہ یہ جب
قرآن سنتے ہیں تو خوشی نہیں مناتے۔ آپنے فرمایا کہ قرآن میں کونسی چیز دنیا میں خوش
کرنے والی ہے۔ قرآن حق ہے اور حق کے پاس سے اُترا ہے اور مخلوق کی صفات کے
سزاوار نہیں ہے۔ اسکے ہر حرف کے لحاظ سے مخلوق پر ایک نہ ایک چیز واجب ہے جس سے کہ بجز
اسکے کہ خاص اللہ عزوجل کے لئے اُسے پورا کیا جائے کسی طرح کوئی عہدہ برآ نہیں ہو سکتا
ہاں آخرت میں جب اسے خود کہنے والے سے سُنینگے تو خوشیاں منائیں گے ؎

دل عاشق رُوئے تست باعہد درست — جان طالب وصل تست از روز نخست
آنکس کہ نہ جست وصل تو ہیچ نیافت — وآنکس کہ ترا یافت ہیچ نہ جست

خواجہ ممشاد دینوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

مقتدائے طریقت۔ عارف حقیقت۔ اُمیدگاہ بادیہ پیمایان رنجوری شیخ وقت خواجہ
ممشاد دینوری قدس سرہ العزیز اپنے زمانہ کے مشائخ کبار میں سے تھے آپکا وطن دینور تھا جو
کرمان شاہ کے مغربی کوہستان میں ہے مگر آپکی نشو ونما بغداد میں ہوئی اور بزرگان عراق
میں آپکا شمار ہے۔ آپ اس فرقہ کے جوانمردوں میں سے تھے۔ اور صاحب علم وعمل کرامات
ظاہر و باہر اور عمدہ اور پسندیدہ احوال رکھنے والے تھے۔ اور خواجہ جنید بغدادیؒ خواجہ محمد
رویم اور خواجہ ابوالحسن بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اقران میں سے تھے۔ خواجہ جنیدؒ
کی بھی صحبت میں آپ رہے ہیں اور مشائخ سہروردیہ کے آپ بزرگوں میں سے ہیں۔

آپکا ارشاد ہے کہ چالیس سال سے بہشت اور جو کچھ اسمیں ہے میرے سامنے پیش
کرتے ہیں مگر میں گوشہ چشم سے بھی نہیں دیکھتا آپکا قول ہے کہ معرفت تمام تر صدق اور اللہ
کے ساتھ محقق ہو جاتا ہے۔ طریق الحق بعید والسیر مع الحق شدید۔ آپنے
فرمایا کہ جو کوئی اللہ عزوجل کے دوستوں میں سے کسی ایک کے ساتھ انکار سے پیش آئیگا

تو اسکی ادنیٰ عقوبت یہ ہے کہ جتبک وہ توبہ نہ کریگا ہرگز اللہ جلشانہ کوئی ایسی نعمت اُسے نہ دیگا جو اپنے دوست کو اس نے دی ہے۔ آپکا قول ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی روحیں کشف و مشاہدے کی حالت میں ہیں اور اولیاء اللہ کی روحیں قربِ اطلاع کی حالت میں۔ آپ کہتے ہیں کہ ہمت سب کاموں میں پیشرو ہے جسکی ہمت درست ہوئی اور جو اسمیں سچا نکلا اسکے باقی سب اعمال درست ہوگئے۔ ان سے کسی فقیر نے پوچھا کہ درویش جب بھوکا ہو تو کیا کرے۔ آپنے کہا نمازیں پڑھے۔ اس نے کہا اگر نماز نہ پڑھ سکے۔ آپنے کہا تو سو رہے۔ اس نے کہا اگر سو بھی نہ سکے۔ آپنے فرمایا کہ اللہ جلشانہ فقیر کو تین حالتوں سے باہر نہ جانے دیگا یا قوت بخشیگا یا غذا پہونچائیگا۔ یا اسکو اپنے پاس بلالیگا۔ آپنے فرمایا مرید کا ادب یہ ہے کہ مشایخ و برادران طریقت کی حرمت کرے۔ اسباب کے پیچ وخم سے باہر نکل آئے اور بالکل مجرد ہو جائے اور شرع کے آداب کو اسطرح نگاہ میں رکھے کہ اسمیں سے ایک بھی فوت نہ ہونے پائے۔ آپکی وفات تیسری دیا چودھویں محرم ۲۹۱ھ دوسو نناوے ہجری دیا بروایت امام شعرانی ۲۹۷ھ) کو واقع ہوئی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

خواجہ ابو علی رودیاری قدس سرہ العزیز

قدوہ اولیاے روزگار پیشواے بزرگان نامدار گنجینہ ہدایت۔ کان ولایت۔ مقرب حضرت باری خواجہ ابو علی رودباری قدس سرہ العزیز اپنے زمانہ کے اولیاء کبار میں سے تھے۔ آپکا نام نامی احمد بن محمد بن القاسم بن منصور در وزی تھا۔ آپ علاقہ رودبار کے رہنے والے ہیں صاحب نفحات الانس کہتے ہیں کہ آپ دروزکے رؤساء کے خاندان سے تھے اور آپکا نسب کسرائے ایران سے جاکر ملتا تھا۔ آپکے ترک و توبہ کا حال اسطرح درج ہے کہ ایک دن حضرت جنید بغدادیؒ جامع مسجد میں کچھ فرما رہے تھے کہ خواجہ ابو علی ادھر سے گذرے حضرت جنیدؒ نے کسی دوسرے شخص سے کہا اسمع یا ھٰذا اے شخص میری بات سن یہ سبھے مجھ سے فرماتے ہیں۔ اور ہمہ تن اس طرف متوجہ ہوگئے حضرت جنیدؒ کے کلام نے انکے دل پر اثر کیا کہ تمام مال و منال خدائے عز وجل کی راہ میں خیرات کرکے اہل صوفیہ کے

طریقہ پر آئے۔ آپ حافظ حدیث وعالم وفقیہہ اور ادیب تھے۔ اپنے وقت کے امام اور اپنی قوم کے سردار اور حضرت ابوعبد اللہ رودباری کے ماموں تھے۔ شیخ ابو علی کاتب کہتے ہیں میں نے کسی شخص میں ابو علی رودباری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے زیادہ علم شریعت وحقیقت کو جمع نہیں دیکھا۔ جب کبھی اُنکے سامنے شیخ ابو علی رودباری رح کا نام لیا جاتا تو سید نا کہتے۔ آپکے شاگردوں نے اسکا سبب پوچھا تو فرمایا ہاں وہ شریعت سے حقیقت کیطرف گئے ہیں اور ہم حقیقت سے شریعت کیطرف آئے ہیں۔ شیخ عبد الغفور لاری اس قول کی شرح یوں بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص حقیقت سے شریعت کیطرف آتا ہے تو مجذوب سالک کہا جاتا ہے اور حقیقت کیطرف رجوع کرنیکا محتاج ہوتا ہے بخلاف اس شخص کے جو شریعت سے حقیقت کیطرف جاتا ہے۔ اسے سالک مجذوب کہتے ہیں۔ وہ عین وصل کے لطف میں ہے اور اسکا حال اول الذکر سے نیکوتر ہوتا ہے اس زمانہ میں بغداد شریف میں جسقدر بزرگوار تھے مثلاً حضرت جنید، شیخ ابوالحسن نوری۔ شیخ ابوحمزہ وابن جلا وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سب کیخدمت میں آپ حاضر ہوئے اور صحبت اٹھائی۔ پھر شام گئے وہاں ابوعبد اللہ جلادی کی صحبت میں رہے۔ پھر مصر گئے اور وہیں اقامت فرمائی اور انتقال فرمایا۔

صاحب مرأۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ سلسلہ نقشبندیہ وسہرویہ بواسطہ او بخواجہ جنید رح میرسد۔ آپکی وفات مصر میں ۳۲۲ھ (تین سو بائیس ہجری) میں بزمانہ خلافت ابوالعباس محمد بن مقتدر الملقب بہ راضی باللہ واقع ہوئی رحمتہ اللہ علیہ۔ نفحات الانس میں ہے کہ وقت نزع آپ کے زبان مبارک پر یہ شعر تھا ؎

وحقك لا نظرت الى سواكا بعين مودة حتى اراكا

یعنی تیرے حق کے سوگند جب تک میں تجھے دیکھتا رہونگا محبت کے نظر سوائے تیرے میں کسی پر نہ ڈالونگا۔ یعنی تجھی کو دیکھتے دیکھتے مرجاؤنگا۔ مولوی عبد الغفور لاری لکھتے ہیں کہ مشاہدہ کے حالت میں مرجانے کا ذکر اسلئے کیا کہ پورا پورا مشاہدہ موت ہی کے وقت حاصل ہوتا ہے۔

آپ کے کلمات عشق ومحبت میں بکثرت ہیں۔ آپ کے یہ شعر ہیں:-

من لم یکن بک فانیا عن خطہ | وعن الھویٰ والانس بالاحباب
او یتمتہ صبابتہ جمعت لہ | ماکان فرقہ من الاسباب

یعنی جو کوئی بہ طریق سلوک اپنی تمناؤں اور اپنی خواہش نفسانی اور دوستوں کے میل ملاپ وانسیت سے فانی نہیں ہوا یا بطریق جذبہ اس میں عشق کے گرمی اور سوزش نہیں پیدا ہوئی جس سے وہ ایک ہی کا ہو رہے اور متفرق و پریشان اسباب ایک مقام پر آجائیں ایسا شخص منزل حقیقت کو نہیں پہونچا آپ کا قول ہے ؎

والاھم قبل اعمالھم | وعاداھم قبل اعمالھم

ثم جازاھم بعد اعمالھم یعنی اعمال کے قبل ہی ایک جماعت کو اپنا دوست بنا لیا اور ایک جماعت کو اپنا دشمن کر دیا۔ اس کے بعد جب اعمال سرزد ہوئی تو اسکی سزا دی آپ کا قول ہے کہ ناموافق ومخالف طبیعت کے آدمیوں کے ساتھ زندگی بسر کرنا تنگ ترین زندان ہے زیادتی گفتار بر کردار نقصان ووبال ہی اور زیادتی کردار بر گفتار نکوئی اور کمال ہی۔ اللہ جل شانہ کی کسی بندے سے اعراض کرنیکی علامت یہ ہی کہ وہ اس بندے کو ایسے شئے میں مشغول کر دے جس سے اس کو کوئی نفع حاصل نہ ہو سکتا ہو۔ آپ کا قول ہے کہ جبتک کہ تم ہمہ تن اپنی خودی سے باہر نہ آؤگے محبت کے صدود میں داخل نہیں ہو سکتے۔

خواجہ ابو اسحاق چشتی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ

تاج الاولیا۔ سراج الاصفیا۔ سید المشائخ باتفاق قطب ابدال خواجہ ابو اسحاق چشتی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اولیا صاحب اسرار میں سے تھے اور خرقہ ارادت خواجہ علو دینوری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے حاصل کیا تھا آپ شام کے رہنے والے تھے۔ وہاں سے بہ نیت ارادت بغداد تشریف لائے اور خواجہ علو دینوریؒ کے مرید ہوئے۔ حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے۔ آپنے فرمایا اسحاق شامی۔ خواجہؒ نے فرمایا آج سے تمہیں ابو اسحاق چشتی کہینگے۔ اس لئے کہ چشت اور اس دیار کی خلقت تم سے راہ ہدایت حاصل کریگی۔ اس کے بعد تربیت فرما کر موضع چشت کے طرف روانہ کیا۔ آپ کے اس نام کے وجہ سے

بعدہٗ اس سلسلہ کا نام بھی سلسلہ خواجگان چشت ہوگیا اس سلسلہ کے بزرگوں کا طریقہ یہ ہے کہ سنت نبوی کے موافق شہروں میں رہتے ہیں اور خلق اللہ کے ساتھ گذر کرتے اور ماسوا اللہ سے نہی و انکار رکھتے ہیں اور ہمیشہ صفائی باطن میں کوشاں رہتے ہیں۔ ریاضت کو عزیز رکھتے ہیں۔ فقیر اور غنی سب کے ساتھ فضل کرتے ہیں۔ اور فقیر کو بہت دوست رکھتے ہیں۔ مہمان کی خدمت توجہ سے کرتے ہیں۔ اور سماع اور اہل سماع کو بغایت عزیز رکھتے ہیں۔ اپنے پیروں کا عرس کرتے اور اپنے سے ہر شخص کو بہتر جانتے ہیں اور ہر فرقہ کے ساتھ صلح رکھتے ہیں۔ سیر اولیاء میں ہے کہ خواجہ ابو اسحٰق چشتیؒ مکاشفات کو پوشیدہ رکھنے اور صحو کی صورت قائم رکھنے کی بہت کوشش کرتے تھے تاکہ اُن کے کمال حال پر عوام کو اطلاع نہ ہو۔ آپ سے چشت کے مشائخ مثلاً خواجہ احمد وغیرہ کی تربیت ہوئی اور مرتبہ کمال کو پہونچے۔ آپ کی وفات چودھویں ربیع الثانی ۳۲۹ھ تین سو اُنتیس ہجری کو واقع ہوئی۔ بعضوں نے بارہویں ربیع الاول بھی لکھی ہے مگر اول الذکر صحیح تر ہے۔ آپ کی قبر عکہ میں ہے۔ جو شام کا ایک شہر ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

حضرت ابوبکر شبلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مقتدائے اولیاء صاحب اسرار۔ پیشوائے اخیار و ابرار۔ صاحب ولایت معنوی قطب افراد خواجہ ابوبکر شبلی قدس سرہٗ العزیز۔ اپنے زمانہ کے نہایت برگزیدہ لوگوں میں سے تھے۔ آپ کا اسم مبارک جعفر ابن یونس تھا۔ اور یہی قبر پر کندہ ہے۔ لیکن بعض آپ کو دُلف ابن جعفر اور بعض دُلف ابن جحدر لکھتے ہیں۔ اِسی طرح آپ کے وطن کے متعلق بھی لوگوں میں اختلاف ہے۔ صاحب نفحات الانس حضرت شیخ الاسلام ابو اسمٰعیل عبد اللہ بن محمد الانصاری الہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کے بنا پر لکھتے ہیں کہ "وے مصری است بہ بغداد آمد" لیکن صاحب طبقات السلمی لکھتے ہیں کہ "انہ خراسانی الاصل بغدادی المنشأ والمولد واصلہ من اسروشنہ من فرغانہ ومولدہ کما قیل سامرۃ"۔ صاحب طبقات الکبریٰ نے انھیں خراسانی الاصل تو تسلیم کیا ہے لیکن یہ لکھا ہے کہ بغداد ہی میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو ونما پائی۔

آپ کے والد ماجد خلیفہ بغداد کے حاجب الحجاب تھے اور خود یہ بھی درباریوں میں سے تھے کہ اسی حال میں توفیق الٰہی شامل حال ہوئی اور حضرت ابوالحسن خیر نساج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں حاضر ہو کر توبہ کی اور سید الطائفہ حضرت شیخ جنید بغدادی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف ارادت حاصل کیا۔

حضرت ابوبکر شبلیؒ امام مالکؒ کے مذہب پر تھے۔ اور اسی میں تفقہ حاصل کیا اور موطا حفظ کی اور بہت سی حدیثیں لکھیں۔ تاسی سال دنیا میں رہے اور ۳۳۴ھ (تین سو چونتیس ہجری) ماہ ذوالحجہ میں اس عالم فانی کو ترک کر کے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی اور بغداد میں مقبرہ خیزران میں دفن ہوئے۔ یتبرک و یزار۔

آپ کی شان میں صرف اسقدر لکھنا کافی ہے کہ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ جس نگاہ سے تم لوگ ایک دوسرے کو دیکھتے ہو اس نگاہ سے شبلیؒ کو نہ دیکھا کرو کیونکہ وہ عین من عیون اللہ ہے۔ پھر دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ " لکل قوم تاج وتاج ھذا القوم الشبلی۔

آپ نے ریاضتیں حد درجہ کی تھیں۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ بیداری کی عادت ڈالنے کو میں نے فلاں فلاں رات اپنی آنکھوں میں نمک ڈالا تھا" اور بعدہٗ "سلائی گرم کر کے اپنی آنکھوں میں پھیری" غلبہ حال کی وجہ سے اکثر آپ بیمار ہو جاتے تھے حتیٰ کہ بائیس مرتبہ شفاخانہ میں رہنے کی نوبت آئی ہے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ یہ سرمایہ وقت جو تمھیں نصیب ہوا ہے اُسے بہت غنیمت سمجھو۔ فردائے قیامت کوئی دوسرا سرمایہ نصیب نہ ہوگا۔ یہی ہمیں دیا جائیگا۔ شیخ الاسلام ابو اسمٰعیل ہرویؒ فرماتے ہیں کہ یہی معنے خدائے جل وعلےٰ کے اس قول کے ہیں جو قیامت کے دن منافقوں سے فرمائے گا۔ ارجعوا وراءکم فالتمسوا نوراً۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ صوفیہ کے علم کا کیا کہنا۔ اس کے مقابلہ میں علماء کا علم ایک تہمت ہے ایکدن کسی نے کہا کہ حضرت ابوتراب نخشبیؒ کو جنگل میں بھوک لگی تھی تو اُنھوں نے سارے جنگل کو کھانا ہی کھانا دیکھا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ ان کے ساتھ نرمی برتی گئی ورنہ تحقیق کے مقام تک

پہونچے ہوتے تو ویسی ہی ہوتے جیسا کہ پیغمبر صاحب صلعم نے فرمایا ہے کہ میں اپنے رب کے پاس میں
رہتا ہوں وہ مجھے کھانا کھلاتا اور پانی پلاتا ہے۔

آپ سے پوچھا کہ آدمی مرید کب ہوتا ہے۔ آپ نے کہا جب اسکے حالات سفر و حضر۔
غیبت و حضور دونوں میں برابر رہیں۔ کسی نے آپ سے دنیا کو پوچھا تو آپ نے کہا کہ یہ گویا پائخانہ ہے
جو بھرا جا رہا ہے۔ ایک شخص نے آپ سے درخواست کی کہ حضرت میرے لئے کچھ دعا فرمائے
تو آپ نے قیس عامری کا یہ شعر جواب میں پڑھا۔ ے

مضی زمن والناس یستشفعون بی　　　فهل لی الی لیلی الغداة شفیع

یعنی وہ زمانہ گیا جب لوگ مجھے شفیع بنایا کرتے تھے۔ اب کوئی ہے جو لیلیٰ کے پاس
تک میری سفارش و رہنمائی کرے ایک مرتبہ آپ نے حضرت عبدالرحمٰن خراسانی رح سے پوچھا کہ شبلی رح
کے سوا کسی دوسرے کو بھی تم نے اللہ کا نام لیتے سنا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن نے فرمایا کہ میں نے
تو ایک دن بھی شبلی رح کو اللہ کا نام لیتے نہیں دیکھا۔ یہ جواب سنتے ہی حضرت شبلی رح بیہوش ہوکر
گر پڑے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ کے دروازہ پر دستک دی آپ ننگے سر ننگے پاؤں بھاگے
ہوئے دروازے پر آئے اور پوچھا کہ کس کو بلاتے ہو اس نے کہا شبلی رح کو۔ آپ نے فرمایا تجھے
نہیں معلوم وہ کافر مر گیا خدائے عزوجل کی رحمت اس پر مت ہوجیو۔ امام شعرانی رح فرماتے ہیں
کہ حضرت شبلی رح کی مراد کافر سے اپنے نفس سے تھی یہ اپنے مناجات میں کہا کرتے تھے کہ اے
اللہ (جلشانہ) خلق نے تیری نعمتوں کے لئے تجھ سے محبت کی اور میں نے تیری بلاؤں کے لئے
ایک مرتبہ آپ کو عصر کی نماز میں اس قدر دیر ہوگئی کہ آفتاب ڈوبنے کو آیا۔ تو نماز پڑھی اور مذاق
کے طور پر یہ شعر پڑھے۔

نسیت الیوم من عشقی صلاتی　　　فلا ادری غدائی من عشائی

فذکرک سیدی اکلی وشربی　　　ووجهک ان رأیت شفاء دائی

نقل ہے کہ اخیر زمانہ میں آپ لفظ اللہ اللہ لگاتار کہا کرتے تھے اور کلمہ طیبہ زبان سے
نہیں ادا کرتے تھے۔ مشائخ وقت یہ حال دیکھکر بہت متردد تھے مگر آپ کے عظمت و جبروت
کی وجہ سے کچھ پوچھ نہیں سکتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کی مجلس میں ایک نوجوان لڑکے نے پوچھا

کہ اے پیر طریقت یہ کیا معاملہ ہے کچھ ارشاد فرمائیے کہ لوگ اس سے ہدایت پائیں۔ آپ نے فرمایا اہل تصوف کو چاہیئے ہر نفس کو آخری نفس سمجھیں اور سب اس پر متفق ہیں کہ آخری وقت میں لفظ اللہ اللہ کہتے رہنا افضل ہے کلمہ لا الہ الا اللہ سے کیونکہ ممکن ہے کہ نفی ہی کرتے وقت نفس منقطع ہو جائے۔ لڑکے نے کہا اس سے بہتر کوئی وجہ بیان فرمائیے۔ آپ نے کہا (لا) نفی غیر کے لئے ہے اور مجھے کوئی غیر نظر نہیں آتا جس کی نفی کروں۔ لڑکے نے کہا اس سے بہتر کوئی وجہ ہو تو بیان فرمائیے آپ نے کہا اس طریقہ میں حضرت صدیق اکبرؓ کی میں پیروی کر رہا ہوں۔ تین مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جہاد میں مال دینے کا حکم فرمایا اور حضرت صدیق اکبرؓ نے ہر مرتبہ اپنا سب مال دیدیا ہے۔ تیسری مرتبہ حضرت صدیق اکبرؓ جب سب مال لے آئے تو نبی کریم صلعم نے پوچھا کہ اولاد کے لئے تم نے کیا چھوڑا آپ نے کہا اللہ۔ لڑکے نے کہا حضرت اس سے بھی بہتر کوئی وجہ بیان فرمائیے۔ آپ نے کہا اے لڑکے میں نے اچھی سے اچھی وجہ بیان کی لیکن تیری ہمت بہت بلند معلوم ہوتی ہے۔ اچھا تو اس سے بھی ایک اچھی وجہ سنو ؟ آپ نے فرمایا کہ یہ طریقہ خدائے عزوجل کے حکم سے اختیار کیا گیا ہے قرآن پاک میں آیا ہے قل اللہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون۔ یعنے اے محمد اللہ کا نام لو اور ان لوگوں کو اُنہیں کے شغل میں رہنے دو تا کہ بازی کرتے رہیں۔ یہ سنکر لڑکے نے کہا حسبی حسبی یعنے یہ وجہ کافی ہے اور ایک نعرہ مارا اور جان شیریں جان آفرین کے سپرد کی شیخ شبلیؒ سے کہا گیا کہ آپنے یہ کیا کیا آپ نے کہا میں نے کیا کیا اس کی روح نے کشش کی۔ پھر زاری کی اور اشتیاق ظاہر کیا۔ اور فریاد کی اللہ نے اُسے بلایا اس نے لبیک کہا۔ میرا کیا گناہ ہے۔

آپ کا قول تھا کہ جس صدیق کے پاس کرامت نہ ہو وہ جھوٹا ہے۔ ایک مرتبہ وزیر نے آپکے اس قول کو بیان کر کے پوچھا کہ حضرت آپ کی کرامت کہاں ہے۔ فرمایا میری کرامت یہی ہے کہ اللہ جل شانہٗ کے اوامر و نواہی کی پابندی کرتا ہوں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ نہ مرید کو وقفہ نہ عارف کو علاقہ۔ نہ عاشق کو گلہ۔ نہ صادق کو دعویٰ۔ نہ خائف کو قرار اور نہ مخلوق کو اللہ جلشانہ سے قرار جائز ہے ایک مرتبہ آپ سے کسی نے کہا کہ حضرت عید چلی آرہی ہے اور آپ نے سب کپڑے پھاڑ کر پھینکدے ہیں۔ فرمانے لگے میاں فقیر کا بناؤ سنگار اسکا فقر ہے۔ اور اس فقر پر صبر ہے۔ ایک مرتبہ آپ

مدینہ منورہ کی مسجد میں تشریف فرما تھے کہ کسی نے کہا کہ "یا اللہ یا جوّاد" آپ نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچی اور فرمانے لگے کہ کیونکر جوّاد کہکر میں اللہ جلشانہٗ کی حمد کروں۔ جوّاد تو ایک مخلوق دوسری مخلوق کو کہا کرتی ہے۔ پھر یہ اشعار پڑھنے لگے۔ ؎

تعود بسط الکف حتی لوانہ	اراد انقباضا لم تجبہ انامله
تراہ اذا ما جئتہٗ متھللاً	کانك تعطیہ الذی انت سائلہ
ولو لم یکن فی کفہ غیر روحہ	لجادبھا فلیتق اللہ آملہ
ھو البحر من ای النواحی اتیتہ	فلجتہ المعروف والجود سائلہ

یہ پڑھکر رونے لگے اور کہنے لگے کہ اے بخشندہ علی الاطلاق تو نے ہی ان ہاتھ پیروں کو پیدا کیا ہے اور ہمتوں کو بلند کیا ہے پھر بعض لوگوں پر ایسا احسان فرمایا ہے کہ تیرے فضل وکرم سے وہ دوسروں کے بخششوں سے مستغنی ہوگئے ہیں تو ہی ہر شئے کا دینے والا ہے۔ لوگوں کی بخشش محدود ہے۔ لیکن تیری بخشش کی کوئی حد وغایت نہیں۔ کسی طرح تیرا وصف بیان نہیں ہوسکتا پس اے بخشش کرنیوالے جس کی بخشش سب پر غالب ہے جس پر تو نے چاہا اپنی بخشش فرمائی۔

ایک شخص نے آپ کے پاس آکر بیان کیا کہ حضرت میرے بال بچے بہت ہوگئے ہیں اور مجھ سے کچھ بن نہیں آتا۔ آپ نے کہا کہ بھئی جتنے لوگوں کا رزق تمہارے ذمہ ہو ان سب کو اپنے گھر سے نکالدو اور جتنے لوگوں کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہو انھیں رہنے دو۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ قیس عامری سے کسی نے پوچھا کہ تم کو لیلیٰ سے محبت ہے۔ اس نے کہا کہ نہیں۔ پوچھا کیوں۔ جواب دیا کہ محبت تو وصال کا ذریعہ ہے اور اب ذریعہ باقی نہیں رہا ہے۔ میں خود لیلیٰ ہوگیا ہوں۔ رحمتہ اللہ علیہ۔

حضرت ابو علی کاتب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ

بزرگترین زمانہ۔ عالم بعلوم مشاہدہ۔ سرخیل اصحاب مجاہدہ۔ نجات کی کشتی۔ ابو علی کاتب مصری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ مصر کے مشائخ عظام سے تھے۔ آپ کو ابو بکر مصری۔ ابو علی رودباری

پیر ابوعلی شتولی کے صحبت رہی تھی اور حضرت ابوعلی رودباری سے آپکا سلسلہ حضرت جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہونچتا ہے۔ آپ پیران سلسلہ نقشبندیہ کے شیخ ہیں۔ صاحب نفحات الانس کہتے ہیں کہ آپ کے کرامتیں ہر طرف ظاہر تھیں آپ مصر میں پیدا ہوئے اور یہیں ۳۴۶ھ (تین سو چھیالیس ہجری) میں انتقال فرمایا۔ نفحات الانس میں خود آپ سے منقول ہے کہ جب مجھے کوئی مشکل پیش آتی ہے تو میں حضور پر نور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھتا ہوں اور آپ سے پوچھ لیا کرتا ہوں۔ خواجہ عبداللہ انصاری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ مصر میں خواجہ ابوعلی کاتب کا ایک مریدتھا جس سے انہیں بہت محبت تھی کہ جو چیز ہوتی اس کے پاس رکھوایا کرتے تھے جب اسکا انتقال ہوگیا تو حضرت شیخ علیہ الرحمتہ اس کی قبر پر آئے اور یہ دعا فرمائی الٰہی میرے اور تیرے درمیان یہ شخص واسطہ تھا۔ اب اس کی شرکت باقی نہیں رہی اور اپنے مرجانے سے اُس نے میری توحید درست کر دی۔ پس اس بات کا واسطہ کہ میری توحید اس کے مرجانے سے درست ہوگئی اس کے ساتھ نیکی فرما۔ ہاتف نے آواز دی وصل علینا من صبر علینا یعنی جس نے ہمارے احکام پر صبر کیا ہم تک پہونچ گیا۔ شیخ ابوالقاسم خضر آبادی فرماتے ہیں کہ شیخ ابوعلی کاتب علیہ الرحمہ سے لوگوں نے پوچھا کہ غنا اور فقران دونوں میں سے کس طرف تمہارا میلان زیادہ ہے آپ نے جواب دیا اس طرف مائل ہوں جسکا مرتبہ و درجہ بلند تر ہے۔ پھر یہ دو بیت پڑھے ؎

ولست بنظار الی جانب الغنی ۔۔۔ اذا کانت العلیاء فی جانب الفقر

وانی لصابر علی ما ینوبنی ۔۔۔ وحسبك ان اللہ اثنی علی الصبر

یعنی جب علو مرتبہ فقر میں ہوتا ہے تو میں غنا کے طرف نگاہ نہیں کرتا اور فقر و غنا و مصیبت و بلا جو کچھ میرے سامنے آتی ہے اس میں تمکین کے ساتھ صبر کرتا ہوں اور صبر پر اپنے نفس کو قرار دینا میرے لئے کافی ہے اسلئے کہ اللہ جل شانہ صبر کی تعریف فرماتا ہے۔

خواجہ ابو احمد چشتی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ

عمدہ ابرار۔ قدوہ اخیار۔ رئیس اولیا۔ پیشوا اصفیا۔ مریدوں کے لئے نجات کی کشتی

خواجہ قطب ابدال۔ خواجہ ابو احمد چشتی قدس سرہٗ العزیز طرح طرح کی کرامتوں اور درجات بشاہدات سے آراستہ تھے۔ صاحب مراۃ الاسرار فرماتے ہیں کہ "درفنا راحدیت گم گشتہ وہیچ سری از اسرار دوست بیرون نداده" آپنے خرقہ ارادت خواجہ ابو اسحاق چشتی رح سے حاصل کیا تھا۔

نفحات الانس میں ہے کہ آپ فرسنانہ کے حاکم کے بیٹے تھے۔ جو شہر چشت کے شرفا اور امرار ولایت میں سے تھے۔ آپ کے والد کی ایک بہن تھیں جب خواجہ اسحاق چشتی رح اُنکے گھر آتے تو کھانا کھاتے اور فرماتے کہ تمہارے بھائی کے ایک لڑکا ہونے والا ہے جسکا بڑا مرتبہ ہوگا چنانچہ معتصم باللہ کے زمانہ میں ۲۶۰ھ دو سو ساٹھ ہجری میں آپ پیدا ہوئے اور آپ کی پھوپی نے وجہ حلال سے گھر میں پرورش شروع کی خواجہ اسحاق رح جب انھیں دیکھتے تو فرماتے ہیں لڑکے سے ایک بڑا خاندان ظاہر ہوگا۔ کہتے ہیں کہ جب آپ کی بیس سال کی عمر ہوئی تو ایکدفعہ اپنے والد کے ہمراہ شکار کو گئے تھے کہ راستہ بھولکر ایک پہاڑ کے طرف جا پہونچے۔ وہاں آپ نے دیکھا کہ چالیس آدمی۔ رجال اللہ کھڑے ہیں۔ اور خواجہ اسحاق چشتی رح بھی ان میں ہیں۔ یہ دیکھکر آپ کی حالت بدل گئی۔ اور خواجہ کے پاؤں پر گر پڑے اور سلاح و اسپ وہیں چھوڑکر تمام مرادات سے ہاتھ اٹھا کر رجال اللہ کے ساتھ ہو گئے۔ باپ نے بہت تلاش کیا مگر پتہ نہ چلا۔ چند روز بعد معلوم ہوا کہ خواجہ ابو اسحاق رح کے ساتھ فلاں موضع میں ہیں۔ باپ نے لوگوں کو بھیجکر ہر چند بلایا مگر یہ نہ آئے خواجہ ابو اسحٰق رح چند مدت بعد جب خواجہ ابو احمد کی تربیت سے فارغ ہو گئے تو انھیں چشت میں اپنا جانشین کر کے خود روم کی طرف واپس ہوئے۔

خواجہ ابو احمد قطب ابدال تھے اور بڑی عمر پائی ۲۶۰ھ دو سو ساٹھ ہجری میں پیدا ہوئے اور معتصم باللہ کے زمانہ سے لیکر جو تیسرے صدی میں خاندان بنو عباس کا آٹھواں خلیفہ تھا۔ المطیع باللہ کے زمانہ تک جو اس خاندان کا تیئسواں خلیفہ اور مقتدر باللہ کا بیٹا تھا زندہ رہے اور چوتھی صدی یعنی ۳۵۵ھ (یا بروایت سفینۃ الاولیار ۳۵۰ھ ہجری) میں دہم جمادی الثانی (یا بقول بعض جمادی الاول) کو اس عالم ناپائدار سے انتقال فرمایا اور قصبہ چشت میں جو ہرات سے کچھ فاصلہ پر واقع ہے دفن ہوئے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

حضرت شیخ ابو عثمان مغربی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ

زبدہ اولیا۔ پیشوائے اصفیا۔ کان ہدایت۔ صاحب ولایت۔ نور عرفان۔ شیخ ابو عثمان مغربی قدس سرہٗ العزیز سلسلہ نقشبندیہ کے اماموں میں سے ہیں۔ آپ کا نام نامی سعید بن سلام المغربی تھا۔ اور قیروان کے رہنے والے تھے گو آپ شیخ ابو الحسن صائغ دینوری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید تھے لیکن شیخ ابو علی کاتب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے شاگرد اور ان سے بھی خلافت یافتہ تھے ان دونوں بزرگوں کے علاوہ آپ کو حبیب مغربی۔ ابو عمر اجاج اور ابو یعقوب نہر جوری قدس سرہ اللہ تعالیٰ ارواحہم سے بھی فیض صحبت حاصل تھا آپ نے سالہا سال مکہ معظمہ میں رہکر مجاوری کی ہے لیکن غایت ادب سے حدود حرم میں پیشاب پاخانہ نہیں کیا۔ آپ صاحب کرامت ظاہر و فراست باہر تھے۔ مکہ معظمہ سے آپ نیشاپور آئے اور تا حیات وہیں رہے۔

نفحات الانس میں ہے کہ ابتداءً آپ ایک متمول دنیا دار آدمی تھے اور آپ کے پاس شکاری کتے بہت پلے ہوئے تھے۔ آپ کے اہل صوفیہ کی طرف رجوع کرنیکا واقعہ یہ ہوا کہ ایک شب آپ کیلئے ایک پیالہ میں نوکروں نے دودھ لاکر رکھا۔ چونکہ گرم تھا۔ آپ پیالہ سرہانے رکھکر سوئے۔ جب بیدار ہوئے تو اسمیں سے پینا چاہا۔ ایک شکاری کتا یہ دیکھ رہا تھا اُس نے بھونکنا شروع کیا۔ آپ اُس کا بھونکنا دیکھکر ٹھہر گئے۔ لیکن تھوڑی دیر بعد پھر قصد کیا۔ کتے نے پھر بھونکنا شروع کیا۔ اسیطرح تین چار مرتبہ ہوا۔ جب آپ نے نہ مانا اور دودھ پینے کے لئے پیالہ اُٹھایا تو کتا جھپٹ کر آیا اور اس دودھ میں منہ ڈالدیا۔ یہ دیکھکر آپ نے پیالہ رکھدیا۔ کتے نے جس قدر دودھ پیا تھا اس کے اثر سے تڑپ کر مر گیا جب اُنہوں نے یہ دیکھا تو تحقیقات کی معلوم ہوا کہ چھت پر سے ایک سانپ نے آکر اس میں سے کسیقدر دودھ پیا تھا اور اس کا زہر دودھ میں مل گیا تھا۔ یہ دیکھکر آپ پر بہت اثر ہوا کہ کتے نے اپنے آپ کو آپ پر سے فدا کردیا۔ آپ نے توبہ کی اور بزرگوں کی خدمت اختیار کی۔

آپ کا انتقال نیشاپور میں ۳۷۳ھ (تین سو تہتر ہجری) میں ہوا اور ابو عثمان حیری اور ابو عثمان نصیبی کے پہلو میں دفن ہوئے۔

آپ کا قول ہے کہ اعتکاف کی حقیقت فرمان سبحانہٗ تعالیٰ کے تحت جوارح کی نگہبانی

وحفاظت ہے اور صورت اعتکاف مسجد میں اقامت کرنا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ گنہگار مدعی سے بہتر ہے اسلئے کہ گنہگار طریق توبہ کا خواستگار رہتا ہے، اور یہ خود ایک عبادت ہے اور مدعی ہمیشہ اپنے دعویٰ کے خیال میں خبط رہتا ہے اور اپنے آپ کو ضائع و برباد کرتا رہتا ہے۔

خواجہ ابو محمد چشتی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ

مربی صوفیان اہل صفا۔ ملجا اوتاد۔ ہمقرین افراد۔ مترہ از جمیع اوصاف زشتی خواجہ ابو محمد چشتی قدس سرہٗ العزیز۔ حضرت ابو احمد ابدال رحؒ کے فرزند و مرید تھے۔ خدائے عزوجل نے انواع خوارق وکرامات سے آپ کو ممتاز اور درجات عالی ومشاہدات ذاتی سے برخوردار فرمایا تھا۔ آپ نے اپنی والد ماجد رحؒ سے خرقہ خلافت حاصل کیا تھا۔

سیر اولیا ر میں ہے کہ آپ اکثر عالم تحیر میں رہا کرتے تھے۔ اور سالہا پہلوئے مبارکش استراحت کے لئے زمین سے نہ لگایا۔ صاحب مراۃ الاسرار فرماتے ہیں کہ "در غلبات شوق نماز معکوس گذاردے" صاحب نفحات الانس فرماتے ہیں کہ اپنے والد خواجہ احمد ابدال رحؒ کی وفات کے بعد یہ اُن کے قائم مقام ہوئے اور اُن کی وصیت کے مطابق گو ابھی چوبیس برس سے زیادہ عمر نہ تھی مگر تحصیل امور دینی ومعارف یقینی کر کے کمال زہد وورع کے ساتھ دنیا اور اہل دنیا سے کنارہ کیا اور ہمیشہ لوگوں کو زہد وترک دنیا کی نصیحت کرتے رہے۔

مراۃ الاسرار میں یہ نقل ہے کہ ایک مرتبہ خواجہ ابو محمد رحؒ دجلہ کے کنارے بیٹھے ہوئے اپنا خرقہ مبارک سی رہے تھے کہ اسی حال میں خلیفہ وقت کا لڑکا بہت تزک واحتشام کے ساتھ آیا اور زمین بوسی کر کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ حضور پُر نور صلعم کا ارشاد ہے کہ اگر ایک بڑھیا بھی کسی رات فاقہ سے رہے گی تو قیامت کے روز والی ملک کی دامنگیر ہوگی۔ خلیفہ کا لڑکا مختلف قسم کی اشیار نذر کے لئے لایا تھا وہ سب پیش کیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارے بزرگوں میں سے کسی نے بھی یہ چیزیں قبول نہیں کی ہیں۔ مجھے ان کی حاجت نہیں۔

نفحات الانس میں ہے کہ آپ کا ایک مرید تھا استاد مردان نام رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ قصبہ سنجان وخواف کا رہنے والا۔ آپ کے لئے وضو کا پانی اور استنجے کے ڈھیلے مہیا کرتا تھا۔

ایک روز آپ نے حکم دیا کہ اب اپنے وطن واپس جاؤ وہ رونے لگا اور کہا کہ حضور کی مفارقت کی طاقت نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کچھ ہرج نہیں۔ جسوقت ہمارے دیدار کی آرزو کرو گے حجابات جسمانی اور مسافت ہائے مکانی مرتفع ہو جائیں گے اور ہمیں اسیطرح دیکھو گے جیسے یہاں دیکھ رہے ہو۔ چنانچہ استادمردان فرماتے ہیں کہ میں سنجان میں بیٹھا ہوا چشت کو دیکھا کرتا ہوں۔ شیخ عبدالرحمٰن چشتی رح موئف مراۃ الاسرار اس حکایت کو لکھکر فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات مستبعد معلوم ہوتی تھی لیکن ایک مرتبہ میں خود اجمیر شریف گیا اور خواجہ غریب نواز رح سے یہی عرض کی چنانچہ آپ کے روحانیت کی برکت سے اب یہ بات حاصل ہوگئی ہے۔

نفحات الانس میں ہے کہ جب سلطان محمود سبکتگین غزوہ سومنات کے لئے روانہ ہوئے تو خواجہ ابومحمد چشتی رح کو عالم واقعہ میں کہا گیا کہ آپ بھی ہمراہ جائیں اور محمود کی مدد فرمائیں چنانچہ آپ کی عمر شریف گو اسوقت ستر سال کی تھی مگر چند درویشوں کو ہمراہ لیکر جہاد کے لئے محمود کے ہمراہ روانہ ہوئے اور نازک وقتوں پر اپنی توجہ اور دعا سے محمود کی مدد فرمائی۔

صاحب مراۃ الاسرار فرماتے ہیں کہ آپ کی وفات سلطان محمود کے زمانہ میں سنہ ۴۲۱ھ (چارسو اکیس ہجری) میں واقع ہوئی اور آپ ابوالعباس احمد بن اسحاق ملقب بہ قادر خلیفہ بغداد کے ہمعصر تھے۔ ایک اور کتاب میں تاریخ وفات یکم رجب سنہ ۴۲۰ھ موئف کی نظر سے گذری ہے لیکن سفینۃ الاولیاء میں آپ کی وفات غرہ رجب ۴۱۵ھ یا ۴۱۱ھ (چارسو پندرہ یا چارسو گیارہ ہجری) میں واقع ہونا درج ہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ جب اول و آخر دنیا کا ترک کرنا ہی ٹھیرا تو اپنے تئیں۔ اس دنیاء دونی کے دھوکہ اور فریب سے بچائے رکھنا چاہیئے۔ آپ کا مزار مبارک موضع چشت میں ہے۔ متبرک و بزار رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ۔

حضرت ابوالفضل عبدالواحد تمیمی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ

آفتاب عالم فقر۔ سلطان السالکین۔ ہادی نیمبین۔ مقبول بارگاہ حضرت علی قدوۃ الاولیا زمانہ خواجہ ابوالفضل عبدالواحد تمیمی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے زمانہ کے اکابر مشائخ اور حضرت ابوبکر شبلی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے مردان صاحب کمال میں سے تھے۔ آپ کا اسم مبارک

عبد الواحد اور کنیت ابو الفضل تھی اور عرب کے قبیلہ بنو تمیم سے تعلق رکھتے تھے۔ صاحب سفینۃ الاولیاء فرماتے ہیں کہ "نام پدر ایشان عبد العزیز ابن حرث ابن اسد است۔ از بزرگان این طائفہ علیہ و کل مریدان حضرت شیخ ابوبکر شبلی اند قدس اللہ تعالیٰ سرہما" آپ کی وفات تیسری جمادی الثانی ۴۲۵ھ (چار سو پچیس ہجری) کو بمقام بغداد واقع ہوئی اور مقبرہ حضرت امام احمد ابن حنبل رح میں دفن ہوئے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

خواجہ ابو الحسن خرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سر حلقۂ ارباب ذوق۔ متغرق بحر عشق و شوق۔ عارف نورانی۔ غوث وقت خواجہ ابو الحسن خرقانی قدس سرہٗ العزیز۔ اپنے زمانہ کے غوث و قطب اقطاب عالم تھے۔ آپ کا اسم گرامی علی بن جعفر بن سلیمان تھا۔ اور خرقان آپ کا وطن تھا۔ صاحب نفحات الانس فرماتے ہیں کہ "وے یگانہ و غوث روزگار خود بود و قبلۂ وقت و در زمان وے تمام خلائق تولا بوے می نمود" آپ سلطان محمود غزنوی کے زمانہ میں تھے۔ صاحب مراۃ الاسرار آپ کا سنہ ولادت ۳۵۰ھ (تین سو پچاس ہجری) لکھتے ہیں۔

شیخ ابو العباس قصاب قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں کہ "این بازارک ما با خرقانی افتد" یعنی حضرت شیخ کو جو منصب و مرتبہ مرجع انام ہونے کا حاصل تھا وہ ان کی وفات کے بعد خواجہ ابو الحسن خرقانی قدس سرہٗ کو ملا۔ صاحب مراۃ الاسرار فرماتے ہیں۔ خواجہ ابو الحسن قدس سرہٗ کی نسبت چار واسطوں سے حضرت سلطان العارفین خواجہ بایزید بسطامی قدس سرہٗ تک پہونچتی ہے۔ یعنی خواجہ ابو الحسن خرقانی قدس سرہٗ کو شیخ ابو المظفر مولا ترک طوسی سے۔ ان کو خواجہ اعرابی یزید عشقی سے انہیں شیخ محمد مغربی سے۔ انہیں سلطان العارفین خواجہ بایزید بسطامی سے انہیں امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لیکن آپ کی تربیت بالکل روحانیت پاک حضرت شیخ بایزید بسطامی رح سے بطریق اویسی ہوئی تھی حتیٰ کہ بعض شجروں میں حضرت بایزید بسطامی رح کے نام کے بعد حضرت خواجہ ابو الحسن خرقانی رح کا نام لکھا دیکھا گیا ہے۔ صاحب مراۃ الاسرار کہتے ہیں "اور ثانی خواجہ ابو یزید توان گفت و در وقت خود نظیرے نداشت"

تذکرۃ الاولیاء میں ہے کہ ابتدا رئے حال میں بارہ برس تک آپ کا یہ عمل رہا کہ عشا کی نماز باجماعت خرقان میں ادا کرتے اور اسی وقت بسطام جاکر حضرت بایزید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار مبارک پر رات بھر کھڑے ہوکر یہ دعا مانگتے بار خدایا جو خلعت تونے بایزید کو عطا فرمایا تھا اس میں سے ابوالحسن کو بھی بخشش فرما۔ اس کے بعد واپس ہوتے اور پھر اسی عشاء کے وضو سے خرقان میں صبح کی نماز ادا فرماتے۔

آپ امی تھے گو صرف قرآن پاک تمام کیا تھا لیکن علوم ظاہری و باطنی کے دروازے آپ پر کھول دیئے گئے تھے۔ تذکرۃ الاولیاء میں ہے کہ آپ کے ایک مرید نے خواہش ظاہر کی کہ قطب عالم کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔ آپ سے اجازت لیکر اور برسوں کی راہ طے کر کے بہزار دقت اس مقام پر پہونچا جہاں بتایا گیا تھا کہ قطب العالم کی زیارت ہوگی۔ وہاں دیکھا کہ ایک جنازہ رکھا ہوا ہے اور سب لوگ کسی کے انتظار میں ہیں اُن سے ماجرا دریافت کیا معلوم ہوا کہ قطب عالم کا انتظار ہے۔ ایک ساعت کے بعد قطب عالم کی آمد ہوئی اور اپنی اپنی جگہ پر سب کھڑے ہو گئے مرید نے دیکھا کہ اسی کے پیر شیخ ابوالحسن خرقانی ہیں۔ یہ دیکھکر رعب و دہشت سے بیہوش ہوگیا۔ جب ہوش میں آیا تو لوگوں سے کہا میں اُنہیں کا مرید ہوں۔ مجھے یہ حال نہین معلوم تھا ناحق میں نے اس قدر دور آنے کی زحمت برداشت کی آپ سب لوگ میری شفاعت فرمائیں لوگوں نے کہا گھبراؤ نہیں۔ قطب عالم پنجوقتہ نماز یہیں پڑھا کرتے ہیں اور آپ امامت فرماتے ہیں۔ غرضکہ جب دوسری نماز کا وقت آیا تو آپ پھر تشریف لائے اور نماز پڑھائی جب نماز پڑھ چکے تو مرید سامنے آیا اور دامن تھام کر عرض کرنے لگا کہ میں سخت پشیمان ہون۔ اب مجھے اپنے ہمراہ خرقان لے چلئے۔ آپ نے فرمایا اس شرط سے کہ مدت العمر تم اس واقعہ کا ذکر کسی سے نہ کرنا اُس نے وعدہ کیا اور تھوڑی دیر میں آپ کے ہمراہ خرقان پہونچ گیا۔

تذکرۃ الاولیاء میں ہے کہ شیخ بو علی سینا نے جب خواجہ ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ کے کرامات کی شہرت سنی تو خود خرقان آیا اور آپ کے گھر گیا۔ اسوقت شیخ علیہ الرحمہ لکڑیاں لانے جنگل کی طرف گئے ہوئے تھے شیخ کی بیوی اُن کی بزرگی و کرامات کی سخت منکر تھیں۔ بو علی سینا نے جب ان سے پوچھا کہ شیخ کہاں گئے ہیں تو اُنہوں نے غصے سے جواب دیا کہ اس زندیق کذاب کو کیا

پوچھتے ہو اور اس سے کیا کام ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سخت کلمات کہے۔ بوعلی سینا کے دل میں یہ خیال آیا کہ جس شخص کی خود بیوی اس سے منکر ہو اس کا کیا حال ہو گا۔ بہر حال جب یہاں تک آیا ہوں تو دیکھ لینا چاہیئے۔ یہ ارادہ کر کے خود بھی جنگل کا ارادہ کیا، وہاں دیکھا کہ شیخ علیہ الرحمہ ایک شیر کے پشت پر لکڑیوں کا گٹھا رکھے لا رہے ہیں۔ بوعلی سینا نے دریافت کیا حضرت یہ کیا حال ہے آپ نے فرمایا کہ جب میں اس گرگ کا بار اٹھاتا ہوں جو میرے گھر میں ہے تو یہ شیر میرا بار اٹھاتا ہے پھر دونوں ملکر شہر میں آئے۔ گھر آکر خواجہ ابوالحسن نے مٹی لیکر گارا سانا اور ایک دیوار بنانے لگے اور شیخ بوعلی سینا نیچے بیٹھ گئے۔ دیوار بناتے بناتے اتفاق سے مٹی کا ایک لوندا شیخ علیہ الرحمہ کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑا۔ بوعلی سینا نے چاہا کہ میں اٹھ کر دیدوں لیکن ابھی بوعلی اٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ وہ لوندا خود بخود اٹھکر آپ کے ہاتھ میں آگیا۔ بوعلی سینا یہ دیکھکر دم بخود ہو گئے اور کرامات اولیا کی حقیقت گو ان کے سمجھ میں نہ آئی لیکن ان کے قائل ہو گئے اور اپنی تصنیفات میں اس کا اقرار کیا ہے۔

تذکرۃ الاولیا میں ہے کہ ایک مرتبہ سلطان محمود غزنوی نے آپ سے ملنے کا ارادہ کیا اپنا لباس ایاز کو پہنایا اور اس کا لباس خود پہنکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ نے ایاز کے طرف توجہ بھی نہ کی اور خود سلطان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سامنے بٹھایا سلطان نے کہا مجھے کچھ نصیحت کیجیئے جو کام آئے۔ آپ نے فرمایا چار چیزوں کا خیال رکھو۔ اول خدائے عزوجل نے تمہارے ساتھ نیکی کی ہے تم بھی دوسروں کے ساتھ نیکی کرو۔ دوم۔ خدا اور رسول کا حکم بجالاؤ اور مباحات سے پرہیز کرو۔ سوم۔ تم بندہ خاکی ہو اپنے اصل کی طرف رجوع کرو۔ چہارم۔ ہر سانس کو آخری سانس سمجھو اور موت سے غافل مت ہو۔ محمود نے کہا میرے حق میں دعائے خیر فرمائیے۔ آپ نے فرمایا میں ہر روز دعا کیا کرتا ہوں کہ اللہ عزوجل مومنین و مومنات کی مغفرت فرمائے۔ اس میں تم بھی داخل ہو محمود نے کہا کچھ اور فرمائیے آپ نے دعا کی عاقبت محمود باد یعنی خدائے عزوجل تمہارا خاتمہ بالخیر کرے۔ اس کے بعد محمود نے اشرفیوں کی ایک تھیلی آپ کے خدمت میں پیش کی۔ آپ نے اپنی سوکھی روٹی کا ایک ٹکڑا دیا کہ اسے کھاؤ۔ محمود نے اسے چبایا مگر وہ حلق میں پھنس گیا۔ شیخ نے فرمایا سلطان اسی طرح یہ اشرفیاں میرے حلق سے نیچے نہیں اتر سکتیں

انہیں لے جاؤ میرے کام کی نہیں ہیں محمود نے کہا اپنی کوئی یادگار مرحمت فرمایئے شیخ نے اپنے بدن سے پیراہن اتار کر دیا اور رخصت فرمایا۔

اس ملاقات کے بعد سلطان کو سومنات کی مہم درپیش آئی جب افواج سلطان و افواج اہل ہنود کا مقابلہ ہوا تو اہل ہنود کی کثرت فوج کی وجہ سے افواج سلطانی پر شکست کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ سلطان نے یہ عالم دیکھکر گھوڑے سے اتر کر دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور پیراہن مبارک حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رہ سامنے رکھکر بکمال تضرع زمین پر سر رکھکر بارگاہ الٰہی میں دعا کی کہ الٰہی اس صاحب پیراہن کی عزت و حرمت سے اہل اسلام کو فتح نصیب فرما یہ دعا قبول ہوئی اور افواج اسلامی کے فتح کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ چنانچہ آخر کار اہل ہنود کو شکست فاش ہوئی رات جب ہوئی تو سلطان نے حضرت شیخ علیہ الرحمہ کو خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں محمود تم نے میرے خرقہ کی آبرو برباد کردی اگر تم یہ کہتے کہ بار الٰہی ان سب کو مسلمان کردے تو خدائے عز و جل ویسا ہی کرتا۔

آپ نے موضع خرقان میں عمر طبعی کی یہ بہتر منزلیں طے کر کے سہ شنبہ کے روز جب کہ یوم عاشورہ تھا ۴۲۵ھ (چار سو پچیس ہجری) میں بہ زمانہ خلافت ابو جعفر بن عبداللہ بن قادر الملقب بہ قادر اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف انتقال فرمایا۔

نفحات الانس سے آپ کے کلمات طیبات یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔ آپ نے اپنے اصحاب سے پوچھا کہ کون شے سب سے بہتر ہے۔ انہوں نے کہا آپ ہی فرمائیں آپ نے کہا وہ دل جس میں ہمیشہ اسکی یاد رہے۔ آپ سے پوچھا کہ صوفی کسے کہتے ہیں آپ نے فرمایا کہ صوفی مرقع و سجادہ سے نہیں ہوتا۔ اور نہ صوفیوں کے رسم و عادات اختیار کرنے سے صوفی ہوتا ہے۔ وہ شخص صوفی ہوتا ہے جو اپنی ہستی سے باہر آجائے اور خود باقی نہ رہے۔ آپ سے پوچھا کہ کس طرح معلوم ہو کہ آدمی بیدار ہے اور غافل نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب وہ حق کی یاد کرے تو سر سے پاؤں تک یاد حق سے متاثر نظر آئے۔ آپ نے فرمایا صدق وہ ہے کہ جو کچھ دل میں ہو وہ زبان پر لائے اور اخلاص وہ ہے جو محض حق کے لئے کیا جائے اور نمائش خلق کا شائبہ بھی اس میں نہ ہو۔ آپ نے فرمایا کہ خبردار ایسے شخص کی صحبت مت اختیار کرنا کہ تم تو کہو ہم خدا کے طلبگار ہیں اور وہ دوسری چیز کہے۔ آپ فرماتے

ہیں کہ اندوہ طلب کرو تاکہ آنکھوں سے آنسو نکلیں اسلئے کہ حق تعالیٰ اپنے بندوں کے گریہ کو بہت دوست رکھتا ہے۔ آپ کا قول ہے کہ اگر سرود بجایا جاتا ہو اور اس سے مقصد طلب حق ہے تو یہ اس قرآن خوانی سے بہتر ہے جس کا مقصد حق نہ ہوا سلئے کہ مقصود و مطلوب تو وہی اللہ ہے ہونا چاہئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ وارث رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف وہ شخص ہو سکتا ہے کہ جو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیروی افعال میں کرے۔ وہ شخص وارث نہیں جو کاغذ پر کاغذ سیاہ کرتا رہے۔ شیخ شبلی رح کا قول ہے میں چاہتا ہوں کہ کچھ نہ چاہوں۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس میں بھی چاہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں آج چالیس سال ہوئے کہ ایک ہی وقت پر ہوں حق تعالیٰ میرے دل کو دیکھ رہا ہے اور سوائے اپنے کسی کو نہیں ملاحظہ فرماتا۔ میرے دل میں سوائے خدائے عزوجل کے کچھ باقی نہیں رہا اور نہ مجھے اس کے بغیر چین و آرام آتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جہان میں عالم و عابد بہت ہیں۔ تم ایسے بن جاؤ کہ جس طرح حق کو پسند ہو ویسے ہی تمہاری شب اور تمہارا روز گذرے روشن ترین دل وہ ہے جس میں خلق کا گذر نہ ہو اور بہترین کام وہ ہے جس میں مخلوق کا اندیشہ نہ ہو اور حلال ترین نعمت وہ ہے جو تمہاری کوشش سے حاصل ہو اور بہترین رفیق وہ ہے جس کی زندگانی حق کے ساتھ ہو۔ خلفائے راشدین کے متعلق آپ سے کسی نے سوال کیا آپ نے فرمایا ایک لمحہ ایسا نہ تھا جس میں حضرت صدیق اکبر رض کا دل یاد حق سے خالی ہوتا اور ایک لمحہ نہ تھا کہ فاروق اعظم کا دل ہیبت حق سے خالی ہوتا اور ایک لمحہ نہ تھا کہ عثمان ذوالنورین کا قلب شرم سے حق کے سامنے بھرا ہوا نہ ہوتا اور ایک ساعت ایسی نہ تھی جو علی مرتضیٰ کی نگاہ حق پر سے ہٹی ہوتی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ آپ نے فرمایا کعبے پانچ ہیں۔ ایک کعبہ مکرمہ۔ دوسرا بیت المقدس تیسرا بیت المعمور۔ چوتھا عرش۔ پانچواں یہ کہ جوانمردوں کا قبلہ اللہ ہے۔

شیخ ابوالقاسم گرگانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ

پیشوائے اہل صفا۔ زبدہ ارباب عطا۔ شہباز طریقت و حقیقت۔ عارف ربانی شیخ ابوالقاسم گورگانی قدس سرہٗ العزیز۔ اکابر سلسلہ نقشبندیہ میں سے تھے اور اپنے زمانہ میں نظیر نہیں رکھتے تھے۔ آپ خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہمعصر تھے اور شیخ عثمان مغربی

قدس سرہٗ العزیز سے پیوند تھا۔ صاحب مراۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ آپ کی تربیت روحانیت مبارک حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ سے ہوئی تھی لیکن سفینۃ الاولیاء میں دونوں بزرگوں کا سنہ وفات ایک ہی درج ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں ہمعصر تھے اور یہ تربیت حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ کے حین حیات میں ہوئے ہوگے۔ صاحب مراۃ الاسرار لکھتے ہیں "ویرا حالتی بسیار قوی بود چنانکہ ہمہ را روئے بدرگاہ وے بودہ است۔"
شیخ علی ہجویری صاحب کشف المحجوب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے ایک مشکل پیش آئی جو مجھ سے حل نہیں ہوسکتی تھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت مسجد میں تھے اور تنہا کھڑے ہوئے ستون مسجد کو مخاطب کرکے میری مشکل کا جواب دے رہے تھے میں نے عرض کیا حضور یہ تو میرا ہی واقعہ ہے آپ نے فرمایا حق تعالیٰ نے اسی وقت اس ستون کو نطق عطا فرمایا کہ یہ سوال مجھ سے کرے اور میں جواب دے رہا ہوں۔

نفحات الانس میں ہے کہ ایک روز آپ اور شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما باہم طوس میں ایک ہی تخت پر بیٹھے ہوئے تھے اور درویشوں کی ایک جماعت سامنے کھڑی تھی۔ کسی درویش کے دل میں یہ خیال آیا کہ ان میں کون زیادہ بزرگ ہے شیخ ابوسعید علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اگر کوئی دو بادشاہوں کو ایک جا۔ ایک ہی وقت میں ایک تخت پر دیکھنا چاہتا ہے تو دیکھ لے۔ درویش کے قلب پر سے خدائے عزوجل نے حجابات اٹھا دئے اور اسنے یہ دیکھ لیا۔ پھر اسے خیال آیا کہ ان سے بھی زیادہ کوئی بندہ خدا بزرگ تر ہوگا۔ شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ کا ایک چھوٹا سا ملک ہے جس میں ابوسعید و ابوالقاسم جیسے اسکے بندے ستر ہزار آتے اور ستر ہزار جاتے رہتے ہیں۔

آپ کا ارشاد ہے کہ آدمی کو چاہیئے کہ تمام نسبتیں اپنے میں سے گم کرکے بندگی کرے طریقت میں نسبت سے مقصود یہ نہیں ہے کہ بندہ کو یافت کا گمان ہو۔ نفی و اثبات گم ہونا اور پالینا دونوں گمان ہیں۔

سفینۃ الاولیا اور خزینۃ الاصفیا میں آپکی تاریخ وفات ۴۵۰ھ (چار سو پچاس ہجری) درج ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

خواجہ ناصر الدین ابو یوسف چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

عالم علوم مشاہدہ۔ سرور اہل مجاہدہ۔ فارغ از زیبا روزشتی۔ غرق لجۂ وصال خواجہ ناصر الدین ابو یوسف چشتی قدس سرہٗ العزیز اس گروہ کے سرداروں میں سے تھے۔ آپ کے والد ماجد کا نام محمد سمعان تھا۔ اور شرف ارادت آپ کو خواجہ ابو محمد چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حاصل ہوا تھا۔ صاحب نفحات الانس فرماتے ہیں کہ خواجہ ابو محمد ابن احمد چشتی رح کے آپ بھانجے تھے۔ خواجہ ابو محمد رح پینسٹھ برس کی عمر تک متاہل نہیں ہوئے تھے۔ آپ کی ہمشیرہ خدمت کیا کرتی تھیں۔ انھوں نے بھی بھائی کی خدمت کی خاطر چالیس برس کی عمر تک شادی نہیں کی۔ ایک شب خواجہ محمد رح نے اپنے والد ماجد کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں شام میں فلاں مقام پر ایک شخص محمد سمعان نام ہیں۔ زیور علم و صلاح سے آراستہ اپنی بہن کا نکاح اُن سے کردو خواجہ ابو محمد رح نے ان صاحب کو بلا کر اپنی بہن کا ان سے عقد کر دیا جنسے خواجہ ابو یوسف پیدا ہوئے اور خود بھی پینسٹھ سال کی عمر کے بعد حضرت نے اپنا عقد فرمایا مگر چونکہ اپنے قابل خدمت کوئی ہونہار لڑکا نہ تھا اسلئے خواجہ ابو یوسف رح ہی کو اپنی اولاد کی جگہ سمجھتے اور تربیت کرتے تھے جو آپ کی وفات کے بعد آپ کے جانشین ہوئے۔ خواجہ ابو یوسف رح کو انقطاع کلی پچاس سال کی عمر کے بعد حاصل ہوا۔ جب طبیعت اس طرف مائل ہوئی تو آپنے خواجہ حاجی مکی کے مزار کے پاس جو ایک بہت بڑے بزرگ گذرے ہیں۔ نیز شیخ اسحٰق کے مزار کے پاس چلہ کشی اور ریاضت کرنی شروع کی اور مکان بنا کر بارہ سال وہیں بسر کر دئے۔ آپ کی سُکر و فنا کی حالت یہ تھی کہ کبھی کبھی جبکہ خادم وضو کا پانی ہاتھوں پر ڈالتا ہوتا تھا آپ اپنے آپ سے غائب ہو جایا کرتے تھے۔ اور دو ایک ساعت کے بعد ہوش میں آتے اور وضو پورا کرتے تھے۔ خواجہ عبد اللہ انصاری آپ کے ہمعصر تھے اور اسی زمانہ میں چشت میں آپ سے ملے ہیں۔ بادشاہوں میں آپ کا زمانہ ابو جعفر عبید اللہ الملقب بہ قائم بامر اللہ خلیفہ عباسی کا زمانہ تھا۔ سلاطین سلجوقیہ میں سے اس زمانہ میں سلطان طغرل بیگ بن میکائیل بن سلجوق حکمران تھا۔

نقل ہے کہ آپ کو قرآن پاک حفظ نہیں ہوتا تھا جس سے بہت متردد تھے ایک مرتبہ

خواجہ ابو محمد رح کو عالم واقعہ میں دیکھا کہ فرماتے ہیں سو بار سورہ فاتحہ پڑھو تاکہ اس تردد سے نجات ملے آپ نے سورہ فاتحہ پڑھی اور قرآن پاک کو حفظ کرلیا۔ آپ کا لقب ناصر الدین تھا۔ صاحب سفینۃ الاولیاء کی روایت کے بموجب آپ کی وفات چوتھی ربیع الثانی ۴۵۹ھ چار سو انسٹھ ہجری کو واقع ہوئی اور چوراسی سال کی عمر پائی۔ رحلت کیوقت خواجہ قطب الدین مودود کو جو آپ کے بڑے لڑکے تھے اپنا جانشین کیا۔ آپ کا مزار مبارک چشت میں ہے جو ہرات سے ساڑھے چھ منزل ہے۔ یہ تبرک و نیز ار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

شیخ ابوسعید ابوالخیر مہنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سلطان اصحاب طریقت۔ پیشوائے ارباب حقیقت۔ گنجینۂ حلم۔ بحیرۂ علم۔ سر حلقۂ واصلین۔ برگزیدہ حضرت رب العالمین۔ کاشف رموز دینی و دنیوی شیخ ابوسعید ابوالخیر مہنوی قدس سرہٗ العزیز۔ پانچویں صدی ہجری کے مشاہیر میں سے ہیں آپ کے والد ماجد کا نام ابوالخیر تھا۔ جو غزنی میں دوائیں بیچا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ سلطان محمود غزنوی کے مصاحب ہو گئے جب حضرت ابوسعید بڑے ہوئے تو غزنی کے علماء کے درس میں شریک ہونے لگے اور رفتہ رفتہ حدیث و فقہ میں بڑے مرتبہ پر پہونچے لیکن تصوف کی طرف بچپن ہی سے طبیعت مائل تھی اور اکثر انھیں کتابوں کا مطالعہ رہتا تھا۔ چنانچہ جب انہماک زیادہ ہوا تو آپ نے والد سے کہا کہ مجھے کوئی دوسرا مکان رہنے کو دیجئے میں وہیں رہا کروں گا۔ حضرت ابوالخیر رح نے فوراً انتظام کردیا اور یہ اس مکان میں رہنے لگے جسے انہوں نے کلمات تصوف و کتبات قرآنی سے خوب سجایا۔ ایک دن اتفاق سے حضرت ابوالخیر بھی اس گھر میں آگئے اور ہر چہار طرف آیات قرآنی اور کلمات تصوف دیکھ کر سخت متحیر ہوئے اور پوچھا کہ تم نے ان چیزوں سے اپنے گھر کی آرائش کی ہے۔ انھوں نے جواب دیا "بابا جان آپ نے اپنے مکان میں بادشاہ اور ارا کین دولت کی تصویریں لگائی ہیں کیونکہ ان سے آپ کو محبت ہے۔ میں نے بھی اپنے یہاں وہ چیزیں لگائی ہیں جن سے مجھے محبت ہے کہ شاید کسی دن میرا محبوب مجھ پر مہربان ہو جائے؛ حضرت ابوالخیر پر اس جواب نے بے انتہا اثر کیا اور اپنے مکان کی تصویریں نکلوادیں۔

اس واقعہ کے بعد باپ کے اصرار سے حضرت ابو سعیدؒ تکمیل علم کی غرض سے مرو گئے اور وہاں پانچ سال تک عبد اللہ حصری اور قفال کے درس میں شریک رہے۔ یہاں انکا طریقہ یہ تھا کہ درس کے بعد اپنے مکان پر آجاتے اور عبادت الٰہی میں مشغول رہتے۔ اس زمانے میں آپنے علوم ظاہری کو درجۂ تکمیل تک پہونچا یا لیکن علوم باطنی سے ابھی تک ناآشنا تھے۔ اسی فکر میں آپنے یہاں سے سرخس کا رخ کیا اور وہاں پہونچ کر ابو علی فقیہ کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر فقہ و تفسیر کیطرف منہمک ہوئے۔ لیکن اسکی ہمیشہ لَو لگی رہتی تھی کہ کسی صاحب باطن سے ملاقات ہو جائے۔

اس جستجو کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا نے مراد پوری کی اور حضرت شیخ ابو الفضل سرخسیؒ کی صحبت نصیب ہوئی اس واقعہ کو خود حضرت ابو سعید ابو الخیرؒ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں آرہا تھا کہ شارستان سرخس کے کنارے راکھ کے ایک تودے پر میں نے لقمانؒ مجنوں کو بیٹھا ہوا دیکھا میں ان کی جانب قصد کر کے اوپر چڑھ گیا وہ اپنی پوستین میں پیوند لگا رہے تھے اور میں اُن کی طرف دیکھ رہا تھا اور اس طریقہ پر کھڑا تھا کہ میرا سایہ لقمان مجنون کے پوستین پر پڑ رہا تھا جب وہ پیوند لگا چکے تو فرمایا بابا سعید ہم نے تمھیں بھی اس پارۂ پوستین کے ساتھ ٹانک لیا یہ کہکر اٹھے اور میرا ہاتھ پکڑ کر خانقاہ پیر ابو الفضل کیطرف لیگئے۔ وہاں پہونچکر شیخ کو آواز دی شیخ باہر تشریف لائے۔ لقمانؒ نے کہا کہ اے ابو الفضل اسے اپنے پاس رکھو یہ تمہارا ہے پیر نے میرا ہاتھ پکڑا اور خانقاہ میں لیگئے اور صفہ میں تشریف فرما ہو کر کتاب کا ایک جزو اٹھا کر ملاحظہ فرمایا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس میں کیا ہے۔ پیر نے یہ حال معلوم کر کے فرمایا کہ ابو سعید ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کو جو خلق کے پاس بھیجا ہے تو اس لئے کہ خلق سے کہیں کہ سب کا معبود وہی ایک اللہ ہی چنانچہ یہ لوگ آئے۔ پس جن لوگوں نے اس کلمہ کو کہا وہ اسی میں مستغرق ہو گئے۔ شیخ ابو سعیدؒ فرماتے ہیں یہ کلمہ میرے دل پر ایسا جا کر لگا کہ رات بھر نیند نہ آئی صبح کے وقت آفتاب نکلنے سے پہلے حاضر ہو کر میں نے پیر سے اجازت لی اور تفسیر پڑھنے خواجہ بو علی فقیہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہاں آکر جب بیٹھا تو خواجہ بو علیؒ اول اس آیت کا درس دے رہے تھے۔ قل اللّٰه ثم ذرهم فی خوض یلعبون یہ کلمہ سنتے ہی میری حالت متغیر ہو گئی۔ تو اجہ بو علیؒ نے یہ تغیر دیکھکر فرمایا کہ کل کہاں رہے۔ عرض کیا پیر ابو الفضل کے پاس۔ فرمایا جاؤ انھیں کے پاس جاؤ تمہارے لئے

اُس حالت سے اس حالت میں آنا حرام ہے۔ میں اُٹھ کر پیر ابو الفضل کے پاس حیران و متحیر اور اس کلمہ میں بالکل ڈوبا ہوا حاضر ہوا۔ پیر نے دیکھکر فرمایا ابو سعید ؎

مستک شدۂ ہمی نہ دانی پس و پیش ہاں گم نکنی تو ایں سر رشتۂ خویش

میں نے عرض کیا جو ارشاد ہو۔ فرمایا۔ یہاں آؤ۔ بیٹھ جاؤ اور اس کلمہ کی مزاولت رکھو کیونکہ اس سے تمہارے بہت سے کام نکلیں گے۔ پس جب تک حضرت شیخ قید حیات میں رہے اپنی تمام مشکلات آپ سے حل کرتا رہا۔ بعد وصال شیخ ابو العباس قصاب رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ مبارک پر حاضر ہوا اور ایک سال آپ کے ساتھ رہا۔

شیخ ابو العباس رحؒ صوفیوں کے جماعت خانہ میں ایک موضع خاص پر اکتالیس برس برابر بیٹھے رہے تھے۔ اور اگر رات کے وقت کوئی درویش زیادہ نمازیں پڑھتا تو آپ فرماتے صاحبزادے تم آرام کرو اور سو رہو یہ بڈھا جو کچھ کرتا ہے سب تمہارے ہی لئے کرتا ہے خود اُسے ان باتوں سے کوئی فائدہ نہیں اور نہ ان کی اسے حاجت ہے۔ یہ برتاؤ تو سب کے ساتھ تھا لیکن شیخ ابو سعید ابو الخیر رحمۃ اللہ علیہ سے اس ایک سال کی مدت میں کبھی نہ کہا کہ تم بھی سو رہو یا نمازیں مت پڑھو بلکہ مکان کے برابر ایک چھوٹی سی کوٹھری بنوا دی تاکہ وہاں عبادت کیا کریں۔ ایک شب کا قصہ ہے کہ شیخ ابو العباس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صومعہ سے باہر تشریف لائے۔ آپ نے اس شب فصد کھلوائی تھی اور شیخ ابو سعید کو اس کی اطلاع تھی۔ یہ بھی جلدی سے اُٹھے اور اپنے زاویہ سے باہر آکر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت کا ہاتھ دھلایا کپڑے اتارے اور اپنے کپڑے لاکر سامنے رکھدئے۔ شیخ نے پہن لئے۔ ابو سعید رحؒ نے شیخ کے کپڑے خود دھوئے اور پھیلا کر رسی پر ڈالدیئے۔ جب خشک ہو گئے تو تہ کرکے شیخ رحؒ کے سامنے لائے۔ شیخ رحؒ نے اشارہ فرمایا کہ تمھیں پہن لو۔ شیخ ابو سعید رحؒ حسب الحکم پہن کر اپنے زاویہ میں چلے گئے۔ جب صبح ہوئی اور لوگ بیدار ہو کر حاضر خدمت ہوئے تو شیخ ابو العباس رحؒ کو شیخ ابو سعید رحؒ کے کپڑے پہنے ہوئے اور شیخ ابو سعید کو شیخ ابو العباس کے کپڑے پہنے دیکھکر تعجب کرنے لگے شیخ ابو العباس رحؒ نے فرمایا "آرے۔ دوش نثار ہا رفت۔ ہمہ نصیب ایں جوان مہنکی آمد مبارکش باد"

شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز دو صاحب شیخ ابوالعباسؒ کے پاس تشریف لائے اور بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ ہم دونوں میں کچھ بحث آپڑی ہے۔ ایک کہتا ہے کہ اندوہ دائمی سب کچھ ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ نہیں شادی دائمی سب کچھ ہے۔ آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ شیخ فرمانے لگے۔ "الحمد اللہ کہ منزل گاہ پسر قصاب نہ اندوہ است و نہ شادی"۔ لیس عند ربك صباح ولا مساء ملا جامی فرماتے ہیں کہ "اندوہ و شادی صفت تست و ہرچہ صفت تست محدث است و محدث را بقدیم راہ نیست"۔ یعنے شیخ پر کوئی حال غالب نہ تھا بلکہ وہ خود تمام حالات پر غالب تھے اور وصول ذات کے مرتبہ پر فائز تھے جہاں امور متقابلہ سب مفقود ہیں۔ اس کے بعد شیخؒ نے فرمایا کہ "پسر قصاب بندۂ خدا است در امر و نہی رہ مصطفےٰ دارد و متابعت سنت می کند"۔ جب وہ دونوں صاحب باہر تشریف لیگئے تو میں نے عرض کیا کہ حضرت یہ دونوں کون صاحب تھے فرمایا ایک ابوالحسن خرقانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور دوسرے عبداللہ داستانیؒ۔ شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ فرماتے ہیں کہ جب ایکسال میں قیام کر چکا تو حضرت نے فرمایا اب اپنے وطن مہنہ جاؤ کچھ دنوں بعد ہی علم تمہارے دروازے پر نصب کریں گے۔ میں یہ اشارہ پاکر وطن کی جانب واپس ہوا۔

صاحب نفحات فرماتے ہیں کہ آپ "سلطان وقت" و "جمال اہل طریقت" و "مشرف القلوب" تھے۔ امیر الامرا رضا قلی خان ہدایت روض الریاحین میں لکھتے ہیں کہ "آنجناب فضل اللہ بن ابوالخیر است از صغر سن ریاضات شاقہ میکشید و شراب ذوق و حال می چشید۔ لقمان سرخسی از مجانین عاقل و مجاذیب کامل بود اورا۔ الشیخ ابوالفضل سرخسیؒ سپردہ تا تربیتی نمود۔ بصحبت جمعی از بزرگان رسیدہ و زحمت بسیار از ابنائے زمان دیدہ۔ چہاردہ سال در ابتدائے حال مجذوب بود و بوادی دشت خاوران راہ می پیمودہ در سختی و رنج قدم می افسردہ خار صحرا می خورد بالآخر کارش بجائے رسید کہ از ہدایا کہ سلاطین بوے فرستادہ بودند چہار صد اسپ بازین و ستام در پیشاپیش شش جنیبت می کشیدند"۔

صاحب نفحات الانس فرماتے ہیں کہ ماوراء النہر میں محمد ابونصر جیبیؒ نام ایک بزرگ تھے ان سے اور شیخ ابوسعیدؒ سے کبھی کی ملاقات نہ تھی۔ اس اثنا میں خواجہ ابوبکر خطیب

جو مرو کے اماموں میں سے تھے کسی کام کے لئے نیشاپور جارہے تھے ۔ شیخ محمدؒ نے ان سے کہا " شنیدم کہ عزم نیشاپور داری . مرا سوالے است میخواہم کہ از شیخ ابوسعید . پرسی و جواب باز آری ولیکن باید کہ او نداند کہ این سوال من کردہ ام " خواجہ ابوبکر نے پوچھا کہ آخر وہ کونسا سوال ہے آپنے فرمایا " اُن سے پوچھنا کہ " کیا آثار محو ہوجایا کرتے ہیں " اُنھوں نے جواب دیا یہ مجھے یاد نہیں رہے گا ۔ فرمایا اچھا لکھ لو ۔ غرضکہ جب خواجہ ابوبکرؒ نیشاپور پہونچے تو کاروان سرائے میں قیام فرمایا ۔ اتنے میں دو صوفی آئے اور پوچھنے لگے کہ اس سرائے میں خواجہ ابوبکر خطیب کس کا نام ہے ۔ میں نے کہا میں ہوں فرمایا کہ شیخ ابوسعیدؒ نے سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ کیا ہم محتاج ہیں جو ہمارا گھر چھوڑ کر تم نے سرائے میں قیام کیا ہے ۔ ہمارے یہاں آکر قیام فرمائے ۔ میں نے عرض کیا حمام کرلوں تو حاضر ہوتا ہوں ۔ ابھی تک میں نے اس سلام و پیام کا کسی سے ذکر تک نہیں کیا تھا ۔ غرضکہ جب غسل کر کے حمام سے باہر آیا تو انھیں دونوں کو روشنی عود و گلاب ہاتھ میں لئے ہوئے دیکھا ۔ اُنھوں نے فرمایا کہ ہمارے شیخ نے بھیجا ہے ۔ جب میں حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپنے مجھے دیکھتے ہی یہ شعر فرمایا ؎

اھلاً لسعدی الرسول وحبذا ۔۔۔ وجہ الرسول لحب وجہ المرسل

یعنی سعدی کے پیام پر میرے سر اور آنکھوں پر ۔ ایسے پیام بر کی صورت مجھے بھیجنے والے کی محبت کی وجہ سے پیاری معلوم ہوتی ہے ۔ میں نے سلام کیا آپ نے جواب دیا اور فرمایا کہ اگر تم اس پیر کی پیام بری کو باعث ذلت سمجھتے ہو تو یاد رکھو اسکا کلام ہمارے نزدیک بہت عزیز ہے ۔ جب سے تم نے مرو سے باہر قدم نکالا ہے میں منزل بمنزل شمار کرتا جا رہا ہوں بتاؤ تو سہی اس نے کیا کہا ہے ۔ میری ہیبت کے مارے یہ حالت تھی کہ شیخ محمدؒ کا سوال بالکل یاد نہیں رہا ۔ جیب سے کاغذ نکال کر شیخ کے ہاتھ پر رکھدیا ۔ شیخ نے فرمایا کہ اگر میں جواب دونگا تو تمھیں ابھی اسے لیجانا ہوگا ۔ اسلئے پہلے نیشاپور میں تمھیں جو کچھ کام ہو ختم کرلو پھر مراجعت کے وقت میرے پاس آنا ۔ غرضکہ جب تک میں نیشاپور میں رہا ہر شب شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتا ۔ جب مراجعت کا وقت آیا تو میں نے جواب طلب کیا آپ نے فرمایا اُس پیر سے کہنا لا تبقی ولا تذر یعنی جب عین ہی نہیں رہا تو اثر کہاں باقی رہے گا ۔ میں نے کمال عجز سے

عرض کیا کہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ فرمایا کہ یہ کسی کے بیان میں نہیں آسکتا اچھا یہ دو بیتیں یاد رکھو

جسمم ہمہ اشک گشت وچشمم بگریست　　در عشق تو بے جسم ہمی باید زیست
از من اثرے نماند وایں عشق زچیست　　چون من ہمہ معشوق شدم عاشق کیست

میں نے عرض کیا شیخ حکم فرماویں کہ یہ بیتیں لکھ کر مجھے دے دیجائیں آپنے حسن مودب رح کو حکم دیا۔ انھوں نے لکھ کر میرے حوالہ کر دیں۔ جوں ہی میں مرو لوٹ کر پہونچا۔ حضرت شیخ محمد حبیبی رح تشریف لائے۔ میں نے سب قصہ اُن کے سامنے عرض کیا اور وہ دونوں بیتیں پڑھ دیں۔ سنتے ہی شیخ نے ایک نعرہ مارا اور گر پڑے۔ دو آدمی وہاں سے اُٹھا کر باہر لیگئے اور ساتویں روز اسی حالت میں رحلت فرمائی۔

حضرت شیخ ابو سعید ابوالخیر رح کا قول ہے۔ ع بر رستہ دگر باشد و بر بستہ دگر۔ اسکی تفسیر میں حضرت ملا جامی رح فرماتے ہیں کہ جو علوم کہ تقریر سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ لوگ جو اناوجدنا اٰباءنا علی ملۃ کو اپنا دستور العمل بناتے ہیں اور زبانی تقریر پر دار و مدار رکھتے ہیں ان کے لئے "بر بستہ" کہا جاتا ہے۔ جبتک زندہ رہتے ہیں زبان کے مزے لیتے رہتے ہیں اور غرور کے بیابان میں سراب کو دیکھکر دہوکہ میں آجاتے ہیں اور جب حضرت ملک الموت کی صورت نظر آتی ہے تو پیرایہ عاریت زبان پر سے دور ہوجاتا ہے اور رسوائی ظاہر ہوجاتی ہے۔ لیکن جن علوم کا تعلق قلوب سے ہے ان کا جاننے والا "بر رستہ" ہے اور دین و دنیا میں بہت کچھ ثمرات کی توقع رکھتا ہے۔

ایک روز قوال حضرت شیخ کے سامنے یہ بیت گا رہے تھے ؎

اندر غزل خویش نہان خواہم گشت　　تا بر لب تو بوسہ دہم چونش بخوانی

شیخ نے پوچھا یہ غزل کس نے کہی ہے۔ عرض کیا عمارہ نے شیخ نے فرمایا اُٹھو چلو عمارہ کی ملاقات کو چلیں۔ چنانچہ اُنکی ملاقات کے لئے ایک جماعت کے ساتھ تشریف لے چلے اور یہ رباعی زبان مبارک پر جاری تھی ؎

در راہ یگانگی نہ کفر ست و نہ دین　　یک گام زخود برون نہ و راہ بہ بین
اے جان جہان تو راہ اسلام گزین　　با مار سیہ نشین و با خود منشین

شیخ سے کسی نے پوچھا کہ تفکر ساعة خیر من عبادة سنة کے کیا معنی ہیں آپ نے فرمایا کہ اپنی ہستی میں ایک لمحہ کے لئے فکر کرنا اس عبادت یکسالہ سے بہت بہتر ہے جو اپنی ہستی کے خیال کے ساتھ ساتھ کی جاسے۔ یہ ارشاد فرما کر یہ رباعی فرمائی ؎

تا روے ترا بدیدام اے شمع طراز　　نے کار کنم نہ روزہ دارم نہ نماز
چون با تو بوم مجاز من جملہ نماز　　چون بے تو بوم نماز من جملہ مجاز

ایک مرتبہ اُستاد ابو صالح جو شیخ کے مقری تھے بیمار ہو گئے آپ نے ابو بکر مودب کو جو آپ کے لڑکوں کے ادیب تھے بلایا اور فرمایا کہ قلم دوات اور کاغذ کا ایک پرچہ لاؤ تاکہ ابو صالح کے لئے کچھ لکھ دون۔ فوراً دوات قلم لایا گیا اور شیخ نے یہ رباعی لکھنے کیلئے فرمایا ؎

حوران بہ نظارہ نگارم صف زد　　رضوان بہ تعجب کف خود برکف زد
آن خال سیہ بر آن رخاں مطرف زد　　ابدال زبیم چنگ بر مصحف زد

خواجہ ابو بکر مودب نے یہ رباعی لکھ کر ابو صالح کے پاس بھیجدی اس کے باندھتے ہی اُنہیں صحت ہو گئی اور اسی روز باہر تشریف لائے۔

ایک دن حضرت شیخ باہر تشریف لائے اور ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ اس زمانہ میں درخت کی تمام پتیاں زرد ہو گئی تہین۔ آپ نے یہ دیکھکر یہ بیت فرمائی ؎

تو از مہر زرد و من از مہر زرد　　تو از مہر ماہ و من از مہر ماہ

ایک مرتبہ کسی نے آپ سے کہا کہ فلان شخص پانی پر چلتا ہے۔ آپ نے فرمایا آسان ہے۔ جل مرغی اور سیس بھی پانی پر چلتے ہیں۔ کسی نے کہا فلانا ہوا میں اُڑتا ہے آپ نے فرمایا آسان ہے۔ کوا اور مکھی بھی ہوا میں اڑتی ہے۔ کسی نے فلانا ایک لحظہ میں ایک شہر سے دوسرے شہر پہونچ جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا شیطان بھی ایک ساعت میں مشرق سے مغرب تک پہونچ جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ ان چیزون کی قدر نہیں ہے مرد وہ ہے جو لوگون میں نشست و برخاست رکھے۔ لین دین کرے۔ جورد کرے۔

لوگوں سے میل جول رکھے اور پھر بھی ایک لحظ خدا سے غافل نہ رہے۔ شیخ سے کسی نے پوچھا کہ تصوف کیا چیز ہے فرمایا "آنچہ در سرداری بہ نہی۔ و آنچہ در کف باشد بہ دہی۔ و از آنچہ بر تو آید نہ جہی۔" پھر ارشاد فرمایا اللہ بس باقی ہوس۔ اور نفس سے انقطاع لازم ہے۔ آپ کا قول ہے کہ بندہ اور خدا کے درمیان نہ تو آسمان و زمین حجاب ہیں اور نہ عرش و کرسی بلکہ اس کا تکبر و پندار خود حجاب ہے۔ جب یہ پردے درمیان سے اُٹھ جائیں گے خدا تک پہنچ جائے گا۔

شیخ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ دوران سفر میں ایک گاؤں پر گذر ہوا وہاں دریافت کیا کہ کوئی بزرگ یہاں ہیں معلوم ہوا کہ ایک بزرگ تھے اور اب اُن کے دیکھنے والوں میں صرف ایک بڈھا رہ گیا ہے۔ میں نے اُسے بلوایا۔ جب آیا تو میں نے دیکھا کہ ایک نہایت پر شکوہ آدمی ہے میں نے پوچھا کہ تم نے اُس پیر کو دیکھا ہے۔ کہا ہاں میں اُن کے زمانہ میں کم سن تھا۔ میں نے پوچھا اُن کا کچھ کلام سنا ہے۔ کہا مجھ میں اُنکے کلام کے سمجھنے کی قدرت نہ تھی لیکن ہاں صرف ایک بات یاد رہ گئی ہے۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک مرقع پوش درویش سفر کرتا ہوا ان کے پاس پہونچا اور نزدیک جا کر سلام کیا اور کہا "یہاں آیا ہوں کہ کچھ آپ کی صحبت میں آسائش ملے گی۔ تمام عالم کا چکر لگاتا پھرا ہوں لیکن نہ تو خود آسائش ملی اور نہ کسی کو آسودہ دیکھا۔" انھوں نے فرمایا۔ "چرا از خویش دست نہ داشتی تا تو خود بیاسودی و خلق ہم از تو بیاسودندے۔" شیخ ابوسعید فرماتے ہیں۔ "ما گفتیم ایں سخن تمام است کہ آں پیر گفتہ برتر ازیں سخن نباشد۔" شیخ کا ارشاد ہے کہ "اصل ایں حدیث آں باشد کہ مرد را با د باز نگزارند۔" خود حضرت سرور کائنات علیہ التحیۃ والصلوٰۃ نے یہ ارشاد فرمایا ہے "اللھم لا تکلنی الی نفسی طرفۃ عین ولا اقل من ذلك۔" یعنی اے مرے اللہ ایک چشم زدن کے لئے بھی مجھے اپنے سے باز مت رکھ۔

حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک بڈھے صراف کو ہم نے دیکھا اُس نے کہا کہ اے شیخ تمام عالم میں ایک شخص کو بھی ایسا نہ چھوڑا جو مجھے پانی دیتا یا مجھے سلام

کرتا۔ سب چاہتے ہیں کہ ایک ساعت ہی کے لئے سہی اپنے آپ سے آزاد ہو جائیں اور میں یہ چاہتا ہوں کہ ایک ساعت ہی کہیں کھڑے رہنے کی جگہ مل جائے؟ آخر عمر میں اس شخص کے بدن میں آگ لگی اور جل کر مر گیا۔ چونکہ ابتدا ابتلا سے ہوئی تھی انتہا بھی ابتلا سے ہوئی۔

حضرت شیخ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے۔ ولذکر اللہ اکبر۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ذکر خداوند جل وعلیٰ بزرگتر ہے نہ اس طرح پر کہ تو اُسے یاد کرتا ہے بلکہ اس طرح پر کہ وہ تجھکو یاد کرتا ہے۔ پروردگار کا ذکر تو بزرگتر ہے لیکن تمہارا ذکر تم خود جانتے ہو کہ کہاں تک اُس کی بزرگی ہے۔ ایک مرتبہ ایک آدمی نے ایک بڑھیا سے پوچھا کہ "خدا را کجا جویم" اُس نے جواب دیا "دوست ما در کجاش جستی کہ نیافتی ہر کجاش جوئی یابی"۔ من طلب وجد فوجد۔

شیخ رحمتہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک شخص ایک پیر مرد کے پاس گیا اور کہا "اے پیر مرا سخنے بگوئے" پیر تھوڑی دیر سر جھکائے رہا۔ پھر سر اُٹھا کر بولا "کیوں؟ میرے جواب کا انتظار ہے؟" اُس نے کہا ہاں۔ پیر نے کہا کہ خدائے بزرگ و برتر کے علاوہ جس قدر چیزیں ہیں وہ اس قابل نہیں کہ اُن کے متعلق کوئی بات تجھ سے کہوں اور جو بات کہ حق جلشانہ کی ہے وہ ایسی ہے کہ بیان نہیں ہو سکتی۔ ان اللہ تعالیٰ اجل من ان یوصف او یذکر بذکر۔

ایک صاحب ایک عرصہ تک حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ کے پاس رہے تھے ایک مرتبہ اُنھوں نے بغداد جانے کا قصد فرمایا شیخ علیہ الرحمہ نے فرمایا وہاں جاؤگے تو کیا کہوگے کہ کس کے پاس رہے تھے۔

وہاں کیا دیکھا۔ کیا فائدہ حاصل ہوا کیا یہ کہوگے کہ آزو ویش دنمومیں نے دیکھے۔ اُنھوں نے عرض کیا جو حضرت کا ارشاد ہو فرمایا کہ جو کوئی عربی جانتا ہو اُس کے سامنے یہ عربی کا شعر پڑھنا ؎

قالو خراسان اخرجت شیئاً لیس لہ فی جمال ثانی

فقلت لاتنکروا محاسنه مطلع الشمس من خراسان

اور جو کوئی عربی نہ جانتا ہو اس کے سامنے یہ رباعی پڑھ دینا

آنی کہ بہ خلد یادگار از تو برند سبزی بہشت نوبہار از تو برند

در چین و خطا نقش و نگار از تو برند خوبان ہمہ خال روزگار از تو برند

خدمت شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے استاد ابو علی دقاقؒ سے پوچھا کہ "ایں حدیث بر دوام بود" اوستاد نے فرمایا نہیں۔ شیخ تھوڑی دیر سر جھکائے رہے اور پھر سر اٹھا کر عرض کیا۔ "اے اوستاد ایں حدیث بر دوام بود"۔ انھوں نے پھر فرمایا نہیں۔ شیخ نے دوسری بار پھر سر جھکا لیا اور تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر عرض کیا "اے اُستاد ایں حدیث بر دوام بود" انھوں نے فرمایا "اگر بود نادر بود" آپ نے ہاتھ پر ہاتھ مار کر فرمایا "ایں ازاں نادر ہاست"۔

ایک روز شیخ ابوسعیدؒ اور شیخ ابوالقاسم گورگانی قدس سرہما طوس میں باہم ایک تخت پر تشریف فرما تھے اور درویشوں کی ایک جماعت سامنے کھڑی تھی۔ ایک درویش کے دل میں آیا کہ ان دونوں بزرگوں کا کیا مرتبہ ہے۔ شیخ ابوسعیدؒ نے اس کی طرف رُخ کر کے فرمایا کہ جو کوئی ایک ہی وقت میں اور ایک ہی تخت پر دو بادشاہوں کو دیکھنا چاہتا ہے آکر دیکھے اس درویش نے یہ سنکر ان دونوں بزرگوں کی جانب دیکھا۔ پروردگار عالم نے اس کی نگاہ پر سے حجاب اوٹھا دیا تاکہ شیخ کے کلام کی سچائی روشن ہو جائے۔ یہ دیکھ کر اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ آیا خدائے تعالیٰ کے ملک میں ان دونوں بادشاہوں سے بڑھ کر بھی کوئی اور ہے شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ نے یہ اندیشہ معلوم کر کے اُس سے کہا "مختصر ملکے بود کہ ہر روز سے دراں ملک چوں ابوسعیدؒ و ابوالقاسم ہفتاد ہزار فراتر شود و ہفتاد ہزار برسد"۔

پیر ابوالفضل کی وفات کے بعد حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ نے حضرت شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی النیشاپوری کی بھی صحبت اختیار فرمائی تھی اور ان کے ہاتھ سے خرقہ بھی پہنا تھا۔ شیخ ابوسعیدؒ فرماتے ہیں کہ جب شیخ عبدالرحمٰن سلمی کے پاس میں گیا تو پہلی مرتبہ آپ نے مجھے دیکھ کر یہ فرمایا کہ آؤ تمہارے لئے ایک شئے اپنے قلم سے لکھ دوں۔ میں نے عرض کیا لکھ دیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ سمعت جدی ابا عمرو ابن نجید السلمی

یقول سمعت ابوالقاسم جنید ابن محمد البغدادی یقول التصوف ھو الخلق من زاد علیک بالخلق زاد علیک بالتصوف واحسن ماقیل فی تفسیر الخلق ماقال الشیخ الامام ابوسھل الصعلوکی الخلق ھو الاعراض عن الاعتراض یعنی حضرت جنید بغدادیؒ سے روایت ہے کہ تصوف یہی خلق ہے۔ اور خُلق کی تعریف حضرت امام ابوسہل صعلوکیؒ نے یہ فرمائی ہے کہ وہ اعتراض سے کنارہ کشی کرنے کا نام ہے ۔

بود علامت عرفاں ز اعتراض اعراض ۔۔۔ نہ عارف ست ومحق کرایں علامت نیست

جس زمانہ میں حضرت شیخ علیہ الرحمہ نیشاپور میں تھے استاد ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے استدعا کی تھی کہ ہفتہ میں ایک روز ان کی خانقاہ میں تشریف لاکر مجلس فرمایا کریں۔ ایک منبر وہاں رکھدیا گیا تھا اور اس پر کپڑا ڈال دیا گیا تھا۔ ایک مجلس کا ذکر ہے کہ لوگ آتے اور بیٹھتے جاتے تھے شیخ ابوعبداللہ باکو قدس سرہٗ بھی استاد ابوالقاسم کی مزاج پرسی کو آئے تھے ۔ انھوں نے یہ سب سامان دیکھکر دریافت کیا کہ یہ کیا ہے استاد نے فرمایا مجلس ہے شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ کچھ فرمائیں گے ۔ بیٹھیے آپ بھی سنئے ۔ ابوعبداللہ نے فرمایا مجھے ان پر اعتقاد نہیں ہے ۔ مگر استاد نے انھیں بٹھالیا اور آہستہ سے کہا کہ ہوشیار رہنا خدائے تعالیٰ نے اس شخص کو خطرات قلوب پر مطلع فرمایا ہے ۔ دل میں کوئی خیال مت لانا ۔ غرضکہ شیخ ابوسعیدؒ منبر پر تشریف لائے بتوفیق نے قرآن پاک پڑھا اور شیخ نے دعا فرمائی جب کلام کرنے کا وقت آیا تو شیخ عبداللہ نے اپنے دل میں کچھ خیال کیا۔ شیخ نے اس پر مطلع ہو کر جواب دیا اور اس کے بعد اپنا کلام شروع کیا۔ جب تقریر گرم ہوئی تو شیخ ابوعبداللہ نے یہ حالت دیکھ کر اپنے دل میں کہا کہ اتنے مواقف پر حالت تجرید میں رہا ہوں ۔ اور اتنے مشائخ کو میں نے دیکھا ہے اور بچپن ہی سے ان کی خدمت کرتا آرہا ہوں یہ سبب کیا ہے کہ اس مرد پر یہ سب باتیں ظاہر ہوجاتی ہیں اور مجھ پر کچھ ظاہر نہیں ہوتا۔ شیخ ابوسعید نے اسی وقت ان کی طرف رخ کرکے جواب دیا اے خواجہ ؎

توچنانی کہ ترا گفت چناں است خیال ۔۔۔ من چنینم کہ مرا گفت چنیں است چنیں

اور درود پڑھ کر اپنے چہرۂ مبارک پر ہاتھ پھیرا اور منبر سے اتر آئے اور استاد ابو القاسم اور شیخ عبداللہ کے پاس بیٹھ کر استاد امام سے فرمانے لگے کہ ان صاحب سے فرمائیے کہ میری طرف سے دل برا نہ رکھیں شیخ ابوعبداللہؒ نے فرمایا میں اوس وقت خوش ہونگا کہ ہر پنجشنبہ کو جو آپ میرے سلام کے لئے آیا کرتے ہیں آیندہ سے آنا موقوف فرمائیں شیخ ابوسعیدؒ نے فرمایا کہ آپ پر بہت سے مشائخ اور بزرگوں کی نگاہیں پڑی ہیں ان نگاہوں کے لئے آیا کرتا ہوں نہ کہ آپ کے لئے۔ حضرت شیخؒ نے جب یہ کلام ختم فرمایا تو تمام مجمع سے آواز گریہ بلند ہوئی اور خود شیخ ابوعبداللہؒ بہت روئے اور اس دن سے شیخ ابوسعیدؒ کی طرف سے دل صاف کر لیا۔ چونکہ شیخ ابوعبداللہ کے دل میں اب مخالفت نہیں رہی تھی اس لئے کبھی کبھی شیخ ابوسعیدؒ سے ملنے جایا کرتے تھے لیکن ہنوز رقص وسماع کی وجہ سے کسی قدر مخالفت موجود تھی اور کبھی کبھی اُسے ظاہر بھی کر دیا کرتے تھے چنانچہ ایک شب انھوں نے خواب میں دیکھا کہ ہاتف کہہ رہا ہے۔ قوموا وارقصوا للّٰہ جب بیدار ہوئے تو فرمایا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ یہ شیطانی خواب ہے۔ دوسری مرتبہ جب سوئے تو پھر یہی خواب دیکھا کہ ایک ہاتف کہہ رہا ہے قوموا وارقصوا للّٰہ جب بیدار ہوئے تو پھر لاحول پڑھی اور ذکر فرما کر قرآن پاک کی چند سورتیں پڑھیں۔ تیسری دفعہ جب سوئے تو پھر یہی خواب دیکھا اس وقت خیال ہوا کہ یہ شیطانی خواب نہیں ہے بلکہ اس مخالفت کی وجہ سے ہے جو سماع کے بارے میں حضرت شیخ ابوسعید کی جانب سے میرے دل میں ہے جب صبح ہوئی تو حضرت شیخؒ کی خانقاہ میں تشریف لے گئے وہاں حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ اندرون خانقاہ یہ فرما رہے تھے قوموا وارقصوا للّٰہ جب یہ پہونچے تو انھیں دیکھکر بہت خوش ہوئے اور خود شیخ ابوعبداللہ کے دل سے بھی یہ مخالفت جاتی رہی۔

ایک مرتبہ حضرت شیخ ابوسعیدؒ نے ایک رباعی پڑھی اور فرمایا ان ابیات کو میرے جنازے کے آگے آگے پڑھتے جانا ؎

خوب تر اندر جہاں ازیں چہ بود کار　　　　دوست بر دوست رفت یار بر یار

آں ہمہ اندوہ بود ایں ہمہ شادی — واں ہمہ گفتار بود ویں ہمہ کردار

آں جناب کی عمر ہزار ماہ کی ہوئی چہارم ماہ شعبان ۴۴۰ھ سنہ چار سو چالیس ہجری شب جمعہ کو عشار کی نماز کے وقت آپ نے رحلت فرمائی یہ بیت اور کم وبیش ایک سو تیرہ ۱۱۳ رُباعیات آنجناب کی یادگار اب تک باقی ہیں۔ ؎

بزیر قبہ تقدیس مست مستانند

کہ ہر چہ ہست ہمہ صورت خدا دانند

یہ چند رباعیات آپ کے کلام کے نمونہ کے طور پر یہاں درج کیجاتی ہیں :-

یارب دل من ز معرفت دانا کن — چشم بجمال مصطفےٰ بینا کن

روزے کہ چو لالہ سر برآرم ازخاک — در روضۂ مصطفےٰ مرا ماوا کن

یارب چو شود روز قیامت ظاہر — وز ہر طرفے شود ملامت ظاہر

در روضۂ مصطفےٰ برانگیز مرا — کز حضرتِ او شود سلامت ظاہر

رفتم بہ طبیب وگفتم از دردنہاں — گفتا از غیر دوست بربند زباں

گفتم کہ غذا گفت ہمیں خون جگر — گفتم پرہیز گفت از ہر دو جہاں

گفتم کہ کئی تو بدیں زیبائی — گفتا خود را کہ من خودم یکتائی

ہم عشقم وہم عاشق وہم معشوقم — ہم آئینہ ہم جمال ھم بینائی

اے در دل من اصل تمنا ہمہ تو — وے در سر من مایۂ سودا ہمہ تو

ہر چند بہ روزگار در می نگرم — امروز ہمہ توئی وفردا ہمہ تو

مجنون تو کوہ را ز صحرا نشناخت — دیوانہ عشق تو سر از پا نشناخت

ہر کس بتو رہ یافت زخود گم گردید — آنکس کہ ترا شناخت خود را نشناخت

اے آنکہ کشایندہ ہر بند توئی — بیرون زعبارت چہ و چند توئی

ایں دولت من بس کہ منم بندۂ تو — ویں عزت من بس کہ خداوند توئی

—— (۵) ——

حضرت شیخ ابو الفرح طرطوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

مطلع انوار۔ منبع اسرار۔ ترجمان حقیقت۔ جامع شریعت وطریقت شیخ محمد بن عبد اللہ ابو الفرح طرطوسی قدس سرہٗ العزیز۔ اپنے زمانہ کے اولیاء کے پیشوا تھے آپ کا وطن طرطوس تھا اور شیخ عبد الواحد تمیمی ابن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید تھے۔ سفینۃ الاولیاء میں ہے کہ "از قدوۂ اولیائے زماں وزبدہ مشائخ جہاں وصاحب مقامات بلند وکرامات ارجمند بودہ اند" آپ پانچویں صدی ہجری کے بزرگوں میں سے ہیں۔ اور آپکے وصال کی تاریخ یکم محرم ۴۵۶ھ چار سو چھپن ہجری نظر سے گذری ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت داتا گنج بخش علی الہجویری اللاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سرحلقہ جملہ اقطاب محرم جمیع ابواب۔ معشوق بہ اوصاف معنوی شیخ علی بن عثمان بن علی الغزنوی قدس سرہٗ کمل اولیاء زمانہ سے تھے آپ کی کنیت ابو الحسن تھی۔ ہجویر غزنین کے ایک محلہ کا نام ہے جہاں آپ کا گھر تھا۔ سلطان محمود غزنوی کے پہلے حملہ کے وقت شہزادہ مسعود کے ساتھ آپ ہندوستان تشریف لائے اور لاہور میں اقامت فرمائی اور داتا گنج بخشؒ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ آپ ہی کے قدوم میمنت لزوم کی برکت سے لاہور کے اطراف واکناف میں اسلام پھیلا سفینۃ الاولیاء میں ہے کہ آپ کے والد ماجد عثمان بن علی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار غزنین میں ہے اور وہیں آپ کی والدہ ماجدہ اور ماموں زاد بھائی تاج الاولیاءؒ کے مزارات ہیں۔ آپ کا خاندان بڑے زہد وتقویٰ میں مشہور تھا۔ مراۃ الاسرار میں آپ کے پیرو مرشد کا نام نامی ابو الحسن حصری مرقوم ہے جو حضرت شیخ شبلی قدس سرہٗ کے مرید تھے۔ آپ شیخ ابو القاسم گرگانی۔ شیخ ابو سعید ابو الخیر شیخ ابو القاسم قشیری قدس اسرارہم اور بہت سے مشائخ سے ملے ہیں۔ آپنے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور تصوف میں حضرت جنید کا مذہب رکھتے تھے۔ نفحات الانس

میں ہے کہ کنیت وے ابوالحسن ست عالم وعارف بود و مرید شیخ ابوالفضل بن حسن ختلی ست وصحبت از مشائخ دیگر رسیدہ است غالباً مراۃ الاسرار میں سہو کاتب ہوا ہے۔ مراۃ الاسرار میں ہے کہ خواجہ احمد حمادی سرخسیؒ جو اپنے زمانہ میں مبارز العباد کہلاتے تھے ان کا اور حضرت کا بہت ساتھ رہا ہے۔ ایک روز آپ نے پوچھا کہ اے خواجہ احمد آپ کے توبہ کا باعث کیا ہوا۔ کیا واقعہ گذرا جو آپ نے پہلے پہل توبہ کی اور تمام مشاغل دنیاوی سے کنارہ کشی فرمائی۔ خواجہؒ نے فرمایا۔ ایک زمانہ کا واقعہ ہے کہ سرخس سے میں نکل کر ایک بیابان میں پہنچا جہاں اونٹ چرا کرتے تھے اس مقام پر میں نے ایک عرصہ تک قیام کیا۔ ہمیشہ بھوکا رہتا اور اپنا کھانا دوسرے کو دیدیتا تھا۔ ایک روز کیا دیکھتا ہوں کہ جنگل سے ایک شیر نکلا اور ایک اونٹ کو لیگیا اور ایک اونچے ٹیلہ پر لیجاکر اُوسے مارا۔ اور آواز دی۔ آواز کے سنتے ہی جنگل سے طرح طرح کے درندے گرگ۔ شغال وروباہ وغیرہ دوڑے اور اونٹ کا گوشت کھانا شروع کیا۔ جب یہ سب سیر ہو کر چلے گئے تو شیر خود آیا اور کچھ کھانا چاہا کہ دور سے ایک لومڑی دکھائی دی شیر لومڑی کو آتا دیکھ کر ہٹ گیا اور لومڑی کو کھانے دیا۔ جب یہ لومڑی کھا کر چلی گئی تو پھر خود آیا اور تھوڑا سا گوشت کھایا۔ حضرت داتا گنج بخشؒ یہ سب تماشا دور سے دیکھ رہے تھے۔ جب شیر جانے لگا تو مجھ سے گویا ہوا کہ اے ابواحمد لقمہ پر ایثار کرنا کتوں کا کام ہے۔ مردان دین کا ایثار یہ ہے کہ جان پر کھیل جائیں۔ اُس سے یہ کلمات سُن کر میں نے تمام شغلوں سے کنارہ کشی اختیار کی۔

نفحات الانس میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ علی الہجویریؒ نے حضرت شیخ المشائخ ابوالقاسم گرگانی سے دریافت کیا کہ درویش را کمتر چیزے باید تا اسم فقر را سزاوار گردد حضرت شیخ المشائخ نے فرمایا۔ کم سے کم تین چیزیں (۱) پارہ راست بتواند دوخت (۲) سخن راست بتواند گفت وشنود (۳) پائے راست بر زمین بتواند زد۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہمارے ساتھ درویشوں کی ایک جماعت تھی۔ اپنے ٹھکانے پر پہونچ کر ہم نے کہا آؤ ان کلمات کے شرح میں ہر ایک کچھ نہ کچھ بیان کرے ہر اک نے اپنی اپنی سمجھ کے موافق بیان کیا لیکن جب شیخ علی الہجویری کی

نوبت آئی تو اُنھوں نے فرمایا کہ پارۂ راست دوختن آں بود کہ بہ فقر دو زند نہ بزینت یعنی راست آں باشد کہ بحال شنود بہ نیت یعنی از روئے تحقیق ہونا چاہئے نہ کہ از روئے تصور وبحق وجد دراں تصرف کند نہ بہزل وبزندگانی مرآنرا فہم کند نہ بعقل وپائے عدالت برزمین زدن آں باشد کہ بوجد برزمین زند نہ بہ لہو۔ شیخ علی الہجویریؒ کے اس کلام کو لوگوں نے شیخ المشائخ ابوالقاسم گرگانی کے سامنے بیان کیا آپ نے فرمایا اصاب علی جیرہ اللہ تعالیٰ۔

حضرت داتا گنج بخش علی الغزنوی ثم الہجویری ثم اللاہوری رحمتہ اللہ علیہ۔ کی تصنیفات بہت ہیں۔ آپ صاحب دیوان تھے۔ ایک مرتبہ ایک صاحب آپ کے دیوان کو مانگ کر لے گئے اتفاق سے صرف وہی ایک نسخہ تھا۔ ان حضرت نے اس دیوان کو اُلٹ پلٹ کر دیا۔ اور حضرت شیخ کا نام نکالکر اپنے نام سے اُسے مشہور کر دیا چنانچہ اس واقعہ کو آپ خود کشف المحجوب میں بیان فرماتے ہیں۔ اسی طرح آپ نے تصوف میں ایک کتاب تصنیف فرمائی تھی جس کا نام "منہاج الدین" تھا۔ ایک دوسرے صاحب اُس کو عاریتاً مانگ لے گئے اور سرقہ کر کے اپنے نام سے لوگوں میں شائع کیا۔ افسوس ہے کہ یہ دیوان اور کتاب اب کہیں نہیں ہے۔ اس کے بعد پھر آپ نے ایک اور کتاب تصنیف فرمائی جو آج تک امہات کتب تصوف میں شمار کیجاتی ہے۔ اس کا نام "کشف المحجوب ہے"۔ اس کتاب کے بعض مضامین پر انشاء اللہ تعالیٰ آگے بحث کیجائے گی۔

ابوسعید ہجویریؒ نے آپ سے دریافت کیا کہ تصوف کے طریقہ کی تحقیق کیا ہے اور اہل تصوف کے مقامات کی کیفیت۔ ان کے اقوال ومذاہب۔ اُن کے رموز واشارے۔ خدائے بزرگ وبرتر کی محبت وحقیقت۔ دلوں پر اُس کے اظہار سے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے وہ اور اس کی ماہیت تک پہونچنے میں عقول کے محجوب رہنے کا سبب کیا ہے نفس اپنی حقیقت سے کیوں متنفر ہے اور روح کو اپنی پاکیزگی و صفائی سے کیا آرام پہونچتا ہے اور روح کی پاکیزگی کس شئے میں ہے ان سوالوں کے

جواب میں غالباً کشف المحجوب تصنیف فرمائی گئی ہے آپ کہتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں یہ علم حقیقت پرانا ہوگیا ہے ابنائے ملک نفسانی خواہشوں میں مبتلا اور رضائے الٰہی کے راستے سے بہکے ہوئے ہیں۔ عام علماء نے جو طریقت کی صورت بیان کی وہ اصل کے خلاف ہے۔ عام کہتے ہیں کہ ہم حق کو پہچانتے ہیں اور خواص دلوں کی آرزو و محبت نفوس اور میلان سرکو رویت کا شوق اور محبت کی سوزش سمجھ کر آسودہ خاطر ہیں۔ مریدوں نے مجاہدہ سے ہاتھ اوٹھا لیا ہے اور معلول ظن کا نام مشاہدہ رکھا ہے۔ زمانہ کی اس حالت کو بیان کرکے آپ فرماتے ہیں کہ میں نے اس مضمون پر پہلے کئی کتابیں لکھی تھیں مگر وہ سب ضائع ہوگئیں جھوٹے مدعیوں نے لوگوں کو پھانسنے کے لئے اس میں سے بعض اقوال لے لئے اور باقی کو ترک کر دیا اور ناپید کر دیا۔ بعض پڑھنے کے لئے بیٹھے مگر پڑھا نہیں بعض نے پڑھا مگر سمجھا نہیں۔ دل میں کسی کے طلب کا درد نہیں تھا۔ اگر ہوتا تو اپنی درماں کی ضرور جستجو کرتا۔ ؎

لکل فی فوادہ وجع یطلب شیئا یوافق وجعہا

چونکہ کسی کو درد طلب نہ تھا اس لئے ان کتابوں کو ضائع کر دیا۔

مرقع پہننے پر آپ نے ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام اسرار الخرق والمؤنات ہے اُس زمانہ میں مردمیں اس کا رواج تھا مگر اب کہیں نظر نہیں آتی۔ اپنے حالات میں ایک جگہ حضرت تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ماوراء النہر کا سفر درپیش آیا وہاں فقرائے ملامتیہ میں سے ایک کی صحبت میں بیٹھنے کا مجھے اتفاق ہوا۔ ایک دفعہ انہیں خوش پاکر میں نے سوال کیا کہ بھائی صاحب ان شوریدہ اور پریشان افعال سے آپ کا مقصود کیا ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ لوگوں سے پیچھا چھوڑانا۔ میں نے کہا کہ لوگ بہت ہیں اور عمر کم ہے۔ آپ اُن سے پیچھا نہیں چھڑا سکتے پھر خود ہی کیوں نہیں ان کا پیچھا چھوڑ دیتے۔ تاکہ ان تمام مشاغل سے آپ کو نجات مل جائے۔ یہ بیان کرکے آپ فرماتے ہیں کہ ایسے لوگ بہت ہوتے ہیں جو لوگوں میں مشغول ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ لوگ اُن کی طرف مشغول ہیں۔

حضرت خود ایک مرتبہ کا اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ مجھے ایک واقعہ پیش آیا جس کے حل کی میں نے بہت کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ آخر شیخ بایزید بسطامیؒ کے مزار اقدس پر مجاوری شروع کی۔ شکر کہ وہاں حل نصیب ہوا لیکن اس کے بعد پھر ایک واقعہ پیش آیا اور اس کے حل کرنے کے لئے تین ماہ میں مزار شیخ بایزیدؒ پر مجاوری کرتا رہا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ حل ہونے کی امید پر ہر روز تین دفعہ نہاتا اور تیس دفعہ وضو کرتا تھا جب یہ سب کچھ کام نہ آیا تو وہاں سے اٹھا اور خراسان کا رخ کیا۔ حتیٰ کہ شہر کُش کے ایک گاؤں میں پہنچا۔ وہاں ایک خانقاہ میں صوفیوں کی ایک جماعت مقیم تھی۔ میری حالت یہ تھی کہ ایک گدڑی بدن پر تھی اور ہاتھ میں عصا اور چمڑے کا ایک لوٹا اور بس اس جماعت نے مجھے بہت حقیر اور ذلیل سمجھا۔ مجھے ایک بالاخانہ پر جگہ ملی اور وہ جماعت صوفیہ اُس سے بلند تر دوسرے بالاخانہ پر مقیم ہوئی وہ خود اچھا اچھا کھانا کھاتے تھے حتیٰ کہ میرے ناک میں بو آتی تھی اور مجھے صرف ایک سوکھی روٹی جو پڑے پڑے سبز ہو گئی تھی۔ کھانے کو دی اور مجھ پر طنز کرنے اور طعنے مارنے لگے جب وہ کھانا کھا چکے تو خربزے کھانے لگے اور میری حقارت اور اپنی خوش طبعی کے طور پر چھلکے میرے سر پر پھینکتے جاتے تھے۔ میں اپنے دل میں کہتا تھا کہ اے اللہ اگر میں اُن لوگوں میں سے ہوتا جو تیرے دوستوں کا لباس پہنے ہوئے ہوں تو میرا نفس الگ ہوتا۔ جس قدر وہ لوگ مجھ پر زیادہ طنز و طعنہ کرتے تھے اُسی قدر اپنے نفس کی تحقیر دیکھ کر میں خوش ہوتا جاتا تھا۔ یہانتک طعنوں کا بوجھ اُٹھاتے اُٹھاتے وہ عقدہ جس کے حل کیلئے میں سرگرداں تھا حل ہو گیا اور اسوقت میں نے جانا کہ بزرگوں نے کس لئے جاہلوں کی حرکتوں کو روا رکھا ہے اور کس لئے اُن کے بوجھ اُٹھائے ہیں۔

اپنے پیر و مرشد کے حال میں کشف المحجوب میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں آپ کو وضو کرا رہا تھا اور ہاتھ پر پانی ڈال رہا تھا کہ میرے دل میں آیا کہ جب سب کام تقدیر اور قسمت سے ہیں تو کیوں حصول کرامت کیلئے لوگ اپنے ہمجنسوں میں سے پیر بنایا کرتے ہیں۔ میرے دل کے اس خطرہ پر مطلع ہو کر آپ نے فرمایا کہ ہر حکم کیلئے ایک سبب ہوتا ہے۔ جب خدا کسی بزرگ زادے کو چاہتا ہے کہ سختی کرنے

والے اور ظالم بچہ کو ملک کا تاج عطا فرمائے تو پہلے اُسے توبہ بخشتا ہے اور اپنے ایک دوست کی خدمت میں مشغول کرتا ہے تاکہ یہ خدمت اُس کے لئے کرامت کا سبب ہو

پھر حضرت آگے تحریر فرماتے ہیں کہ وفات کے وقت میرے پیر و مرشد حضرت ابوالفضل حسن ختلیؒ کا سر مبارک میری گود میں تھا۔ اپنے دوست میں سے ایک شخص سے میرے دل میں کچھ رنج تھا۔ شیخ علیہ الرحمۃ میرے اس حال سے مطلع ہو گئے اور فرمانے لگے کہ بیٹا کیا اعتقاد کا ایک مسئلہ میں تمھیں بتاؤں۔ اگر اپنے تئیں اس پر مستحکم رکھو گے تو سب رنجوں سے چھوٹ جاوگے۔ یاد رکھو کہ ہر محل کے نیک و بد اور تمام احوال خدائے جل و علیٰ کے پیدا کردہ ہوتے ہیں تمھیں چاہیئے کہ خدا کے فعل پر خصومت نہ کرو اور دل میں کوئی رنج نہ رکھو۔

حضرت شیخ علی الہجویری داتا گنج بخشؒ نے جن مشائخ کو دیکھا اور ان کی صحبت میں رہے اُن کے نام نامی یہ ہیں۔ حضرت شیخ ابوالفضل حسن ختلیؒ۔ ابوالقاسم عبدالکریم قشیریؒ ابوالعباس احمد بن محمد شقانیؒ۔ ابوالقاسم علی بن عبداللہ الکرمانیؒ۔ ابو احمد مظفر بن احمد بن حمدانؒ۔ ان بزرگوں کے علاوہ حضرت شیخ نے کشف المحجوب کے باب ہفتم میں ان مشائخ کے نام گنائے ہیں جو ان کے ہمعصر تھے اور جو یگانۂ قوم اور ارباب معانی میں سے تھے۔ ان کی تعداد ۴۲ بتائی ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ ابوالعباس احمدؒ سے میری بڑی دوستی تھی بلکہ بعض علوم میں وہ میرے اُستاد تھے۔ میں نے اُن سے زیادہ شیخ کی تعظیم کرنے والا اور موجودات سے قطع تعلق کرنے والا کوئی نہیں دیکھا۔ آپ کا قول تھا کہ وہ نیستی جو دیدار میں ہو اس بہشت سے بہتر ہے جو حجاب میں ہو اور جب خدا وہ ہستی ہے جس کی عدم جائز نہیں تو پھر اگر میں ایسا نیست ہو جاؤں کہ میری نیستی کو پھر ہستی نصیب نہ ہو تو کیا مضائقہ ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت شیخ ابوالقاسم علی بن عبداللہ الکرمانیؒ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اور اپنی وارداتوں کا تذکرہ کر رہا تھا تاکہ حضرت کھرے کو کھوٹے سے الگ فرما دیں۔ آپ میرے حال کو بہت توقیر کے ساتھ سمع فرما رہے

ہے تھے۔ میرے دل میں یہ خیال گذرا کہ شائد ابتدا میں آپ کا گذر اس کوچہ میں نہیں ہوا ہے شیخ علیہ الرحمہ کو میرے باطن کا حال معلوم ہو گیا اور فرمایا۔ یہ فروتنی و نیاز تمہارے لیے نہیں ہے بلکہ اس کے لیئے ہے جس نے یہ حال تمھیں بخشا ہے۔ اس میں تمہاری خصوصیت نہیں تمام طالبوں کے لئے یہ عام ہے۔ میں یہ سن کر چپ رہ گیا۔ شیخ نے پھر فرمایا کہ بیٹا اس طریق میں آدمی کو صرف اسی قدر نسبت حاصل ہوتی ہے کہ جب اس طریقت کو اس سے متعلق کرتے ہیں تو وہ اس کی یافت کے پندار کو اختیار کرتا ہے اور جب اُسے معزول کرتے ہیں تو پندار کی صرف عبارت ہی عبارت باقی رہ جاتی ہے نفی و اثبات عدم و وجود دونوں پندار میں داخل ہیں۔ اِس قید سے آدمی کو کبھی رہائی حاصل نہیں ہوتی اس لئے اسے چاہیئے کہ بندگی کی راہ اختیار کرے اور مردانہ وشی اور فرمان برداری کے سوا تمام نسبتیں گم کر دے۔

ایک مرتبہ حضرت داتا گنج بخشؒ حضرت خواجہ ابو احمد مظفر بن احمد بن حمدانؒ کی خدمت میں بیٹھے تھے اور نیشاپور کا ایک مدعی بھی پاس بیٹھا ہوا اپنی عبارت میں یہ کہہ رہا تھا کہ فانی ہو گا اور پھر باقی۔ خواجہ مظفرؒ نے فرمایا کہ فنا پر بقا کی صورت کیوں کر ہو سکتی ہے اس لئے کہ فنا سے نیستی مراد ہے اور بقا ہستی کی طرف دلالت کرتی ہے فنا سے ہر ایک اپنے صاحب کی نفی کرنے والا ہوتا ہے پس فنا فنائے معلوم ہے۔ جب معلوم نیست ہوتا ہے تو عین باقی رہتا ہے نیست نہیں ہوتا کیونکہ وہ شئے دیگر ہے۔ اور یہ روا نہیں ہے کہ حقیقتیں فنا ہو جائیں۔ فنا صفت کے لئے مخصوص ہے اور سبب کا فنا ہو جانا جائز رکھا گیا ہے۔ پس صفت اور سبب جب فنا ہو جاتے ہیں تو موصوف اور سبب باقی رہتا ہے۔ جس کی ذات پر فنا کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت خواجہ ابو احمد مظفر کے اس بیان کی تشریح آپ یوں فرماتے ہیں کہ بندہ کا اختیار بندہ کی صفت ہے اور اپنے اختیار میں بندہ جناب باری تعالیٰ کے اختیار سے محجوب ہے۔ پس بندہ کی صفت اس کے اور حق کے درمیان میں حجاب بن جاتی ہے۔ جناب باری عزاسمہ کا اختیار ازلی و ابدی ہے اور بندہ کا اختیار حادث جو شئے ازلی و ابدی ہے وہ فنا پذیر

نہیں ہو سکتی اور حادث فانی و غیر باقی ہے۔ چنانچہ جب خدا جل جلالہ کا اختیار بندہ کے حق میں بقا پاتا ہے تو اُس وقت بندہ کا اختیار فانی اور اس کا تصرف منقطعہ ہوجاتا ہے۔

گرمی کے موسم میں ایک دن آپ پریشان حضرت خواجہ ابو احمد مظفر رح کی خدمت میں آئے۔ انھوں نے فرمایا ابو الحسن۔ کیا حال ہے۔ آپ نے عرض کیا کہ مجھے سرود چاہیئے۔ حضرت خواجہ رح نے اسی وقت ایک آدمی کو بلا بھیجا اور قوال و نیز اہل عشرت کی ایک جماعت طلب فرمائی۔ عشق کی آگ۔ ارادہ کی قوت اور بلائیں پڑنے کی کوشش نے سماع کے چند کلموں کے بعد ہی آپ کو بیقرار کر دیا۔ اور کچھ عرصہ بعد جب جوش میں کمی ہوئی تو حضرت خواجہ نے آپ سے پوچھا کہ اس سماع میں تمہارا کیا حال ہوا۔ آپ نے عرض کیا کہ بہت خوش ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ ایک وقت آنیوالا ہے کہ اس سماع اور کوے کی آواز تمہارے لئے برابر ہوگی۔ آپ کا مطلب یہ تھا کہ سماع کو اُسی وقت تک قوت ہوتی ہے جبتک مشاہدہ نہ ہو۔ جب مشاہدہ حاصل ہوجاتا ہے تو دلالت سماع کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ حضرت خواجہ رحمتہ اللہ علیہ نے تاکید فرمائی کہ سماع کو عادت و طبیعت نہ بنانا اور نہ اس پر قیام کرنا۔

ایک مرتبہ آپ سلانگ نامی ایک گاؤں میں جو علاقہ فرغانہ سے تھا ایک درویش سے ملنے تشریف لے گئے۔ اُنہوں نے آنے کا سبب پوچھا آپ نے کہا کہ آپ کی زیارت کے واسطے حاضر ہوا ہوں فرماتے ہیں کہ یہ سُنکر اُنھوں نے محبت کی نظر سے مجھے دیکھا اور فرمایا کہ فلاں روز سے تمھیں دیکھ رہا ہوں اور جب تک مجھ سے غائب نہ کریں میں دیکھتا رہتا ہوں۔ جب میں نے حساب کیا تو معلوم ہوا کہ وہ فلاں دن میری توبہ کی ابتدا کا دن تھا۔ درویش نے فرمایا کہ اے بیٹا باہر سفر کرنا لڑکوں کا کام ہے۔ پس اگر زیارت کرنے آئے ہو تو خلوص دل سے زیارت کرو۔ کیونکہ حضور قلب کے سامنے حضور جسم کوئی شئے نہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں صوفیوں کی مبتدی جماعت کو بعض مسائل سکھایا کرتا تھا میں ایک مرتبہ اونٹ کے صدقہ کا بیان کر رہا تھا کہ ایک جاہل آیا

اُس نے میرا بیان سنا تو گھبرانے لگا اور تنگ آکر اُٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے کہا کہ اے شخص جیسا کہ ہمیں زکوٰۃ دینے کے لئے علم حاصل کرنا چاہیئے اسی طرح زکوٰۃ لینے کے لئے بھی۔ اگر کسی کے پاس نہ مال ہو اور نہ حصول مال کی لیاقت ہو تو بھی حصول علم کا فریضہ اس سے ساقط نہیں ہو سکتا۔ نعوذ باللہ من الجہل۔

آپ صاحب عیال تھے چنانچہ خود فرماتے ہیں۔ کہ" مقدر نے اس آفت میں مجھے پھنسا دیا اور اہل وعیال کی صحبت میں دل وجان سے گرفتار ہو گیا اور ایک سال تک اس آفت میں غرق رہا یہاں تک کہ قریب تھا کہ میرا دین تباہ ہو جائے مگر خدائے جل وعلیٰ نے اپنی کمال مہربانی وبخشش سے دل بیچارہ کے استقبال کے واسطے عصمت کو بھیجا اور اپنی رحمت سے خلاصی عطا فرمائی والحمد للہ علیٰ جزیل نعمائہ۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں شیخ ابو العباس شقانی کے پاس آیا وہ یہ آیت پڑھ رہے تھے ضرب اللّٰہ مثلاً عبداً مملوکاً لا یقدر علیٰ شیٔ اور رو رہے تھے اور نعرہ مارتے تھے۔ میں سمجھا کہ دنیا سے گذر جائیں گے میں نے عرض کیا یہ کیا حال ہے فرمایا گیارہ سال ہوئے کہ میرا ورد یہاں تک پہنچا ہے اور اس جگہ سے میں نہیں گذر سکتا۔

آپ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں مرو میں تھا۔ وہاں حدیث کے ایک امام تھے جنھوں نے کہا کہ میں نے سماع کی اباحت میں ایک کتاب لکھی ہے میں نے کہا غضب ہوا۔ جناب نے جو امام ہیں ایک لہو کو جو گناہوں کی اصل ہے حلال کیا ہے۔ انھوں نے فرمایا اگر تم خود حلال نہیں سمجھتے ہو تو کیوں سماع سنتے ہو۔ میں نے عرض کیا اس کی کئی صورتیں ہیں یعنی اگر دل میں حلال کی تاثیر ہو تو سماع حلال ہے اور اگر حرام کی تاثیر ہو تو حرام ہے۔ اور اگر مباح کی ہو تو مباح ہے جس چیز کو بظاہر اسباب گناہ کہا جاتا ہے اور باطناً اس کی رفتار کئی وجہوں پر ہے تو ایک چیز پر اُس کا اطلاق کرنا محال ہوتا ہے۔ یعنی سماع میں جو کوئی صواب کو صواب دیکھے اور خطا کو خطا اُس کے لئے سماع حلال ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ شیخ مسلم فارسی سے

میں نے سنا ہے کہ ایک درویش سماع میں بہت بیقراری ظاہر کرتا تھا۔ ایک شخص نے اس کے سر پر ہاتھ رکھدیا اور کہا کہ بیٹھ جا جونہی بیٹھا روح پرواز کرگئی۔ مرید کو سماع کے غلبہ میں اس قدر حال چاہئے کہ اس کا سماع گنہگاروں کو گناہ سے چھڑا دے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے ایک درویش کو دیکھا ہے جو آذربائیجان کے پہاڑوں میں فکر میں ڈوبا ہوا یہ اشعار پڑھتا جاتا تھا ؎

والله ما طلعت الشمس ولا غربت الا وانت فی قلبی ووسواسی
ولا جلست الی قوم احدثهم الا وانت حدیثی بین جلسائی
ولا ذکرتك محزونا ولا طربا الا وجهك مقرونا بانفاسی
ولا هممت بشرب الماء من عطش الا رایت خیالا منك فی کاسی
ولو قدرت علی الاتیان زرتکم سحبا علی الوجه او مشیا علی الراسی

وہ درویش ان اشعار سے ایسا متغیر و متاثر ہوا کہ ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور روح پرواز کرگئی۔ آخر میں آپ فرماتے ہیں کہ میں علی بن عثمان جلابی اس کو زیادہ دوست رکھتا ہوں کہ اپنے مریدوں کو سماع میں نہ پڑنے دوں تاکہ ان کی طبیعت پریشان نہ ہو کیوں کہ اس میں بڑے خطرے اور بڑی آفتیں ہیں۔ صاحب سفینۃ الاولیا کے روایت کے بموجب آپ کا سنہ وفات ۴۵۶ھ (چار سو چھپن ہجری) یا بقول بعض ۴۶۰ھ (چار سو ساٹھ ہجری) ہے اور لاہور میں حضرت کا مزار مبارک ہے جو مرجع خاص و عام ہے۔ کاتب حروف کو بھی وہاں حاضری کا اکثر شرف حاصل ہوا ہے۔ آپ کی درگاہ مبارک کے مغربی جانب مسجد کے دروازہ پر جو درگاہ سے تقریباً پانچ قدم کے فاصلہ پر ہے ملا جامی کے یہ اشعار کندہ ہیں ؎

خانقاہ علی ہجویری ست خاک جاروب از درش بردار
طوطیا کن بدیدۂ حق بیں تاشوی محرم در اسرار
چونکہ سردار ملک معنی بود سال وصلش برآید از سردار

خواجہ بزرگ حضرت غریب نواز خواجہ معین الدین سنجری ثم الاجمیری رحمۃ اللہ علیہ

نے یہاں چلہ کیا ہے۔ سفینۃ الاولیا میں ہے کہ یہ بات مشہور ہے کہ کوئی چالیس شب جمعہ یا چالیس دن متواتر آپ کے روضۂ مقدسہ کا طواف کرے جو کچھ اُس کی حاجت ہوگی خدائے عزوجل پوری کرے گا۔

آپ کے چند کلمات طیبات درج ذیل کئے جاتے ہیں تاکہ تازگی بخش ارواح طالبین ہوں۔

آپ فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں علم حقیقت پرانا ہوگیا ہے خاصکر اس ملک میں کہ سب لوگ نفسانی خواہشوں میں پڑے ہوئے ہیں اور رضائے الٰہی کے راستہ سے الگ ہیں۔ مدعیان زمانہ اور علمائے دنیا نے طریقت کی صورت اس کے اصل کے خلاف پیدا کردی ہے پس ہمت کرو اس چیز کے لئے کہ خاصان حق کے سوا عوام کی دست رسی وہاں تک نہیں ہے۔ ابنائے زمانہ پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ خدائے عزوجل وعلانے ہمیں اس زمانہ میں پیدا کیا ہے جس میں لوگوں نے حرص و لالچ کا نام شریعت تکبر وجاہ وریاست کی طلب کا نام عزت اور علم۔ اور ریا کا نام خوف الٰہی۔ اور کینہ پوشیدہ رکھنے کا نام حلم آپس میں لڑائی جھگڑے کا نام بحث و مباحثہ۔ لڑائی بھڑائی اور کمینہ پن کا نام عطا۔ نفاق کا نام زہد۔ خواہش نفسانی کا نام ارادت۔ ہزیان طبع کا نام معرفت۔ اور نفسانی حرکات قلب کا نام محبت۔ خدا کے راستے سے پھرنے اور بیدین ہونے کا نام فقیری۔ جان بوجھ کر انکار کرنے کا نام صفائی۔ زندقہ کا اور حق تعالیٰ اور آخرت پر ایمان نہ رکھنے کا نام فنا فی اللہ پیغمبر خدا صلعم کی شریعت ترک کردینے کا نام طریقت۔ اہل زمانہ کے آفت کا نام معاملہ رکھا ہے آپ فرماتے ہیں کہ علم اسی قدر سیکھنا فرض ہے جس سے عمل درست ہو کیونکہ بیفائدہ علم سیکھنے والوں کی حق تعالیٰ نے مذمت فرمائی ہے۔ ویتعلمون مایضرھم ولا ینفعھم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے اعوذ باللہ من علم لاینفع علم باعمل ہونا چاہیئے پیغمبر خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ المتعبد بلا فقہ کالحمار فی الطاحون۔

آپ فرماتے ہیں کہ موحد جبری القول اور قدری الفعل ہونا چاہیئے تاکہ قدر اور جبر

میں اس کی رفتار درست آئے۔ حضرت ابوبکر وراق ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ التوحید دون الجبر و فوق القدر۔

فقر و غنا کے باب میں آپ فرماتے ہیں کہ غنا کا نام خاص خدائے جل وعلیٰ کے لائق ہے لوگ اس نام کے مستحق نہیں ہوسکتے اور فقر کا نام لوگوں کے لئے ہے خدائے بزرگ و برتر کے لئے یہ روا نہیں۔ مجازاً ایک شخص کو غنی کہا جاتا ہے۔ مگر حقیقتہً وہ غنی نہیں ہوتا۔ غنا وجود اسباب سے متعلق ہے۔ ہم قبول اسباب غنا کی حالت میں اسباب کے محتاج ہیں اور حق تعالیٰ مسبب الاسباب ہے۔ غنائے حقیقی جو حق تعالیٰ کی صفت ہے یہ ہے کہ اس کو کسی کی حاجت نہیں۔ يفعل ما يشاء ويحكم ما يريد کوئی اس کی مراد کو رفع نہیں کرسکتا۔ نہ کوئی اس کی قدرت کو روک سکتا ہے وہ حقیقت موجودات کو اُلٹ دینے اور خلق اضداد پر قادر ہے ہمیشہ اسی صفت سے رہا ہے اور رہیگا۔ غنائے مجازی جو خلق کی صفت ہے اسباب زندگی کا بافرصت و فراغت حاصل ہونا یا کسی بلا سے چھوٹنا یا کسی مشاہدہ سے آرام پانا ہے۔ یہ سب حدث و تغیر طلب و حسرت کا سرمایہ اور عاجزی اور خواری کا مقام ہے۔ يا ايها الناس انتم الفقراء الى الله والله هو الغنى الحميد۔ فقر ماسوا سے دل کی فراغت ہے اور غنا ماسوا کی طرف دل کا مشغول ہونا۔ جب فراغت حاصل ہوگی تو فقر غنا سے بہتر نہیں اور نہ غنا فقر سے بہتر ہے۔ غنا متاع کی کثرت ہے اور فقر متاع کی قلت۔ اور متاع سب ملک خدا ہے۔ جب طالب نے ملک کے ترک کی خواہش کی تو شرکت درمیان سے اُٹھ گئی اور دونوں اسموں سے فارغ ہوگیا۔ اس گروہ کی عبارتوں میں عدم و فنا سے مراد بُرے اسباب اور ناقابل تعریف صفات کو پسندیدہ صفات اور ستودہ اسباب کے طلب میں ترک کر دینا ہے۔

صوفی اُس کو کہتے ہیں جو اپنی معاملہ اور اخلاق کو مہذب بنائے اور طبیعت کی آفتوں سے کنارہ کرے یہ اسم بطور اسماء اعلام کے ہے۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں بہت لوگوں کو تصوّف اور اہل تصوّف سے حجاب میں کردیا

ہے۔ پس کوئی تو یہ خیال کرتا ہے کہ یہ طریق صرف ظاہری اصلاح کی ورزش ہے اور باطن کے مشاہدہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا اور کوئی یہ کہتا ہے کہ یہ ایک بے حقیقت اور بے اصل رسم ہے یہاں تک کہ علمائے ظاہر نے تصوف سے انکار کیا ہے اور باطن کی صفائی کی خواہش کو دل سے دور کر دیا ہے اور گزشتہ بزرگوں اور اصحاب کے طریق کو ترک کر دیا ہے۔ ؎

ان الصفا صفة الصدیق ان اردت صوفیاً علی التحقیق

صفائی کی جڑ خدائے جل وعلیٰ کے سوا سب طرف سے دل کو ہٹا لینا ہے اور شاخ بیوفا دنیا سے علیحدگی اختیار کرنا ہے آپ فرماتے ہیں کہ اس معاملہ میں تین قسم کے آدمی ہوا کرتے ہیں۔ صوفی۔ متصوف۔ اور مستصوف۔ صوفی وہ ہے جو اپنے آپ سے فانی ہو اور حق تعالےٰ کے شوق میں باقی ہو۔ طبیعتوں کی قید سے آزاد اور حقیقتوں سے وابستہ ہو۔ متصوف وہ ہے جو اس درجہ کے مجاہدہ طلبگار ہو اور طلب میں اپنے تئیں ان کے معاملہ پر درست رکھتا ہو اور مستصوف وہ ہے جس نے مال۔ مرتبے اور دنیا کی نگاہ رکھنے کے لئے اپنے تئیں اُن لوگوں کے مانند بنایا ہو اور ان دونوں کے معاملات سے بے خبر ہو۔

آپ تصوف کی تعریف یہ کرتے ہیں کہ التصوف حقیقة لا رسم لا۔ اس لئے کہ رسم معاملات بندہ سے متعلق ہے اور اس کی حقیقت خدا سے وابستہ ہے۔ جب تصوف خلق سے منہ پھیرنا ہوا تو یقیناً اس کے لئے کوئی رسم نہیں ہو سکتی۔

آپ فرماتے ہیں کہ رضا دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک حق تعالیٰ کی رضا ہے بندہ سے اور دوسرے بندہ کی رضا ہے حق تعالیٰ سے رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ حق تعالیٰ کی رضا یہ ہے کہ بندہ کو نعمت اور ثواب کرامت کرنے کا ارادہ فرمائے اور بندہ کی رضا یہ ہے کہ خدائے بزرگ و برتر کے فرمان پر قائم رہے۔ اور اس کے حکم سے سرتابی نہ کرے۔ آپ فرماتے ہیں کہ رضا قضا کے وارد ہونے سے پہلے درست نہیں ہوتی۔ حضرت سرور کائنات علیہ الف الف تحیات نے دعا فرمائی ہے کہ اللھم انی اسئلک الرضاء بعد القضاء یعنی اے اللہ (جل جلالہ) مجھے اس صفت پر

رکھ کہ جب تیری طرف سے قضا آئے تو اپنی وارد ہونے پر مجھے راضی پائے۔ رضا کا ارادہ عین رضا نہیں اس لئے قضا کے پہلے ہی رضا ظاہر کرنا بے معنی ہے اہل خراسان کہتے ہیں کہ رضا احوال میں سے ہے اور اہل اعراق کہتے ہیں کہ رضا مقامات میں سے ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ حال وہ حقیقت ہے جو خدائے بزرگ و برتر کی طرف سے انسان کے دل میں آئے اور کسب سے دفع نہ کی جاسکے اور تکلف حاصل نہ ہوسکے اور مقام طالب کا راستہ اور اس کی قدمگاہ ہیں اور راہ حق میں بندہ کی کسب کا درجہ ہے حال خدا کی عطا ہے اور مقام مجاہدہ سے قایم ہوتا ہے۔ ایک گروہ حال کا دوام روا رکھتا ہے اور دوسرا نہیں رکھتا۔ اول الذکر میں شیخ حارث محاسبیؒ کا گروہ ہے۔ اسی واسطے وہ رضا کو احوال میں شمار کرتے ہیں۔ ثانی الذکر میں حضرت جنید کا گروہ ہے یہ لوگ کہتے ہیں "الاحوال کالبروق فان بقیت محدث النفس۔ یہ لوگ رضا کو مقاموں میں سے شمار کرتے ہیں۔

سکر و صحو کے بیان میں آپ فرماتے ہیں کہ خدا کی محبت کو سکر کہتے ہیں اور مراد کے حصول کو صحو کہتے ہیں۔ ایک گروہ کے لوگ جن میں حضرت بایزید بسطامیؒ بھی ہیں سکر کو صحو سے افضل سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ صحو آدمیت کی صفت کے اعتدال اور تمکین پر جو سالکوں کا ایک مقام ہے حاصل ہوتا ہے اور یہ خدا کی طرف سے بہت بڑا حجاب ہے۔ اور سکر آفت کے جاتے رہنے۔ صفات بشریت کے دور ہونے۔ تدبیر و اختیار بندہ کے اٹھ جانے۔ بندہ کے تصرف کے فنافی الحق ہونے اور جو قوت بندہ میں اس کی جنس کے خلاف ہے اس کے فنا ہونے سے حاصل ہوتا ہے دوسرے گروہ کے لوگ صحو کو سکر پر فضیلت دیتے ہیں کہ ان کے امام حضرت جنیدؒ ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ سکر آفت کا محل ہے۔ کیونکہ وہ احوال کی پریشانی اور صحت کا چلا جانا اور اپنے سررشتہ کا گم کرنا ہے۔ طالب اگر صحیح الحال نہیں ہے تو تحقیق کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا اس لئے کہ اہل حق کا دل تمام موجودات سے تنہا ہونا چاہیئے۔ لوگ اشیاء کو جیسے کہ وہ ہیں نہیں دیکھتے۔ اس لئے اس کی ماسوا میں پھنسے

رہ جاتے ہیں۔ اشیاء کا دیکھنا دو طرح پر ہوتا ہے۔ ایک تو بقا کی نظر سے دوسرے فنا کی نظر سے۔ بقا کی نظر سے دیکھنا یہ ہے کہ کل موجودات کو اپنی بقا میں ناقص پائے اور فنا کی نظر سے دیکھنا یہ ہے کہ کل اشیاء کو خدائے بزرگ و برتر کی بقا کے مقابلہ میں فانی پائے اور در اصل ان دونوں کا نقطۂ اتصال ایک ہی ہے یہ صرف ایک ہی مقصود کو دیکھنے کے دو پہلو ہیں۔ صحو و سکر کے بیان میں حضرت شیخ علی الہجویری داتا گنج بخش کی رائے جنیدیوں کی رائے کے موافق ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ صاحب سکر کے حال کا کمال صحو ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحب سکر تھے ایک تجلی کے برداشت کی طاقت نہ رہی۔ اور ہوش جاتے رہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم صاحب صحو تھے مکہ سے قاب قوسین تک عین تجلی میں تھے اور ہر لحظہ زیادہ ہوشیار اور زیادہ بیدار ہوجاتے تھے

شربت الراح کاساً بعد کاس   فما نفد الشراب وما رویت

سکر سب فنا کی پنداشت ہے اور بقائے صفت کا عین ہے اور اور یہ حجاب ہے اور صحو سب صفت کے فنا میں بقا کا دیدار ہے اور یہ عین کشف ہے سکر کی دو قسمیں کی گئی ہیں۔ مودتی اور محبتی۔ مودتی باعلت ہوتا ہے کیونکہ اس کا پیدا ہونا نعمت کے دیکھنے سے ہوتا ہے اور محبتی بے علت ہوتا ہے کیونکہ اس کا پیدا ہونا منعم کے دیکھنے سے ہوتا ہے۔ اسی طرح پر صحو کی دو قسمیں ہیں۔ غفلتی اور محبتی۔ غفلتی بہت بڑا حجاب ہے اور محبتی امانت دار کشف ہے۔ غفلتی اگرچہ صحو ہو مگر سکر ہوتا ہے اور محبتی اگرچہ سکر ہو مگر صحو ہوتا ہے۔ درحقیقت یہ دونوں سالکوں کے قدمگاہیں ہیں اور سلطان حقیقت جب جلوہ دکھاتا ہے تو صحو و سکر کے دونوں وسیلے ایک ہی وسیلے نظر آتے ہیں ؂

اذا طلع الصباح بنجم راح   تساوی فیہ سکران وصاح

آپ فرماتے ہیں کہ ایثار کی حقیقت یہ ہے کہ صحبت میں اپنے ساتھی کا حق نگاہ رکھے اور اپنا حصہ اسی کو دیدے اور ساتھی کے آرام کے لیے خود رنج اٹھائے۔ اس کی دو قسمیں بیان کی جاتی ہیں ایک وہ ایثار جو صحبت میں ہوتا ہے اور دوسرا وہ جو محبت میں ہوتا ہے۔ ایثار صحبت تو وہ ہے جس کا ذکر ہوا۔ ایثار محبت وہ ہے جس میں رنج

واندوہ کا نام نہ ہو اور سب راحت ہی راحت ہو۔

نفس اور روح کے بارے میں آپ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں لطیف چیزوں میں سے ہیں۔ لیکن اصطلاح صوفیہ میں ایک خیر کا محل ہے اور دوسرا شر کا۔ جیسے کہ آنکھ بینائی کا مقام ہے اور کان شنوائی کا۔ نفس کی مثال شیطان کی سی ہے اور روح کی فرشتہ کی سی۔ اور نفس کی خلاف ورزی کی تلقین۔ قرآن پاک میں فرمائی گئی ہے۔ ونھی النفس عن الھوی فان الجنۃ ھی الماوی۔ آپ فرماتے ہیں کہ طلب علم معرفت سب طالبوں پر فرض ہے۔ بندہ معرفت باری تعالیٰ پر مکلف کیا گیا ہے پس جب بندہ خدائے جل و علیٰ کی معرفت پر مکلف ہے تو اس کو اپنی معرفت بھی حاصل کرنی چاہئے اپنی سے مراد انسانیت کی معرفت ہے۔ اس میں لوگوں کے مختلف اقوال ہیں ایک گروہ کہتا ہے کہ انسان سے مراد صرف روح ہے اور یہ بدن اس کی زرہ اور شکل ہے اور اس کا گھر اور ردائے پناہ ہے۔ تاکہ طبیعتوں کے خلل سے حفاظت میں رہے مگر یہ خیال باطل ہے اس لئے کہ انسان کا اطلاق مردہ پر بھی ہوتا ہے اور چارپایہ میں بھی جان ہوتی ہے مگر وہ انسان نہیں کہلاتا۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ یہ نام روح اور بدن پر ساتھ رہنے میں واقع ہوتا ہے اور جب ایک دوسرے سے جدا ہوتا ہے تو یہ نام ساقط ہوجاتا ہے۔ مگر یہ خیال بھی باطل ہے اس لئے کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ ھل اتی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئا مذکورا۔ آدم کی بیجان مٹی کو بھی قبل روح انسان کہا ہے۔ ایک دوسرا گروہ ہے جو کہتا ہے کہ انسان ایک جزو لایتجزی ہے اور اس کا محل دل ہے۔ مگر یہ خیال بھی باطل و محال ہے کیونکہ اگر ایک آدمی کو مار ڈالیں اور اس کا دل باہر نکال لیں تب بھی انسانیت کا نام اس پر عائد کیا جاتا ہے ایک اور اہل باطل ولاعبوں کا گروہ ہے جو کہتا ہے کہ کھانے پینے والا اور جو تغیر ہونے والا ہو وہ انسان نہیں ہو سکتا۔ انسان سر الٰہی ہے اور یہ جسم اس کا لباس ہے اس خیال کی غلطی بالکل بین ہے اس لئے کہ مجنونوں کافروں اور فاسقوں کو بھی انسان کہتے ہیں۔ اور ان میں کوئی سر الٰہی نہیں ہے! اور سب تغیر پذیر اور کھانے

پینے والے ہیں۔ خود اللہ بزرگ و برتر فرماتا ہے ولقد خلقنا الانسان من سللة من طین ثم جعلناہ نطفة فی قرار مکین ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظاما فکسونا العظام لحما ثم انشاناہ خلقاً اخر فتبارك اللہ احسن الخالقین۔ پس انسان وہ ہے جو اس مخصوص صورت میں ہے اور تغیر پذیر ہے وہ ایسا ہی ہے جو تندرستی اور بیماری قبول کرتا ہے کیونکہ موت اس اسم کو صورت معہودہ اور آلہ موسومہ (یعنے جنون وعقل) سے ظاہراً یا باطناً زائل نہیں کردیتی۔ انسان کی کامل ترین ترکیب تین معنوں سے ہوتی ہے۔ ایک روح۔ دوسرا نفس تیسرا بدن۔ ان میں سے ہر ایک کیلئے ایک صفت مخصوص ہے۔ جو عین کی وجہ سے خالی ہے روح کیلئے صفت عقل ہے۔ نفس کے لئے ہوا اور بدن کے لئے حس اور آدمی کل عالم کا نمونہ ہے عالم سے یہ جہان اور آخرت کا دوسرا جہان دونوں مراد ہیں۔ اس جہان کی نشانی پانی خاک ہوا اور آگ ہے۔ اور بلغم۔ دم۔ صفرا۔ اور سوداسے اس کی ترکیب ہے اور اس جہان کی نشانی بہشت، دوزخ اور میدان قیامت ہے۔ جان بہ باعث لطافت کے بہشت کے مانند ہے۔ اور نفس بہ باعث آفت و وحشت کے بمنزلہ دوزخ کے ہے۔ اور جسم گویا میدان قیامت ہے۔ بہشت خدا کی رضا کی تاثیر ہے۔ اور دوزخ اُس کی ناخوشی کا نتیجہ۔ مومن کی روح راحت و معرفت سے ہے اور اس کا نفس حجاب و گمراہی سے مرکب ہے پس جب تک مومن دوزخ سے خلاصی نہ پائے اور بہشت میں نہ پہونچے بقائے الٰہی کی حقیقت سمجھ ہی نہیں سکتا۔ اسی لئے کہا گیا ہے دع نفسك و تعال۔ طالب خدا کے لئے عقل مدبر کامل ہے اور روح چونکہ بمنزلہ بہشت کے ہے اس لئے اپنے معنوی شریک کی طرف ہر مومن کو بلاتی ہے۔ اور نفس اپنے شریک معنوی کی طرف بلاتا ہے۔ اس لئے لازم ہے کہ نفس کی مخالفت کی جائے۔ اور روح وعقل کو مدد پہونچائی جائے۔ غرض کہ نفس کی مخالفت بڑا مجاہدہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ من طلب وجد اور من وجد طلب میں جو اختلاف ہے وہ محض ظاہر معنوں میں ہے۔

حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں۔ اس لئے کہ مقصود مشاہدہ ہے جو ایک عطائے ربانی ہے۔ اگر مجاہدہ سے حاصل ہوا تو کہنا چاہئے کہ توفیق آہی نے مجاہدہ کی راہ بتائی۔ اور اگر بغیر مجاہدہ کے حاصل ہوا تو یہ سمجھنا چاہئے کہ توفیق آہی امید ہے کہ مجاہدہ میں ڈالے گی۔ لیکن یاد رہے کہ مجاہدہ میں مجاہدہ کی رویت آفت ہے مجاہدہ کے نفی کرنے والوں نے عین مجاہدہ کے نفی مراد نہیں لی۔ بلکہ رویت مجاہدہ کے نفی مراد لی ہے پس جہاں تک ہوسکے اپنے فعل کو درمیان میں مت لاؤ۔ اور کسی طرح نفس کی پیروی نہ کرو۔ کیونکہ غرض نفس کی وصفوں کا فنا کرنا ہے نہ کہ عین نفس کا اور اسی کو حقیقی فنا کہتے ہیں ورنہ تمہارا وجود حجاب میں ہوجائے گا ؏

وجودک ذنب لایقاس بہا ذنب

فنا اور بقا کے لغت میں اور معنی ہیں اور حال کی زبان میں اور معنی ہیں۔ حال کی زبان میں بقا و فنا سے یہ مراد ہے کہ جب جہل فانی ہے تو ضرور علم باقی ہوگا جب گناہ فانی ہوتے ہیں تو طاعت باقی رہنے والی ہے۔ ان الحسنات یذھبن السیئات اسی طرح جب بندہ علم و طاقت سے بہرہ افروز اور غفلت سے فانی ہوتا ہے تو دوسری بقا سے باقی ہوتا ہے اور یہ دوسری بقا بری صفتوں کو دور کرنے اور نیک صفتوں کے اختیار کرنے سے حاصل ہوتی ہے لیکن اہل طریقت فنا و بقا کی اصطلاحوں کو اہل ولایت کے کمال کے درجہ کے سوا اور کسی میں استعمال نہیں کرتے۔ جو لوگ مجاہدوں کے رنج سے آزاد۔ مقاموں کی قید اور احوال کے تغیر سے فارغ اور طلب مقصود میں رسیدہ۔ قابل دید چیزوں کو دیکھے اور قابل سمع چیزوں کو سنے ہوئے اور دل کے جاننے کے لائق تمام باتوں کو جانتے ہوئے بھید کے سب بھیدوں کو پائے ہوئے ہیں انھوں نے اپنے بھیدوں کے پالنے میں اپنی یافت میں خود بینی کی آفت کو دیکھا۔ اور سب سے منہ موڑ لیا۔ مراد میں ان کا ارادہ فانی ہوا۔ رسیدہ ہونے کی وجہ سے دعویٰ کو ترک کر دیا۔ عین مراد میں مراد سے بے مراد ہوئے۔ کل سے اپنی مشرب کو الگ کر

دنیاوی اشیاء سے دل کو ہٹا لیا۔ پس جب اس طرح پر بندہ وجود صفات کی مخالفت میں عادات صفائی سے فانی ہو گیا تو مراد کی فنا میں مراد کی بقا سے باقی ہوا اس لئے قرب و بعد وحشت و محبت ۔صحو و سکر۔ فراق و وصل ۔طمس و اصطلام۔ اسم وعلم۔ نقوش اور قوم کی قید سے آزاد ہو گیا۔ بعض لوگوں یہ خیال ہے کہ کسی شئے سے فنا پانا اس چیز سے محجوب ہونے کے سوا درست نہیں ہوتا۔ مگر یہ غلط خیال ہے۔ یہ نہیں ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کو اگر دوست رکھتا ہے تو کہا جائے کہ وہ اس سے باقی ہے۔ یا اگر اسے دشمن رکھتا ہے تو کہا جائے کہ وہ اس سے فانی ہے اس لئے کہ یہ دونوں صفتیں طالب کی ہیں اور فنا میں نہ محبت ہے اور نہ عداوت اور بقا نہ جمع کی رویت ہے نہ تفرقہ کی۔ نہ فنا کے معنی ذات میں گم ہونے اور وجود کے نیست ہونے کے ہیں اور نہ بقا کے معنی بقائے آلہی کے بندہ سے ملنے کے ہیں۔ اس لئے کہ عینیت کی فنا نہیں ہو سکتی اور نہ کسی سرشت کے اجزا کا فنا ہونا اور اُن کا بالکل منقطع ہونا جائز سمجھا گیا ہے۔ بندہ کے لئے فنا صرف خدا کے جلال کے دیکھنے اور دل پر اس کی عظمت کے کشف ہونے سے مترتب ہوتی ہے۔ اس کے جلال کے غلبہ میں دین و دنیا فراموش ہو جاتا ہے اور اس کی بزرگی کے سامنے احوال و مقام حقیر نظر آنے لگتے ہیں۔ اس حال میں نفس فانی ہوتا ہے اور اس فنا کے میدان میں بندہ زبان حق سے ناطق اور تن عاجزی و فروتنی کرنے والا ہوتا ہے۔ ؎

ففی فنائی فنا فنائی وفی فنائی وجدت انت
محوت اسمی ورسم جسمی سئلت عنی فقلت انت

حضور وغیبت کے بارے میں آپ فرماتے ہیں کہ حضور سے مراد حضور دل بہ دلالت یقینی ہے تاکہ غیبی حکم اس کے لئے عینی حکم کی طرح ہو اور غیبت سے مراد ماسوائے دل کا غائب ہونا ہے اس حد تک کہ اپنے سے بھی اور غیبت سے بھی غائب ہو۔ جو اپنے سے غائب ہوا وہ حق کی درگاہ میں حاضر ہوا اور جو اپنے سے حاضر ہوا وہ حق کی درگاہ سے غائب ہوا لیکن جب جذبۂ آلہی طالب کے دل کو

مقہور کر دیتا ہے تو غیبت حضور ہو جاتی ہے اور اضافت باقی نہیں رہتی۔ ابن عطا حسینؒ بن منصور ابو بکر شبلیؒ۔ ابو حمزہ بغدادیؒ اور سمنون محب غیبت کو حضور پر تقدم دیتے ہیں اور حارث محاسبیؒ۔ جنیدؒ سہل تستریؒ۔ ابو حفص حدادؒ۔ ابو حمدون قصار۔ ابو محمد ون حریریؒ۔ حصریؒ۔ اور محمد خفیف حضور کو غیبت پر مقدم سمجھتے ہیں۔

جمع و تفرقہ کی تعریف میں آپ بیان کرتے ہیں کہ الجمع ما جمع باوصافہ والتفرقہ ما فرق بافعالہ۔ یہ سب ارادہ کا قطع کرنا اور خدائے تعالیٰ کے ارادہ کے ثبوت میں لوگوں کے تصرف کو ترک کرنا ہے۔ مگر ان الفاظ کے استعمال میں لوگوں نے مختلف رائیں اختیار کی ہیں۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ اس کا تعلق توحید سے ہے۔ اور اس کا ایک درجہ خدائے بزرگ و برتر کی صفات سے متعلق ہے اور دوسرا بندہ کی صفات سے اول الذکر میں بندہ کا کسب منقطع ہے۔ یعنی حق تعالیٰ کی صفتیں قدیم ہیں اور اسی سے مخصوص ہیں۔ ایک دوسرا گروہ ہے جو علم سے متعلق کرتا ہے اور کہتا ہے کہ الجمع علم التوحید والتفرقہ علم الاحکام۔ مگر اہل تصرف عموماً لفظ تفرقہ سے مراد مکاسب اور لفظ جمع سے مراد مواہب لیتے ہیں حق تعالے کی خصوصیت بندہ کے لئے جمع ہوتی ہے اور بندہ کی خصوصیت حق تعالیٰ کے لئے تفرقہ کہلاتی ہے لیکن جمع دو طرح پر ہے۔ ایک جمع سالم دوسری جمع تکسیر۔ جمع سالم وہ ہے کہ جو حق تعالیٰ غلبہ حال۔ قوت وجد اور قلق شوق میں ظاہر کرتا ہے اور خود بندہ کی حفاظت کرتا ہے اور اس کے ظاہر حال پر اپنا فرمان جاری فرماتا ہے اور نگاہ رکھتا ہے کہ بندہ اُسے ادا کرے اور جمع تکسیر یہ ہے کہ بندہ ہونے کی حیثیت سے بیہوش و مجنونوں کی طرح ہو یعنی معذور ہو۔ لان التفرقہ فضل والجمع وصل۔ بعض لوگ کلام کو مشکل اور دقیق بنانے کے لئے جمع الجمع کا لفظ بھی استعمال کرتے ہیں حضرت شیخ علی الہجویریؒ فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ تو جمع[1] الجمع نہ کہے۔ جب جمع ایک مرتبہ کے تفرقہ کی جمع ہوئی اور پھر اپنے احوال سے تجاوز نہیں کرتی تو پھر جمع الجمع کیسے ہو سکتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ لفظ تہمت کے محل میں استعمال ہوا ہے اس لئے کہ جو جمع کے محل میں ہو اور

[1] جمع الجمع کی تعریف بعض نے یہ کی ہے کہ جمع الجمع یہ ہے کہ خلق کو حق اور حق کو خلق میں دیکھنا اور فرق کو حق اور خلق کو خلق میں دیکھنا ... کو عین حق اور حق کو عین خلق دیکھنا کذا فی عبارات الصوفیہ اربابِ التصوف ۱۲

اپنے سے اوپر نیچے اور باہر دیدار نہیں ہوتا۔ چنانچہ جب معراج میں حضور سرورکائنات صلعم کو دونوں جہاں دکھلائے گئے تو آپ نے کسی کی طرف توجہ نہ فرمائی۔ کیونکہ آپ صلعم جمع کے محل میں تھے اور جو جمع کے محل میں ہو وہ تفرقہ کو نہیں دیکھتا ماز اغ البصر وما طغیٰ۔

آپ فرماتے ہیں کہ معرفت دو طرح پر ہے۔ ایک علمی اور دوسری حالی۔ علمی معرفت دنیا و آخرت کی سب نیکیوں کی بنیاد ہے۔ معرفت دل کی حیات ہے اور ماسوا سے انحراف کرتا ہے۔ علماء و فقہا کہتے ہیں کہ خدائے بزرگ و برتر کی معرفت سے مراد صحت علم ہے اور مشائخ طریقت فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی معرفت صحت احوال میں ہے اور یہ معرفت علمی معرفت سے زیادہ افضل ہے اس لئے کہ حال کی صحت اوسی وقت ممکن ہے جب علم کی صحت حاصل ہو جائے یعنی جسے خدائے جل وعلیٰ کا علم نہ ہو وہ عارف ہو ہی نہیں سکتا مگر عالم ایسا ہو سکتا ہے جو عارف نہ ہو۔ اہل اعتزال کے نزدیک خدائے بزرگ و برتر کی معرفت صرف عقل سے ممکن ہے مگر اہل سنت والجماعت کے نزدیک عقل کی صحت اور نشانی کو دیکھنا معرفت کا ذریعہ ہے نہ کہ علت اور علت محض خداوند تعالیٰ کے ارادہ اور عنایت پر منحصر ہے۔ حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے جب لوگوں نے معرفت کی نسبت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا عرفت اللہ اللہ وعرفت مادون بنور اللہ جب خداوند جل وعلیٰ نے بندہ کو اپنی تعریف سے واقف فرمایا تو اس نے پہچانا مگر اس شناخت کے ذریعہ سے نہیں جو سب سے موصول ہوتی ہے۔ بلکہ اس کے ذریعہ سے جس میں بندہ کا وجود عاریت کے طور پر ہوتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ الہام سے معرفت ممکن نہیں اس میں بندہ کا یقین کبھی زیادہ ہوتا ہے اور کبھی کم لیکن اصل معرفت میں کمی وبیشی نہیں ہوتی اس لئے معرفت کی زیادتی بھی نقصان میں داخل ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ کی شناخت پر کسی کی تقلید نہیں کرنی چاہئے۔ اور اسے اس کے کمال کی صفتوں سے پہچاننا چاہئے۔ عارف کے لئے سبب کا ثبوت معرفت میں کفر ہے اور ماسوا کی طرف توجہ کرنا شرک داخل ہے۔ من التفت الی الاغیار فمعرفۃ آثار۔ اللہ جل شانہ تعالیٰ جس طرح

چاہتا ہے بندہ کو اپنی طرف راستہ دکھاتا ہے اور دوسری معرفت اس پرواکرتا ہے۔ حتیٰ کہ معرفت میں اس درجہ تک بندہ پہنچ جاتا ہے کہ عین معرفت اُسے غیر دکھلائی دیتی ہے اور معرفت کی صفت اس کے لئے آفت ہوجاتی ہے۔ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں ایاك ان تكون بالمعرفة مدعیا کی معرفت حقیقت صرف خدائے بزرگ وبرتر کو تمام اشیاء میں متصرف ماننا اور جاننا ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ توحید تین قسم کی ہے ایک تو خدا کی توحید ہے خدا کے لئے اور یہ اپنی یگانگی پر اس کا علم ہے۔ دوسری خدا کی توحید مخلوق کے لئے ہے اور یہ بندہ کے لئے توحید پر کا حکم ہے اور بندہ کے دل میں توحید کا پیدا ہونا اور تیسری لوگوں کی توحید خدا کے لئے ہے اور یہ لوگوں کا علم ہے خدائے جل وعلیٰ کی وحدانیت پر چونکہ توحید کسی شئے کی وحدانیت پر حکم کا نام ہے اور علم کے سوا کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ اس لئے اہل سنت والجماعت نے تحقیق کی مدد سے خدائے جل وعلیٰ کی وحدانیت پر یقین کیا ہے۔ جو کوئی توحید کو بندہ کا فعل کہتا ہے تو چونکہ بندہ کا فعل خدا کے کشف کے واسطے علت نہیں ہوسکتا۔ بلکہ ایک طرح کا حجاب ہوتا ہے۔ اور بندہ اپنی صفات کے لحاظ سے غیر ہوتا ہے۔ اس لئے اگر وہ اپنی صفت کو حق جانے تو صفت کے ساتھ موصوف کو بھی حق جاننا پڑے گا۔ اس وقت موحد۔ توحید اور احد تینوں ایک دوسرے کے وجود کی علت ہوجائیں گے۔ جو نصاریٰ کے ثالث ثلاثۃ کے مشابہ ہوگا۔ جو باطل محض ہے اس لئے کہ جب تک کوئی صفت طالب کے لئے اپنی فنا کی وجہ سے توحید میں مانع ہوتی ہے اس وقت تک وہ محجوب رہتا ہے اور جب تک محجوب ہے موحد نہیں ہوتا۔ الا کل شئی ماخلا اللہ باطل حقیقت یہ ہے کہ خدا کی توحید بندہ کے اسرار میں سے ایک سر ہے اور عبارت میں ظاہر نہیں ہوتی عبارت اور عبارت بنانے والا غیر ہوتا ہے اور توحید میں ثبوت غیر ثبوت ماسوا کہلایا جاتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ اہل تصوف میں سے بعض کہتے ہیں کہ قول وتصدیق وعمل ایمان

ہیں اون لوگوں میں حضرت فضیل بن عیاضؒ۔ بشر حافیؒ۔ خیر نساجؒ۔ ممنون محب۔ ابوحمزہ بغدادی اور محمد حریری ہیں۔ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ بعض لوگ جن کی جماعت زیادہ بڑی ہے کہتے ہیں کہ ایمان مراد صرف قول اور تصدیق ہے۔ ان میں حضرت ابراہیم ادھمؒ۔ ذوالنون مصریؒ۔ بایزید بسطامیؒ۔ سلیمان دارانیؒ۔ حارث محاسبیؒ۔ جنید بغدادیؒ۔ سہیل بن عبداللہ تستریؒ۔ شقیق بلخیؒ۔ حاتم اصمؒ۔ اور محمد فضیل بلخیؒ ہیں رحمتہ اللہ علیہم اجمعین۔

ایمان کی اصل تصدیق قلبی ہے اور اس کی فراع امر الہٰی کی رعایت کرنی ہے۔ ایمان میں جبر و قدر کو دخل نہیں اس لئے کہ طریق توحید ماسوا جبر و فوق القدر سے والامر بین الامرین۔ ایمان کی حقیقت نگاہ داری توکل ہے۔ وعلے اللہ فتوکلوا ان کنتم مومنین۔

آپ فرماتے ہیں کہ طہارت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ظاہری اور دوسری باطنی۔ جس طرح بدن کی پاکیزگی اگر نہ ہو تو نماز درست نہیں ہوتی۔ اسی طرح اگر دل کی پاکیزگی نہ ہو تو معرفت درست نہیں ہوتی۔ طہارت ظاہری یعنی بدن کی طہارت پانی سے ہوتی ہے۔ اور دل کی طہارت توحید سے ہوتی ہے جو طہارت ظاہری پر مداومت کرتا ہے۔ فرشتے اُسے دوست رکھتے ہیں اور جو طہارت باطنی یعنی باطن میں توحید قیام کرتا ہے۔ خدائے تعالیٰ اُسے دوست رکھتا ہے پس لازم ہے کہ ظاہری اور باطنی دونوں طہارتوں میں موافقت رہے۔ یعنی وضو کے لئے ہاتھ دھوئے تو دل کو دنیا کی دوستی سے دھوڈالے جب پانی سے دہن صاف کرے تو لازم ہے کہ دہن کو غیر کے ذکر سے خالی رکھے اور جب نتھنوں میں پانی ڈالے تو شہوتوں کو اپنے اوپر حرام کرلے۔ اور جب منہ دھوئے تو لازم ہے کہ تمام الوفہ اشیاء سے منہ پھیر کر خدائے بزرگ و برتر کی طرف منہ کرے۔ اور جب ہاتھ دھوئے تو تمام نصیبوں سے کنارا کرے اور سر پر مسح کرے تو اپنے امر کو خدا جل وعلیٰ کے سپرد کردے اور جب پاؤں دھوئے تو حکم الہٰی کی معرفت کی نیت کرے جب یہ کرے گا تو ظاہر و باطن دونوں کی پاکیزگیاں اسے حاصل ہوجائیں گی۔

حدیث شریف میں ہے کہ الندم توبۃ یعنی پشیمانی توبہ ہے اس قول میں توبہ

کی سب شرطیں موجود ہیں۔ جب دل میں ندامت ہوتی ہے اندوہ غم ہوتا ہے۔ نفس کو ذلت ہوتی ہے اور اعادہ گناہ سے احتراز ہوتا ہے۔ توبہ کے متعلق مشائخ کے اقوال مختلف ہیں۔ حضرت سہیل بن عبد اللہ تستریؒ فرماتے ہیں التوبة ان لا تنسی ذنبك اور حضرت جنید فرماتے ہیں کہ التوبة ان تنسی ذنبك اول الذکر میں دوام شرمساری مقصود ہے اور آخر الذکر کا مطلب یہ ہے کہ توبہ کرنے والا محب ہوتا ہے اور محبت کے لئے مشاہدہ ضروری ہے، اور مشاہدہ میں گناہ کا ذکر کرنا جفا میں خلل ہے۔ اہل تصوف کے نزدیک توبہ تین طرح پر ہوتی ہے۔ ایک خطاء سے صواب پر والذین اذا فعلوا فاحشة او ظلموا انفسهم ذکروا الله فاستغفروا لذنوبهم دوسرا صواب سے زیادہ صواب کی طرف جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہے تبت الیك تیسرا اپنی خودی سے حق تعالیٰ کی جیسے حضرت سرور کائنات صلعم فرماتے ہیں انی کنت لاستغفر الله فی کل یوم سبعین مرة۔

آپ فرماتے ہیں کہ نماز میں داخل ہونے کے واسطے حسب ذیل شرطیں چاہئیں۔

(۱) ظاہری پلیدی سے صفائی اور نجاست باطنی شہوات سے پاکی۔

(۲) کپڑے کی پاکی ظاہری یہ ہے کہ اس میں نجاست لگی نہ ہو اور باطنی یہ ہے کہ حلال کا ہو۔

(۳) جگہ کا پاک ہونا۔ ظاہر میں حادثوں اور آفتوں سے اور باطن میں فساد و گناہ

(۴) قبلہ رخ منہ کرنا۔ ظاہر میں کعبہ کی طرف منہ کرنا اور باطن میں عرش اور سر عرش کا مشاہدہ کرنا۔

(۵) قیام۔ ظاہراً قدرت کے حال میں اور باطناً روضۂ قرب میں۔ یہ پہلا شریعت ہے دوسرا حقیقت۔

(۶) خلوص نیت اور توجہ

(۷) ہیبت وفنا کے مقام میں تکبیر کہنا۔ وصل کے محل میں کرنا۔ ترتیل و حکمت سے قرآن پڑھنا۔ دل کی عاجزی سے رکوع و سجود کرنا۔ اجتماع کے موافق

تشہد کہنا اور فنائے صفت سے سلام کہنا۔ کان رسول اللہ صلعم یصلی وجونہ ازیز کازیز المرجل۔

آپ فرماتے ہیں کہ نماز امر ہے نہ کہ آلہ حضور وغیبت۔ امر کسی چیز کے لئے آلہ نہیں ہوتا حضور کی علت میں حضور ہوتی ہے اور غیبت کے علت عین غیبت۔

آپ فرماتے ہیں کہ روزہ کی حقیقت امساک ہے یعنی پیٹ کو اکل وشرب سے بچانا۔ آنکھ کو شہوت کی نظر سے بچانا۔ کان کو غیبت کے سننے سے زبان کو بیہودہ بکنے سے۔ تن کو دنیا کی پیروی اور شرع کی مخالفت سے بچانا ہے۔ اذا صمت فلیصم سمعك وبصرك ولسانك ويدك وكل عضو منك۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو خواب دیکھا میں نے عرض کیا کہ اوصنی یا رسول اللہ آپ نے فرمایا احبس حواسك یعنی اپنے حواس کو خدا کی محبت میں مقید کر حواس کو بند کرنا پورا مجاہدہ ہے۔ کیونکہ کلیت علوم کا حاصل ہونا انھیں پانچ دروازوں سے ہوتا ہے یعنے سامعہ باصرہ۔ ذائقہ۔ شامہ لامسہ۔ سے ان میں سوائے لامسہ کے جس کا محل تمام اعضا میں ہے ہر ایک کیلئے ایک ایک محل مخصوص ہے۔ پس روزہ دار کو چاہئے کہ ان دروازوں میں سے جو شئے مخالف شریعت و فرمان الٰہی داخل ہونا چاہے اسے روکے ورنہ رب صائم لیس له من صومه الا الجوع والعطش۔

آپ فرماتے ہیں کہ حج کے احکام یہ ہیں کہ میقات میں احرام باندھے۔ عرفات میں قیام کرے اور زیارت کے وقت طواف کرے۔ یہ سنت ابراہیمی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو مقام ہیں ایک تن کا اور ایک دل کا تن کا مقام مکہ معظمہ ہے اور دل کا مقام خلت۔ لوگ عموماً تن کا ارادہ کرتے ہیں لیکن جو کوئی دل کے مقام کا ارادہ کرتا ہے۔ وہ اشیاء مالوفہ سے روگردانی۔ لذات کو ترک۔ ذکر غیر سے انحراف دنیا سے اعراض کرنے والا ہوتا ہے۔ پھر معرفت کے عرفات میں قیام کرکے الفت کے مزدلفہ کا ارادہ کرتا ہے وہاں سے اپنے بھید کو حرم الٰہی کے طواف کے لئے بھیجتا ہے

حرص و اندیشہ ہائے فاسد کے کنکریوں کو منا میں پھینکتا اور نفس کو مجاہدہ کے مقام میں قربان کرتا ہے اس لئے مقام خلت میں پہنچکر قطیعت کے اندیشہ سے اسی طرح امان پاتا ہے جس طرح حرم کعبہ میں دشمن و شمشیر دشمن سے امان پاتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ حج دو طرح ہوتا ہے ایک غیبت میں اور ایک حضور میں جو مکہ میں ہوتا ہے وہ غیبت میں ہوتا ہے اور جو مشاہدہ میں ہوتا ہے وہ حضور میں ہوتا ہے۔ حج کا مقصود گھر کا دیدار نہیں بلکہ مشاہدہ حق ہوتا ہے اور مشاہدۂ حق یا قدرت حق وہ شئے ہے جس میں دل کی زندگانی ہے جسے معرفت کے نام سے بھی موسوم کیا جائے تو مضایقہ نہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ مشاہدہ کی حقیقت دو طرح پر ہے۔ ایک یقین کی صحت کیساتھ اور دوسرے غلبۂ محبت سے۔ جب دوست کی محبت کا غلبہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ محبت کی کلیت سب حدیث محبوب ہوجاتی ہے تو دوست کے سوا اسے کچھ نظر نہیں آتا حضرت محمد بن واسعؒ فرماتے ہیں ما رأیت شیئاً قط الا ورأیت اللہ فیہ بصحۃ الیقین۔ اور حضرت شیخ شبلیؒ فرماتے ہیں ما رأیت شیئاً قط الا اللہ۔ یعنی بغلبات المحبت وغلیان المشاہدۃ۔ صحت یقین سے پہچاننے والا غیر کو جگہ نہیں دیتا اور محبت رکھنے والا غیر پر نظر نہیں ڈالتا۔ حضرت ابن عباسؓ روایت ہے کہ معراج کی رات آنحضرت صلعم نے خدا کو دیکھا اور حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ نہیں دیکھا۔ لوگ اس اختلاف میں پڑ گئے مگر حقیقت یہ ہے کہ حضور صلعم نے ایک سے جو یہ فرمایا کہ میں دیکھا تو آپ کی مراد یہ تھی کہ میں نے بھید کی آنکھ سے دیکھا حضرت ابن عباسؓ اہل باطن سے تھے اُن سے آپ نے اس طرح سخن فرمایا اور حضرت ستا عائشہؓ اہل ظاہر سے تھیں ان سے آپ نے اہل باطن کی زبان میں کلام نہیں فرمایا۔ بھید کی آنکھ سے دیکھنے کے معنی حضرت جنیدؒ کی اس حکایت سے واضح ہوں گے جنھوں نے ایک بار فرمایا کہ اگر خدا وند تعالیٰ مجھسے کہے کہ مجھے دیکھ تو میں کہونگا کہ میں نہیں دیکھتا۔ اسلئے کہ آنکھ دوستی میں غیر اور بیگانہ ہوتی ہے اور غیریت کی غیرت مجھے دیدار سے باز رکھیگی اور بڑی بات یہ ہے کہ جبکہ دنیا میں آنکھ سے

آنکھ کے واسطے کے سوا دیکھا کرتا تھا تو عاقبت میں کیوں واسطہ بتاؤں۔

وانی لاحد ناظری علیک فاغض طرفی اذ انظرت الیک

مشاہدہ کی تعریف یہ بھی کی گئی ہے کہ المشاہدۃ قصور اللسان بحضور الجنان اس لحاظ سے زبان عاجز ہے کہ واردات قلبی کو بیان کرسکے۔ سکوت مشاہدہ کی علامت ہے اور گویائی کسی چیز پر گواہی دینے کا نشان ہے اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ لا احصی ثناءً علیک انت کما اثنیت علی نفسک ہے اسی مشاہدہ کی حالت کا پتہ ملتا ہے یعنی حضور پرنور صلعم کا منشاء مبارک یہ ہوگا کہ زبان کو اس لایق میں نہیں دیکھتا کہ میرے حال بیان کرسکے اور بیان کو اس کا مستحق نہیں جانتا کہ میرے حال ظاہر کرے اس لئے تیرا کہا ہوا میرا کہا ہوا ہے اور تیری ثنا میری کہی ہوئی ثنا ہے ؎

تمنیت من اہوی فلما رایتہ بہت فلم املک لساناً ولا طرفاً

حضرت شیخ ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

منبع علم وعرفان۔ مرجع اکابر زماں۔ مطلع انوار۔ حامل اسرار۔ متصف باوصاف دل پذیری۔ امام یگانہ حضرت شیخ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری قدس سرہ العزیز بڑے مرتبہ کے شیخ تھے۔ آپ رسالہ قشیریہ کے مشہور مصنف ہیں۔ اس رسالہ کی اکابر اولیا نے شرحیں لکھی ہیں۔ اور یہ کتاب الہامات کتاب تصوف میں سمجھی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی تفسیر لطائف الاشارات وغیرہ کا بھی نفحات الانس میں ذکر ہے۔ لطائف الاشارات شیخ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصنیف ہے۔ آپ نے اس کی شرح کی ہے۔ آپ شیخ موصوف علیہ الرحمہ کے مرید اور داماد تھے اور شیخ ابوعلی فارمدی نے آپ سے فیض حاصل کیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی قدس سرہ کے سلسلہ نقشبندیہ میں آپ کا بھی نام نامی ہے۔

صاحب کشف المحجوب بیان فرماتے ہیں کہ امام قشیریؒ سے اسکے ابتدائی حال کے متعلق میں نے سوال کیا آپ نے فرمایا مجھے ایک مرتبہ ایک پتھر کی ضرورت ہوئی کہ گھر کے ایک روزن کو بند کر دوں جس پتھر کو اٹھاتا تھا جواہر ہاتھ میں ہوجاتا تھا اور میں پھینک دیتا تھا۔ اس کی وجہ یہ بھی کہ آپ کے نزدیک سنگ وگوہر دونوں یکساں تھے۔ صاحب کشف المحجوب فرماتے ہیں کہ امام قشیریؒ سے میں نے سنا ہے کہ صوفی کے مثال مرض سرسام کی سی ہے جس کا اول ہزیان ہے اور آخر سکون ہے اور جب وہ متمکن ہوجاتا ہے تو آدمی گنگ ہوجاتا ہے۔ نیز آپ کا قول ہے کہ توحید وہ ہے جس میں ظہور اسم کے ساتھ ہی رسم وطبیعت کے آثار زائل ہوجائیں اور طلوع انوار تجلی کے ساتھ ہی اغیار کا وجود فنا ہوجائے اور حقایق الٰہیہ کے ظاہر ہونے کے ساتھ ہی رویت خلایق باقی نہ رہے اور جبار (جل ذکرہٗ) کا قرب حاصل ہوتے ہی غیر حق کے رویت گم ہوجائے۔ آپ کے یہ اشعار اس مرتبہ کے ابتدائی اور انتہائی حالات ظاہر کرتے ہیں جو خدائے عزوجل نے آپ کو بخشا تھا ؎

سقى الله وقتاً كنت اخلو بوجهكم

وثغر الهوى فى روضة الانس ضاحك

اقمنا زماناً والعيون قريرة

واصبحت يوماً والجفون سوافك

یعنی اس وقت کو خدائے بزرگ و برتر اپنے فضل سے سیرابی عطا فرمائے جب کہ میں اے محبوب تیرے سامنے اغیار سے خالی تنہائی میں مقیم تھا اور انس کے باغ میں محبت کے دانت وصال محبوب میں خنداں تھے اس مقام پر کچھ زمانے تک ہم ٹھیرے رہے اور ہمارے آنکھیں ٹھنڈی رہیں۔ مگر پھر یہاں سے بڑھ گئے اور ایسے حال میں صبح کی کہ ہماری پلکوں سے خون ٹپک رہا تھا۔

سفینۃ الاولیاء میں ہے کہ آخر ربیع الاول ۴۶۵ھ چار سو پینسٹھ ہجری میں آپ نے وفات فرمائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

حضرت شیخ ابوالحسن قرشی الہنکاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

عالم و عامل و عارف و کامل۔ زبدہ احرار۔ فارغ از عیوب و اشرار قطب زمن شیخ ابوالحسن قرشی الہنکاری قدس سرہٗ یگانہ روزگار تھے۔ آپ کی کنیت ابوالحسن اور اسم مبارک علی بن محمد بن یوسف بن جعفر القرشی الہنکاری ہے اور آپ کا لقب شیخ الاسلام تہا۔ تاریخ ابن خلکان میں ہے کہ آپ عتبہ بن ابوسفیان صخر بن حرب بن امیہ کی اولادمیں سے تھے۔ آپ سے بہت خیر و نیکی لوگوں کو پہونچی۔ آپ بڑے عابد تھے اور بہ کثرت علم کے لئے سفر کیا۔ اور شیخ ابوالعلا مصری سے مل کر ان سے بھی حدیث سنی شیخ ابوالعلا کے عقیدے کے متعلق اُن سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا وہ ایک مسلمان آدمی ہیں۔ ہنکار موصل کے قریب ایک مقام کا نام ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ کردون کے ایک قبیلہ کا نام ہے جو موصل کے قریب بود و باش رکھتا تھا آپ نے شیخ ابوالفرح طرطوسی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے خرقہ ارادت حاصل کیا ہے۔ صاحب سفینۃ الاولیا فرماتے ہیں کہ "از بزرگان مشائخ و مقتدائے اہل زمان و صاحب خوارق و کرامات بودہ اند"۔ آپ سے ایک خلقت کو فائدہ پہنچا۔ آپ کی ولادت ۴۰۹ھ (چارسو نو ہجری) اور وفات بروایت سفینۃ الاولیا ۴۸۶ھ (چار سو چھیاسی ہجری) محرم کے مہینے میں واقع ہوئی لیکن ایک دوسرے جگہ ۷ محرم ۴۸۰ھ (چار سو اسی) بھی دیکھنے میں آئی ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

حضرت شیخ ابوعلی فارمدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

پیشوائے ارباب ہدایت۔ رہنمائے اصحاب ضلالت۔ واقف اسرار خفی و جلی۔ امام وقت شیخ ابوعلی فارمدی قدس سرہٗ العزیز خراسان کے شیخ الشیوخ تھے

آپ کا نام فضل بن محمد تھا۔ صاحب نفحات الانس کہتے ہیں کہ آپ امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شاگرد ہیں اور تصوف میں دو جانب آپ کے نسبت ہے۔ ایک شیخ بزرگوار ابوالقاسم گرگانی طوسیؒ کے طرف دوسری شیخ ابوالحسن خرقانی کے طرف بعینۃ الاولیا میں ہے کہ آپ قریۂ فارمد کے رہنے والے تھے۔ جو طوس کے مضافات میں ہے۔

خود شیخ علیہ الرحمہ سے منقول ہے کہ میں ابتدائی جوانی میں نیشاپور میں طلب علم میں مشغول تھا کہ حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ کے مہنہ سے تشریف آوری کی خبر سنی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ وعظ فرمائینگے۔ چنانچہ میں حاضر مجلس ہوا۔ جیسے ہی آپ پر نظر پڑی آپ کے جمال مبارک کا شیدا ہو گیا اور اہل تصوف کے محبت میرے دل میں بیٹھ گئی۔ ایک اور روز کا یہ واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ کے ملازمت کا خیال مجھے شدید پیدا ہوا۔ چنانچہ مدرسہ سے اُٹھ کر روانہ ہوا۔ ایک چوراہے پر دیکھا کہ شیخ ایک جماعت کثیر کے ہمراہ کسی طرف جا رہے ہیں۔ میں بھی ساتھ ہو لیا۔ حضرت شیخ ایک مقام پر پہونچکر سماع میں مشغول ہوئے اور میں چھپ کر ایک کونے میں بیٹھ گیا۔ جب آپ کو کیفیت ہوئی تو حالت وجد میں اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ جب سماع سے فراغت ہوئی تو پھٹا ہوا لباس جسم سے اتار کر الگ رکھا۔ لوگ آ آ کر اُس کے ٹکڑے تبرک کے طور پر لیجاتے تھے۔ شیخ نے ایک آستین اس میں سے جدا کر کے آواز دی کہ ابوعلی طوسی کہاں ہے۔ میں خاموش رہا کہ شاید آپ کے ہمراہیوں میں اس نام کا کوئی ہوگا۔ جب کسی نے جواب نہ دیا اور آپ نے تیسری مرتبہ آواز دی تو میں اُٹھ کر حاضر خدمت ہوا۔ آپ نے وہ آستین مجھے عنایت فرمائی اور کہا تم میرے لئے بمنزلہ اس آستین کے ہو اس کے بعد میں برابر حاضر خدمت ہوتا رہا اور آپ کی صحبت مبارک سے بہت فائدے حاصل کئے جب آپ نیشاپور سے مہنہ واپس تشریف لے گئے تو میں امام ابوالقاسم قشیریؒ کے خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا حال اُن سے بیان کیا۔ آپ نے تحصیل علم کی

ہدایت فرمائی۔ میں تین سال ہر روز ایک طرح کی روشنی اپنے میں دیکھتا جو زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ ایک روز شیخ نے فرمایا اب تعلیم ترک کر کے کلیۃً مشغولی بحق اختیار کرو۔ یہ حکم سن کر میں مدرسہ سے خانقاہ میں آگیا اور آپ کی خدمت کرنے لگا۔ ایک روز آپ نہانے کا قصد کر رہے تھے میں نے یہ دیکھ کر چند ڈول پانی کھینچکر گرمابہ میں ڈالے کہ آپ کے تشریف آوری تک پانی گرم ہو جائے۔ جب آپ آئے اور نہا چکے تو پوچھا کہ گرمابہ میں کتنے پانی ڈالا تھا۔ میں نے عرض کیا اس خادم نے۔ آپ نے دعا دی اور فرمایا جو کچھ ابوالقاسم کو اس ستر برس میں حاصل ہوا تھا اے ابو علی تونے ایک ڈول کے عوض میں حاصل کیا۔ اس کے بعد عرصہ تک حضرت کی خدمت میں مشغول مجاہدہ رہا۔ ایک روز میری یہ حالت ہوئی کہ میں اپنے آپ سے کھو سا گیا۔ جب افاقہ ہوا تو آپ سے عرض کیا آپ نے فرمایا اب دوسری جگہ جاکر تحصیل نعمت مزید کرو میں نے شیخ ابوالقاسم گرگانی طوسیؒ کا نام بہت سنا تھا۔ اونکی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اپنا حال عرض کیا۔ آپ نے فرمایا ہاں ابتدائے حال ہے مبارک باد۔ میں نے آپ کی خدمت میں قیام کیا اور ایک عرصہ دراز تک ریاضات و مجاہدات میں مشغول رہا۔

صاحب مراۃ الاسرار فرماتے ہیں کہ "شیخ ابو علی فارمدی را کلمات عالی و درحقایق بسیار ست و خوارق عادات بیشمار است"۔ سلسلہ نقشبندیہ عالیہ میں آپ کا نام نامی اکابرین سلسلہ میں ہے۔ خزینۃ الاصفیا میں مفتی غلام سرور لاہوری نے آپ کے تاریخ وفات ۴۷۰ھ (چار سو ستر ہجری) لکھی ہے۔ لیکن مولانا رؤف احمد صاحب نقشبندی مجددی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے جواہر علویہ میں تاریخ ولادت ۴۳۴ھ (چار سو چونتیس ہجری) اور تاریخ وفات ۴ ربیع الاول ۵۱۱ھ (پانسو گیارہ ہجری) لکھی ہے جو زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔"

حضرت شیخ ابو سعید مبارک مخزومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سلطان الاولیا۔ برہان الاتقیا۔ قدوۂ عارفاں۔ قبلہ سالکاں۔ پیر طریقت واقف اسرار حقیقت۔ جامع علوم ظاہر و باطن عزیز لحہٗ مخزومی شیخ ابو سعید مبارک بن علی بن حسین المخزومی قدس سرہٗ العزیز اس راہ کے بڑے کاملوں میں سے تھے۔ آپ کی کنیت سفینۃ الاولیا میں ابو یوسف لکھی ہے۔ لیکن تمام دیگر کتب میں ابو سعید ہی دیکھنے میں آئی ہے۔ آپ کا مذہب حنبلی تھا اور شیخ ابو الحسن ہنکاری رحؒ سے خرقہ ارادت حاصل کیا تھا آپ کی عظمت و علو مرتبت کا اس سے زیادہ اور کیا اندازہ ہوسکتا ہے کہ آپ حضرت قطب ربانی۔ غوث الصمدانی۔ محبوب سبحانی سیدنا مولانا شاہ محی الدین سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیر خرقہ تھے۔ حضور فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے بھوک کی سخت شدت تھی کہ خواجہ ابو سعید پاس آئے اور فرمایا کہ میرے گھر چلو۔ آپ تو یہ کہکر چلے گئے مگر میں نے تامل کیا کہ اتنے میں حضرت خضر علیہ السلام تشریف لائے اور جانیکے لئے ارشاد فرمایا۔ چنانچہ میں گیا۔ دیکھا کہ حضرت شیخ رحؒ دروازہ پر انتظار میں کھڑے ہیں۔ مجھے دیکھا تو ارشاد فرمایا اے عبد القادر میرا کہنا کافی نہ تھا جو خضر کے کہنے کی بھی ضرورت پڑی۔ یہ کہکر اندر گھر میں گئے اور کھانا تیار کرا کر لقمہ لقمہ اپنے ہاتھ سے کھلایا حتیٰ کہ میں سیر ہوگیا۔ اس کے بعد اپنا خرقہ مجھے پہنایا اور میں آپ کی صحبت میں رہنے لگا۔ آپنے بڑے پیر صاحب کیلئے تحفہ رسالہ تصنیف فرمائی تھی مدرسہ باب الازج جو بغداد شریف میں حضرت غوث الثقلین رحؒ سے منسوب ہے آپ کا ہی بنا کردہ ہے۔ اپنی حیات ہی میں اُسے تیار کرا کر آپنے حضرت غوث الاعظم رحؒ کے حوالہ کر دیا تھا۔ آپ کی وفات یکم محرم ۵۱۳ھ میں واقع ہوئی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت شیخ حماد دباس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ہمگی ہدایت۔ رسیدہ بمقام نہایت۔ منزہ از دنس و ارجاس۔ پیر وقت شیخ حماد دباس قدس سرہٗ العزیز کا ملان وقت سے تھے۔ آپ کے کنیت ابوعبداللہ اور نام پاک حماد بن مسلم تہا۔ دبس اس عرق کو کہتے ہیں جو رطب میں سے نکلتا ہے اسی رعایت سے دباس کے معنے دوشاب فروش کے ہیں۔

صاحب سفینۃ الاولیا رفرماتے ہیں کہ "پیر صحبت حضرت غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ و از مشائخ کبار و عارف اسرار و مقتدائے وقت و صاحب کرامت عالیہ اند"۔ امام شعرانی طبقات الکبریٰ میں لکھتے ہیں کہ "شیخ حماد علوم حقایق کے علمار راسخین میں سے تھے۔ ان کو مریدوں کی تربیت کی ریاست ملی تھی۔ اور پوشیدہ واردات کے کشف کے نسبت ان پر اجماع منعقد ہوا تھا اور ان کے وقت کے بہت زیادہ مشائخ و صوفیہ بغداد انہیں کی طرف منسوب تھے اور یہ ان لوگوں میں سے ایک ہیں جن کی شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحبت پائی تھی"۔ صاحب نفحات فرماتے ہیں کہ "وے از جملہ مشائخ شیخ محی الدین عبدالقادر است کان امیا و فتح علیہ باب المعارف والاسرار و صار فقد وۃ المشائخ الکبار"۔ شیخ عبدالقادرؒ کی جوانی کا زمانہ تھا اور وہ شیخ حمادؒ کی صحبت میں رہا کرتے تھے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ باادب تمام اس جلسہ میں بیٹھے ہوئے تھے جب اٹھ کر باہر گئے تو شیخ حماد نے فرمایا کہ "ایں عجمی را قدمی است کہ در وقت وے بر گردن ہمہ اولیاء خواہد بود وہر آئینہ مامور شود بآنکہ گوید قدمی ہذہ علیٰ رقبۃ کل ولی اللہ و بہر آئینہ آں را بگوید۔ ہمہ اولیا گردن نہند"۔ صاحب مراۃ الاسرار فرماتے ہیں کہ "اکثر مشائخ مثل شیخ عبدالقادر جیلانیؒ و شیخ ابوالنجیب سہروردیؒ بخدمت وے استفادہ کردہ اند"۔ تکملہ میں شیخ نجیب الدین سہروردیؒ نے یہ لکھا ہے کہ آغاز حال میں میں نے

شیخ حماد دباس رح کے پاس جاکر شکایت کی کہ باوجود کثرت مجاہدہ کے فتح یاب نہیں ہوتا۔ شیخ نے فرمایا کہ کل جب مدرسہ سے اٹھو تو ایک ہانڈی میں دودھ لیکر میرے پاس آؤ۔ چنانچہ دوسرے روز میں مدرسہ سے نکلکر اور دودھ کا برتن سر پر رکھکر روانہ ہوا۔ بازار میں سے جب گذرا تو لوگ مجھے دیکھکر حیرت کرنے لگے اور میں جب سانس اوپر لیتا تو معلوم ہوتا کہ جیسے گھی پگھلتا ہے میں اندر سے پگھلتا جاتا ہوں۔ جب شیخ حماد کے سامنے پہونچا تو دیکھا آپ منتظر دروازہ پر کھڑے ہیں۔ مجھے دیکھکر ایک نگاہ ڈالی جس سے میں مالامال ہوگیا اور بیہوش ہو کر گر پڑا اور تمام دودھ زمین پر گر پڑا اور میں آج تک اس نگاہ کی برکت کو محسوس کرتا ہوں۔ آپ کے خوارق عادات اس قدر ہیں کہ اس مختصر میں سما نہیں سکتے۔ آپ کی وفات رمضان کے مہینے میں ۵۲۵ھ پانسو پچیس ہجری میں واقع ہوئی۔ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ۔

آپ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سب سے نزدیک کا راستہ اس کی محبت ہے اور اس کی محبت میں صفائی نہیں پیدا ہوتی جبتک کہ محب روح محض نہ ہو جائے یعنی روح بلا نفس نہ رہ جائے جب تک اس میں نفس ہے۔ کبھی اللہ جل شانہٗ کے عشق کا مزا نہیں چکھ سکتا۔ غالباً اسی نفس کشی کے لئے عشق مجازی کو بعضوں نے ضروری سمجھا ہے۔ اور المجاز قنطرۃ الحقیقۃ کہا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ دل تین طرح کے ہوتے ہیں ایک جو دنیا کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ دوسرے جو عقبیٰ کے پیچھے لگے رہتے ہیں اور تیسرے جو صرف مولیٰ سے تعلق رکھتے ہیں اور اسی کے پھرانے سے پھرتے رہتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب تمہارے وجود سے نفسانی خواہش دور ہو جائیگی تو توحید حاصل ہوگی اور جب تمہاری تدبیروں میں تمہاری مراد کو دخل نہ ہوگا تو فنا رخ دکھائیگی۔ لیکن اگر وہ تمہیں بلائے تو جواب دو۔ اور اگر تم سے وعدہ کرے تو توکل کرو اور اگر تمہیں حکم کرے تو سر تسلیم خم کرو پس اگر تم سے مانگنے کو کہے تو کہو میں تصدیق کر چکا ہوں۔ اگر عبادت کرنے کو کہے تو توفیق طلب کرو اور اگر توحید کرنے کو کہے تو یہ درخواست کرو کہ مجھے اپنی طرف جذب کرلے پھر اگر معرفت آئیگی تو فعل ربانی ہوگی اور تمہاری ساری ہستی زائل ہو جائیگی اور تم اسکے قبضہ میں ایسے صاحبدل ہو جاؤگے کہ تمہاری جو چیز ہوگی وہ رب عزوجل ہی کے ذریعہ سے ہوگی۔

کذا فی طبقات الکبریٰ۔

حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سر حلقۂ مشائخ کبار۔ پیشوائے اولیائے نامدار۔ موصوف بصفت حضرت مودود خواجہ قطب الدین مودود قدس سرہٗ العزیز خاندان چشت کے اکابرین سے ہوئے ہیں آپ کے والد ماجد اور پیر خواجہ ابو یوسف چشتی تھے۔ نفحات الانس میں ہے کہ "در سن ہفت سالگی تمام قرآن را باو اضح آں حفظ کردہ بود و بہ تحصیل علوم اشتغال می داشت"۔ خواجہ یوسفؒ کے انتقال کے وقت آپ کی چھبیس ۲۶ سال کی عمر تھی۔ جب آپ سجادہ نشین ہوئے تو اس ملک کے تمام لوگ آپ کے حمیدہ خصائل اور پسندیدہ افعال کی وجہ سے گرویدہ ہو کر آپ سے محبت و ارادت رکھنے لگے۔ آپ کو حضرت شیخ احمد النامقی الجامی قدس سرہٗ سے بھی فیض پہونچا تھا۔ اس کا قصہ نفحات میں مفصل لکھا ہے مگر یہاں بطور اختصار ذکر کیا جاتا ہے یعنے حضرت شیخ الاسلام احمد جامیؒ جام سے جب ہرات تشریف لائے تو آپ کے کمالات کا آوازہ دور دور پھیلا ہوا تھا۔ آپ نے ہرات سے موضع چشت کی طرف رُخ فرمایا تاکہ بزرگان چشت کی زیارت کریں لوگوں نے خبر کی کہ خواجہ مودود مریدوں کی ایک جماعت کو جمع کر کے آرہے ہیں اور آپ کو اس ملک سے نکالدینا چاہتے ہیں۔ چنانچہ آپ منتظر ہی تھے کہ ایکدن کھانے کے وقت خواجہ مودود چشتیؒ کے مریدوں کی ایک جماعت نے آکر آپ سے کچھ کج بحثی شروع کی آپ نے فرمایا کہ نہ یہ ملک میرا ہے اور نہ خواجہ مودود کا اور اگر ولایت سے مراد وہ ہے جو ہم جانتے ہیں اور اولیائے خدائے عزوجل جانتے ہیں تو اچھا کل معلوم ہوگا۔ اس موقعہ پر آپ کی ایک کرامت کا ذکر ہے جسکی برکت سے باوجود بارش اور ندی کی طغیانی کے آپ اور آپ کے ہمراہی سب دریا کے اُس پار پہونچ گئے۔ خواجہ مودود چشتیؒ کے مریدوں نے یہ خبر آپ کو پہنچائی۔ وہ اپنے مریدوں کی ایک جماعت لے کر آئے مگر شیخ احمدؒ جامی کا سامنا ہوتے ہی گھوڑے سے اُتر پڑے اور شیخ کی رکاب کو بوسہ دیا۔ آپ نے بدلا سا دیکھے اور سمجھا کر پھر گھوڑے پر سوار کیا اور

سب مل کر ایک گاؤں میں اُترے۔ خواجہ مودودؒ کے مریدوں نے شیخ احمد کے ساتھ پھر کچھ گستاخی کرنی چاہی اور گو خواجہ صاحب نے منع کر دیا تھا مگر وہ نہ مانے نتیجہ یہ ہوا کہ سب کو فرار ہونا پڑا اور خواجہ مودودؒ نے آپ کے پیروں پر گر کر معافی چاہی اور عرض کیا آپ جانتے ہیں کہ ان لوگوں سے میں متفق نہ تھا۔ آپ نے فرمایا سچ کہتے ہو اور خطا معاف کی اور ارشاد فرمایا کہ ان سب کو واپس کر دو اور صرف دو خدمتگار ہمراہ رکھو۔ آپ نے حکم کی تعمیل کی اور عرض کیا کہ اب کیا حکم ہوتا ہے آپ نے کہا کہ مصلے کو طاق پر رکھو اور جاؤ علم سیکھو کیونکہ زاہد بے علم مسخرہ شیطان ہوتا ہے۔ فرمایا میں نے قبول کیا اس کے بعد کیا ارشاد ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا جب علم حاصل کر چکو تو اپنے خاندان کے روایات تازہ کرو اس لئے کہ تمہارے آباؤ اجداد بڑے بزرگ ہوئے ہیں۔ خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ آپ تبرک کے طور پر ان بزرگوں کی جگہ مجھے بٹھا دیجئے شیخ الاسلام نے فرمایا کہ آگے آؤ وہ آگے آئے تو آپ نے ہاتھ پکڑ کر اپنی مسند کے ایک کنارے بٹھا دیا اور تین دفعہ ارشاد فرمایا بشرط علم۔ اس کے بعد خواجہ مودود چشتیؒ تین روز شیخ الاسلام کی خدمت میں اور رہے اور طرح طرح کی نوازشیں حاصل کیں۔ پھر واپس ہوئے اور بلخ و بخارا کے جانب قصد فرما کر چار سال کی مدت میں بڑی سعی و کوشش کر کے علم حاصل کیا۔ اس کے بعد موضع چشت کی طرف واپس ہو کر مریدوں کی تربیت میں مشغول ہوئے اور آپکے کرامات و خوارق کا شہرہ دور دور پہنچا۔ مذکورہ بالا واقعہ کی وجہ سے سلسلہ چشتیہ خواجہ مودود چشتیؒ کے واسطے سے شیخ احمد جام تک بھی پہنچتا ہے۔ آپ کی روحانیت پاک کی برکت سے بکثرت غیر مسلم مسلمان ہوئے ہیں۔ سنہ ۵۲۷ھ پانسو ستائیس ہجری میں غرہ رجب کو بزمانہ سلطان معزالدین سنجر سلجوقی موضع چشت میں آپ کا وصال ہوا اور اپنے آباؤ اجداد کے پاس دفن ہوئے رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ۔

حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمتہ اللہ تعالےٰ علیہ

امام وقت۔ عالم زمانہ۔ عارف یگانہ۔ صاحب احوال جلیلہ۔ مشرف بہ مقامات جزیلہ

واقف اسرار ربانی خواجہ یوسف ہمدانی قدس سرہٗ العزیز صاحب کرامات جلیلہ ومواہب جزیلہ تھے۔ آپ کی کنیت ابو یعقوب تھی۔ آپ قصبہ بوزنجر مضافات ہمدان کے رہنے والے تھے اور آپ کے والد ماجد کا نام ابو ایوب بن حسین بن شعیب ہمدانی تھا۔ آپ شیخ ابو علی فارمدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید تھے لیکن شیخ عبداللہ جوینیؒ اور شیخ حسن سمنانیؒ کی بھی ملازمت حاصل کی تھی۔ آپ حنفی المذہب اور پیر سلسلہ خواجگان نقشبند ہیں۔

سفینۃ الاولیا میں ہے کہ ۴۴۰ھ (چار سو چالیس ہجری) میں آپ کی ولادت ہوئی۔ اور ربیع الاول کی بائیسویں تاریخ ۵۳۵ھ ہجری (پانسو پینتیس ہجری) میں بروز دوشنبہ انتقال فرمایا۔ جو خلفائے بنو عباس میں سے ابو عبداللہ محمد بن مستظہر الملقب بہ مقتفی بامر اللہ کا زمانہ تھا۔ سلاطین سلجوقیہ میں سے اس زمانہ میں سلطان مسعود بن غیاث الدین بن ملک شاہ سلجوقی حکمراں تھا۔

نفحات الانس میں ہے کہ ابتدائی زمانہ میں آپ نے بغداد تشریف لیجاکر علوم کی تکمیل فرمائی۔ اور علم فقہ وغیرہ میں خصوصاً اپنے ہم صحبتوں میں سب سے فائق تھے۔ بہجۃ الاسرار میں ہے کہ شیخ ابو اسحٰق شیرازی بغدادی اور شیخ ابو المعالی جوینی نیشاپوری اور اُن کے علاوہ بہت سے لوگ آپ کے شاگرد تھے۔ بہجۃ الاسرار اور خلاصۃ المفاخر میں آپ کی فضائل وکرامتیں درج ہیں۔

آپ نے بغداد۔ اصفہان اور سمرقند میں سماعت حدیث فرمائی اس کے بعد ترک علایق کرکے عبادت وریاضت میں مشغول ہوئے۔ مرو سے ہرات اور ہرات سے مرو آپ اکثر آتے جاتے رہتے تھے مگر سکونت مستقل مرو ہی میں اختیار فرمائی تھی۔ اسی آمد ورفت کے زمانہ میں ایک مرتبہ راستہ میں انتقال فرمایا اور پہلے وہیں دفن کئے گئے لیکن چند مدت بعد لوگ آپ کے میت نکالکر مرو لے گئے جہاں آج کل مزار مبارک ہے

آپ شیخ ابو علیؒ فارمدی کے خلیفہ تھے بہجۃ الاسرار میں ہے کہ حضرت غوث الثقلین قدس سرہ العزیز آپ کی خدمت میں بھی تشریف لیگئے ہیں اور خواجہ یوسفؒ نے وعظ کرنے کے لئے آپ کو ارشاد فرمایا اور کہا کہ میں تم میں جڑ دیکھتا ہوں تو عنقریب کھجور ہوجائیگی

فتح المبین اور قلاید الجواہر میں ہے کہ علامہ ابراہیم دیری شافعی مولف مختصر روض الزاہر نے لکھا ہے کہ حضرت غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ سے اخذ تصوف کیا ہے۔ آپ صاحب تصنیفات کثیرہ ہیں۔ صاحب نفحات نے ان تصنیفات کے نام زبدۃ الحیوٰۃ۔ منازل السائرین اور منازل السالکین بیان کئے ہیں اور اس سلسلہ میں شیخ نجیب الدین برغش شیرازیؒ کا ایک واقعہ خواب لکھا ہے۔ شیخ موصوف کہتے ہیں کہ میرے پاس کلمات مشائخ کے چند جزو تھے۔ مگر یہ نہیں پتہ لگتا تھا کس نے انہیں مرتب کیا ہے میں ایک شب اسی فکر میں تھا کہ خواب میں حضرت شیخ یوسف ہمدانی کو دیکھا جو فرماتے ہیں کہ یہ کتاب میری تصنیف سے ہے اور اس کا نام زبدۃ الحیوٰۃ ہے اور اس سے زیادہ بہتر کتابیں منازل السائرین اور منازل السالکین ہیں۔ خواب کیقدر طویل ہے۔ جس میں سے یہاں صرف اسی قدر اختصار کیا گیا۔ آپ کا کلام ہے کہ سماع خدا کے طرف سے اس کا سفیر وقاصد ہے۔ وہ لطائف الٰہی موارد غیب۔ فتح کے ابتدا اور انجام۔ معانی وبشارت کشف ہے۔ وہ ارواح کے قوت جسموں کی غذا اور دلوں کی زندگی ہے۔ سماع پردہ کو توڑنے والا اور بھید کو کھولنے والا ہے۔ وہ برق لامعہ اور آفتاب درخشاں ہے۔

دعوت اسلام اور وعظ وتذکیر آپ کا طریقہ تھا۔ آپ کے بعد یہ کام بالخصوص آپ کے چار خلفا کے ذمہ ہوا۔ ان میں سے ایک خواجہ عبد اللہ برقیؒ تھے۔ دوسرے خواجہ حسن اندقیؒ تیسرے خواجہ احمد یسویؒ اور چوتھے خواجہ عبد الخالق غجدوانی تھے قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم۔

خواجہ حاجی شریف زندنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سرحلقہ بزرگان صاحب اسرار۔ مقتدائے اولیا رعالی مقدار۔ عالم علوم لدنی خواجہ حاجی شریف زندنی قدس سرہٗ العزیز سلسلہ اولیائے چشت میں بڑے عالی مرتبہ بزرگ گذرے ہیں۔ صاحب مراۃ الاسرار فرماتے ہیں کہ "وے در ریاضات ومجاہدات وترک وتجرید قدمے ثابت داشت ودر کلمات حقائق وخوارق بیان قوم مخصوص بود ودر نکات اشارت ومعانی توحید مبلہ اہل حقیقت زمانہ توجہ بدو داشتہ اند" مشائخ وقت میں آپ عدیم المثال تھے۔

آپ نے خرقہ ارادت خواجہ قطب الدین مودود چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پہنا تھا۔ مرأۃ الاسرار میں بحوالہ سیر الاولیاء لکھا ہے کہ آپ نے چالیس سال خلق سے کنارہ کشی رکھی اور کھنڈروں میں عمر گذاری اور درختوں کے پتے اور جنگلی میوے کھا کر قوت بسری کی۔ اس دنیا سے آپ کو اس قدر نفرت تھی کہ اگر کوئی شخص آپ سے ملنے جاتا تو نوکر اُسے پہلے ہی سے سمجھا دیتے کہ آپ کے سامنے دنیا اور اہل دنیا کا ذکر ہرگز مت کرنا ورنہ آپ نہ ملینگے۔ سیر الاولیاء میں ایک اور حکایت درج ہے کہ ایک شخص نے سلطان سنجر سلجوقی کو وفات کے بعد خواب میں دیکھا پوچھا کے حق تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ اُس نے کہا کہ دنیا میں جو کچھ نیک و بد مجھ سے ظہور میں آیا سب میرے سامنے لاکر پیش کیا گیا اور عذاب کے فرشتوں کو حکم ہوا کہ مجھے دوزخ میں لیجائیں اسی اثناء میں یہ فرمان پہونچا کہ فلاں وقت مسجد میں اس شخص نے حاجی شریف زندنی رحمۃ اللہ علیہ کی دست بوسی کی تھی۔ اس کی برکت سے ہم نے بخش دیا۔ تیسری رجب ۵۵۴ھ (پانسو چوّن ہجری) کو آپ نے اس عالم فانی سے انتقال فرمایا۔ اس لحاظ سے چھٹی صدی ہجری کے وسط سے آپ کا تعلق ہے۔ جو سلطان سنجر سلجوقی کے سلطنت کا زمانہ تھا۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

حضرت سیدنا و مولانا شیخ الجن والانس ابو محمد محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قبلۂ جمیع مرادات محقق و متصرف ہمہ مقامات۔ پادشاہ مشائخ اندر طریقت امام ائمہ اندر شریعت۔ محبوب ربانی۔ قطب صمدانی۔ سرور عارفان زمانہ سر حلقۂ محبان یگانہ۔ شرف زہاد و فخر عباد۔ غوث الثقلین۔ سیدی مولائی ملجائی و ماوئی۔ سید محی الدین ابو محمد عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اولیاء عالم کے سردار ہیں۔ آپ حسنی و حسینی سید ہیں۔ آپ کا شجرۂ حسب و نسب تمام مستند کتابوں میں یہ ہے۔ آپ کے والد ماجد ابو صالح موسیٰ جنگی دوست ابن ابی عبد اللہ بن یحییٰ زاہد بن محمد سیف اللہ بن [illegible] موسیٰ الجون بن

عبد اللہ محض بن حسن مثنےٰ بن امام حسن بن علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ آپ کی والدہ ماجدہ ام الخیر بنت شیخ ابو عبد اللہ صومعی ہیں ام الخیران کی کنیت نام فاطمہ اور لقب امۃ الجبار ہے۔ آپ حضرت امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اولاد میں سے تھیں اور حضرت غوث الثقلین کے والد ماجد حضرت امام حسن علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اولاد میں سے تھے اس لئے حضرت سیدی عبد القادرؓ کو حسنی وحسینی سید کہتے ہیں اس کے علاوہ ایک اور جہت بھی ہے یعنے حضرت عبد اللہ محض کے والد ماجد حسن مثنیٰ بن امام حسنؑ بن سیدنا حضرت علی مرتضیٰ رضوان اللہ علیہم ہیں اوران کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت امام حسینؑ بن سیدنا حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ ہیں اس لئے انہیں محض کہتے ہیں۔ یعنے خالص کیا ماں کیا باپ دونوں طرف سے وہ آل رسول تھے رضوان اللہ علیہم اجمعین بعض مخالفین نے آپ کے حسب ونسب کے متعلق اعتراضات کئے ہیں مگر یہ انکی جہل اور تعصب کی وجہ ہے۔ مستند کتابوں میں جو شجرہ درج ہے۔ اور جو مختلف لوگوں کے پاس جو آپ کی اولاد میں نسلاً بعد نسل محفوظ چلا آیا ہے وہی ہے جو اوپر بیان ہوا۔

آپ کو ہندوستان میں بڑے پیر صاحب کہتے ہیں اور تعظیم کے خیال سے نام نہیں لیتے۔ آپ کا لقب محی الدین ہے جو آپ کے زمانہ ہی میں مشہور ہوگیا تھا۔ اور اگر واقعی یہ دیکھا جائے کہ آپ کے قبل مسلمانوں میں کتنے فرقہ پیدا ہوگئے تھے اور الحاد بیدینی کس درجہ رائج تھی اور کس قدر اسلام ضعیف ہوگیا تھا اور آپ کے ذات بابرکت کے عالم ظہور میں آنے سے کس قدر تفرقے دور ہوئے کتنے لوگ تائب ہوئے اور کتنی قوت اسلام کو حاصل ہوئی تو یہ خطاب کس قدر صحیح اور درست معلوم ہوتا ہے۔ جو منجانب اللہ آپ کو عطا ہوا تھا۔

سفینۃ الاولیاء اور مراۃ الاسرار میں ایک واقعہ درج ہے۔ جو اس لقب سے ملقب ہونے کا سبب بیان کیا گیا ہے۔ یعنے ایک مرتبہ آپ کسی سیاحت سے بغداد تشریف لائے جمعہ کا روز تھا کہ راہ میں ایک شخص بیمار نحیف البدن متغیر اللون ملا اس نے کہا کہ السلام علیک یا عبد القادرؓ آپ نے جواب سلام دیا۔ اس نے کہا ذرا نزدیک تشریف لائیے۔ آپ قریب

گئے۔ اُس نے کہا مجھے بٹھا دیجئے۔ آپ نے بٹھا دیا کہ یکایک اس کا جسم تر و تازہ اور اچھی صورت رنگ صاف نکل آیا اس نے پوچھا آپ مجھے پہچانتے ہیں آپ نے فرمایا نہیں۔ اس نے کہا میں آپ کے جد کا دین ہوں ضعیف ہو گیا تھا۔ آپ کی مدد سے خدائے عزوجل نے مجھے زندہ کیا۔ آپ محی الدین ہیں۔ اس کے بعد جو ملتا تھا آپ کو محی الدین کہتا اور ہاتھ پیر چومتا تھا۔ یہ واقعہ غالباً عالم معاملہ کا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

آپ کے خاندان کی جائے سکونت جیلان (گیلان) یا جیل (گیل) میں تھی جو سفینۃ الاولیاء کے بموجب طبرستان کے ماوراء ہے مگر انسکلوپیڈیا برٹانیکا میں ہے کہ گیلان ایران کے ایک بڑے صوبہ کا نام ہے جو ساحل کیسپین پر واقع ہے۔ اس کے مغرب میں آذر بائیجان مشرق میں مازندران۔ جنوب میں قزوین اور شمال میں ایک دریا ہے استرا نام جو علاقہ روس اور اس صوبہ کے درمیان حد فاصل ہے۔

سفینۃ الاولیاء میں ہے کہ بعض کے نزدیک آپ کا وطن موضع جیل میں تھا۔ جو دریائے دجلہ کے کنارے واسط کے جانب بغداد سے ایک روز کے فاصلہ پر واقع تھا اور بعض کہتے ہیں کہ آپ اوس جیل کے رہنے والے ہیں جو مدائن کے قریب واقع تھا۔ لیکن صاحب روضۃ الناظر نے جو اکابر وقت سے گذرے ہیں اور جن کا قول سند ہے اس دونوں بیانوں کو غلط قرار دیا ہے۔

صاحب معجم البلدان کہتے ہیں کہ آپ کا وطن موضع بشتیر ہے جو گیلان کے مضافات میں ہے۔ واللہ علم بالصواب۔

آپ کی ولادت باسعادت بروایت ابو صالح نصر رحمۃ اللہ ۴۷۰ھ (یا بروایت ابو الفضل احمد ۴۷۱ھ) چار سو ستر ہجری میں ہوئی۔ سفینۃ الاولیاء میں آپ کے صاحبزادے شیخ عبد الرزاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالے سے مذکور ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ کی عمر بہت ہو گئی تھی اور مایوسی کا زمانہ آگیا تھا جب آپ بطن مادر میں تشریف لائے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کبار نساء عارفات صالحات واصلات و صاحب مکاشفات میں سے تھیں۔ آپ کی ولادت باسعادت اول شب ماہ رمضان المبارک کو ظہور میں آئی۔

صاحب نفحات الانس آپ کی ابتدائی حالت کا یہ واقعہ خود آپکی زبانی اس طرح بیان کرتے ہیں کہ "خرد بودم روز عرفہ بصحرا بیرون رفتم دنبال گاوے گرفتم بجبت حراثت آن گاو روے بازپس کرد و گفت یاعبد القادر مالھذا اُمرت۔ بترسیدم و بازگشتم و ببام سرائے خود برآمدم۔ حاجیان را دیدم کہ در عرفات استادہ اند" یہ کشف حجابات دیکھکر آپ کو ہیبت معلوم ہوئی اور اپنی والدہ ماجدہ کے پاس جاکر یہ قصہ بیان کیا اور تحصیل علم کے لئے بغداد جانے کی اجازت طلب کی اور فرمایا کہ "مرا در کار خدائے تعالیٰ کن و اجازت دہ" آپ یہ سنکر رونے لگیں اور پھر اٹھیں اور اسی دینار جو آپ کے والد کا ترکہ تھا لائیں اور ان میں سے چالیس آپ کے کپڑوں کے اندر سی دی اور چالیس آپ کے بھائی کے لئے رکھی۔ اور نصیحت کی کہ بیٹا کبھی جھوٹ نہ بولنا۔ جاؤ تمہیں خدائے عزوجل کے سپرد کیا۔"

آپ اپنی والدہ ماجدہ سے رخصت ہوکر ایک قافلہ کے ہمراہ بغداد کیطرف روانہ ہوئے۔ غالباً اس کے بعد آپ کو اپنی والدہ سے ملنے کا موقعہ پھر نہیں ملا۔ جب آپ ہمدان سے آگے بڑھے تو ساٹھ سواروں نے جوڈاکو تھے اس قافلہ کو گھیر لیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ مجھ سے کسی نے بھی تعرض نہ کیا لیکن ناگاہ ایک شخص میرے پاس آیا اور پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ ہے۔ میں نے کہا چالیس دینار ہیں۔ پوچھا کہاں ہیں میں نے کہا بغل کے نیچے کپڑے میں سلے ہوئے ہیں اس نے سمجھا کہ لڑکا ہنسی کر رہا ہے۔ اتنے میں دوسرا آیا اس نے بھی یہی سوال کیا۔ اور میں نے یہی جواب دیا۔ پھر دونوں نے میرا قصہ جاکر اپنے سردار سے بیان کیا جس نے مجھے بلوایا اور وہی سوال کیا اور میں نے وہی جواب دیا۔ اس نے حکم دیا کہ اس کے کپڑے کھولکر دیکھو آیا یہ سچ کہتا ہے یا جھوٹ۔ جب میرے کپڑے کھولے گئے تو سچ پایا۔ مجھ سے پوچھا کہ تم نے کیسے قبول دیا میں نے کہا کہ رخصت ہوتے وقت میں نے اپنی ماں سے عہد کیا تھا کہ ہمیشہ سچ بولوں گا اس لئے میں اب خیانت نہیں کر سکتا۔ آپ کا یہ ارشاد اس سردار کے دل پر تیر کی طرح لگا اور رو کر کہنے لگا اتنے برس گذر گئے کہ ہم اپنے پروردگار کے عہد سے خیانت کر رہے ہیں۔ پھر میرے ہاتھ پر توبہ کی۔ اس کے ساتھیوں نے کہا کہ قطع طریق میں تم ہمارے سردار رہے ہو اب اس توبہ میں بھی ہمارے سردار ہو۔ یہ کہکر

سب نے توبہ کی۔ آپ کے ہاتھ پر توبہ کرنیوالوں میں یہ لوگ سب سے پہلے تھے۔

آپ ۴۸۸ھ چارسو اٹھاسی ہجری میں بغداد پہلے پہل تشریف لائے جب کہ سن مبارک سترہ اٹھارہ سال کا ہوگا۔ اور تحصیل علم میں مشغول ہوگئے۔ اول قرأت قرآن فقہ حدیث اور دیگر علوم اس زمانہ کے علمار کبار سے حاصل کئے اور تھوڑی ہی مدت میں اپنے تمام اقران سے سبقت لے گئے۔

صاحب سفینۃ الاولیا فرماتے ہیں کہ آپ کی تربیت تمام تر روحانیت پاک ذات نبوی صلعم سے ہوئی تھی۔ لیکن مراۃ الاسرار میں ہے کہ ابتداءحال میں حضرت خضر علیہ السلام نے بھی آپ کو کسی قدر تربیت دی ہے۔ آپ کے پیر خرقہ حضرت شیخ ابوسعید مخزومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور پیر صحبت شیخ حماد دباس ہیں مراۃ الاسرار میں ہے کہ تاج العارفین شیخ ابوالوفا بغدادیؒ سے بھی آپ نے خرقہ پہنا تھا جو شیخ ابومحمد شنبکی کے مرید تھے۔ اُن کے پیر شیخ ابوبکر بن ہوار بطایحیؒ تھے جنہوں نے خواب میں حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ سے خرقہ اور ٹوپی پہنی تھی۔ ان دونوں بزرگوں نے بڑے پیر صاحب کے زمانہ مابعد میں آنے اور عالم کو ہدایت فرمانے کی بشارت دی ہے۔ اور آپ کی بزرگی کا ذکر کیا ہے۔ یہ واقعہ اس طرح مذکور ہے کہ جس زمانہ میں شیخ تاج العارفین ابوالوفا قدس سرہٗ بغداد میں منبر پر وعظ فرمایا کرتے تھے تو ایک مرتبہ سید عبدالقادرؓ ان کی مجلس میں تشریف لائے۔ شیخ منبر پر سے اتر پڑے اور آپ کو بغل میں لے کر دونوں آنکھوں پر بوسہ دیا اور لوگوں سے کہا کہ ولی خدا کی ملازمت حاصل کرو میں اُن کے سر پر ایسا نور دیکھ رہا ہوں جس کی روشنی مشرق سے مغرب تک پھیل جائیگی۔ پھر فرمایا کہ اے عبدالقادر آج ہمارا زمانہ ہے۔ اس کے بعد پھر تمہارا زمانہ آنے والا ہے۔ ہر ایک کا مرغ خاموش ہوجائیگا۔ لیکن تمہارا مرغ قیامت تک بانگ دیتا رہیگا۔ پھر اپنا سجادہ۔ پیراہن تسبیح۔ کاسہ اور عصا آپ کو دیا اور ہاتھ پکڑ کر کہا کہ جب تمہارا زمانہ آئے تم مجھے بھولنا نہیں یاد رکھنا۔

نفحات الانس میں ہے کہ علمائے شام میں سے ایک شخص عبداللہ نام تھے وہ کہتے

ہیں کہ جب میں بغداد میں طالب علم تہا تو ایک شخص کا حال سنا کہ وہ غوث وقت ہے اور
جب چاہتا ہے غائب ہو جاتا ہے اور جب چاہتا ہے حاضر ہو جاتا ہے۔ میں نے ابن سقا
سے جو میرا رفیق تھا اور شیخ عبد القادرؓ سے (جو طالب علم تھے) کہا آؤ اس شخص سے ملنے چلیں
ابن سقا نے کہا میں اس سے ایک ایسا مسئلہ پوچھونگا جس کا وہ جواب نہ دیسکیگا۔ میں نے
کہا میں بھی ایک مسئلہ پوچھوں گا دیکھوں کیا جواب دیتا ہے۔ شیخ عبد القادرؓ نے فرمایا معاذ اللہ
معاذ اللہ کہ میں اُن سے کچھ سوال کروں۔ اُن کے سامنے جا کر بیٹھونگا اور اون کی دیدار
کی برکات کا انتظار کروں گا۔ چنانچہ ہم لوگ گئے تھوڑی دیر بعد وہ بزرگ آئے اور ابن سقا
کی طرف غصہ سے دیکھکر کہا کہ مجھ سے ایسا مسئلہ پوچھنا چاہتا ہے جس کا جواب میں نہ
دیسکونگا۔ سُن وہ مسئلہ یہ ہے اور جواب یہ ہے۔ پھر کہا میں دیکھتا ہوں کہ "کفر در تو زبانہ
می زند" پھر میری طرف دیکھکر کہا کہ اے عبد اللہ تو بھی مجھ سے مسئلہ پوچھنا چاہتا ہے سُن
وہ مسئلہ یہ ہے اور جواب یہ ہے۔ پھر فرمایا کہ مجھ سے تو نے بے ادبی کی اس کا نتیجہ یہ ہوگا
کہ دنیا میں تو پھنس جائیگا اور دونوں کان تک اس میں غرق ہوگا۔ اس کے بعد شیخ عبد القادرؓ
کے طرف دیکھا اور اپنے نزدیک بلا کر عزت کی اور کہا اے عبد القادر تم نے اپنے ادب
سے خدا اور رسول کو خوش کیا ہے ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ تم بغداد میں ممبر پر کھڑے
ہو کر یہ کہو گے کہ میرا قدم تمام اولیا کی گردن پر ہے اور اولیاء اللہ تمہارے لئے گردن
جھکا دینگے اور اکرام کریں گے۔ عبد اللہ شامی کہتے ہیں کہ تھوڑا ہی عرصہ گذرا کہ میں نے
یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

حضرت سیدی عبد القادر جیلانیؓ کا مذہب حنبلی تھا اور فتویٰ امام شافعیؒ اور امام
حنبلؒ کے مذہب پر دیا کرتے تھے۔

صاحب مراۃ الاسرار فرماتے ہیں کہ "آن قدر ریاضت و مجاہدات کہ بقدم توکل
و تجرید او کردہ است ممکن نیست کہ کسے ازیں طائفہ کردہ باشد..... وے فرزند و جانشین
ائمہ اہل بیت رسول خدا و سر حلقۂ اولیا کمل بود و بنابراں در جمیع مقامات غوثی و قطبی
و قطب الاقطاب ترقی کردہ در مقام محبوبی رسیدہ بود"

امام شعرانیؒ طبقات الکبریٰ میں خود آپ کے زبانی ابتدائی زمانہ کے مجاہدوں کا حال یہ لکھتے ہیں کہ "میں نے اپنی ابتدائی حالت میں بڑی کڑیاں جھیلیں ہیں اور کوئی نوفنک چیز نہ چھوڑی کہ جسکے منہ نہ چڑھا ہوں میرا لباس اُون کا جُبّہ تھا اور سر پہ چھوٹا سا خرقہ تھا۔ کانٹوں وغیرہ میں ننگے پاؤں چلتا تھا۔ اور تھوڑی سوکھی ساگ پات اور ندی کے کنارے کے خس کے پتوں پر گذر کرتا اور نفس کو برابر مجاہدے میں لگائے رکھتا تھا یہاں تک کہ اللہ جل شانہٗ کی طرف سے حال نے میرا دروازہ کھٹکٹایا اور جب حال وارد ہوتا تو میں چلاتا اور منہ کے سیدھ بھاگتا تھا خواہ اس وقت میں صحرا میں ہوتا یا لوگوں کے درمیان میں ہوتا۔ اور میں بناوٹ کے گونگے پن اور دیوانہ پن سے مدد لیتا تھا۔ اور لوگ مجھے بیمارستان لے گئے۔" فرماتے ہیں کہ "ایک مرتبہ مجھ پہ ایسی حالت طاری ہوئی کہ میں بظاہر مر گیا۔ کفن آگیا مردہ شو آگئے اور لوگوں نے غسل دینے کے لئے تختہ پر لٹایا۔ یہ سب کچھ ہو چکا تو مجھے ہوش آیا اور میں اُٹھ بیٹھا۔"

امام شعرانیؒ لکھتے ہیں کہ آپ فرماتے ہیں۔ جب میں عراق آیا۔ تو خضر علیہ السلام میرے رفیق ہوئے۔ میں ان کو پہلے سے پہچانتا نہ تھا۔ مجھ سے اُنہوں نے یہ شرط کی کہ میں اُن کی مخالفت نہ کروں اور کہا کہ یہاں بیٹھے رہو چنانچہ جس مقام پر اُنھوں نے مجھے بٹھایا۔ میں وہاں تین سال بیٹھا رہا اور وہ سال میں ایک مرتبہ آیا کرتے اور مجھ سے کہتے جاتے کہ جب تک کہ میں تمہارے پاس نہ آؤں اپنی جگہ بیٹھے رہو۔" غالباً یہ تحصیل علوم کے بعد کا واقعہ ہے۔ جب کہ آپ نے ریاضات اور مجاہدوں کے میدان میں پہلے پہل قدم رکھا ہوگا۔

طبقات الکبریٰ میں ہے کہ آپ فرماتے ہیں ایک مرتبہ کئی دن ہو گئے تھے کہ میں نے کچھ نہ کھایا تھا۔ اتنے میں ایک آدمی مجھ سے ملا اور اُس نے مجھے ایک تھیلی دی جس میں درہم تھے چنانچہ میں نے سفید میدہ کی روٹیاں اور کھجوروں کا حلوا خریدا اور کھانے کو بیٹھا ہی تھا کہ ایک پرچہ ملا جس میں لکھا ہوا تھا کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے بعض آسمانی کتابوں میں فرمایا ہے کہ خواہشیں تو میں نے اپنے مخلوق میں سے کمزوروں

سکے لئے بنائی ہیں تاکہ اُن سے طاعتوں میں مدد لیں اور جو زور آور ہیں اُن سے خواہشوں سے کیا واسطہ۔ یہہ دیکھ کر میں کھانے سے دست بردار اور چلتا ہوا"۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ آپ بغداد کے ایک برج میں مقیم تھے۔ جو آپ کی طول اقامت کی وجہ سے برج عجمی کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔ وہاں چالیس روز گذر گئے کہ آپ نے کچھ نہ کھایا۔ اکتالیسویں روز ایک شخص آکر کچھ کھانا سامنے رکھ گیا۔ مگر آپ فرماتے ہیں کہ "میں نے توجہ نہ کی کہ اتنے میں شیخ ابو سعید مخزومی قدس سرہٗ تشریف لائے اور میری بھوک کی حالت دیکھ کر فرمایا یہ کیا ہے۔ میں نے عرض کیا یہ نفس کا اضطراب و قلق ہے اور روح مشاہدہ حق تعالیٰ میں برقرار ہے آپ نے فرمایا چلو میرے گھر چلو۔ یہ کہکر آپ تو چلے گئے مگر میں نہ گیا کہ اتنے میں حضرت خضر علیہ السلام تشریف لائے اور کہا کہ شیخ کے پاس جاؤ۔ میں گیا۔ وہاں آپ منتظر ہی تھے۔ مجھے اندر لیجا کر اپنے ہاتھ سے کھانا کھلایا"۔

بڑے پیر صاحب فرماتے ہیں کہ اول مرتبہ جب میں بغداد سے قدم تجرید برج کے ارادہ سے روانہ ہوا تو میری جوانی کا زمانہ تھا۔ تنہا سفر کر رہا تھا کہ شیخ عدی ابن مسافر سے ملاقات ہوئی۔ وہ بھی جوان تھے ہم دونوں ساتھ ہوئے۔ راہ میں ایک روز ایک حبشی لڑکی ملی جو برقعہ پہنی ہوئی تھی اور میری طرف گھور رہی تھی۔ مجھ سے پوچھا کہ تم کہاں سے آرہے ہو میں نے کہا عجم سے اس نے کہا کہ تم نے مجھے آج بڑی تکلیف دی۔ میں نے پوچھا کیوں کر اس نے کہا میں حبشہ میں تھی کہ مجھے مشاہدہ ہوا کہ اللہ عزوجل نے تمہارے دل پر تجلی فرمائی اور اتنا کچھ عطا کیا جو کسی دوسرے کو نہیں دیا تھا۔ یہہ حال دیکھ کر میں نے تم سے ملنے کا ارادہ کیا۔ آج تم سے ملاقات ہوئی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ وہ لڑکی پھر ہم سے جدا ہو گئی۔ اور طواف کے وقت جب شیخ عدی پر اللہ عزوجل نے تجلی [illegible] تو میں نے دیکھا کہ وہی لڑکی [illegible] سرہانے کھڑی ہے [illegible] کہ جس نے نہیں مارا ہے وہی زندہ کیے [illegible] اسکے بعد طواف میں مجھ پر [illegible] واقع ہوئی اور باطن میں سنا کہ مجھ سے کچھ خطاب فرمایا [illegible]

ہے جس کا آخر یہ ہے کہ اے عبد القادر تجرید ظاہر کو چھوڑ دو اور تفرید توحید کو اختیار کرو اور لوگوں کو نفع پہونچانے کے لئے بیٹھ جاؤ۔ اس لئے کہ ہمارے ایسے خاص بندے ہیں جنہیں ہم تمہارے توسط سے شرف قرب بخشنگے میں اسی عالم میں تھا کہ اس لڑکی نے میری طرف رخ کر کے کہا میں نہیں جانتی آج تم پر کیا مہربانی ہے کہ تمہارے سر پر ایک نور کا خیمہ نصب کیا گیا ہے اور تمام اولیاء اپنی اپنی مقام سے تمہیں دیکھکر حیرت میں ہیں۔

آپ یہ کہا کرتے تھے کہ مجھ پر بہت سے ایسے بھاری بوجھ پڑا کرتے ہیں کہ اگر پہاڑ [illegible] پڑتے تو وہ پھٹ جائیں [illegible] بوجھ ہو جاتے ہیں تو میں اپنے پہلو کو زمین پر رکھکر یہ آیت تلاوت کرتا ہوں فان مع العسر یسراً ان مع العسر یسرا اس کے بعد جو سر اٹھاتا ہوں تو وہ سب بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔"

غرض کہ اس قدر مجاہدوں اور ریاضتوں کے بعد خدائے عزوجل نے جو مراتب عطا فرمانا چاہے آپ کو عطا فرمائے اور آپ کو حکم ہوا کہ منبر پر جاؤ اور وعظ کہو۔ اخبار الاخیار میں آپ کے زبانی اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے کہ "میں نے ایک مرتبہ حضرت جناب رسالت پناہی صلعم اور سیدنا حضرت علی کرم اللہ تعالی وجہہ کو خواب میں دیکھا کہ مجھے کلام کرنے کے لئے حکم فرماتے ہیں اور دونوں بزرگوں نے باری باری سے اپنا لعاب دہن میرے منہ میں ڈالا۔ اس کے بعد مجھ پر سخن کے دروازہ کھل گئے۔ آپ ۵۲۱ھ (پانسو اکیس ہجری) میں منبر پر تشریف فرما ہوئے اور وعظ کہنا شروع کیا۔

آں ترک عجم چوں زمے حسن طرب کرد | بر پشت سمند آمدہ وصید عرب کرد
چوں کاکل ترکانہ بر انداخت بمستی | غارت گری کوفہ و بغداد و حلب کرد

آپ کی مجلس میں تقریباً ایک لاکھ آدمی وعظ سننے جمع ہوتے تھے دور و نزدیک سب کے کانوں میں آپ کی آواز پہونچتی اور کئی سو آدمی آپ کا کلام نقل کرنیکے لئے بیٹھتے اور عالم ارواح و اجسام کے لوگ آپ کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے اور سینکڑوں یہودی و نصاریٰ اور اسلامی گمراہ فرقوں کے لوگ آپ کے ہاتھ پر

توبہ کرتے اور خدا اسے عزوجل کا راستہ تلاش کرتے تھے۔ آپ کے ان مواعظ کے مجموعے اب بعض بعض موجود ہیں مثلاً فتح الربانی و فتوح الغیب وغیرہ امام شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ آپ کے مدرسہ میں لوگ ایک سبق تفسیر کا ایک حدیث کا۔ ایک مذہب (یعنی مسائل فقہیہ) کا اور ایک علم کلام کا پڑھاتے تھے۔ اور دوپہر کے قبل و بعد دونوں وقت تفسیر و علوم حدیث و فقہ و کلام و اصول و نحو آپ لوگوں کو پڑھاتے تھے اور ظہر کے بعد قرأتوں کے ساتھ قرآن پڑھا کرتے۔ آپ کے فتوی علماء عراق کے سامنے پیش ہوا کرتے تو انہیں سخت تعجب ہوتا اور کہہ اُٹھتے کہ پاک ہے وہ ذات جس نے انہیں یہ نعمت عطا فرمائی۔

ایک شخص آپ کے پاس لایا گیا جس نے دعوی کیا تھا کہ میں نے اللہ عزوجل کو چشم سر سے دیکھا ہے۔ آپ نے اس سے پوچھا تو اس نے اقرار کیا تب آپ نے ڈانٹا اور ایسا کہنے سے منع کیا اور اس سے عہد لیا کہ پھر ایسا نہ کہیگا۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ یہ شخص سچ کہتا ہے یا بیہودہ بکتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہتا تو سچ ہے مگر شبہ میں پڑ گیا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس نے نور جمال کو اپنی بصیرت (چشم دل) سے دیکھا بعدہٗ اس کی بصیرت سے ایک چمک پردہ پھاڑ کر اس کی بصر (ظاہری بینائی) تک پہونچی پس اس نے اپنی ظاہری بینائی سے اپنی باطنی بینائی کو دیکھا۔ اس کی باطنی بینائی کی شعاعیں اس کے شہود کے نور سے متصل تھیں اس لئے اس نے گمان کیا کہ جس چیز کا شہود اسکی بصیرت کے سامنے ہوا تھا اُسے اس نے بصر سے دیکھا ہے حالانکہ اس نے صرف اپنے بصر کو اپنی بصیرت سے دیکھا تھا مگر اس نے نہ سمجھا۔ اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے۔ مرج البحرین یلتقیان بینہما برزخ لا یبغیان

جب آپ کی شہرت دور دور پھیل گئی تو بغداد کے اذکیا میں سے ایک سو فقیہہ علوم میں آپ کا امتحان لینے کو جمع ہوئے اور ہر ایک متعدد مسائل لے کر آپ کے پاس آیا۔ جب وہ سب بیٹھ گئے تو حضرت نے گردن جھکالی اور آپ کے سینہ سے نور کی ایک چمک ظاہر ہوئی جو سب کے سینوں پر سے گذری اور ان کے دلوں میں جو تھا سب محو ہو گیا۔ چنانچہ وہ ہکا بکا رہ گئے اور سخت بیقراری ہوئی پھر آپ نے

منبر پر تشریف لا کر ان کے تمام سوالات کے جواب دیے اور وہ متحیر آپ کے علم و فضل کا اعتراف کرتے ہوئے واپس ہوئے۔

امام شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مدرسہ نظامیہ (بغداد) میں فقرا و فقہا کی ایک جماعت آپ کے پاس جمع ہوئی اور ان کے سامنے آپ نے قضا و قدر پر تقریر کرنی شروع کی۔ اثنائے تقریر میں چھت سے ایک سانپ گرا۔ یہ دیکھ کر سب بھاگ کھڑے ہوئے اور آپ تنہا رہ گئے۔ وہ آپ کے کپڑوں میں گھس گیا اور جسم پر سے گذر کر گردن کے نزدیک اوس نے سر باہر نکالا اور گلے میں لپٹ گیا۔ یہ سب کچھ ہوا مگر آپ نے کوئی ہراس و اضطراب کے آثار ظاہر نہیں فرمائی اور باوجود اس کے نہ سلسلہ تقریر توڑا اور نہ اپنی نشست بدلی۔

آپ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے بہت بڑا نور نظر آیا جو سارے اُفق پر چھا گیا پھر اس میں سے مجھے ایک صورت یہ آواز دیتی ہوئی نمودار ہوئی کہ اے عبدالقادر میں تمہارا پروردگار ہوں اور میں نے تمہارے لئے حرام چیزوں کو حلال کر دیا۔ میں نے کہا لاحول و لا قوۃ الا باللہ دور ہو ملعون۔ پس فوراً وہ نور تاریکی بن گیا اور صورت دھواں ہو گئی اور آواز آئی کہ اے عبدالقادر تم اپنے علم اور اس آگاہی کے ذریعہ سے جو تمہیں اپنی منازلات کے احوال کے نسبت حاصل ہے اپنے پروردگار کے حکم سے مجھ سے بچ گئے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ ہی کے فضل سے ہے۔ آپ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کو کیونکر معلوم ہوا کہ یہ شیطان ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے اس قول سے کہ "میں نے تمہارے لئے حرام چیزوں کو حلال کر دیا"۔ آپ سے کسی نے پوچھا کہ سوارد الہیہ اور طوارق شیطانیہ میں تمیز کیوں کر ہو سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ سوارد الہیہ نہ تو استدعا سے آتے ہیں اور نہ کسی سبب سے جاتے ہیں اور نہ ایک طور پر اور نہ کسی خاص وقت میں آتے ہیں۔ اور شیطانی طوارق اکثر اس کے برخلاف ہوتے ہیں۔

ایک بار اثنائے وعظ میں آپ نے فرمایا کہ قدمی ہذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ

شیخ علی الہیتیؒ یہ سنکر منبر کے پاس آئے اور آپ کا قدم مبارک اپنی گردن پر رکھا اور آپ کے دامن میں اپنے تئیں چھپا لیا۔ کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ میں سے اس زمانہ میں کوئی ایسا نہ تھا جس نے سر تسلیم خم نہ کیا ہو۔ یہ کلام آپ نے اپنے طرف سے نہیں فرمایا تھا مگر آپ مامور ہوئے تھے کہ ایسا کہیں شیخ ابو سعید قلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس وقت حق سبحانہ تعالیٰ نے آپ کے قلب مبارک پر تجلی فرمائی تھی صاحب سفینۃ الاولیاء فرماتے ہیں ظاہر ہے کہ اس قسم کا دعویٰ خدائے عزوجل کے کمال عنایت بے نہایت سے رسول پاک صلعم کی فرزندی اور حمایت میں آپ نے فرمایا ہوگا۔ پس تمام اولیاء نے تواضع سے کام لیا۔ اور آپ کے فرمان کو قبول کیا اور یہ وہ مقام ہے جہاں پر کوئی ولی اس وقت تک نہیں پہونچا۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔

شیخ ابوالحسن قزوینی (قریشی؟) فرماتے ہیں کہ چار بزرگوں کو میں جانتا ہوں جو اپنی قبوریں سے زندوں کے مانند تصرف کرتے ہیں۔ شیخ معروف کرخیؒ۔ شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ۔ شیخ حیات بن قیس الحرانیؒ اور شیخ عقیل منبجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

شیخ عقیل منبجیؒ سے کسی نے کہا کہ بغداد میں ایک عجمی جوان عبدالقادرؒ نام مشہور ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ آسمان میں زمین سے زیادہ مشہور ہے۔ شیخ ابو مدینؒ مغربی کے بعض اصحاب نے بغداد جانے کا ارادہ کیا تو انہوں نے کہا کہ جب وہاں پہونچنا تو خبردار شیخ عبدالقادرؒ کی ترک ملازمت نہ کرنا خدا کی قسم تمام عجم میں انکے مثل کوئی نہیں پیدا ہوا اور تمام عراق میں ان کا سا کوئی دیکھا نہ گیا" مشرق زمین مباہات می کند با و بر مغرب و علم و کمال او برتر است از علم کمالات اولیائے دیگر اور جب آپ سے ملنا تو میرا سلام عرض کرنا اور کہنا کہ مجھے فراموش نہ فرمائیگا۔

آپ کے اخلاق یہ تھے کہ "ہیچ کس خوش خلق و شرمگیں و کریم و مہربان تر از آنحضرت نہ بودہ۔ چنانچہ ہر یکے از ہم نشیناں آنحضرت گمان بردے کہ از و نزد آنحضرت عزیز ترے نیست"۔ سائل کے سوال کو آپ کبھی رد نہ فرماتے بیماروں کی تیمارداری

اور یتیموں کی غمگساری فرماتے۔ جس پر نظر ڈالتے کچھ نہ کچھ ضرور عطا فرماتے اور اس نظر کا اثر ہمیشہ باقی رہتا اور دبدبہ وجلال کی یہ حالت تھی کہ کسی شخص کو آپ کے سامنے بات کرنے کی مجال نہ ہوتی مگر باوجود اس قدر جلیل القدر ہونے کے چھوٹے بچوں اور لڑکیوں کے پاس کھڑے ہو جاتے۔ شیخ ابوالقاسم بزاز سے روایت ہے کہ آپکے اخلاق رضیہ اوصاف زکیہ۔ نفس ادہیہ اور کف سخیہ" تھا۔ میں نے آپ سے زیادہ کوئی حیادار نہیں دیکھا۔ مہمانوں کے ساتھ کھانا کھاتے ضعیفوں کے ساتھ بیٹھتے۔ بدخوی پر صبر کرتے اور برائیوں سے درگذر کرتے تھے۔ اصحاب میں سے کوئی موجود نہ ہوتا تو اس کا حال پوچھتے مودت کا خیال رکھتے۔ کوئی قسم کھاتا تو سچ جانتے اور جو آپ کا علم اس کی بابت ہوتا اُسے پوشیدہ رکھتے تھے۔ فقیروں کے ساتھ بیٹھتے اور اُن کے کپڑوں سے جوئیں نکالتے تھے۔ تحفہ قادریہ میں شیخ ابوصالح نصر سے روایت ہے جو اپنے والد شیخ عبدالرزاق سے روایت کرتے ہیں کہ آپ علما کا لباس اور طیلسان پہنتے۔ خچر پر سوار ہوتے اور بلند منبر پر وعظ فرماتے تھے۔ آپ کے کلام میں سرعت۔ آواز میں جہر اور سخن میں قبولیت تمام ہوتی۔ جب آپ کلام آغاز فرماتے تو تمام حاضرین ساکت وصامت ہو جایا کرتے۔ جو سنگدل آپ کو دیکھتا نرم دل ہو جاتا۔ اور خشوع وخضوع اس میں پیدا ہو جاتا۔ جب آپ جمعہ کے روز مسجد تشریف لیجاتے تو راستہ میں بازاروں میں لوگ کھڑے ہو کر آپ سے اپنی دعاؤں میں توسل حاصل کیا کرتے تھے۔ شیخ ابوالفضل احمد بن قاسم اور شیخ ابوالفضل بزاز فرماتے ہیں کہ حضرت علما کا لباس نہایت قیمتی پہنتے تھے۔ آپ طعام اور لباس فاخرہ میں بہت اہتمام فرماتے حتی کہ اشرفی گز کا کپڑا پہنتے۔ یہ حال مرتبہ محبوبیت کے باعث تھا۔ فرماتے تھے کہ "میں کوئی عمدہ کپڑا نہیں پہنتا جب تک کہ مجھے قسم دیکر فرمایا نہیں جاتا اور کوئی اچھا کھانا نہیں کھاتا جب تک کہ قسم دیکر ارشاد نہیں ہوتا" وہذا شان المحبوب بادشاہوں اور اُن کے پاس بیٹھنے والوں کے بچھونے پر بیٹھنا آپ عذاب سمجھتے تھے۔ اور جب خلیفہ یا وزیر آتا تو گھر کے اندر جا کر برآمد ہوتے تا کہ فقیروں کی

آنکھوں میں طریقت کی عزت قایم رہے اور انہیں تعظیم نہ کرنی پڑے خود کبھی کسی وزیر یا بادشاہ کی پھاٹک کے اندر قدم نہیں رکھا اور ان سے کوئی حاجت نہیں طلب کی۔ اگر کوئی آپ کے پاس ہدیہ لاتا تو اسے قبول فرمالیتے مگر اس سے زیادہ اُس کا بدلہ کر دیتے تھے۔ نذر بھی قبول فرمالیتے تھے مگر اُسے اپنے استعمال میں نہیں لاتے تھے امرا کے اکثر نذر بھی نہیں قبول کرتے تھے۔ ابن الاخضرؒ فرماتے ہیں کہ جب ہم موسم سرما میں حضرت کے پاس جایا کرتے تھے تو جاڑے کے جاڑوں کے زمانہ میں دیکھتے تھے کہ آپ صرف ایک کرتہ اور ٹوپی پہنے ہوئے ہیں اور جسم سے پسینہ نکل رہا ہے اور پنکھا جھلنے والے آپ کو پنکھا جھل رہے ہیں۔

سید احمد بن ابو الحسن رفاعیؒ فرماتے ہیں کہ کس میں قدرت ہے کہ شیخ عبدالقادرؓ کے ایسے مناقب بیان کر سکے جو اُن کے مرتبہ کے موافق ہوں وہ ایسے شخص ہیں کہ اُن کے ایک جانب شریعت کا دریا اور دوسری جانب حقیقت کا دریا ہے۔ جس جگہ چاہتے ہیں غوطہ لگاتے ہیں۔ آپ اپنے مریدوں کو وصیت کیا کرتے تھے کہ جب بغداد شریف جاؤ تو شیخ عبدالقادر سے سب سے پہلے ملو خواہ آپ بقید حیات ہوں خواہ وفات پا چکے ہوں۔ کیونکہ اُنہوں نے اللہ جل شانہٗ سے عہد لیا ہے کہ اگر کوئی بغداد آئے اور مجھ سے نہ ملے تو اُس کے احوال سلب ہو جائیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ حسرت ہے اُس شخص کے لئے جس نے شیخ عبدالقادرؓ کو نہ دیکھا۔

شیخ علی الہیتیؒ فرماتے ہیں کہ آپ کے قدم حول و قوت سے تبری کے ساتھ تفویض و موافقت پر جمے ہوئے تھے اور آپ کا طریقہ موقف عبودیت میں حاضر رہنے کے ساتھ توحید کی تجرید اور تفرید کی توحید تھا۔ نہ کسی چیز کے ذریعہ سے اور نہ کسی چیز کے لئے۔ شیخ عدی بن مسافرؒ کہتے ہیں کہ شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طریقہ مجاری اقدار کے نیچے قلب و روح کی موافقت کے ساتھ گھلتے رہنا۔ باطن و ظاہر کا ایک ہونا۔ اور خیال نفع و ضرر اور نزدیکی و دوری کے اُٹھ جانے کے ساتھ نفس کی صفات سے باہر نکل جانا ہے۔ شیخ بقا بن بطوؒ فرماتے

ہیں کہ شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طریقہ قول وفعل نفس و وقت کا ایک ہوجانا
اخلاص وتسلیم سے ہم آغوش رہنا۔ ہر سانس خطرہ و واردیں اللہ عزوجل کے ساتھ
ثابت رہنا اور ساتھ ہی ساتھ کتاب وسنت کی موافقت کرنا ہے۔ ایک روایت
میں ہے کہ آپ کا طریقہ توحید تھا وصفاً وحکماً وحالاً اور اُن کی تحقیق شریعت تھی ظاہراً
وباطناً اور ان کا وصف یہ تھا یعنی قلب فارغ ہستی غائب اور پروردگار حاضر کا شاہد
ایسے باطنی علم کے ساتھ جو شکوک کے کشاکش سے پاک ہو اور ایسے راز کے ساتھ جس میں
اغیار نزاع نہ کریں۔ اور ایسے قلب کے ساتھ جس سے مشاہدہ کے آثار جدا نہ ہوں۔
تکملہ میں ہے کہ ۵۵۵ھ پانسو پچپن ہجری میں ایک مرتبہ تقریباً دس ہزار آدمی آپ کی مجلس
میں حاضر تھے کہ شیخ علی الہیتی پر نیند کا غلبہ ہوا اور آپ سو گئے۔ حضرت شیخ عبدالقادر
ممبر پر سے نیچے اتر آئے اور اُن کے سرہانے ہاتھ باندھ کر ادب سے کھڑے ہوگئے
جب وہ بیدار ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ حضرت پیغمبر خدا صلعم کو خواب میں دیکھا انہوں
نے کہا سبحان اللہ جو مجھے خواب میں نظر آتا ہے آپ کو بیداری میں نظر آتا ہے۔ شیخ
ابوالمکارمؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز بڑے پیر صاحبؓ واصلوں کے مقامات اور
عارفوں کے مشاہدہ کا ذکر فرما رہے تھے اور ہر شخص کے دل پر ایک شوقیہ کیفیت
طاری تھی۔ میرے دل میں یہ خیال گذرا کہ اس مراد تک کس راستے سے رسائی ہو سکتی
ہے۔ آپ نے فی الفور میری طرف رُخ کر کے فرمایا اے ابوالمکارم تم میں
اور تمہاری مراد میں دو ایک قدم سے زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔ ایک قدم ترک دنیا
ہے اور دوسرا قدم ترک نفس۔

طبقات الکبریٰ میں ابوالفتح ہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ
میں نے چالیس سال شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت کی اور انہوں
نے اس مدت میں برابر عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی۔ اُن کی عادت تھی کہ اگر
وضو ٹوٹتا تو فوراً تازہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ لیتے۔ آپ عشا کی نماز پڑھ کر خلوت
میں چلے جاتے اور جب صبح ہوتی تو باہر تشریف لاتے تھے۔ ابوالفتح ہرویؒ کہتے

ہیں کہ ایک شب میں اُن کے پاس رہا دیکھا کہ اول شب میں آپ نے تھوڑی نمازیں پڑھیں۔ جب تہائی رات گذر گئی تو اللہ جل شانہٗ کا ذکر شروع کیا۔ المحیط الرب الشہید الحسیب الفعال الخلاق الخالق الباری المصور کہتے۔ اور کبھی آپ کا جسم چھوٹا ہو جاتا اور کبھی بڑا کبھی ہوا میں بلند ہو کر میری نظر سے غائب ہو جاتے اور کبھی کھڑے ہوئے نماز میں تلاوۃ قرآن کرتے نظر آتے یہاں تک کہ دو ثلث رات گذر گئی۔ پھر بہت ہی طویل سجدے کئے۔ زاں بعد قبلہ رُخ ہو کر پو پھوٹنے تک مشاہدے اور مراقبے میں مشغول رہے اس کے بعد دعا کرنا گڑگڑانا اور اپنی خواری جتلانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ایک نور نے انہیں ڈھانک لیا اور وہ دکھائی نہیں دیتے تھے۔ اسی اثنا میں میں نے آپ کے پاس السلام علیکم السلام علیکم کی آوازیں سنیں اور جواب بھی سنے۔ یہاں تک کہ آپ صبح کی نماز کے لئے باہر تشریف لائے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

امام شعرانی کی کتاب طبقات الکبریٰ اور ملا جامی کی کتاب نفحات الانس وغیرہ سے انتخاب کر کے آپ کے بعض اقوال ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

آپ نے فرمایا ہمت اس کا نام ہے کہ بندہ اپنے نفس سے دنیا کی محبت نکال ڈالے اور روح سے آخرت کا تعلق دور کر دے اور اپنے قلب میں آقا کے ارادہ کے سامنے اپنا ارادہ فنا کر دے اور باطن میں اس سے مجرد ہو جائے کہ ہستی کی طرف کچھ بھی وہ نگاہ کرے یا اس کا خیال پیدا ہو۔ آپ نے فرمایا دنیا کو دل سے نکال کر ہتھیلی پر رکھ لو تب وہ تم کو نقصان نہ پہونچا ئیگی۔

آپ نے فرمایا شکر کی حقیقت یہ ہے کہ منعم (نعمت دہندہ) کی نعمت کا عاجزی اور فروتنی سے اقرار کرے۔ صابر فقیر اللہ جل شانہٗ کے نزدیک شاکر مالدار سے افضل ہے اور شاکر فقیر دونوں سے افضل ہے اور صابر و شاکر فقیر تینوں سے بہتر ہے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ خوش اخلاقی کسے کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ حق کا مطالعہ کرنے اور اپنے نفس اور اس کی تدبیروں کو چھوٹا سمجھنے۔ اس کے عیبوں کو جان لینے

اور خلق کو اور ان کی چیزوں کو اس ایمان اور حکمت پر نظر کر کے جو اُن میں ودیعت ہیں بڑا سمجھ لینے کے بعد تم میں خلق کی جفا اثر نہ کرے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ بقا کیا چیز ہے آپ نے فرمایا کہ بقا تو بقاہی کے ساتھ ہے اور بقا آنکھ جھپکنے کی طرح ہوتی ہے یا اس سے بھی کم اور اہل بقا کی نشانی یہ ہے کہ اس وصف میں کوئی فانی شئے اُن کے ساتھ نہیں ہوتی۔ آپ نے فرمایا کہ جب تم اُس کا ذکر کرو تو محبت کرنیوالے ہو اور جب تم اپنا ذکر اُس سے سنو تو محبوب ہو اور خلق تمہارے اور تمہارے نفس کے درمیان پردہ ہے۔ جبتک تم خلق کو دیکھتے رہو گے اپنے نفس کو نہ دیکھو گے اور جبتک تم اپنے نفس کو نہ دیکھو گے اپنے رب کو نہ دیکھو گے۔

آپ اپنے اصحاب (یعنے مریدوں) سے فرمایا کرتے تھے کہ تقلید کرو اور بدعت نہ کرو۔ اطاعت کرو اور مخالفت نہ کرو۔ صبر کرو اور گھبراؤ نہیں ثابت قدم رہو اور پراگندہ نہ ہو۔ منتظر رہو اور نا اُمید نہ ہو متفق ہو کر ذکر کرو اور متفرق نہ ہو۔ گناہوں سے پاک رہو اور آلودہ نہ ہو اور اپنے آقا کے دروازہ سے نہ ٹلو۔

آپ کا قول ہے کہ تم میں سے جب کوئی کسی بلا میں مبتلا ہو تو چاہیئے کہ جدوجہد کرے۔ اگر اس سے مخلصی نہ ہو تو حاکموں سے مدد لے۔ اگر اس پر بھی رہائی نہ ہو تو اپنے رب کی طرف رجوع ہو۔ دعا کرے۔ گریہ و زاری کرے اور اس کے سامنے اپنے آپ کو ڈالدے۔ پھر بھی اگر اس کی سنی نہ جائے تو یہاں تک صبر کرے کہ سارے اسباب و حرکات اس سے منقطع ہو جائیں اور وہ صرف ایسی روح رہ جائے کہ حق جل وعلاہی کا فعل اسے دکھائی دینے لگے۔ پس وہ یقیناً موحد ہو جائیگا اور یقین کرے گا کہ سوائے اللہ عزوجل کے کوئی فاعل حقیقی نہیں ہے۔ اور جب اس کو وہ مشاہدہ کرے گا تو اللہ جل وعلیٰ اس کے کام کا متکفل ہو جائیگا اور وہ ایسے عیش و مزے کی زندگی بسر کریگا جو بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں اور کبھی اس کا نفس خدائے بزرگ و برتر کے نافذ کئے ہوئے احکام سے متنغص نہ ہوگا۔

آپ کا قول ہے کہ جب تم خلق سے مرے تو کہا جائیگا کہ "خدائے عزوجل تم پر

رحم کرے اور تم کو تمہاری خواہشوں سے موت دے"۔ پھر جب تم اپنے ارادہ اور
آرزو سے مر جاؤ گے تو کہا جائیگا کہ "اللہ جل شانہٗ نے تم پر رحم کیا اور تم کو زندہ کیا"
تب تم ایسی پاک زندگی بسر کرو گے جس کے بعد موت نہیں۔ اور ایسے مالدار ہو جاؤ گے
جس کے بعد افلاس نہیں اور ایسا عطیہ پاؤ گے جس کے بعد انکار نہیں اور وہ علم تم
کو حاصل ہوگا جس کے بعد جہل نہیں۔ ایسا امن پاؤ گے جس کے بعد خوف نہیں اور ایسی
سرخ گندھک (یعنے نایاب شے) بن جاؤ گے جو ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے۔ آپ فرماتے
ہیں اولیاء کی نفسانی خواہشوں سے حفاظت کی جاتی ہے اور ابدال کی ارادوں
سے کسی حال یا مقال کو اپنے طرف منسوب نہ کرو اور ان میں سے کسی کا دعویٰ نہ کرو
اور کسی کو اس کی اطلاع نہ دو۔ اس کی نگہداشت کرو۔ پھر اگر اس میں بقا نظر آئے تو سمجھو
کہ بخشش ہے اور شکر کرو اور خدا سے توفیق چاہو۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم بادشاہ کے گھر میں جانا چاہتے ہو تو ہوا و ہوس
کے ذریعہ سے مت جاؤ جب تک کہ تم کو جبر سے نہ لیجائیں۔ اور صرف اندر آنے کے
حکم پر قانع نہ ہونا کیونکہ ممکن ہے کہ یہ مکر ہو بلکہ اوس وقت تک صبر کرو۔ جب تک
کہ تمہیں زبردستی اندر نہ لیجائیں۔ یہ بادشاہ کا فضل ہوگا۔ اس وقت وہ تم کو کسی فعل
پر سزا نہ دیگا۔ پھر جب تم گھر میں داخل ہو جاؤ تو سر جھکائے ہوئے اور آنکھیں نیچی کئے
ہوئی ادب سے رہو اور اوس خدمت کی محافظت کرو جس کا تمہیں حکم دیا جائے۔
اور ترقی کے طالب نہ ہو نہ درمیانی طبقہ پر اور نہ اعلیٰ طبقہ پر کیونکہ نعمتیں تمہاری قسمت
میں ہیں وہ تو ضرور ہی ملیں گی۔ پس جب یہ نعمتیں ملیں تو ذکر و شکر میں لگ جاؤ۔ اگر تم پر
مصیبت آئے۔ تو صبر اور موافقت رضا سے کام لو اور اس صبر سے مزے لینے اور
اوس رضا میں معدوم و فنا ہو جانے میں بے اندازہ حالات جو نعمتیں عطا ہوں ان میں مشغول رہو
اور ان میں منتقل ہوتے رہو۔ یہانتک رفیق و اعلیٰ تک پہونچ جاؤ اور صدیقین اور شہدا کے
ماسبق کے قائم مقام کر دئے جاؤ۔ جو نعمت و عافیت اس نے تم کو دی ہے اسے
حقیر جان کر اللہ تعالیٰ کی شکایت سے پرہیز کرو نہیں تو وہ تم سے خفا ہو جائے گا۔

اور جو ہے اس کو بھی تم سے لے لیگا۔

آپ کا قول ہے کہ حق تعالیٰ کا اپنے بندہ کے سوال کو قبول نہ کرنا صرف بندہ پر ہی شفقت کی وجہ سے ہے تاکہ اس پر اُمید و غرور غالب نہ آجائے جس سے وہ مکر میں پڑ کر ادب خدمت کی بجا آوری سے غافل ہو کر ہلاک ہو جائیگا بندہ سے صرف یہی مطلوب ہے کہ اپنے رب کے سوا کسی طرف مائل نہ ہو۔

آپ امر معروف و نہی منکر و ترک ماسوی اللہ پر بہت تاکید فرماتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جو آخرت چاہے اُسے دنیا سے اور جو اللہ عزوجل کو چاہے اُسے عقبیٰ سے زہد اختیار کرنا لازم ہے۔ کل جہتوں سے اندھے بن جاؤ اور ان میں سے کسی ایک سے بھی تعلق مت رکھو۔ کیونکہ جب تک تم انکو پیش نظر رکھو گے اس وقت تک اللہ جل شانہٗ کے فضل کا دروازہ تم پر بند رہے گا۔ اس لئے تمام جہات کو اپنی توجہ سے بند کردو اور انہیں اپنے یقین سے بعدہ اپنی فنا سے بعدہٗ اپنے محو سے بعدہٗ اپنے علم سے مٹا دو تب جاکر تمہارے قلب کی آنکھوں کے سامنے جہتوں کی جہت کھلے گی اور یہ خدائے کریم کے فضل کی جہت ہو گی بس تم اس جہت کو اپنی چشم سر سے دیکھو گے اور اس کے بعد نہ تم فقر پاؤ گے نہ غنا۔ شیخ علی بن ہیتیؒ فرماتے تھے کہ کسی خرقہ کو میں نے آپ کے خرقہ سے بابرکت تر اور کسی طائفہ کو آپ کے طائفہ سے سرفراز تر نہیں دیکھا۔ اور کوئی دن اس روز سے مبارک تر نہیں ہوتا۔ جس میں آپ کا جمال میں دیکھتا ہوں آپ کی کرامتیں بحید و نہایت ہیں نفحات الانس میں امام یافعیؒ کا یہ قول مذکور ہے۔ کہ شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامتیں بیرون از حصر ہیں اور مشہور اماموں میں سے ایک سے میں ملا تھا جنہوں نے کہا کہ آپ کی کرامتیں تواتر یا نزدیک بہ تواتر تک پہنچی ہیں اور باتفاق مشائخ یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ مشائخ آفاق میں سے کسی کی بھی کرامتیں اتنی ظاہر نہیں ہوئیں جتنی کہ آپ کی"۔

سفینۃ الاولیاء میں آپ کا حلیۂ مبارک کتب معتبرہ سے نقل کرکے یہ لکھا ہے کہ "آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نحیف البدن میانہ قد چوڑا سینہ۔ کشادہ پیشانی، مدہم گندم گون،

پیوستہ ابرو تھے۔ آواز مبارک بلند تھی۔ اور علماء کا لباس پہنا کرتے تھے۔ کبھی طیلسان پہنتے اور کبھی ایسا جامہ کہ جس کی قیمت فی گز ایک دینار یا اس سے کچھ زیادہ ہوتی زیب تن فرماتے سلاطین کے سوا جو کوئی آپ کے لئے ہدیہ لاتا قبول فرماتے اور اسی وقت تقسیم فرما دیتے شیخ ابو المعالی محمد کے تحفہ قادریہ میں بروایت شیخ ابو سعید درج ہے کہ آپ ادہم اللون یعنی ادہم سانولے رنگ کے تھے لیکن بروایت شیخ ابو محمد عبد اللہ لکھا ہے کہ آپ اسمر اللون تھے غالباً آپ کا ابتدا اور رنگ مبارک گیہواں ہوگا مگر کثرت مجاہدہ و ریاضت کے وجہ سے آخری عمر میں سانولا ہوگیا ہوگا۔ آپ یہ مناجات فرمایا کرتے تھے۔

مناجات:۔ ملکا پادشاہا زبان ما را بہ ذکر فاذکروا اللہ ذکرا کثیرا گویا دار و دیدہ ما را بنور فانظر الی آثار رحمۃ اللہ بینا نما۔ گوش ما را باستماع قرأت القرآن فاستمعوا له شنوا ساز و سینہ ما را از وسواس یوسوس فی صدور الناس بپرداز دست ما را از گرفتن لقمہ حرام لا تاکلوا اموالکم بالباطل نگاہدار و پائے ما را بقدم ان لھم قدم صدق ثابت قدمی دہ۔ فرزندان ما را در مکتب الرحمن علم القرآن بہ تعلیم عنایت مشرف کن و آبا و امہات و اجداد ما را کہ اسیر زندان عصیان اند بہ بشارت یبشرھم ربھم برحمۃ اللہ مخصوص فرما۔ وقت ما را از غارت ان الملوک اذا دخلوا قریۃ افسدوھا دور دار۔ و ظاہر و باطن ما را بہ زیور۔ ان اللہ یامر بالعدل والاحسان مزین گرداں بحرمت نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم۔

ذیل میں آپ کے صرف چار پانچ مکتوب نقل کئے جاتے ہیں جنکا مطالعہ فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ ان سے یہ معلوم ہوگا کہ کس قدر آپ کو قرآن پاک پر عبور تھا۔ آپ کا قول بھی قرآن پاک سے ہوتا تھا۔ اور آپ کا فعل بھی۔

مکتوب اول در ہدایت جذبہ حق و نہایت آں۔ اے عزیز چوں برق شہود از حدقہ غمام فیض یھدی اللہ بنورہ من یشاء درخشیدن گیرد و روائح وصول از مہب عنایۃ یختص برحمتہ من یشاء در وزیدن آید ریاحین انس در ریاض قلوب بشگفند۔ و بلابل شوق در بساتین ارواح بنغمات یا اسفی علی یوسف چوں

ہزار داستان در ترنم آید و نیران اشتیاق در کوانین سرائر شعلہ بزند و اطیار افکار در فضاء
عظمت از غایت طیران بے پر شود و فحول عقل در بوادی معرفت پے گم کنند و قواعد
ارکان افہام از صدمت ہیبت در تزلزل آید و سفن عزائم در بحار وما قدروا اللّٰہ حق
قدرہٗ بریاح وھی تجری بھم فی موج کالجبال در لجج حیرت فرو ماند امواج
دریائے عشق یحبھم ویحبونہٗ در تلاطم آید ہر یکے بزبان حال ندا کنند رب انزلنی
منزلاً مبارکا و انت خیر المنزلین سابقہ عنایت ان الذین سبقت لھم
منا الحسنیٰ در رسد و ایشاں را بر ساحل جودی فی مقعد صدق فرود آرد و در مجلس
مستان بادہ الست رساند و بادۂ نعیم للذین احسنوا الحسنیٰ و زیادۃ در پیش را کشد
و کوس وصول از جام قرب بایدی سفرۃ و سقٰھم ربھم شرابا طھورا
گردان شود و ملک ابدی و دولت سرمدی و اذا رأیت ثم رأیت نعیما و ملکا کبیرا
بمشاہدہ گردد۔

مکتوب دیگر مشتمل بر خوف و ثمرۂ آں اے عزیز بترس ازاں روز کہ یوم
یفر المرء من اخیہ وامہ وابیہ وصاحبتہ وبنیہ و محاسبہ وان تبدوا
ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللّٰہ اندیشہ کن و چوں اولٰئک کالانعام
بل ھم اضل بحظوظ نفسانی مشغول مباش و سر در مراقبہ فاذکرونی اذکرکم فرو بر و دیدۂ
دل در مشاہدہ وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ بکشائی و نظارہ کن و از نعیم ولکم
فیھا ما تشتھی انفسکم ولکم فیھا ما تدعون یاد آور شاید کہ ندائے داعی
واللّٰہ یدعوا الی دار السلام در گوش ہوش تو افتد از خوابگاہ انما الحیوۃ الدنیا
لعب ولھو بیدار گردی و در طلب درجات والسابقون السابقون اولئک
المقربون فی جنات النعیم از سر قدم بتازی و مرکب زجان و دل در سازی تا منزل الطاف
اللّٰہ لطیف بعبادہ باہزاران اطباق ہدایائے لھم البشریٰ ترا پیش آید و عساکر
امداد و للّٰہ جنود السموات والارض ہمراہ تو شود بر لشکر اعدائے ان الشیطان
للانسان عدو مبین فرود آئی و از دام ہوائے نفس کہ ان النفس لامارۃ

بالسوءِ خلاص یابی ولوح دل را از لطائف اسرار واتقوا اللہ و یعلمکم اللہ مرقوم گرداند۔ و مرغ روح از حظائر قدس باد آرد و در فضائے سالک فاسلکی سبل ربك ذللا بجناح شوق در پرواز آید و از اثمار انس در بساتین کلی من کل الثمرات محفوظ گردد و آئینہ سر تو از لوامع تجلیات صفت نور گردد و سر یولج اللیل فی النہار مکشوف شود و روضۂ ضمیر تو از امطار مراحم وانزلنا من السماء ماء فانبتنا بہ جنات وحب الحصید سرسبز ہمچوں باغ ارم گردد و رموز و احیینا بہ بلدۃ میتا ترا منہم شود و استار فکشفنا عنك غطاءك فبصرك الیوم حدید از پیش تو بردارند و در مشاہدۂ کمال او فرومانی۔ گاہے در دریائے بے پایان ان اللہ لغنی عن العلمین مدہوش شوی و از سموم ہیبت فامنوا مکر اللہ درگرداب حیرت سرگردان مانی و گاہے از نسیم لطیف ولا تیأسوا من روح اللہ درگلبن محبت چوں عندلیب از معشوق در ترنم آئی و از غلبات وجد نعمہ انی لاجد ریح یوسف برکشی و حساد بزبان ملامت پیش آیند گویند تاللہ انك لفی ضلالك القدیم و چوں تاثیر القاہ علی وجھہ فارتد بصیرا ظاہر گردد ہر ہمہ با ہزاران نیاز در خواست کنند۔ استغفر لنا ذنوبنا انا کنا خاطئین و از سر صدق برخوانند کہ لقد اثرك اللہ علینا و تو در مقام مناجات آئی و بزبان حال گوئی کہ رب قد اتیتنی من الملك و علمتنی من تاویل الاحادیث فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنیا والاخرۃ توفنی مسلما والحقنی

مکتوب دیگر۔ در تحریص بر دفع غفلت و توبہ از معاصی اے عزیز پیش از تو تغافل کردن و بر حیات دنیا مغرور شدن و لیل سعادت نیست مگر خطاب ارضیتم بالحیوۃ الدنیا من الاخرۃ۔ بگوش جاں تو نہ رسیدہ است و از وعید ومن کان فی ھذہٖ اعمی فھو فی الاخرۃ اعمی واضل سبیلا ہیچ خوف نداری و از تہدید اقترب للناس حسابھم وھم فی غفلۃ معرضون ہیچ اندیشہ نمی کنی و از توبیخ من کان یرید حرث الدنیا نؤتہ منھا وما لہ فی الاخرۃ من نصیب ہیچ یاد نمی آری و از تنبیہ فاما من طغی واثر الحیوۃ الدنیا فان الجحیم ھی الماوی ہیچ انتباہ

حاصل نمی کنی۔ تا چند در بند غفلت سرگرداں و در بند شہوت بے سامان مانی ہیچے در صومعہ توبوالی اللہ در شو و در محراب وا نیبوا الی ربکم توجہ بہ آں حضرت کن و بلسان صدق و اخلاص برخوان کہ انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفا و ما انا من المشرکین تا نفائس اسرار وھو الذی یقبل التوبۃ عن عبادہ و یعفو عن السئیات از خزاین الطاف ان اللہ یحب التوابین و یحب المتطہرین و بمدارج معارج تعز من تشاء عروج بخشد و منادی اقبال بہ زبان حال ندا کند۔ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا فلا خوف علیہم ولا ھم یحزنون۔

مکتوب دیگر۔ در عجز و زاری و التجائے بحق تعالےٰ۔ عزیز تا جبینۂ اضطرار بر خاک نہی و از سحاب اعین ابدال حسرت نباری بوستان عیش تو ہرگز سر سبز نہ گردد و نخلستان امید تو بغیر آں مر بار ور نشود اغصان باوراق رضا در یا عین انس و ثمرات قرب کہ و انا لہ عندنا لزلفی وحسن مآب سر سبز نہ شود و بکمالیت نرسد و عندلیب قلب نغمہ شوق در ترنم نیاید و تا ہمائے فواد با جنحہ انی ذاھب الی ربی سیھدین از قفس لیس للانسان ما تمنی در پرواز نشود و از قضائے ولا تمدن عینیک الی ما متعنا بہ ازواجا منھم زھرۃ الحیوۃ الدنیا لنفتنھم فیہ عبور نکند ہرگز بہ سدرہ مقعد صدق عند ملک مقتدر نرسد و از اثمار اشجار لھم ما یشاؤن عند ربھم ہیچ برنخورد و از بستان واللہ عندہ حسن المآب مشام جام او نرسد و از گلزار نعیم لھم اجرھم عند ربھم وھو ولیھم بما کانوا یعملون برخورداری نیابد۔

مکتوب دیگر در توحید و ثمرات آں اے عزیز چوں فروغ نور صبح توحید از افق مشارق قلوب ظہور یابد کہ الصبح اذا تنفس و شموس عین الیقین بر افلاک سائر بروج روح استوا یابد کہ والشمس تجری لمستقر لھا ظلمات وجود بشریت در ضیاء انوار المعارف نورھم یسعی بین ایدیھم و بایمانھم۔ متواری شود و سر لویحا اللیل

فی الغفار ظاہر گرد و سابقہ عنایت اللہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمات الی النور نقاب ازپیش بردارد و لشکر شیطان کہ ان الشیطان لکم عدو مبین درمعرکہ فاتخذوہ عدوا با سپاہ خویش کہ زین للناس حب الشھوات من النساء والبنین بالشکر قلب معارض شود ایشاں از صدق حال بلسان اضطراب باز گویند ویضیق نفسی ولا ینطلق لسانی با ہزاران عجز درخواست کنند واعف عنا واغفرلنا وارحمنا انت مولانا فانصرنا علی القوم الکافرین وہاتف وعندہ مفاتح الغیب نداکند ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون امداد عساکروان جندنا لھم الغالبون باعلام اذا جاء نصر اللہ والفتح در رسد وطلیعہ انا فتحنا لک سیوف انا لننصر رسلنا والذین امنوا ازنیام نرفع درجات من نشاء برکشد وبر لشکر اعدا حملہ آورد و آثار فھزموھم باذن اللہ بظہور انجامد واخبار نصر من اللہ وفتح قریب متواتر گردد ومنادی حال ندا دردہند کہ قل اللھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شئ قدیر۔

آپ کی وفات صاحب سفینۃ الاولیاء کے بیان کے مطابق بزمانہ خلافت ابو المظفر یوسف بن مقتفی الملقب بہ مستنجد باللہ خلیفہ عباسی شب یکشنبہ آٹھویں یا نویں ربیع الثانی ۵۶۱ھ پانسو اکسٹھ ہجری کو بمقام بغداد واقع ہوئی۔ تاریخ کے متعلق کسی قدر اختلاف ہے۔ صاحب مراۃ الاسرار کے قول کے مطابق روز پنجشنبہ گیارھویں ربیع الثانی تاریخ وفات ہے مگر بعض لوگ تیرھویں کو اور بعض سترھویں ماہ مذکور کو آپ کی وفات بیان کرتے ہیں لیکن صاحب سفینۃ الاولیاء کہتے ہیں کہ نہم ماہ قول اصح ہے۔ عمر شریف بقول بعض نوے برس سات مہینے اور نو روز اور بقول بعض نواسی برس سات مہینے نو روز ہوئے۔ ہندوستان میں آپ کا عرس گیارھویں ربیع الثانی کو اور بغداد شریف میں سترھویں ربیع الثانی کو بالعموم ہوتا ہے۔ مزار مبارک بغداد شریف میں مرجع خاص و عام ہے۔ پیشتر گہ دیزار۔

آپ کے مزار مبارک پر خواجہ بہاء الدین نقشبندی قدس سرہٗ کا یہ قطعہ لکھا ہوا ہے

پادشاہ ہر دو عالم شاہ عبدالقادر است — سرور اولاد آدم شاہ عبدالقادر است
آفتاب و ماہتاب عرش و کرسی و قلم — نور قلب از نور اعظم شاہ عبدالقادر است

اس قطعہ کے علاوہ ذیل کے اشعار بھی مزار مبارک پر لکھے ہوئے ہیں ؎

ایں بارگہ حضرت غوث الثقلین است — نعوق قمر حیدر و نسل حسنین است
مادرش حسینی نسب ست و پدر او — اولاد حسنؓ یعنی کریم الابوین است

شیخ ابو نجیب سہروردی قدس سرہ العزیز

سرور علمائے زمانہ ۔ فخر صوفیائے یگانہ ۔ مفتی العراقین ۔ قدوۃ الفریقین مجمع البحرین امام الطائفتین ۔ امام عبدالقاہر ابوالنجیب ۔ ضیاء الملتہ والدین نجیب الدین سہروردی چھٹی صدی اسلامی کے سرگروہ صوفیہ اور سلسلہ عالیہ سہروردیہ کے سردار تھے ۔
صاحب سفینۃ الاولیاء لکھتے ہیں کہ "نسبت ارادت ایشاں بدوازدہ واسطہ بحضرت امیر المومنین می رسد و نسبت ارادت ایشاں بدو جانب است ۔ یکے بہ شیخ احمد غزالیؒ چنانچہ دریں سلسلہ مذکور شد دیگر بہ شیخ وجہ الدین ابوالحفص عم ایشاں" آپ خلیفہ بغداد المقتفی باللہ کے ہمعصر تھے ۔

آپ ۴۹۰ھ میں صفر کے مہینے میں بمقام سہرورد جو زنجان کے قریب ہے پیدا ہوئے ۔ اور عنفوان شباب میں وطن سے تشریف لا کر بغداد شریف میں سکونت اختیار فرمائی ۔ جامعہ نظامیہ بغداد میں آپ نے علوم ظاہری تحصیل فرمائے ۔ امام اسعد مہینی سے فقہ اصول فقہ و علم کلام پڑھا ۔ اور علامہ ابوالحسن سے نحو و ادب حاصل کیا ۔ امام بیہقی علامہ خطیب بغدادی اور امام قشیریؒ سے حدیث سنی ۔ نفحات الانس میں ہے کہ آپ نے افریقہ کا سفر فرما کر اسکندریہ میں شیخ الحدیث سے بخاری شریف سنی ۔ امام احدی کی تفسیر آپ کو زبانی یاد تھی ۔

صاحب سفینۃ الاولیاء فرماتے ہیں کہ آپ کو حضرت قطب ربانی محبوب سبحانی

شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی صحبت مبارک کا بھی شرف حاصل ہوا تھا۔ یہی نہیں بلکہ آپ سے فیض وخرقۂ تبرک بھی حاصل کیا تھا۔

بچپن ہی سے اپنے چچا حضرت شیخ وجیہ الدین کی صحبت اور تربیت کا اثر آپ میں موجود تھا۔ جب علوم ظاہری تحصیل فرما چکے تو بالکلیہ علوم باطنی کی طرف متوجہ ہو گئے اور درس وتدریس کا سلسلہ ترک کر کے فقرا کی صحبت اختیار کی۔ گویا وہ حصول علم کا زمانہ تھا اور اب یہ عمل کا زمانہ آیا اور چلّے اور مجاہدے شروع کئے۔ اپنے چچا کے بعد حضرت احمد غزالیؒ کی صحبت میں رہے اور منازل سلوک اُن کی خدمت میں طے فرمائیں گو بہجۃ الاسرار میں ہے کہ کشود کار آپ کو حضرت حماد دباسؒ کی برکت سے حاصل ہوا۔

آپ نے بہت سخت ریاضتیں کی ہیں اور بیان کیا جاتا ہے کہ پانی بھر کر عرصہ دراز تک اپنے اور اپنے اصحاب کی معیشت کا انتظام کیا ہے۔ ان تمام ریاضتوں اور مشقتوں کے بعد آپ نے مسند رشد وارشاد پر جلوہ فرمایا اور طالبان حق کی پیاس بجھانی شروع کی۔ آپ کی مجلس میں مخلوق کثیر حاضر ہوتی اور راہ ہدایت پاتی تھی۔

ابن خلکان لکھتے ہیں کہ آپ محرم ۵۴۵ھ میں سلطان مسعود سلجوقی اور خلیفہ بغداد کی استدعا پر مدرسہ نظامیہ کے صدر قرار پائے۔ لیکن کم وبیش دو سال سے زیادہ وہاں نہ رہے اور رجب ۵۴۷ھ میں آپ مستعفی ہو گئے۔ امام سبکیؒ فرماتے ہیں کہ آپ کی ذات مبارک کی برکت سے بہت سی خلقت نے فلاح پائی۔ حضرت شیخ الشیوخ عمر سہروردیؒ آپ کے برادر زادے شاگرد اور صاحب سجادہ تھے۔ ملا شیخ جمالی چشتی سہروردی فرماتے ہیں کہ خواجہ غریب النواز اجمیریؒ نے جب بغداد تشریف لائے تو حضرت شیخ ابو النجیب سہروردیؒ سے فیضان صحبت حاصل کیا مگر ملاقات کی یہ روایت شبہ سے خالی نہیں ہے۔

آپ کا اثر علماء ظاہر اور درویشوں ہی تک محدود نہ تھا بلکہ خلیفہ وقت اور سلاطین بھی آپ کی بہت عزت کرتے اور آپ کی بات مانتے تھے۔ جب الراشد باللہ ابو جعفر منصور خلیفہ ہوا تو حضرت شیخ نے اس سے بیعت حکومت ظاہری کرنے کے بعد بہت کچھ وعظ ونصیحت فرمائی اور عدل وانصاف وخدا ترسی کی ترغیب دی۔ کامل ابن اثیر

میں ہے کہ شیخ ابو نجیبؒ نے اس سے بیعت خلافت کی اور پند و نصیحت فرمائے اور مواعظ میں مبالغہ فرمایا۔

آپ کے شاگردوں اور مریدوں میں سے بعض کے نام یہ ہیں :۔

فقہا و محدثین۔

امام فخر الدین ابو علی واسطیؒ۔ قاضی ابو الفتوح تکریتی۔

حافظ ابن عساکر۔ زین العلما ابو البرکات محدث۔

و حافظ عبد الکریم سمعانی محدث۔

امام سمعانی کتاب الانساب میں لکھتے ہیں کہ میں شیخ (ابو النجیبؒ) کی خدمت میں بارہا حاضر ہوا اور آپ کا کلام سنکر مستفیض ہوا ہے۔ اور آپ کے کلمات طیبات بھی میں نے کچھ لکھے ہیں۔

مریدان خاص :۔ حضرت شیخ الشیوخ عمر سہروردیؓ۔ شیخ نجم الدین کبریؒ۔ شیخ روزبہان مصریؒ وغیرہ۔

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ آپ طیلسان یعنی سبز چادر اوڑھتے۔ عالموں کا لباس زیب بدن کرتے۔ خچر پر سوار ہوتے۔ اور لوگ آپ کا زین پوش پکڑ کر ساتھ ساتھ چلتے تھے۔ اور آپ کی بزرگی پر تمام مشائخ کا اجماع ہے آپ نے عمر کی بہتر منزلیں طے فرماکر سنہ ۵۶۳ پانسو ترسٹھ ہجری میں بمقام بغداد انتقال فرمایا۔ تاریخ میں کسی قدر اختلاف ہے ابن خلکان میں ہے کہ ۱۷ جمادی الثانی کو وفات ہوئی مگر صاحب سفینۃ الاولیا نے بارھویں جمادی الثانی تاریخ وفات لکھی ہے۔ نفحات الانس مطبوعہ نولکشور میں سنہ ۵۳۳ درج ہے جو غلط ہے غالباً کاتب نے غلطی سے ترسٹھ ۶۳ کی جگہ تینتیس ۳۳ لکھدیا ہے آپ تمام عمر بغداد ہی میں رہے اور وہیں آپ کا مزار ہے۔ یہ تبرک و یزار۔ آپ کے بعض کلمات طیبات طبقات الکبریٰ سے نقل کرکے یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ تصوف کا اول علم۔ اوسط عمل۔ اور آخر عطائے الٰہی ہے، پس علم تو مراد سے پردہ اٹھا دیتا ہے۔ عمل طلب میں مدد دیتا ہے اور عطائے الٰہی

نہائی اُمید تک پہنچا دیتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ احوال میں راستی و خلوص کا نگاہ رکھنا اور مقامات میں ادب کو کام میں لانا ضروری ہے۔ اسی سے منزلوں کے آداب کا مطالبہ ہوتا ہے اور ایسا ہی شخص صاحب تلوین کہا جاتا ہے کیونکہ یہ ایک حال سے دوسرے حال پر ترقی کرتا رہتا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ منتہی کے احوال میں تغیر نہیں ہوتا اور نہ احوال اس پر کوئی اثر کرتے ہیں۔ تنگی و فراخی۔ بخشش وجفا و وفا ہر حالت میں یکساں رہتا ہے۔ اس کے لئے بھوک اور کھانا۔ اور سونا اور جاگنا سب مساوی ہو جاتا ہے

آپ کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی مرید خلوت میں بیٹھتا تو اس کا حال پوچھتے روز آتے اور فرماتے کہ فلاں چیز کا تم کو کشف ہوگا اور تم کو یہ حالت حاصل ہوگی اور عنقریب تمہارے پاس اس صورت کا ایک شخص آئیگا اور تم سے یہ کہیگا۔ اس سے بچنا وہ شیطان ہے۔

شیخ احمد بن ابو الحسن رفاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

صاحب مراتب بزرگ صاحب مقالات سترگ، مظہر خوارق عجیبہ منبع احوال لطیفہ ملجائی دماوائی مطاعی فیروز زمانہ سید نا شیخ احمد بن ابو الحسن الرفاعی قدس سرہٗ العزیز عجائب روزگار بزرگوں میں تھے۔ صاحب نفحات الانس کہتے ہیں کہ آپ اولاد پاک نہاد حضرت موسیٰ کاظم سے۔

طبقات الکبریٰ میں ہے کہ آپ عرب کے ایک قبیلہ رفاعیہ کے طرف منسوب ہیں زمین بطایح جو عراقین کے بیچ میں ہے وہاں موضع ام عبیدہ میں سکونت رکھتے تھے اور وہیں انتقال فرمایا۔

بطایح میں مریدوں کی تربیت کا معاملہ آپ ہی سے ظاہر ہوا اور آپ کی صحبت سے ایک بڑی جماعت فیضیاب ہوئی۔ آپ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اپنے احوال کو مغلوب رکھا اور اپنے اسرار کے مالک بنے۔

آپ کے خرقہ کی نسبت پانچ واسطوں سے خواجہ ابو بکر شبلی قدس سرہٗ العزیز تک پہنچتی ہے یعنے آپ نے شیخ علی قادری سے انہوں نے شیخ ابو الفضل سے انہوں نے

شیخ ابوعلی غلام ابن ترکان سے۔ انہوں نے شیخ علی رودباری سے انہوں نے شیخ مجلی عجمی سے اور انہوں نے شیخ ابوبکر شبلی سے (رضوان اللہ علیہم اجمعین) خرقہ حاصل کیا۔

آپ کی دعا تھی کہ خداوندا صاحب لواء محمود کی برکت سے ہمیں ان لوگوں میں سے بنا جنھوں نے اپنے فرط ذلت سے تیرے دروازہ پر اپنے نرم رخسار بچھادیے۔ اور خجالت سے اپنے سر جھکائے اور اپنی پیشانیاں سجدہ میں ڈالدیں۔ آمین۔ آپ کے جسم پر جب مچھر بیٹھتا تو نہیں اُڑاتے اور کہتے کہ اسے خون پی لینے دو جسے اللہ تعالیٰ نے اس کی قسمت میں لکھا ہے۔ ایکمرتبہ انکی آستین پر بلی سورہی تھی۔ نماز کا وقت آگیا تو بلی کو نہیں اٹھایا بلکہ آستین کاٹ دی اور نماز کے بعد پھر اُسے سی لیا۔ ایک مرتبہ ایک خارشتی کتا جسے ام عبیدہ کے لوگ باہر نکال آئے تھے انہیں ملا۔ آپ اس کے ساتھ جنگل تک گئے۔ اس کے لئے سائبان بنایا اور جبتک اچھا نہ ہوگیا بدن پر تیل لگاتے کھانا کھلاتے اور اس کی خارشت کو چیتھڑوں سے صاف کرتے رہے۔

سعدی سہ ازاں بر ملائک شرف داشتند   کہ خود را بہ از سگ نہ پنداشتند

عبادت بجز خدمت خلق نیست   بہ تسبیح وسجادہ و دلق نیست

امام شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سیدی احمدؒ کو چار پایوں اور جانوروں کی خدمت پر مکلف و مامور فرمایا تھا۔ یہ مجذوموں اور اپاہجوں کے پاس جایا کرتے انکے کپڑے دھوتے سر اور داڑھیوں میں کنگھی کرتے۔ ان کے لئے کھانے لاتے اور ساتھ خود بھی بیٹھکر کھاتے تھے۔ اوران سے دعا کے طالب ہوتے اور کہا کرتے کہ ایسے لوگوں کی زیارت مستحب نہیں بلکہ واجب ہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے کہا کہ کیا اللہ جل شانہ کے ہزار نام ہیں آپ نے فرمایا یہ نہ کہو بلکہ یہ کہو کہ جسقدر اُس نے پتیاں ذرات ریگ وغیرہ اشیا ء پیدا کی ہیں اُسی قدر اُس کے نام ہیں۔ ایک مرتبہ چند لڑکوں کے پاس سے آپ کا گذر ہوا جو آپس میں لڑرہے تھے۔ آپ نے بیچ بچاؤ کردیا اور ایک سے پوچھا کہ تم کس کے بیٹے ہو

اُس نے جواب دیا کیوں فضول بکتے ہو۔ پس بار بار آپ اس کا اعادہ فرماتے اور کہتے میاں لڑکے خدائے عزوجل تمہیں جزائی خیر دے تم نے مجھے ادب سکھایا۔ جو شخص آپ کو ملتا اُسسے سلام کرنے میں سبقت کرتے اور اپنے لڑکے سے کہا کرتے تھے کہ اگر تم میرے جیسے کام نہ کیا کروگے تو نہ میں تمہارا باپ اور نہ تم میرے بیٹے۔ اگر کسی گاؤں میں کسی کو آپ بیمار سنتے تو کتنا ہی دور ہوتا اسکی عیادت کو جاتے اور ایک یا دو دن کے بعد واپس ہوتے۔ راستے میں آپ اندھوں کے انتظار میں بیٹھے رہتے اور جب کوئی اندھا آتا تو اس کا ہاتھ پکڑ کر چلتے اور جب کسی بہت بوڑھے کو دیکھتے تو اس کے محلہ میں جاتے اور اہل محلہ سے اس کی سفارش کرتے اور کہتے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ جس نے سفید بال والے بوڑھے مسلمان کی تعظیم کی اللہ جل شانہ اس کے لئے ایسے شخص کو مسخر کردیگا جو بڑھاپے میں اُس کی تعظیم کریگا۔

آپ جب سفر سے واپس آتے اور ام عبیدہ کے قریب پہونچتے تو کمر باندھ لیتے اور ایک رسی نکالتے جو پہلے سے موجود رہتی تھی اور لکڑیاں جمع کرکے اپنے سر پر اٹھالیتے اور انہیں ایسا کرتے دیکھکر سب فقرا بھی یہی کرتے اور آبادی میں پہونچکر وہ لکڑیاں بیواؤں۔ مسکینوں۔ اپاہجوں۔ بیماروں۔ اور بوڑھوں کو تقسیم کردیتے۔ آپ کبھی برائی کا معاوضہ بُرائی سے نہیں کرتے تھے۔ ایک شخص نے آپ کو ملحد۔ کتّے اور دجّال کہا۔ آپ نے سر برہنہ کرکے اس کے سامنے زمین کو بوسہ دیا اور کہا کہ اے میرے سردار اپنے غلام کو معاف کردو اور مجھ سے راضی ہو جاؤ۔ ایک دن آپ نے اپنے یاروں (مریدوں) سے کہا کہ مجھ میں جو کوئی عیب تمہیں نظر آئے اس سے مجھے آگاہ کردو یہ سنکر ایک شخص نے کہا آپ میں ایک بہت بڑا عیب ہے۔ آپ نے پوچھا بھائی جان وہ کیا ہے۔ اس نے کہا کہ ہم جیسے آپ کے اصحاب ہیں۔ یہ سنکر بہت روئے اور کہنے لگے کہ میں ہی تمہارا خادم ہوں اور تم سب سے کمتر ہوں۔ آپ کی انکساری کی یہ حالت تھی کہ نہ سجادہ پر بیٹھتے اور نہ کسی مجلس کے صدر میں بیٹھتے۔ بہت ہی کم بولتے اور فرماتے کہ مجھے خاموش رہنے کا حکم ہے۔

آپ کے خادم یعقوبؒ فرماتے ہیں کہ جب سیدی احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مرض موت لاحق ہوا تو میں نے اُنسے کہا کہ اب کی بار شاید دلہن نے جلوہ کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ہاں پھر میں نے پوچھا کہ کیوں۔ فرمایا وہ امور پیش آئے جن کو میں نے جان کے بدلے خریدا یعنے خلق اللہ پر ایک بڑی آفت آنیوالے تھے۔ میں نے اپنی جان دیکر اسے خریدلیا۔ آپ بیماری میں چہرہ اور سفید بالوں کو خاک پر ملتے اور عفو عفو کہتے تھے۔ آپکو دستوں کی بیماری ہوئی تھی گو بیس دن سے کچھ نہیں کھایا تھا مگر بکثرت دست آئے۔ لوگوں نے پوچھا حضرت یہ دست کہاں سے آتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ گوشت خارج ہو رہا ہے اور صرف ہڈیوں کا مغز رہ گیا ہے آج وہ بھی نکل جائیگا۔ اسکے بعد پنجشنبہ کے دن ظہر کے وقت بارھویں جمادی الاول ۵۷۸ھ پانسو ستر ہجری کو راہی ملک بقا ہوئے۔ آخری کلمہ جو زبان مبارک سے نکلا کلمہ شہادت تھا۔ ام عبیدہ میں شیخ یحییٰ بخاری کے مقبرہ میں دفن ہوئے رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ۔

آپ شافعی المذہب تھے اور شیخ ابو اسحٰق شیرازی کی کتاب التنبیہ پڑھی تھی آپکے کلمات طیبات میں سے ہے کہ مرد متمکن اسے کہتے ہیں کہ اگر دنیا کے سب سے بلند پہاڑ پر اس کا نیزہ گاڑ دیا جائے اور آٹھوں طرف کی ہوائیں چلیں تو بھی اس میں تغیر نہ آئے آپ کا قول ہے کہ زہد احوال پسندیدہ اور مرتبہ ہائے بلند کی بنیاد ہے۔ اللہ عزوجل کا قصد کرنیوالوں میں سب کو چھوڑ کر اسی کے ساتھ ہو جانیوالوں۔ اس سے راضی رہنے والوں اور اسی پر توکل کرنیوالوں کا یہ پہلا قدم ہے۔ جب کسی فقیر کو صوف پہنے دیکھتے آپ تو فرماتے میاں دیکھو کس کا لباس تم نے پہنا ہے اور کس کے طرف اپنے کو منسوب کیا ہے۔ یہ نبیوں کا لباس۔ اتقیا کی پوشاک اور عارفوں کا بھیس ہے۔ اس میں رہکر مقربین کی راہ چلو ورنہ اُسے اُتار دو۔ آپ کا قول ہے کہ سینہ کی صفائی اُس وقت حاصل ہوتی ہے جب کچھ بھی بُرائی باقی نہ رہے۔ نہ دشمن کے لئے نہ دوست کے لئے۔ اور نہ خدائے عزوجل کی کسی مخلوق کے لئے۔ آپ کا قول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ بندہ کو مردان خدا کے مقامات پر ترقی دینا چاہتا ہے تو سب سے پہلے اُسے اپنے نفس کے

ساتھ مکلف فرماتا ہے۔ جب اُس نے اپنے نفس کو مودب بنالیا اور وہ سیدھا ہو گیا تو اس کو اہل وعیال کی تکلیف دیتا ہے۔ جب اس نے اُن کے ساتھ احسان و مدارات کیں تو پڑوسیوں اور محلہ والوں کے ساتھ مکلف کرتا ہے۔ جب اُس نے اُن کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کیا تو اہل شہر کے ساتھ مکلف کرتا ہے۔ جب اُسنے بھی وہ اچھی طرح پیش آیا تو ملک کی ایک سمت اوس کے سپرد ہوتی ہے۔ جب اُس سے بھی وہ عہدہ برا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا باطن اچھا ہو جاتا ہے۔ تو مابین زمین و آسمان اس کے سپرد ہوتا ہے۔ اس کے بعد وہ ہمیشہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان پر ترقی کرتا جاتا ہے۔ یہانتک کہ غوث کے مرتبہ کو پہنچ جاتا ہے۔ بعدہٗ اس کی صفت بلند ہوتی ہے۔ جو بدرجہ عنایت حق تعالیٰ کی ایک صفت ہو جاتی ہے اور اللہ جل وشانہٗ اُسے اپنے غیب پر مطلع فرماتا ہے۔ یہانتک کہ کوئی درخت نہیں اُگتا اور کوئی پتی ہری نہیں ہوتی۔ مگر اس کی نظر کے سامنے یہاں پہنچ کر وہ اللہ جل شانہٗ کی نسبت ایسا کلام کرتا ہے جسکی گنجایش خلایق کے عقلوں میں نہیں ہوتی ان کا قول ہے کہ کشف ایک قوت ہے جو اپنی خاصیت سے چشم بصیرت کے نور کو غیب کے فیض کی طرف کھینچتی ہے۔ پس اس کا نور اس کے فیض سے اس طور پر متصل ہوتا ہے جس طرح کہ صاف شیشے سے روشنی کے منبع سے مقابلہ کے وقت شعاعیں متصل ہوتی ہیں۔ بعدہ وہ نور چمک کر عالم عقل تک پہنچتا ہے اور معنوی اتصال کے ساتھ اس سے متصل ہوتا ہے اور قلب کے وسعت پر جو عقل کا نور آتا ہے اُس میں اُس نور کا اثر ہوتا ہے تب ہی انسان پر جو طین سر ہے عقل کا نور جگمگا اُٹھتا ہے اس لئے وہ اس چیز کو دیکھتا ہے جس کی جگہ آنکھوں سے مخفی اور جس کا تصور ذہنوں کے لئے دقیق اور جس کے دیکھنے کے جگہ غیروں سے مستور ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

خواجہ عبد الخالق غجدوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

امام اولیاء۔ پیشوائے ارباب صفا۔ منبع سنت مصطفوی۔ رہرو راہ مرتضوی

عارف ربانی خواجہ عبد الخالق غجدوانی قدس اللہ سرہٗ العزیز اپنے زمانہ کے مرجع انام تھے۔ آپکے والد ماجد کا اسم مبارک عبد الجلیل تھا جو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اولاد میں سے تھے اور آپ کی والدہ ماجدہ ملوک روم کے اولاد سے تھیں۔

سفینۃ الاولیا میں ہے کہ آپ سر حلقۂ خواجگان سلسلہ نقشبندیہ ہیں اور حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی قدس سرہ کی نسبت کو آپ سے انتساب حاصل ہے۔

آپ خواجہ ابو یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے چوتھے خلیفہ تھے۔ نفحات الانس میں ہے کہ "روش ایشان در طریقہ محبت است و مقبول ہمہ فرق اند علی الدوام در راہ صدق و صفا و متابعت شرع و سنت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم و مجانبت و مخالفت بدعت و ہوا کوشیدہ اند" آپ اپنی روش کو اغیار سے بہت چھپاتے تھے۔

آپ کے والدین حوادث زمانہ سے مجبور ہو کر ملاطیہ روم (مالٹا) سے ماوراء النہر آئے اور بخارا سے چھ کوس کے فاصلہ پر ایک قصبہ غجدوان میں سکونت اختیار کی۔ آپکے ولادت غجدوان کی ہے۔ نفحات الانس میں ہے کہ خواجہ عبد الجلیل کے ملاقات خواجہ خضر علیہ السلام سے تھی۔ اور دونوں میں بہت مودت و محبت تھی۔ جب خواجہ عبد الخالق کی والدہ ماجدہ حاملہ ہوئیں تو خواجہ خضر علیہ السلام نے فرزند صالح کے تولد کے بشارت دی۔ آپ کی عمر پانچ برس کی ہوئی تو شیخ صدر الدین کے پاس والدین نے "قرآن پڑھنے بٹھایا" شیخ صاحب بخارا کے اکابر علما میں سے تھے۔ خواجہ عبد الخالق جب اس آیۃ پر پہونچے کہ ادعوا ربکم تضرعاً و خفیۃً تو استاد سے تضرعاً و خفیۃً کی اصل حقیقت دریافت کی۔ استاد نے کہا یہ حقیقت علم لدنی سے کھلیگی جو خدائے عزوجل انشاء اللہ تعالیٰ تمہیں عطا فرمائیگا۔

صاحب نفحات لکھتے ہیں کہ جوانی میں سبق اور دل کا ذکر آپنے حضرت خواجہ خضر علیہ السلام سے سیکھا تھا۔ حضرت خواجہ خضر علیہ السلام نے آپ کو اپنا فرزند بنایا تھا اور تعلیم دی تھی۔ ایک مرتبہ آپ سے کہا کہ پانی کے حوض میں اترو اور غوطہ لگاؤ اور دل میں لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کہتے رہو۔ آپ نے ایسا ہی کیا اور یہ سبق یاد کر کے

اُسی ذکر میں مشغول ہوگئے۔ جب آپ کے عمر بائیس سال کی ہوئی تو خواجہ زندہ و لان حضرت خضر علیہ السلام آپ کو خواجہ یوسف ہمدانی قدس سرہ کے خدمت میں لیگئے۔ آپ مرید ہوکر خواجہ یوسف رح کے خدمت میں رہنے لگے۔ جب تک شیخ ما ور النہر میں رہے آپ انکے پاس رہے لیکن حضرت شیخ نے خراسان کا قصد فرمایا تو آپ ما ورا والنہر ہی میں رہ گئے۔ اور ہمہ تن مشغول بہ ریاضت ومجاہدہ ہوئے۔

اگر خواجہ یوسف قدس سرہ اور اُن کی مشائخ عظام قدس اللہ اسرارہم کا طریقہ ذکر جلی کا تہا لیکن خواجہ عبد الخالق نے حضرت خضر علیہ السلام کی تعلیم کے بموجب ذکر خفی شروع کیا۔ خواجہ یوسف رح نے بھی اس پر اعتراض نہیں فرمایا اور روا رکھا۔ صاحب مراۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ "در ولایت شام ویرا مریدان بسیار پدید آمدند وخانقاہ وآستانہ پیدا شد و ذکر خفی مواظبت نمودند۔ سفینۃ الاولیا میں ہے کہ یہ کلمات جو بزرگان سلسلہ نقشبندیہ میں اصطلاح قائم ہوئی آپ ہی کے طرف منسوب ہیں یعنی ہوش در دم۔ نظر بر قدم۔ سفر در وطن۔ خلوت در انجمن۔

نفحات الانس میں ہے کہ ایک مرتبہ عاشورہ کے دن آپ کی خدمت میں لوگوں کا ایک انبوہ کثیر آیا۔ آپ تشریف فرما تھے اور معرفت الٰہی پر گفتگو ہو رہی تھی۔ ناگاہ ایک جوان جو صورت سے زاہد وعابد معلوم ہوتا تھا خرقہ دربر وسجادہ بر کتف چپکے سے آکر ایک کونے میں بیٹھ گیا۔ خواجہ علیہ الرحمہ نے کئی مرتبہ اسے کن انکھیوں سے دیکھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اٹھا اور آپ کے خدمت میں آکر کہنے لگا کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ عز وجل یعنی مومن کے فراست سے ڈرو اس لئے کہ وہ اللہ عزوجل کے نور سے دیکھتا ہے۔ اس حدیث کا سر کیا ہے۔ آپ نے فرمایا سر یہ ہے کہ تم زنار توڑ ڈالو اور ایمان لے آؤ۔ اس نے کہا نعوذ باللہ کہ میرے بدن پر زنار ہو۔ آپ نے خادم کے طرف اشارہ کیا۔ اس نے اُٹھ کر اس جوان کے جسم پر سے خرقہ کھینچ لیا اور اس خرقہ کے نیچے جو زنار تھا نظر آنے لگا۔ وہ جوان فی الفور زنار توڑ کر ایمان لے آیا۔ یہ دیکھ کر آپنے احباب سے مخاطب

ہو کر فرمایا آؤ ہم بھی اس نو عہد کے ساتھ شریک حال ہو کر اپنے اپنے زنار توڑ ڈالیں اور ایمان لائیں۔ جس طرح اس نے ظاہر کے زنار کو توڑا ہے ہم بھی باطن کے زنار جن سے عجب وخود پسندی مراد ہے دور کر دیں تاکہ جس طرح اس کی آمرزش ہوئی ہے ہماری بھی آمرزش ہو جائے۔ اس بیان سے لوگوں کے عجیب حالت ہو گئے اور شور برپا ہوا۔ تمام لوگوں نے اپنے سر خواجہ کے قدم پر رکھ دئے اور تجدید توبہ کی۔

ایک دفعہ ایک درویش آپ کے سامنے یہ کہہ رہا تھا کہ اگر خدائے عزوجل مجھے اختیار دے کہ دوزخ و جنت جس کو چاہو پسند کر لو تو میں دوزخ کو پسند کروں گا اس لئے کہ جنت میرے نفس کی مراد ہے اور میں نے کبھی اپنے نفس کی مراد پوری نہیں کی۔ خواجہ علیہ الرحمہ نے فرمایا نہیں ایسا نہ کہو۔ ہم بندے ہیں۔ ہمیں اختیار سے کیا تعلق۔ جو اس کی مرضی وہی ہماری مرضی۔ جہاں بھیجے وہاں جائینگے۔ اس نے پوچھا کہ حضرت کیا سالک راہ پر شیطان کو کوئی دسترس ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا جبتک فنائے نفس کے سرحد تک نہیں پہونچ جاتا دسترس رہتی ہے۔ اس لئے کہ فنائے نفس تک جو پہونچ گیا ہے اُسے غصہ نہیں ہوتا جس میں شیطان کو قابو مل جایا کرتا ہے بلکہ غیرت پیدا ہو جاتی ہے۔ جہاں غیرت آتی ہے شیطان بھاگتا ہے۔ اور یہ صفت صرف اسی شخص کو حاصل ہوتی ہے جس کا منہ راہ حق کے طرف ہو اور خدائے عزوجل کے کتاب دائیں ہاتھ میں اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بائیں ہاتھ میں پکڑے ہوئے ہو اور ان دونوں کی روشنی میں سلوک کے راہ طے کرے۔

آپ نے ایک وصیت اپنی فرزند دلبند خواجہ اولیائے کبیر کے لئے لکھی ہے۔ اس سے بحوالہ خزینۃ الاصفیا یہاں کچھ حصہ درج کیا جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں ائے فرزند میں تجھے علم و ادب و تقویٰ اور اتباع سنت و جماعت کے وصیت کرتا ہوں۔ نماز باجماعت ادا کرتے رہو اور حدیث وفقہ و تفسیر کے تعلیم حاصل کرو اور جاہل صوفیوں سے بچتے رہو۔ اپنے احوال کو پوشیدہ رکھو۔ کسی مسجد میں پیش امام اور موذن نہ بننا اور حاکم وقاضی شہر نہ ہونا اور کوئی قبالہ اپنے نام مت لکھو۔ بادشاہوں سے میل جول مت رکھو۔ خانقاہیں نہ بناؤ اور اپنے تئیں شیخ مت کہلاؤ۔ بہت سماع مت سننا اور سماع سے

انکار بھی مت کرنا۔ کم باتیں کرو۔ کم کھاؤ۔ کم سوؤ اور عوام الناس سے بھاگتے رہو۔ امردوں اور عورتوں سے صحبت مت رکھو اور طلب دنیا میں منہمک نہ ہو جاؤ۔ بہت روؤ اور کم ہنسو۔ اور قہقہہ سے پرہیز کرو۔ کسی مخلوق کو اپنے سے کم مت جانو اور اپنے آپ کو کسی سے بہتر مت سمجھو۔ اپنی ظاہری حالت مت سنوارے رکھو اور جہاں تک ممکن ہو خدمت خلق میں سعی کرتے رہو اور خلق اللہ کے خدمت میں جان و مال سے دریغ مت کرو۔ مشائخین کرام کو جان سے زیادہ عزیز رکھو اور اُن کے افعال پر معترض مت ہو۔ دوسروں کے دلوں کو ہاتھ میں لئے رہو اور اپنے دل کو اندوہگیں رکھو۔ جسم لاغر رہے اور آنکھیں گریاں خلوص دل سے عمل کرو اور گڑگڑا کر دعا مانگا کرو۔ پرانا کپڑا پہنو اور درویشوں کے رفاقت میں رہو۔ تمہاری پونجی عبادت الٰہی اور تمہارا گھر مسجد۔ تمہارا قلب ذاکر اور تمہاری زبان شاکر ہونی چاہیئے۔ تمہارا مونس ذکر الٰہی اور تمہارا یار فکر رہے اپنے بزرگوں کے طریقہ پر قائم رہو جس میں مراد ہوش دردم۔ نظر بر قدم۔ سفر در وطن خلوت در انجمن۔ یاد کرد و نگہداشت خواطر۔ تعلق با خلق و قوف زمانی۔ وقوف عددی اور وقوف قلبی ہے۔

آپ کا انتقال قصبہ غجدوان میں ۵۷۵ھ (پانسو پچھتر ہجری) میں ہوا اور وہیں آپکا مزار مبارک ہے۔ صاحب مراۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ آپ کے کرامتیں اور خوارق عادات بہت ہیں۔ آپ کے تین بڑے خلیفہ تھے اول خواجہ احمد صدیق۔ دوم خواجہ عارف ریوکری۔ سوم خواجہ اولیاء کبیر لیکن خواجہ عارف ریوکری کے احوال میں بہت ترقی ہوئی اور آپ ہی سے سلسلہ شائع ہوا۔ ریوکیر شہر بخارا سے چھ کوس کے فاصلہ پر ایک قریہ ہے۔ یہ آپکا وطن تہا۔ خواجہ عارف ریوکری کے خلیفہ خواجہ محمود فغنفوی تھے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ کو ذکر جہر سے بمقابلہ ذکر خفی زیادہ رغبت تھی۔ نیز بمقتضائے مصلحت طالبان زمانہ اس وقت بھی ذکر جلی رائج تھا۔ آپکے خلیفہ اعظم خواجہ علی رامتینی تھے۔ رامتین بھی شہر بخارا کے قریب ہی کوئی دو ڈھائی کوس کے فاصلہ پر ایک موضع تہا۔ مختصر یہ کہ یہ تمام بزرگوار بخارا اور اس کے مضافات کے تھے۔ خواجہ علی رامتینی وجہ حلال کیلئے بافندگی کا پیشہ کرتے تھے اور عزیزان کے لقب سے

مشہور تھے۔ آپ کا مزار مبارک خوارزم میں ہے۔ یہ بزرگوار سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے جواہر تاب کڑیاں ہیں۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

امام ارباب طریقت۔ پیشوائے اولیا اہل حقیقت دائم بمشاہدہ قائم بمجاہدہ قطب ارشاد خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہٗ العزیز۔ اہل بصیرت کے مقتدا اور اس گروہ کے بڑے لوگوں میں سے تھے۔ آپ سیدنا حاجی شریف زندانیؒ کے مرید اور یگانہ عصر تھے آپ کا وطن خراسان میں قصبہ ہاروُن میں تھا جو نواح نیشاپور میں ہے۔ اسی نسبت کے ساتھ آپ مشہور ہیں۔ آپ کا اکثر زمانہ مسافرت میں کٹا۔ تمام مشائخ وقت سے آپ نے ملاقات کی ہے۔ اور انکی صحبت میں رہے ہیں۔

صاحب مراۃ الاسرار فرماتے ہیں کہ "در ہر فن منتہی بود۔ تصرفے قوی داشت وکمالات ولایت وے ازینجا قیاس باید کرد کہ مثل خواجہ بزرگ معین الحق والدین حسن سنجری شاہباز عالم وعالمیان را در دام تربیت خود آورد"

انیس الارواح میں ہے کہ "شہر بغداد میں خواجہ جنید بغدادیؒ کی مسجد میں خواجہ بزرگ نے دولت پا بوسی سید العابدین والعارفین شیخ الاعظم خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہٗ حاصل کی یعنی آپ بغداد میں تشریف فرما تھے جب خواجہ اجمیریؒ حاضر خدمت ہوئے۔ مرید کرنیکے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ چندے روز ہماری صحبت میں رہو۔ چنانچہ وہ یہیں سے آپکے ہمراہ ہوگئے۔ آپ وہاں سے مکہ معظمہ گئے۔ پھر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ اس کے بعد سیر کرتے ہوئے بدخشاں پہونچے اور وہاں کے بزرگوں کی زیارت کی۔ پھر بخارا آئے اور وہاں کے بزرگوں سے ملے۔ اس طرح دس سال سفر کرتے رہے اس کے بعد بغداد شریف تشریف لائے اور معتکف ہوگئے۔ کچھ مدت کے بعد پھر سفر شروع کیا۔ یہ مدت سفر بھی دس سال کی تھی۔ اس کے بعد پھر بغداد شریف کیطرف مراجعت فرمائی اور عزلت اختیار کی۔ خواجہ بزرگ اجمیریؒ نے آپ کے ملفوظات لکھے ہیں اور

اُن کا نام انیس الارواح رکھا ہے۔ مگر بعض نے انکار کیا ہے اور اس کتاب کو منوبات سے شمار کیا ہے۔ آپ نے خواجہ بزرگ کو اپنا عصا مصلا اور خرقہ عطا فرما کر ارشاد فرمایا کہ ہمارے پیران سلسلہ کے یادگار ہیں یہ لو اور اگر کوئی تمہیں مرد مل جائے تو اُس کے حوالہ کر دینا۔ سیر العارفین میں ہے کہ جب خواجہ بزرگ خواجہ عثمان ہارونیؒ کے خدمت سے اجازت حاصل کر کے رخصت ہوئے تو چند روز کے بعد حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ بھی فرط محبت کے تقاضے سے جو خواجہ بزرگ کے ساتھ آپ کو تھی اپنے مقام سے نقل فرما کر خواجہ صاحب کے پاس جانے کو چل کھڑے ہوئے۔ اس سفر میں اتفاقاً ایک دو ایسے مقام پر پہونچے جہاں آتش پرست رہا کرتے تھے۔ اور انہوں نے وہاں ایک آتشکدہ تیار کر کے اُس پر ایک گنبد بنایا تھا اور تقریباً بیس گاڑی لکڑی روز اس آتشکدہ میں جلایا کرتے تھے۔ جب خواجہ عثمان ہارونیؒ کا اس طرف گذر ہوا تو بستی سے کسی قدر دور ایک ندی کے کنارے درخت کے نیچے آپ نے قیام فرمایا۔ اور اپنے ایک خادم کو جس کا نام فخر الدین تھا حکم دیا کہ بستی میں سے کیقدر آٹا اور آگ لا کر افطار کے لئے روٹیاں تیار کرو۔ خادم مذکور نے گاؤں میں سے آٹا خریدا اور اس آتشکدہ کے پاس جا کر آگ مانگنے لگا۔ وہاں آتش کدہ کے گرد پجاری بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے انکار کیا۔ خادم نے یہ کل قصہ جا کر خواجہ صاحب سے ذکر کیا۔ آپ کو غیرت آئی اور خود اُٹھکر آتشکدہ کے پاس آئے اور پوچھا کہ اس آگ کو پوجنے سے کیا نفع ہے۔ جو تھوڑے پانی سے فنا ہو جاتی ہے۔ انہوں نے کہا آگ کا وجود ایک عظیم شئے ہے کیسے اس کی پرستش نہ کریں۔ خواجہ صاحب نے پوچھا کہ اتنی مدت سے اس کی پرستش کر رہے ہو ذرا اپنے ہاتھ پیر اس میں ڈالو تمہیں جلاتی ہے یا نہیں! انہوں نے جواب دیا کہ اس کی خاصیت میں جلانا موجود ہے کیسے یہ ہو سکتا ہے کہ نہ جلائے۔ اس کے بعد پروردگار عالم نے خواجہ صاحب کے ہاتھ سے ایک کرامت صادر فرمائی۔ جسے دیکھکر تمام آتش پرست مسلمان ہو گئے۔

خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہٗ العزیز بہت کچھ سفر وغیرہ کر کے آخر عمر میں مکہ معظ

تشریف لے گئے اور وہیں معتکف ہو کر اقامت فرمائی۔ صاحب مراۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ سے آپ کی دو درخواستیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ مکہ معظمہ میں دفن ہوں۔ دوسری یہ کہ خواجہ معین الدین چشتیؒ کو کسی مقام کی ولایت نصیب ہو۔ چنانچہ پروردگار عالم نے دونوں دعائیں قبول فرمائیں۔ آپ کی قبر مکہ معظمہ میں نجد یوں کے قبل ہو جو تھی اور خواجہ بزرگ کو اللہ جل شانہٗ نے ہندوستان کی ولایت عطا فرمائی۔ سفینۃ الاولیا میں آپ کی وفات کی تاریخ سولھویں شوال درج ہے اور مراۃ الاسرار میں چھٹی شوال ہے۔ لیکن ۶۰۷ھ چھ سو سات ہجری دونوں میں ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

آپ کے بعض کلمات طیبات یہ ہیں۔ زاہدوں میں سب سے اچھا زاہد وہ ہے جو موت کو یاد رکھے۔ آپ نے فرمایا کہ علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک خاص خدائے عزوجل کے لئے علم حاصل کرنا اور ایک بطریق عوام۔ اسی طرح عمل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو خاص اللہ جل شانہٗ کے لئے کیا جائے۔ یہ خواص کا عمل ہے۔ دوسرا جو نمائش کے لئے کیا جائے۔ اس کا بدلہ نہیں ملتا اور ایسا کرنا اچھا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ایک ایمان وہ ہے کہ آدمی زبان سے اقرار کرے اور دل میں شک رکھے۔ یہ منافقوں کا ایمان ہے۔ دوسرا ایمان یہ ہے کہ دل اور زبان دونوں سے تصدیق کرے۔ یہ نیکوکاروں کا ایمان ہے۔ آپ نے فرمایا مومن وہ ہے جو تین چیزوں کو درست رکھے۔ اوّل موت، دوم درویشی، سوم فاقہ۔ آپ نے فرمایا کہ طعام حلال کھاؤ اور حلال کی کمائی کا کپڑا پہنو۔ اور توبہ کرو اور حسد اچھا نہیں ہے خصوصاً مسلمانوں کے لئے۔ اُسے دل سے نکال دینا چاہیئے۔ آپ نے فرمایا کہ لڑکیاں خدائے عزوجل کا ہدیہ ہیں۔ جو انہیں خوش رکھتا ہے خدا اور رسول اُس سے خوش ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ الکاسب حبیب اللّٰہ مگر اُسے چاہئے کہ نماز ترک نہ کرے اور شریعت کی حد سے متجاوز نہ ہو۔ آپ نے فرمایا مرد وہ شخص ہے جو خداوند تعالیٰ کے سوا کسی پر نظر نہ رکھے اور دنیا و آخرت میں مبتلا نہ ہو۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

شیخ نجم الدین کبری قدس اللہ تعالیٰ روحہ

فائز مراتب اعلیٰ حاجت روائے اعلیٰ و ادنےٰ جام وصال چشیدہ جمیع اوناس سے مبرا قطب ارشاد شیخ نجم الدین کبری خاندان کبرویہ کے سردار ہیں۔ آپ کا اسم مبارک احمد کنیت ابوالجناب اور لقب کبری تہا۔ امام یافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تاریخ میں اس لقب کی وجہ تسمیہ یوں بیان کرتے ہیں کہ ایام جوانی میں آپ تحصیل علم میں بہت مشغول رہتے تھے اور مناظرہ کا بہت شوق تھا جس سے مناظرہ کرتے اس پر غالب آتے تھے اس سبب سے آپ کا لقب طامۃ الکبریٰ پڑ گیا اور اس کے ساتہ آپ کی شہرت ہوئی۔ کثرت استعمال سے لفظ طامۃ محذوف ہوگیا اور صرف کبری رہ گیا۔ یہی صحیح وجہ ہے۔ اور شیخ کے اصحاب کی ایک جماعت نے جو قابل اعتماد لوگ ہیں اسی کو بیان کیا ہے لیکن بعض کہتے ہیں کہ یہ کبرا سے ہمدو بفتح الباء الموحدہ کبیر کی جمع تکسیر ہے۔ اور اُس کے معنی نجم الکبرا ربیان کئے جاتے ہیں لیکن صحیح وہی وجہ ہے جو اوپر بیان ہوئی۔

آپ کے والد ماجد کا نام عمر بن محمد بن عبداللہ الخیوقی ہے۔ سلطان سنجر سلجوقی کے زمانہ میں ۵۴۰ھ میں آپ کی ولادت باسعادت وقوع میں آئی حضرت شیخ احمد عرف نجم الدین کبریٰ کو لوگوں نے شیخ ولی تراش بھی کہا ہے۔ اُس کی وجہ صاحب نفحات الانس یہ بیان کرتے ہیں کہ غلبات وجد میں جس کسی پر آپ کی نظر مبارک پڑجاتی وہ درجہ ولایت کو پہنچ جاتا۔

ایک روز ایک سوداگر سیر کرتا ہوا آپ کی خانقاہ کے طرف سے گذرا۔ شیخ علیہ الرحمہ کے اس وقت قوی حالت تہی۔ اس پر نگاہ پڑی۔ بمجرد نگاہ پڑنے کے سوداگر مرتبہ ولایت کو پہنچ گیا۔ شیخ نے پوچھا کہاں کے رہنے والے ہو اس نے کہا فلاں ملک کا۔ آپ نے اجازت ارشاد لکھکر عطا فرمائی اور کہا کہ جاؤ اپنے ملک میں لوگوں کو راہ حق بتاؤ۔ شیخ سعدالدین حموی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ آپ کے مریدوں میں سے تھے ایک مرتبہ انہیں خیال آیا کہ آیا اسوقت میں اب کوئی ایسا بھی ہے کہ اس کی صحبت کا اثر کتے تک

میں نظر آئے۔ شیخ علیہ الرحمہ نے اپنی فراست سے یہ حال معلوم کر کے خانقاہ کے دروازہ کے طرف قصد فرمایا۔ وہاں اتفاق سے ایک کتا کھڑا ہوا دم ہلا رہا تھا۔ شیخ کے ایک نگاہ اس پر پڑی۔ کتا متحیر و بیخود ہو گیا اور شہر سے نکل کر قبرستان کے طرف چلا گیا۔ شہر کے کتے اس کے گرد جمع ہوتے اور سر دھنتے تھے۔ چند روز کے بعد وہ مر گیا۔ شیخ نے فرمایا کہ اسے دفن کریں۔ اس واقعہ کے طرف اشارہ کر کے مولانا روم فرماتے ہیں ؎

یک نظر فرماکہ مستغنی شوم زابنائے جنس　　　سگ کہ شد منظور نجم الدین سگاں را سرورست

نفحات الانس میں آپ کی طالبعلمی کے زمانہ کا ایک واقعہ بیان کیا ہے جسکے بعد آپ علم ظاہر سے علم باطن کی طرف رجوع ہوئے۔ شیخ علیہ الرحمہ تبریز میں محی السنہ مصنف مصابیح (حدیث) کے ایک شاگرد سے کتاب شرح السنہ پڑھتے تھے۔ جب کتاب ختم ہونےکو آئی تو ایک روز شرح السنہ کا درس ہو رہا تھا اور یہ استاد کے سامنے دوسرے لوگوں کے ساتھ بیٹھے پڑھ رہے تھے کہ ایک درویش آیا جسے شیخ علیہ الرحمہ کو پہچانتے نہ تھے مگر اس کی صورت دیکھتے ہی حالت متغیر ہو گئی۔ بیقرار ہو کر پوچھا کہ ان کا نام کیا ہے اور کون صاحب ہیں۔ کسی نے کہا کہ بابا فرج تبریزی ہیں اور مجذوبان و محبوبان حق میں سے ہیں۔ شیخ کی تمام رات بیقراری میں گذری صبح اٹھتے ہی استاد کے پاس آئے اور کہا آئے بابا فرج کی زیارت کو چلیں۔ غرضکہ سب کے ساتھ بابا کے خانقاہ پہنچے۔ بابا فرج کے ایک خادم بابا شادان نے اس جماعت کو دیکھکر اندر جا کر عرض کیا بابا نے فرمایا کہ جس طرح خدائے عزوجل کے درگاہ میں حاضر ہوا کرتے ہیں اس طرح یہاں آنا چاہیں تو آسکتے ہیں۔ شیخ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں چونکہ بابا کے نظر مبارک سے بہرہ مند ہو چکا تھا اس لئے اس کا مطلب سمجھ گیا اور کپڑے اتار کر دست بستہ سامنے حاضر ہوا۔ میرے ساتھیوں نے بھی میرے موافقت کی اور بابا فرج کے سامنے آکر ہم سب بیٹھ گئے۔ ایک لمحہ کے بعد بابا کے حالت میں تغیر نظر آیا اور صورت پر عظمت و جلال ہو گئی اور آفتاب کے طرح چہرہ چمکنے لگا اور جسم کا لباس پرزے پرزے ہو گیا۔ جب ایک پہر ساعت کے بعد حالت سنبھلی تو اٹھے اور وہ لباس مجھے پہنا دیا اور کہا کہ

"ترا وقت دفتر خواندن نیست وقت است کہ مرد دفتر جہاں شوی"۔ میری حالت متغیر ہو گئی اور میرا دل غیر حق سے منقطع ہو گیا۔ جب ہم لوگ باہر آئے تو اُستاد نے کہا کہ شرح السنہ تھوڑی رہ گئی ہے دو تین روز میں اُسے پڑھ ڈالو پھر جو چاہنا کرنا۔ دوسرے روز اُستاد کے پاس پڑھنے کے خیال سے میں پھر گیا تو دیکھا بابا فرج موجود ہیں اور کہتے ہیں کہ "دیروز ہزار منزل از علم الیقین بگزشتی امروز باز بہ سر علم می روی"۔ یہ کلمہ سنکر میں نے درس ترک کر دیا۔ اور خلوت و ریاضت میں مشغول ہو گیا۔ اس شغل میں علوم لدنی اور واردات غیبی ظاہر ہونے لگے میں نے کہا حیف ہے اگر یہ ضائع ہو جائیں آؤ انہیں لکھ لوں۔ اس خیال کے ساتھ ہی میں نے دیکھا کہ بابا فرج دروازہ سے اندر آئے اور فرمانے لگے کہ شیطان تجھے تشویش دیرہا ہے ان باتوں کو مت لکھو۔ میں نے قلم دوات پھینکدیئے اور ہر طرف سے خاطر کو یکسو کر کے مشغول بحق ہوا۔

امیر اقبال سیستانی ملفوظات حضرت شیخ رکن الدین علاؤالدولہ سمنانی قدس سرہ العزیز میں لکھتے ہیں کہ شیخ نجم الدین کبریٰ نے ہمدان جاکر وہاں سے اجازت حدیث حاصل کی اس کے بعد سنا کہ اسکندریہ میں ایک بہت بڑے محدث ہیں۔ وہاں گئے اور اُن سے بھی اجازت حاصل کی۔

کذا فی نفحات الانس

نفحات الانس میں ہے کہ آپ حضرت سے اجازت حدیث حاصل کر کے واپس ہو رہے تھے کہ سید الوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ شیخ نے آپ سے درخواست کی کہ مجھے کوئی کنیت عطا فرمائیے۔ آپ نے فرمایا ابوالجنابّ پھر پوچھا کہ نون مخفف کے ساتھ یا مشدد کے ساتھ آپ نے فرمایا لا نون مشدد کے ساتھ۔ اس واقعہ کے بعد آپ کو یہ خیال آیا کہ یہ اشارہ انقطاع تام کی طرف ہے دنیا سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد آپ تمام علایق دنیاوی سے مجرد ہو کر مرشد کے تلاش میں روانہ ہوئے جہاں جاتے تھے۔ اور جسے دیکھتے تھے اعتقاد نہیں آتا تھا۔ اس لئے خود زبردست عالم تھے اور کسی کے سامنے سر نہیں جھکتا تھا۔ خوزستان پہنچکر آپ بیمار پڑ گئے کہیں قیام کرنا چاہا مگر کسی نے جگہ نہیں دی۔ عاجز ہو کر کسی سے پوچھا

کہ یہاں کوئی مسلمان بھی ہے جو بیمار و پردیسیوں کو اپنے یہاں قیام کرنے دے
اُس نے کہا کہ یہاں ایک شیخ کی خانقاہ ہے اگر وہاں جاؤ تو تمہاری خدمت ہوگی
نام پوچھا اُس نے کہا شیخ اسمٰعیل قصری۔ شیخ نجم الدین وہاں گئے۔ شیخ نے درویشوں
کے چبوترے کے۔ اسنے انہیں ایک چبوترے پر جگہ دی آپ کے بیماری نے طوالت کھینچی
لیکن کہتے ہیں کہ بیماری سے مجھے اتنی تکلیف نہیں تھی جتنی کے درویشوں کے آواز سماع
سے اس لئے میں سماع سے نہایت درجہ نفرت کرتا تھا۔ لیکن کیا کرتا۔ اُٹھنے بیٹھنے چلنے
پھرنے کی قوت نہ تھی۔ ایک شب سماع ہو رہا تھا کہ شیخ اسمٰعیلؒ گرمی سماع کی حالت
میں میرے سرہانے تشریف لائے اور پوچھا کہ کیا اُٹھنا چاہتے ہو میں نے عرض کیا
جی ہاں آپ نے میرا ہاتھ تھاما اور بغل میں لیکر جہاں سماع ہو رہا تھا وہاں لے گئے اور
تھوڑی دیر تک مجھے خوب چکر دیے پھر ایک دیوار سے ٹکا کر چھوڑ دیا۔ میں نے سمجھا
کہ اب گر پڑونگا لیکن جب ہوش درست ہوئے تو دیکھا بیماری نہیں رہی اور میں
بالکل تندرست ہو گیا تھا اس واقعہ کے بعد سے شیخ سے مجھے عقیدت ہو گئی دوسرے
روز جا کر مرید ہوا اور سلوک میں مشغول ہوا۔

شیخ نجم الدین کبریٰ فرماتے ہیں کہ میں شیخ اسمٰعیل قصری کے پاس ایک مدت
تک رہا۔ جب مجھے باطنی احوال سے اطلاع ہوئے۔ علم بھی بہت تھا۔ ایک شب
یہ خیال کرنے لگا کہ علم باطن بھی تمہیں اب حاصل ہو گیا اور ظاہری علم تو تمہارا شیخ سے
زیادہ ہی ہے۔ صبح جب ہوئی تو شیخ نے بلایا اور کہا کہ شیخ عمار کے پاس جاؤ۔

فواتح الجمال میں شیخ نجم الدین فرماتے ہیں کہ جب میں شیخ عمار کے خدمت
میں پہنچا اور اُن کی اجازت سے خلوت میں بیٹھا تو دل میں یہ خیال آیا کہ چونکہ علوم
ظاہری میں نے حاصل کر لئے ہیں بس جو غیبی فتوحات حاصل ہونگی انہیں منبر پر بیٹھکر
طالبان حق کے سامنے بیان کرونگا۔ چونکہ نیت یہ تھی اس لئے اتمام خلوت نہ ہو سکا اور
میں باہر نکل آیا۔ شیخ نے فرمایا پہلے تصحیح نیت کر واس کے بعد خلوت میں جانا۔ شیخ کے
نور باطن کا ایک پر تو میرے دل پر پڑا۔ اپنی کتابیں میں نے وقف کر دیں اور کپڑے

فقراء کو دیدیئے اور ستر پوشی کے لئے صرف ایک جبہ رہ گیا۔ میں نے کہا۔ یہ خلوت خانہ میری قبر ہے اور یہ جبہ میرا کفن ہے اور یہاں سے باہر نکلنا ممکن نہیں۔ پھر بھی اگر باہر نکلنے کا ارادہ پیدا ہوگا تو اس جبہ کو بھی پارہ پارہ کردونگا تاکہ برہنگی کے خیال سے حیا باہر نکلنے نہ دے۔ میں اس ادھیڑ بن میں تھا کہ شیخ نے میرے طرف نظر کی اور کہا ہاں اب نیت درست کی ہے۔ اس کے بعد جب خلوت میں بیٹھا تو چلہ تمام کرسکا اور شیخ کے ہمت کی برکت سے فتوحات کے دروازے مجھ پر وا ہوگئے۔ ایک مدت تک وہاں رہا۔ ایک شب پھر وہی خیال دل میں آیا کہ علم باطن تجھے حاصل ہی ہوگیا ہے اور علم ظاہر تو شیخ کے علم سے زیادہ ہی ہے۔ صبح ہوئی تو شیخ نے فرمایا کہ مصر جاؤ اور شیخ روزبہان کے خدمت میں حاضر ہو۔ اس ہستی کو وہی ایک دھپ مار کر تمہارے سر سے دور کرینگے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ جب میں مصر پہنچا اور حضرت کے خانقاہ میں گیا تو آپ وہاں نہیں تھے باہر تھے اور مرید سب مراقبہ میں تھے۔ کسی نے میری طرف توجہ بھی نہ کی۔ ایک دوسرے آدمی سے میں نے شیخ کو پوچھا۔ اس نے کہا کہ باہر تشریف فرما ہیں اور وضو کر رہے ہیں۔ میں باہر گیا دیکھا کہ شیخ روزبہان تھوڑے سے پانی سے وضو کر رہے ہیں۔ میرے دل میں یہ خطرہ گذرا کہ شیخ یہ بھی نہیں جانتے کہ اتنے ذرے سے پانی سے وضو کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ کیسے شیخ ہیں۔ اتنے میں حضرت نے وضو ختم کیا اور ہاتھ میرے منہ پر پھیرا۔ جیسے ہی پانی میرے چہرہ پر لگا مجھ پر ایک گونہ بیخودی طاری ہوئی۔ شیخ خانقاہ میں تشریف لائے اور شکرانہ وضو کی نماز میں مشغول ہوئے اور میں منتظر سلام کھڑا رہا۔ اسی حالت میں میری بیخودی بڑھ گئی اور اپنے آپے میں نہ رہا اس غیبت میں کیا دیکھتا ہوں کہ قیامت قائم ہے اور دوزخ سامنے لائی گئے اور لوگوں کو پکڑ پکڑ کر آگ میں ڈال رہے ہیں۔ دوزخ کے راہ میں ایک پشتہ ہے جس پر ایک شخص بیٹھا ہوا ہے جو کوئی کہتا ہے کہ میرا اس شخص سے تعلق ہے اسے چھوڑ دیتے ہیں۔ ناگاہ مجھے بھی پکڑا اور کھینچتے ہوئے لیچلے۔ جب اس پشتہ کے پاس پہنچا تو میں نے بھی کہا کہ اس شخص سے میرا تعلق ہے

پکڑنے والوں نے چھوڑ دیا میں پشتہ کے اوپر چڑھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت روزبہان بیٹھے ہوئے ہیں۔ اُن کے سامنے جاکر پیروں پر گر پڑا اُنہوں نے ایک ایسی سخت دھول میرے گدی پر لگائی کہ اسکے صدمہ سے زمین پر گر پڑا اور فرمایا اب اسکے بعد اہل حق سے منکر مت ہونا۔ غرضکہ جب گر پڑا تو ہوش میں آیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ شیخ نے سلام پھیرا ہے۔ میں سامنے گیا اور پیروں پر گر پڑا شیخ نے اس عالم شہادت میں بھی اسی طرح سے ایک دھول ماری اور وہی الفاظ فرمائے۔ جس سے مرض باطنی کا ازالہ ہوگیا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ شیخ عمار کے خدمت میں واپس جاؤ۔ صاحب نفحات الانس شیخ روزبہان کبیر مصریؒ کے حال میں لکھتے ہیں کہ شیخ نجم الدین کبریٰؒ "آنجا بریاضت اشتغال نمودہ و خلوتہا نشستہ و شیخ وے را بدامادی قبول کردہ است وویرا از دختر شیخ دو پسر آمدہ" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نجم الدین کبریٰ ایک عرصہ تک حضرت روزبہان مصریؒ کے خدمت میں رہے ہیں۔

غرضکہ جب آپ حضرت عمارؒ کی خدمت میں واپس آئے تو وہاں ایک مدت تک قیام فرماکر۔ سلوک تمام کیا۔ شیخ نے حکم دیا کہ اب خوارزم جاؤ۔ آپنے فرمایا کہ وہاں کے لوگ عجیب ہیں اور اس طریقہ سے انکار کیا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کچھ اندیشہ مت کرو۔

جب آپ خوارزم تشریف لائے تو اس طریقہ کے تعلیم کو لوگوں میں پھیلایا بہت سے لوگ آپ سے بیعت کرکے مشغول بحق ہوئے۔ آپ کے مریدوں اور فیض یافتہ بزرگوں میں صاحب نفحات الانس ان اصحاب کا نام لکھتے ہیں۔ جن میں سے ہر اک یگانہ روزگار ہوا ہے۔ شیخ مجد الدین بغدادیؒ۔ شیخ سعد الدین حموی باکمال جنیدیؒ۔ شیخ رضی الدین علی لالا۔ شیخ سیف الدین باخرزیؒ۔ شیخ نجم الدین رازیؒ۔ شیخ جمال الدین گیلیؒ اور بقول بعض مولانا بہاء الدینؒ ولد جو مولانا رومؒ کے والد ماجد تھے قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم۔

آپ صاحب تصانیف بھی تھے اور آپ کے خلفا میں سے شیخ مجد الدین بغدادیؒ نے تحفتہ البررہ ایک کتاب لکھی ہے جس میں آپ کے ملفوظ جمع کئے ہیں۔ یہ کتاب کاتب حروف کے نظر سے نہیں گذری شیخ نجم الدین کبریٰؒ کا ایک رسالہ بیشک نظر سے گذرا ہے۔ جو یہاں بجنسہ نقل کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العَالَمِینَ وَالصَّلوٰۃُ عَلیٰ رَسُولِہٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ اَجمَعِینَ۔

اما بعد ایں مختصر در آداب تصوف شیخ کبیر سلطان الطریقت و برہان الحقیقت امام الشریعت مرشد السالکین قدوۃ الثقلین امام المذہبین محمود العالمین نجم الملت والدین کبریٰ قدس اللہ سرہ العزیز بنیاد نہاد بر ہفت باب باب اول ہرکرا ارادت ایں راہ پدید آید خواہد کہ خرقہ پوشد باید کہ از دست پیری پوشد کہ علم شریعت و طریقت و حقیقت نیکو داند چنانکہ عالم بود باصول شریعت و عارف بود بآداب طریقت و واقف بود باسرار حقیقت تا چوں مرید را اشکال افتد پیر بعلم خویش بیان کند و چوں در طریقت واقعہ روی نماید پیر بمعرفت خویش روشن کند و چوں در حقیقت سری پیدا شود پیر بہ بصیرت خویش تحقیق آن باز نماید و مرید باید کہ آنگاہ خرقہ پوشد کہ داند بداں استقامت تواند کرد و بر عنا و مشقت و رنج طریقت و مجاہدہ و ریاضت اہل حقیقت صبر تواند کرد و از عہدۂ خرقہ بتمامی بیرون تواند آمد پس چوں خرقہ پوشد خویشتن برنگ مشائخ مالقدم بازمی نماید و ایں دعویٰ است اگر معنی نباشد جملہ مشائخ روز قیامت خصم وی و اگر سعی بجائے نیاورد و بدعویٰ قناعت کند خرقہ دادہ خود از و بستانند و از دعوے ازیں معنی روز قیامت سیاہ رو باشند زیرا کہ مرتد شریعت یکبار کلمہ لا الٰہ الا اللہ بگوید نجات یابد اگرچہ ہر طاعت کردہ باشد بر باد دادہ باشد اما مرتد طریقت بعمل ثقلین بسر کار نیاید کہ بزرگان گفتہ اند طلب الحال بعد الزوال محال و چوں خرقہ خواہد پوشید اول جامہ کہ بروزگار داشتہ باشد بیرون کند و بیفگند انگاہ خرقہ پوشد و بہترین جامہ اہل خرقہ کہ پوشید آدم بود و حوا علیہما السلام چوں از محبت بہشت بمحنت دنیا رسیدند برہنہ بودند جبرئیل علیہ السلام بیامد و گوسفندی بیاورد و بر ایشاں داد ایشاں پشم گوسفند باز کردند و حوا برست و آدم علیہ السلام بیافت و در پوشیدند و موسیٰ علیہ السلام ہم جامۂ پشمیں داشت و عیسیٰ علیہ السلام و پیغامبران دیگر علیہم الصلوٰۃ والسلام ہمہ صوف داشتند و صوفی خود ش نسبت باصوف است و چوں خرقہ در پوشد حق آں از خود طلبد کہ صوف سہ حرف است کہ صاد و واو

وفا بصا وصدق وصفا و صیانت وصبر وصلاح از خود طلب کند و بواو وقت و وصلت وعده نگاه دارد و بفا فرح از خود طلب کند تا او را پوشیدن صوف مسلم باشد و اگر مرقع پوشد باید که در دل نیت کند که این مرقع از بهر آں می پوشم که مرقع پوشیدن مارا میراث از آدم است علیہ السلام وطفقا یخصفان علیهما من ورق الجنة و مرقع چهار حرف است میم و را و قاف و عین بمیم معرفت و مجاہدہ و مذلت از خود طلب کند و به را رحمت و ریاضت و رافت و راحت از خود طلب کند و بقاف قناعت و بعین علم و عشق و عبارت از خود طلب کند اگر کسے سوال کند که خرقه بر چه رنگ باید گویم ما اگر نفس را مقهور کرده است و به تیغ مجاهده کشته است و در ماتم نشسته است جامه سیاه و کبود پوشد و اگر از جمله مخالفت توبه کرده است و عمر خود را بصابون انابت شسته است و صحیفهٔ دل خود را از نقش اغیار و سوا نفس پاک و صافی کرده است سفید پوشیدن او را مسلم بود و اگر بهمت از عالم سفلی برگذشته است و بعالم علوی رسیده و آسمانی صفت گشته و از هر منزلے و مقامے نفسی یافته و از انوار حالات لمعهٔ بر وی تافته جامهٔ ملمع پوشد و اگر مهر امانت بر ظاهر و باطن نهاده است و دل خود را خزانه اسرار کرده فرا دیں بر نهد و اگر زره مجاهده نفسی پوشیده است و خود مقاتلهٔ شیطان بر سر نهاده است قبه بر نهد و اگر از راه عداوت نفس برخاسته است و باو بمخاشنت بر طریق محاربت آمده است خشن پوشد اگر خود را با هزار ضربت مجاهده مجروح کرده است و هزار شربت زهر نامرادی نوش کرده و خود را بسوزن ناکامی دوخته هزار میخی در پوشد و اگر جامهٔ وجود خود را چاک کرده است لباچه در پوشد و اگر نفس خود را باشکال امر و نهی بسته است و بندهای شریعت بر خود نهاده است اشکالے بر نهد اگر ازار وفا پوشیده است و بعهدهٔ شریعت و طریقت وفا کرده ازار بر افگند و اگر ما دون حق پیش بر گرفته است و از پس پشت انداخته شاخ دستار پس و پشت افگند و اگر آنچه مقصود اوست در پیش نهاده اند و آنچه مطلوب اوست او را نقد شده است شاخ دستار در پیش افگند و اگر از آزار خلق بگذشته است و از ریاضت زار شده است او نزار گشته آزار بر سر نهد و اگر از صفات خود نیست شده است و به عالم منتهی رسیده دستار بلام الف در سر بندد و اگر مقبل شریعت شده است و محرم طریقت گشته مرقع در پوشد و اگر قدم را از ماسوا نگاه داشته

در عالم پاکی نهاده است چشم جرم درپوشد و اگر چشم و زبان از ننگ شیطان برهانیده است و دیدار حق را سزاوار گشته روی ستر بر گردن افگند و جیب مرقع مقام راز است و پناه بخلق یعنی هر که با من راز گوید آشکارا نکنم و هر که از من خواهد پناه دهم استین مرقع سلاح ایست که پیش دشمن برم دامن مرقع ستر است که بر برادران پوشم کلاه تاج کرامت است که بر سر نهادم و تبختر و تکبر از خود باز افگندم و دستار دستور امانت است یعنی همه خلق از تو ایمن اند میان کمر بندگی است که بر بسته ام و طار رحمت است که از افگنده ام تا بر همه کس رحمت و شفقت نمایم سجاده بساط مرتبت که باز گسترده ام و پای رحمت بروی نهاده ام عصا تکیه گاه منفعت و دفع مضرت است ابریق منبع طهارت است مشرب رحمت کنف خزانهٔ اسرار است و خزانه نیکی و صدق پای افزار آلت رفتن است بحضرت و سفر کردن در طاعت و گریختن از هرچه دون خداست ترازو نماز مقیاس است که دوست و دشمن را باعدال وزن کنند و خرقه را معنی آنست که هرچه اغیار است همه را بدو نیم کردم یکسوی نهادم و اگر از برادری عیبی در وجود آید بر دیده خود افگنم تا عیب او نه بینم پس باید که اصداق آن از خود طلب کند تا صادق بود نه کاذب مخلص بود نه مرائی محقق بود نه مدعی باب دوم در نشست و خاست صوفی باید که با دب بر سر سجاده نشیند و روی بقبله کند و پای چپ بر افگند و پای راست بر دارد و اگر بدو زانو باشد و نگذارد که پای وی برهنه شود و بر هم نهد و در آستین کشد دست زیر جامه در نیاورد و نگذارد که دست تا ساعد برهنه شود و در میان جمع پای برهنه نکند و بینی نه دمد و آب دهن نیفگند اگر سرفه و عطسه دهد باواز بلند نکند و آواز فرو گیرد و خویشتن را بسیار نخارد و دست بمحاسن بسیار نیاورد و بر سر سجاده که نشیند باید که حق وی نگاه دارد و بشتاب نرود مگر بجماعت که نماز میکنند ترسد که فوت شود اما بعیادت و تشییع جنازه و نماز جمعه و دیگر نمازها آهسته رود که بر قدمی که میزند حسنه در دیوان او نویسند باب سوم در خانقاه رفتن چون از سفر آید در خانقاه رود و پای راست در پیش نهد و پای راست بیرون کند و کفش پوشد و آنگاه پای چپ در کفش کند و بتوضا رود و وضو کند و باز آید و دو رکعت نماز

کند بعد از اں سلام قوم را و اگر کسے پرسد در معنی آنکہ در خانقاہ رود چرا سلام نکند
دو معنی دارد یکے آنکہ سلام نامی است از نامہاء خدائے تعالیٰ تا بے وضو نام خدا نہ گفتہ
باشد زیراکہ نزدیک ارباب معرفت بے طہارت نام خدائے تعالیٰ نتواں گفت
کہ روزے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو نداشت دست بر دیوار زد و تیمم کرد و
جواب سلام بازداد فرمود چوں من بے وضو باشم بر من سلام نکنید کہ من جواب سلام ندہم
دیگر آنکہ بر صوفیاں ناگاہ سلام نباید کرد کہ ایشاں پیوستہ بذکر حق مشغول باشند
چوں ناگاہ بر ایشاں سلام کنند وقت بر ایشاں بشور آید چوں وضو کنند ایشاں جواب
سلام را ساختہ باشند وقت بر ایشاں شوریدہ نشود باب چہارم در آداب طعام خوردن
باید کہ چوں طعام خورد اول دست بشوید و بر پائے چپ نشیند و باول بسم اللہ گوید
و بآخر الحمد للہ گوید ابتداء بہ نمک کند و باید کہ لقمہ خُرد برگیرد و نیک بخاید و تا آں فرو
نبرد دیگر بر ندارد و باد و در طعام ندمد و در میان طعام خوردن خلال نکند و در لقمۂ دیگراں
نظر نہ کند و از پیش خویشتن خورد و دست گرد کاسہ برنیارد و بر سفرہ سخن نگوید و تا جماعت
فارغ نشود دست باز نگیرد و چیزے در دہان آید نیفگند بیش از آنکہ از طعام فارغ
شود در دستار خوان دست نمالد و انگشتاں را پاک بلیسد و کاسہ را پاک کند
و دست آلودہ بر نمک نزند در میان طعام آب نخورد و بدو معنی یکی آنکہ از روئے طلب
زیانکار باشد و دیگر از روئے ادب کہ از دہان چرب کوزہ چرب شود و مردماں را از آں
کراہت آید و چوں از طعام فارغ آید ختم ہم بنمک کند پس خلال کند و دست بشوید
و در دست شستن بر پائے چپ نشیند و اُشنا بر دست چپ کند و آب بر دست
راست بریزد و اول اشنا بر لب بمالد پس دستہا بشوید و چوں دہان بشوید آب در
طشت چناں بریزد کہ چشم کسے بر آں نیفتد و خوی در طشت نافگند و چوں دست شست
جائے در آستین کند باب پنجم در طلب دعوت باید کہ چوں او را بدعوت خواند اجابت
کند چیزے نباشد در آں دعوت کہ شرع حرام کردہ است چوں مزامیر و صورتہا کہ در دیوارہا
کردہ باشند و چوں بدعوت رود آنجا نشیند کہ خداوند خانہ خواہد و چوں طعام پیش کسے

نهند زله برنگیرد مگر خداوند خانه بروی الحاح کند واز کرم وے شناسد تکلف نیست خصوصت
داده است ودر سرائے وی بهر جانب ننگرد ونپرسد که این سرای بچند خرید که طمع
آمیز بود وچون طعام خورده باشد بیرون آید وتا خداوند خانه رها نکند نرود ومیزبان را
باید که طعام حلال دهند وپاکیزه ودر طعام آداب بجا آرد ونگوید که این طعام بچند خریده
ومنت بر مهمان نه نهند بلکه منت ازوی قبول کند زیرا که چون مهمان را از خانه بیرون
کند چنانچه مصطفی صلی الله علیه وسلم فرموده است الضیف اذا نزل
نزل برزقه واذا ارتحل ارتحل بذنوب صاحب بیته وجمع
من الدار وچون مهمان بخانه آید گناه اهل خانه جمله باخود ببرد وبرکات درخانهٔ او
بگذارد وهر طعامی که از وی بماند اورا حساب نه باشد۔ باب ششم در سماع سماع را
تکلف مکن ومنتظر مشو۔ چون پیش آید بغفلت وتکلف منشین ووقت خویش با خدا نگاه
دار وچون وارد بر تو آید اگر پیری حاضر باشد تا توانی آرام گیر واگر وارد قوی باشد وترا بجنباند
بتکلف منشین وچون ساکن شود بتکلف مجنب که برکت آن وقت برود ودر دقت نرسی
ودر حرکت از کس یاری نخواه واگر از تو مساعدة خواهد موافقت مکن ودر سماع سه چیز
نگاه دار مکان وزمان واخوان اما مکان باید که فراخ باشد وکشاده واز نظر اغیار
پوشیده اما زمان باید که وقت شناسد واز روئے ظاهر شب پسندیده تر باشد
تا عوام را از آن خبر نباشد وصاحب حال از صاحب قال پدید آید صاحب حال
سماع را بر خواب اختیار کند که صاحب ورد را خواب نبرد ودر شب اجتماع دلها
بغیر صورت نه بندد وحقیقت زمان حقیقت وقت است چون وقت
آید شب وروز یکسان باشد اما اخوان جنس است که همه یکرنگ ویکسان باشد ونا
جنس نباشد که سماع درنگیرد وصحبت ناجنسان ورای همه عذابهاست بزرگان
گفته اند که وقت صوفی سه چیز است مجالست افراد وصحبت حداث وتوافق زبان
وگفته اند که جنید رحمة الله علیه در سماع بود وسماع درنمیگرفت شیخ گفت بنگرید که تا هیچ
ناجنسی درمیان ماهست طلب کردند هیچ ناجنس نیافتند شیخ گفت بهتر بنگرید۔

طلب کردند کفش صوفی با کفش عامی بدل شده بود سماع ازاں درنمی گرفت وقوال باید که موئی روی داشته باشد وکسی که موئے روئے ندارد برابر دختری باشد وسماع چنیں بشرط باشد که غذا روح و دل باشد موافق شرع وازاں راحت حیات حقیقی و درجات بلند و مکاشفات غیبی حاصل آید وچوں خلاف ایں بود آفت و معصیت و تہمت پدید آید که تکلف دیگر است و تصوف دیگر باب ہفتم در صفت سفر باید که سفر خلاف از بہر سہ چیز نہ کند زیارت ریاضت و دیدار مشائخ وانچه برخلاف ایں بوده برسافر تاوان باشد وچوں بسفر رود باید که رفیق ہمدم وہم ارادت طلب کند و بی عصا وابریق نرود باید که عصا بدست راست گیرد وابریق بدست چپ وچوں بخانقاه درآید ستان عصا بسوی خود کند و معنی ایں آں باشد که مار اجنگ با خود است و در سفر و حضر باید که از پنج چیز خالی نباشد اول سواک و خلال و شانه و ناخن گیر و سرمه داں باید که پیوسته با وضو باشد واگر طاقت دارد پیاده رود تا مزد کش یابد و سیان بر بندد و آستین بر زند تا چابک باشد وچوں بالائے پشت رود تکبیر گوید و در راه دریوزه نکند و در مسجد نه خسپد مگر بضرورت اینست اداب ظاہر لابد نگاه باید داشت وہر که ایں ندارد صحبت را نشاید و آداب باطن خود کاری دیگر ست واگر کسے خواہد که بداں رسد مجاہده و ریاضت باید کرد تا در باطن او چیزے ظاہر شود و پنج آہنی چیز با خود باید داشت در سفر یکے کارد دوم استره سیوم ناخن گیر چہارم سوزن پنجم آتش زنہ یعنی چقمق واللہ اعلم بالصواب۔

سفینۃ الاولیا میں ہے کہ حضرت شیخ فضیلت و طریقت و تصوف میں یگانہ اور بے نظیر تھے اور اُن سے بکثرت خوارق و کرامات صادر ہوئے ہیں آپ کے نسبت ارادت دو طرف تھی ایک عمار یاسر رحمۃ اللہ علیہ کے طرف دوسری شیخ اسمٰعیل حضری کے طرف۔ اول الذکر سید شیخ ابوالقاسم گرگانی کے واسطہ سے اوپر تک جاتا ہے اور دوسرے سلسلہ کے اسماء صاحب نفحات الانس نے

نے شیخ رکن الدین علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کے روایت سے یہ بیان کئے ہیں وہ شیخ اسمعیل حصری وے از محمد بن بالکیل (بہ سکون اسلام وکسر کاف وسکون یای تحتانیہ والالام) وی از محمد بن داؤد المعروف بہ خادم الفقرا۔ وے از ابوالعباس ادریس وے از ابوالقاسم بن رمضان۔ وے از یعقوب طبری وے از ابو عبداللہ بن عثمان وے از ابو یعقوب نہرجوری وے از ابو یعقوب سوسی وے از عبداللہ بن زید وے از کمیل ابن زیاد قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم و وے از سیدنا امیر المومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ۔

آپ کی وفات کا حال نفحات الانس میں طرح درج ہے کہ کفار تتار کے حملہ سے سلطان محمد خوارزم شاہ پریشان ہو کر بھاگا بھاگا پھرتا تھا۔ تاتاریوں کو یہ معلوم ہوا کہ سلطان خوارزم میں ہے۔ پس انہوں نے اُس دہکا رُخ کیا۔ یہاں حضرت شیخ نجم الدین کبری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے اصحاب مثلاً شیخ سعد الدین حموی و شیخ رضی الدین علی لالا وغیرہ کو بلا کر ارشاد فرمایا کہ اپنے اپنے ملکوں کو جلد چلے جاؤ۔ ایک آگ مشرق سے اٹھی ہے اور مغرب تک جلاتی چلی جائیگی۔ بعض اصحاب نے فرمایا کہ حضرت دعا فرمائیں کہ یہ بلا مسلمانوں پر سے دفع ہو جائے۔ آپ نے فرمایا یہ قضائے مبرم ہے دعا سے دفع نہیں ہو گی۔ پھر اصحاب نے فرمایا کہ سواریاں تیار ہیں حضرت شیخ بھی ساتھ تشریف لے چلیں تاکہ ہمراہ رکاب سب خراسان چلیں شیخ نے فرمایا نہیں میرے لئے یہاں شہادت مقسوم ہے۔ باہر نکلنے کے اجازت نہیں ہے۔ اس کے بعد ان کو تو آپ نے روانہ کر دیا اور خود بقیہ اصحاب کے ساتھ اُٹھے اور فرمایا قوموا علی اسم اللہ نقاتل فی سبیل اللہ یعنی آؤ خدائے عزوجل پر توکل کر کے اٹھیں اور اس کی راہ میں جہاد کریں۔ آپ مکان میں اندر تشریف لائے۔ خرقہ پہنا۔ کمر مضبوط باندھی اور نیزہ ہاتھ میں لیکر باہر آئے۔ جب کفار کا مقابلہ ہوا تو پہلے سنگ باری شروع کی۔ کفار نے تیر مارنے شروع کیے حتیٰ کہ ایک تیر سینہ مبارک کو لگا۔ آپ نے نکال کر پھینکدیا اور اسی طرح زخمی لڑتے

رہے اور شہید ہوئے۔ شہادت کے وقت ایک کافر کا پرچم پکڑ لیا تھا۔ شہادت کے بعد دس آدمیوں سے مل کر بھی یہ نہ ہو سکا کہ شیخ کے ہاتھ سے پرچم نکال لیں۔ آخر پرچم کو کاٹنا پڑا۔ بعض کہتے ہیں کہ مولانا روم کے اس غزل میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

ما ازاں محتشمانیم کہ ساغر گیرند	نہ ازاں مفلسگاں کان بز لاغر گیرند
بیکے دست مے خالص ایمان نوشند	بہ یکے دست دگر پرچم کافر گیرند

سفینۃ الاولیا میں بجائے "پرچم" کے "کاکل" ہے اور یہی واقعہ مذکور ہے۔

صاحب مراۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ آپ خاندان فردوسیہ میں سر حلقہ اہل ذوق وسماع اور علوم ظاہر و باطن کے جامع تھے۔ آپ کے نزدیک صحو کے مقابلے میں سکر زیادہ عزیز تھا۔ آپ اکثر اوقات فنائے احدیت میں مستغرق رہا کرتے تھے اور جو کچھ زبان مبارک سے نکلتا فوراً ظاہر ہوتا تھا۔

میر سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لطائف اشرفی میں لکھتے ہیں کہ شیخ میراں محی الدین سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنا خرقہ مبارک بلاواسطہ شیخ نجم الدین کبریٰ کو عطا فرمایا ہے۔

صاحب مراۃ الاسرار کے تحقیق کی رو سے آپ کی ولادت مبارک ۵۴۰ھ (پانسو چار ہجری) میں بزمانہ سلطان سنجر واقع ہوئی تھی اور ۶۱۸ھ (چھ سو اٹھارہ ہجری) میں بزمانہ سلطان محمد خوارزم شاہ ہلاکو خاں کی فوج کے ہاتھ شہادت نصیب ہوئی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی رح

قبلہ ارباب بصیرت محقق اسرار حقیقت۔ شیخ الشیوخ۔ قطب وغوث زمانہ عالم وعامل وفاضل یگانہ پیشوائے وقت ممتاز بعشق وجوانمردی۔ غوث وقت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت محمد بن ابی بکر الصدیق

رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اولاد سے تھے اور تصوف میں اپنے چچا شیخ ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نسبت ارادت وخرقہ رکھتے تھے۔ لطائف اشرفی میں ہے کہ شیخ شہاب الدین عمرؓ نے ابومحمد بن عبداللہ بصریؒ اور ابومدین مغربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما سے بھی خرقہ خلافت حاصل کیا ہے۔ نفحات الانس میں ہے کہ امام یافعی کہا کرتے تھے کہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ استاد زمانہ فرید اوانہ مطلع انوار۔ منبع اسرار۔ دلیل طریقت۔ ترجمان حقیقت۔ اکابر شیوخ کے استاد۔ علوم ظاہر وباطن کے جامع۔ قدوۃ العارفین۔ عمدۃ السالکین اور عالم ربانی تھے۔ آپ کو حضرت شیخ الجن والانس سید محی الدین عبدالقادر جیلانیؓ کی صحبت مبارک کا بھی شرف حاصل ہوا ہے اور آپ سے فیض حاصل کیا ہے۔ جناب بڑے پیر صاحب آپ کو کہا کرتے تھے کہ انت آخر المشہورین بالعراق۔ سہروردیوں کو اسی لئے قادریہ کے ایک فرع بھی کہا جاتا ہے۔ امام عبداللہ یافعیؒ تکملہ میں فرماتے ہیں کہ شیخ الشیوخؓ سے منقول ہے کہ میں جوانی میں علم کلام سے بہت شغل رکھتا تھا اور اس علم کے چند کتابیں میں نے یاد کرلی تھیں۔ میرے چچا اس سے بہت رد کرتے تھے۔ لیکن میں باز نہیں آتا تھا۔ ایک دفعہ وہ مجھے اپنے ہمراہ جناب غوث الاعظم شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لے گئے اور حضرت سے کہا کہ سیدی یہ میرا بھتیجا عمر علم کلام سے بہت رغبت رکھتا ہے اور ہرچند میں منع کرتا ہوں لیکن نہیں مانتا۔ آپ نے فرمایا اے عمر کون کون سی کتابیں تمہیں یاد ہیں میں نے سبھوں کے نام لئے آپ نے دست مبارک میرے سینہ پر پھیرا۔ جو کچھ مجھے یاد تھا سب بھول گیا۔ اور اس کے عوض اللہ جل شانہٗ نے اسی وقت علم لدنی کے دروازے میرے دل پر کھول دئے۔ جب شیخ شہاب الدین سہرورد یؒ کی ملک عراق میں شہرت ہوئی تو دور نزدیک سے ارباب طریقت استفادہ کے لئے آنے لگے اور اپنی مرادیں پاکر واپس جاتے۔ صاحب مراۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ

اور تصرف قوی دست دادہ بود وہمتے بلند داشت۔ حضرت گنجشکرؒ فرماتے ہیں کہ میں چند روز شیخ شہاب الدین عمر قدس سرہٗ کے خانقاہ میں رہا ہوں ہر روز شام تک تقریباً دس ہزار دینار فتوح آتی مگر شام تک ایک پیسہ باقی نہ رہتا سب راہ خدا میں خرچ ہو جاتا۔ راحت القلوب میں حضرت گنجشکر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے خلایق پر سے اپنی آنکھ کو بند رکھا۔ جب آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا اس کی وجہ یہ تھی کہ خلق اللہ میں سے کسی کے عیب میری نظر میں نہ آئیں۔ آپ کی کرامتیں اس قدر ہیں کہ بیان نہیں ہو سکتیں۔

آپ کا مذہب شافعی اور طریقہ کامل اتباع سنت نبوی صلعم تھا۔ بغداد کے خاص وعام کا روئے ارادت آپ کے جانب تھا۔ شیخ نجم الدین آپ کے ایک مرید بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اپنے پیر شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ کے پاس خلوت میں بیٹھا ہوا تھا کہ حالیبدیں روز عالم واقعہ میں مجھے یہ نظر آیا کہ گویا حضرت شیخ الشیوخ ایک بلند پہاڑ پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور جواہرات بکثرت آپ کے سامنے پڑے ہوئے ہیں اور دامن کوہ میں بیشمار خلقت جمع ہے جس کی طرف یہ تمام جواہر شیخ پھینکتے جاتے ہیں اور جب دو ایک جواہر رہ جاتے ہیں تو پھر اُن میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ گویا شیخ کے قدموں کے نزدیک جواہرات کا ایک چشمہ ہے۔ شیخ نجم الدین کہتے ہیں کہ جب میں یہ دیکھکر خلوت سے باہر آیا اور حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو قبل اس کے کہ میں اپنا خواب بیان کروں شیخ نے فرمایا کہ تم نے جو کچھ عالم واقعہ میں دیکھا ہے سب سچ ہے یہ اور اس کے مانند اور بہی شیخ عبد القادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عطیہ ہی جو علم کلام کے عیوض مجھے عطا فرمایا تھا۔

صاحب مراۃ الاسرار فرماتے ہیں کہ "سنتے از سنتہائے رسول اللہ صلعم از وے تا آخر وقت فوت نہ شد وآں قدر تصرفات صوری ومعنوی دیر اوست

داده بود که خال خال ازیں قوم شنیده می شود "۔ آپ کے دامن تربیت میں جن بزرگوں نے تربیت پائی اُن میں شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ شیخ نجیب الدین علی برغش وحضرت سید معز الدین قدس اسرار ہم ہیں۔

آپ نے اپنے زمانہ کے بہت سے شیوخ کی صحبت اٹھائی تھی اور عرصہ تک بعض ابدالوں کی صحبت میں رہے تھے اور حضرت خضر علیہ السلام سے ملتے رہتے تھے۔ شیخ سعد الدین حمویؒ فرماتے ہیں کہ جناب نبی صلعم کی متابعت کا نور سہروردی کی پیشانی سے تاباں ہے۔

اخبار الاخیار میں ہے کہ آپ اپنے پیرو مرشد کے ساتھ ایک مرتبہ حرم کعبہ میں تشریف فرما تھے۔ حضرت پیر و مرشد مشغول بحق تھے کہ اتنے میں حضرت خضر علیہ السلام آئے۔ شیخ نے کوئی توجہ نہیں کی اور مشغول بحق رہے۔ حضرت خضر علیہ السلام تھوڑی دیر توقف کر کے چلے گئے۔ جب آپنے بازگشت فرمائی تو حضرت شہاب الدین نے فرمایا کہ انبیا علیہ السلام میں سے ایک نبی آپ کے ملنے کو آیا تھا اور آپ بالکل متوجہ نہ ہوئے۔ آپنے فرمایا و یحک تمہیں کیا معلوم خضر آئے اور لوٹ گئے۔ وہ پھر آجائینگے لیکن حق کے ساتھ جو میرا وقت مشغولی تھا وہ اگر چلا جاتا تو پھر نہ آتا۔ اتنے میں حضرت خضرؑ پھر تشریف لائے اور آپ نے تعظیم دی۔

آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں عوارف معارف بہت مشہور ہے جو مکہ معظمہ میں رہکر آپ نے تصنیف فرمائی تھی۔ صاحب نفحات الانس لکھتے ہیں کہ جب کبھی آپ کو کوئی مشکل بات پیش آتی تو حق تعالیٰ کی طرف رجوع فرماتے اور بیت اللہ کا طواف کرتے۔ اللہ جل شانہ اس مشکل کو حل فرما دیتا اور جو امر حق ہوتا آپ پر ظاہر فرماتا۔

دور دراز ملکوں کے لوگ آپ سے استفتا کرتے اور مسئلے دریافت کرتے تھے چنانچہ ایک شخص نے ایک مرتبہ آپ کو لکھا کہ اے خواجہ اگر میں عمل کو ترک کرتا ہوں تو بطالت کی طرف طبیعت رُخ کرتی ہے اور اگر عمل کرتا ہوں تو عجب دل میں پیدا

ہوتا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ عمل کئے جاؤ اور عجب سے نجات حاصل کرنے کے لئے اللہ جل شانہٗ سے استغفار کرتے رہو۔

آپ آخر ماہ رجب ۵۴۹ھ پانسو انتالیس ہجری میں پیدا ہوئے اور ترانوے سال کی عمر میں یکم محرم ۶۳۲ھ چھ سو بتیس ہجری کو بزمانہ ابو جعفر منصور بن طاہر الملقب بہ مستنصر باللہ بمقام بغداد شریف انتقال فرمایا آپ کا مزار مبارک بغداد میں اندرون شہر واقع ہے تبرک و یزار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

آپ کا ارشاد ہے کہ جب علم دل تک پہونچا تو دل کی آنکھ کھل گئی اور حق و باطل کو دیکھا۔ اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے کہ علم الانسان مالم یعلم۔ یعنے جو کچھ انسان نہیں جانتا تھا اُسے سکھلایا۔ آدم میں جب علم و حکمت کی ترکیب دی گئی تو اپنے فہم و فطانت، معرفت و رافت، حب و بغض، شادی و غم، رضا و غضب، کیاست حاصل ہوئی۔ اس کے بعد ان سب کے استعمال کے لئے راہیں مقرر کیں اور اور اس کے قلب کو بینائی عطا فرمائی اور جو نور آدم کو عطا ہوا اُس سے اس نے اللہ جل شانہٗ کی طرف راہ پائی۔ آپ نے فرمایا کہ اسلام کے گروہوں میں سے اہل تصوف حسن متابعت نبوی (صلعم) میں کامیاب ہوئے۔ ان حضرات نے حضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کی پیروی کی اور آپ کے اوامر پر قائم اور نواہی سے باز رہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ جو عارف باللہ ہے وہ اللہ ہی سے اپنے اعمال حاصل کرتا ہے۔ اور اُسی کی طرف ان اعمال میں رجوع کرتا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ نوافل پر خدمت کو فضل حاصل ہے اور خادم کا مقام جسکی طرف اُسے توفیق ہوتی ہے ایک نادر مقام ہے بعض خادم اپنے مقصد کو پہنچ جاتے ہیں اور بعض نہیں پہونچتے اور اس نارسیدگی کی وجہ ان کی نیت کا کھوٹ ہوتا ہے۔ جو خادم کہ خالص نیت رکھتا ہے وہ اپنے نفس کی پیروی نہیں کرتا اور اللہ جل شانہٗ کے کام میں لومۃ لائم سے نہیں ڈرتا۔ آپ کا ارشاد ہے کہ شیخ مرید کے لئے بمنزلہ ایک صورت کے ہے۔ جس کے پیچھے مطالبات الٰہی اور مرضیات نبوی نظر آتی ہیں۔ اس کے عقیدہ میں شیخ ایک دروازہ کے مانند

ہے جسے اللہ جل شانہ نے اپنے آستانۂ کرم کی طرف وا کر دیا ہے اُسی میں وہ داخل ہوتا ہے اور اسی کی طرف وہ رجوع کرتا ہے اور شیخ ہی کے ساتھ اُس کی واردایتں اور دینی و دنیوی مہمات نازل ہوتی ہیں۔ سچا فقیر اور حقیقی صوفی وہ ہے جو لوگوں سے کچھ نہ مانگے۔ ایسے فقیر بعض بہت صاحب ادب ہوتے ہیں اور ادب ہی کی بدولت اُس مرتبہ پر فائز ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ سبب کو ڈھونڈھنا اور سوال کرنا عوام کا رتبہ ہے۔ اللہ جل شانہ کا خاص بندہ مسلوب الاختیار و غیر اللہ سے ناواقف ہوتا ہے اور اللہ ہی کے فعل کا نظارہ کرنے والا اور اسی کے حکم کا منتظر ہوتا ہے جب یہ حالت ہو جاتی ہے تو عطا کا دروازہ اُس کی طرف کھل جاتا ہے اور تجلیات الٰہی کا بطریق افعال کشف ہونے لگتا ہے تجلی بطریق افعال جو قرب کا اک درجہ ہے اُسے حاصل کر کے وہ تجلی بطریق الصفات پر ترقی کرتا ہے۔ وہاں سے تجلی بالذات تک پہنچتا ہے۔ ان تمام تجلیات میں مراتب یقین اور مقامات توحید کی طرف اشارہ سمجھنا چاہئے۔ تجلی بطریق افعال رضا و تسلیم کی صفائی پیدا کرتی ہے اور تجلی بطریق الصفات سے ہیبت و اُنس پیدا ہوتا ہے اور تجلی بالذات سے فنا اور بقا نصیب ہوتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ سماع سے جو لوگ انکار کرتے ہیں ہم اُن کی طرف سے معذرت کرتے ہیں اور اس سماع میں جو اختیار کیا جائے اور اس سماع میں جس سے انکار کیا جائے فرق ہے۔ بعض کا قول ہے کہ جس طرح طاعت صفت ظاہر کا سر ہے اُسی طرح وجد صفت باطن کا سر ہے اور ظاہر کے صفات حرکت و سکون ہیں اور باطن کے صفات احوال و اقوال ہیں۔ سماع تین قسم کے آدمی سنتے ہیں۔ ایک وہ جو سماع کے وقت مخاطبات حق کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ دوسرے وہ جو اپنے اقوال و مقام کی مخاطبات کی طرف رجوع کرتے ہیں اور تیسرے وہ لوگ ہیں جنہوں نے علایق دنیاوی سے قطع تعلق کر لیا ہے اور اُن کے قلوب محبت دنیا اور جمع و منع سے ملوث نہیں ہیں۔ ایسے لوگ اپنے قلب کے خوش کرنے کے لئے سنتے ہیں اور یہ سماع کے اہل ہیں۔ آپ فرماتے

ہیں کہ وجد ایک شئے ہے جو اُس شخص پر جو اللہ کا ارادہ کرے بجانب اللہ وارد ہوتی ہے اور کثیف لطیف پر مسلط نہیں ہو سکتی۔ پس جبتک مرد رسیدہ اپنی راہ استقامت پر برابر گامزن رہتا ہے اور وجود کے جھگڑوں اور کشاکش کی وجہ سے طریق معہود سے منحرف نہیں ہوتا اُسے سماع میں وجد نہیں آتا۔ آپ کا ارشاد ہے کہ نفس بالطبع خلوت پسند نہیں ہے اس لئے آدمی جب خلوت میں بیٹھتا ہے تو گویا مخالفت نفس کرتا ہے۔ پس جب اُسے عادت کی قرارگاہ سے اُٹھا کر طاعت الٰہی میں پابند کیا جاتا ہے تو بندہ کے دل پر تلخی سی معلوم ہوتی ہے جس کے بعد ایک قسم کی حلاوت پیدا ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بعض کے نزدیک نماز کی چار شاخیں ہیں۔ ایک حضور قلب۔ دوم ملک الوہاب کے نزدیک عقل کا شہود۔ تیسرے خشوع قلب بلا اشتباہ۔ چوتھے خضوع و حفاظت ارکان نماز۔ حضور قلب کے وقت پردے اُٹھ جاتے ہیں شہود عقل کے وقت عتاب دور ہوتا ہے اور حضور نفس کے وقت دروازے کشادہ ہوتے ہیں اور خضوع و حفاظت ارکان کے وقت ثواب حاصل ہوتا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ روزہ کے آداب میں ظاہر و باطن کا ضبط و حفظ و پاس داخل ہے۔ جس طرح نفس کو طعام سے روکا جاتا ہے اسی طرح اعضا کو گناہوں سے روکا جاتا ہے آپ نے فرمایا جو لوگ صاحب قوت ہیں اُن پر حال تصرف نہیں کرتا بلکہ وہ خود حال پر متصرف ہوتے ہیں اور اُسے اعمال کے صورت میں کھلاتے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ مرید کو چاہیئے کہ شیخ کی مجلس میں خاموش بیٹھا رہے اور جب خود شیخ حکم فرمائے تو کلام کرے۔ شیخ طالب کے نگاہ اپنے قول کے طرف چاہتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ طالب اُسکے قول کو سمجھتا اور اس پر اعتبار کرتا ہے۔ قول کی مثال تخم کی سی ہے۔ اگر تخم خراب ہوتا ہے تو نہیں اُگتا۔ کلام کے تخم کو خراب کرنے والی شئے ہوائے نفس ہے۔ شیخ طالب کو اس کھوٹ سے پاک وصاف کرتا ہے اور اُسے اللہ جل شانہٗ کے سپرد کر دیتا ہے۔ لہٰذا اُس کا کلام حق کے ساتھ حق سے اور حق کے واسطے ہوتا ہے۔ اسی واسطے مریدوں کے لئے شیخ اسی طرح امین الہام ہوا کرتا ہے جس طرح پیغمبروں کے لئے جبرئیلؑ امین وحی ہیں۔ پس جس طرح جبرئیلؑ وحی میں خیانت

نہیں کرتے شیخ بھی الہام میں خیانت نہیں کرتا۔

مرید کو چاہئے کہ اپنے لئے شیخ کی منزلت سے بالاتر کسی رتبہ کی تمنا نہ کرے بلکہ ہر منزلت کا شیخ ہی کے لئے خواستگار ہو۔ اس ادب و ارادت سے مرید کو اس سے زیادہ ملجاتا ہے جو وہ خود اپنے لئے چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک حکیم سے کسی نے سوال کیا کہ تیرے نزدیک تیرا بھائی محبوب تر ہے یا تیرا دوست۔ اس نے جواب دیا کہ میں اپنے بھائی کو اس وقت محبوب کہتا ہوں جبکہ وہ میرا دوست بھی ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا تجرید سے مراد یہ ہے کہ بندہ جملہ امور میں اغراض سے مجرد اور خالی ہو جائے اور تفرید یہ ہے کہ اپنے نفس کو اپنے کاموں کے اندر نہ دیکھے۔ جس طرح تجرید میں اغیار کی نفی ہوتی ہے۔ تفرید میں اپنی نفس کی نفی ہوتی ہے آپ نے فرمایا کہ سالک پہلے اعمال سے شروع کرتا ہے۔ پھر اس کے اوپر احوال طاری ہوتے ہیں اور وہ اس طرف ترقی کرتا ہے۔ بعد ازاں اعمال و احوال کا وہ جامع ہو جاتا ہی جو انتہا ہے۔ اس وقت اس کی روح حضرت الٰہی کی طرف منجذب ہوتی ہے اور قلب نفس سے کہتا ہے کہ میرا حکم مان اور نفس قالب سے کہتا ہے کہ میرا حکم مان پس قالب و نفس و قلب تینوں قائم باللہ اور ساجد بین یدی اللہ ہو جاتے ہیں اس وقت روح محبت تمام اجزا میں سرایت کرتی ہے۔ پھر کہیں اللہ جل شانہ کے ذکر اور تلاوت کلام الٰہی سے اُسے تنعم و خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالےٰ اُسے محبوب رکھنے لگتا ہے اور جب اللہ جل شانہ محبوب رکھتا ہے تو تمام مخلوق بھی اُسے محبوب رکھتی ہے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمہ آپ ہی کے مرید تھے وہ آپ کے ایک نصیحت کو اس طرح نظم کرتے ہیں۔ ؎

مرا پیر دانائے مرشد شہاب	دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ بر خویش خود بیں مباش	دوم آنکہ بر غیر بد بیں مباش

خواجہ غریب نواز معین الدین حسن سنجری ثم الاجمیری

رحمۃ اللہ تعالے علیہ

گوہر معدن تحقیق۔ لولو لجہ تصدیق۔ نیر انوار معرفت۔ عروج گلزار شخنت۔ محبوب محبوب خدا۔ مقبول بارگاہ مصطفےٰ۔ امام ارباب طریقت۔ پیشوائے اصحاب حقیقت سر حلقہ مشائخ کبار۔ سر دفتر اولیائے نامدار۔ قدم بقدم علی مرتضیٰ۔ متبع اسوہ احمد مجتبیٰ۔ واقف اسرار یزدانی۔ کاشف رموز ربانی چشمۂ جود و سخا منبع لطف و صفا۔ حامی دین متین۔ خواجہ خواجگان خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اُن اولیا کبار میں سے ہیں جن پر عالم ہمیشہ ناز کرے گا

آپ کی ولادت باسعادت علاقہ سیستان کے قصبہ سنجر میں ہوئی۔ سیستان کو سجستان بھی کہتے ہیں اس لئے آپ کو سجزی (س۔ج۔ز۔ی) بھی کہتے ہیں اور سنجری (س۔ن۔ج۔ر۔ی) بھی۔ یہ مبارک دن دوشنبہ کا تھا رجب المرجب ۵۳۷ھ (پانسو سینتیس ہجری) یا ۵۳۶ھ (پانسو چھتیس ہجری) کی چودھویں تاریخ اور صبح صادق کا وقت تھا۔ جب آپ اس عالم میں تشریف لائے۔

آپ جب پیدا ہوئے اسلامی حالت کیا سیاسی اور کیا مذہبی سب عجب تزلزل میں تھی۔ اسی سال تاتاری کفار نے سلطان سنجر کو شکست دیکر تمام ملک کو تہ و بالا کر دیا تھا۔ حاکم سیستان زندہ گرفتار ہو کر قتل کیا گیا تھا۔ وسط ایشیا ان سفاکوں کا جولانگاہ بنا ہوا تھا۔ شمالی ہندوستان و افغانستان میں غزنویوں کا دفتر الٹا جا رہا تھا۔ اور غوریوں کا زمانہ آنے والا تھا۔ ہندو راجاؤں کے کوشش مسلمانوں کو ہند سے خارج کر دینے کی ہر طرف جاری تھی سیستان کی یہ تباہی دیکھ کر آپ کے والد ماجد خواجہ غیاث الدین حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وطن مالوف کو خیر باد کہکر خراسان کا عزم کیا۔ مگر وہاں بھی امن نہ تہا اور عالم اسلامی کے عام بد امنی ایسا معلوم ہوتا تھا

کہ کوئی مقام محفوظ نہیں ہے ۵۴۹ھ میں خراسان خونریزی و جنگ و جدال کا مرکز بن گیا۔ سنجر کو تاتاریوں سے دوبارہ شکست ہوئی۔ مشہد مقدس و نیشاپور نہایت بے رحمی سے لوٹا گیا مرد و زن پکڑ پکڑ غلام بنائے گئے۔ مسجدیں۔ شفاخانے مکانات کسی کو وحشیوں نے نہ چھوڑا بڑے بڑے فقہا و علما شہید کر دئے گئے۔ آخر اسی عالم پریشانی میں خواجہ غیاث الدین حسن رحؒ نے بھی ۵۵۳ھ میں خراسان میں انتقال فرمایا۔ آپ کی والدہ ماجدہ بی بی نور رحمۃ اللہ علیہا آپ کی پرورش کی کفیل ہوئیں مگر ان کا سایہ بھی تا دیر نہ رہا۔ اور آخر آوان صبا میں آپ کو داغ یتیمی اٹھانا پڑا۔ اور عالم اسلامی میں تباہی سے جو پریشانی تھی اس میں مادر و پدر کے اٹھ جانے نے اور اضافہ کر دیا۔

آپ کے ترکہ پدری میں ایک باغ اور ایک پن چکی آئی۔ آپ کے حسب و نسب کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ کنز الانساب میں آپ کو سیدنا امام حسین علیہ السلام کی اولاد لکھا ہے۔ صاحب مراۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ میں جب اجمیر گیا تو میاں شیخ علاء الدین صاحب سجادہ خواجہ بزرگ قدس سرہٗ تھے۔ اُنھوں نے خواجہ بزرگ قدس سرہٗ کا شجرۂ نسب مجھے دکھایا۔ چند واسطے سے حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا تھا۔ نیز مریم زمانی جہاں آرا بیگم بنت شاہ جہاں بادشاہ نے رسالہ مونس الارواح میں خواجہ بزرگ کا نسب ائمہ اہل بیت سے ثابت کیا ہے۔ لیکن اس کے بعد شیخ عبد الرحمن چشتی رحؒ لکھتے ہیں کہ "در تصانیف پیران چشت و دیگر کتب معتبرہ ہیچ بنظر نیامدہ کہ حضرت خواجہ بزرگ از اولاد ائمہ اہل بیت بودہ اند واللہ اعلم" آگے لکھتے ہیں کہ آستانہ مبارک کے مجاور میر سید فخر الدین ساکن گرہ کے اولاد سے ہیں اور انکی اولاد ابتک خدمت آستانۂ متبرک پر موجود ہے۔ میر سید فخر الدین اکابر سادات عالی نسب سے تھے اور روحانیت مبارک خواجہ بزرگ قدس سرہٗ کے محبت میں وطن سے آکر اجمیر شریف میں اقامت اختیار فرمائی تھی۔ صاحب سفینۃ الاولیاء لکھتے ہیں کہ "از سادات حسینی بودہ اند" پدر بزرگوار کی وفات کے دو سال کے اندر اور عظیم الشان انقلابات رونما ہوئی۔ نیشاپور کو تاتاریوں نے دوبارہ برباد کیا۔ خانجنگیاں

اتنی عرصہ دراز تک رہیں کہ تمام شہر درہم برہم ہو گیا۔ مدارس۔ مکانات جلا دیے گئے۔ امام الحرمین ابو المعالی جوینی کے مکان میں آگ لگا دے گئے۔ اہالیان شہر بید ریغ قتل کیے گئے۔ یہ تمام واقعات آپ کی نظر سے گذرے اور انہوں نے عظیم الشان اثر قلب مبارک پر کیا۔

مذہبی حالت یہ تھی کہ تمام عالم اسلامی اس زمانہ میں ایک اضطراب کی حالت میں تھا۔ مذہب میں بکثرت فرقے پیدا ہو گئے تھے غنیۃ الطالبین میں ان تمام فرقوں کا مفصل حال مذکور ہے۔ خود خراسان جہاں حضرت خواجہ صاحب کے نشو و نما ہوئی مختلف مذہبی فرقوں کا مرکز رہ چکا تھا۔ خرمی مذہب یہیں سے نکلا۔ آفریدی اپنے مذہب کی بنیاد یہیں ڈالی ابو مسلم اسی سرزمین سے اٹھا۔ فتنہ راوندیہ یہیں سے بلند ہوا۔ المقنع نے یہیں ہنگامہ برپا کیا۔ حسن بن صباح نے یہیں نشو و نما پائی اکثر ملاحدہ نے یہیں سے خروج کیا۔ باطنی مزدکی۔ خرمی۔ شعوبی وغیرہ اور دیگر باطل فرقے بکثرت پھیلتے جا رہے تھے غرضکہ ایسے زمانہ میں خدائے عزوجل نے اپنی رحمت کاملہ سے بغداد میں سیدنا میراں محی الدین عبد القادر جیلانی رضؓ کو پیدا کیا جنہوں نے احیاء دین متین فرمایا۔ اور ہندوستان میں خواجہ خواجگان خواجہ غریب نواز معین الدین سنجری چشتی رحؒ کو معین دین بنا کر بھیجا۔ چنانچہ آپ کی روحانیت مبارک نے وہ گل کھلائے اور وہ پودے لگائے کہ ان کی خوشبو سے آج تک طالبوں کے مشام معطر ہو رہے ہیں۔ صاحب مراۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ "از وقت نبی علیہ السلام گرفتہ تا پانصد و چند سال ہیچ یکے از اولیائے امت را ایں تصرف دست نہ داد کہ دریں امر عظیم اقبال نماید الا ویرا کہ تمام ہند از اول آفرینش در ظلمت شرک ناہموارہ و تاریک شدہ ماندہ بود ہمہ را از قوت ولایت بنور وحدانیت منور گردانید"

سیر العارفین میں ہے کہ والد ماجد کی وفات کے بعد ایک دن آپ اپنے باغ میں لیٹے ہوئے تھے کہ ابراہیم نام ایک مجذوب وہاں آئے۔ خواجہ نے

نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ ایک درخت کے نیچے بٹھایا اور انگور کا ایک خوشہ سامنے
رکھکر ادب سے روبرو بیٹھ گئے۔ مجذوب نے کنجارہ (کھلی) کا ایک ٹکڑا بغل سے
نکال کر دانتوں سے چبایا اور خواجہ کے منہ میں ڈالدیا۔ کھاتے ہی قلب میں ایک نور
معرفت لامع ہوا اور دنیا کی بے ثباتی اور عالم اسلامی کی سیاسی بربادی جس سے آپکا قلب
مبارک کافی متاثر ہوچکا تھا سامنے پھر گئی۔ دو تین روز میں آپ نے تمام مال و اسباب فروخت
کرکے درویشوں کو تقسیم کردیا اور خود علائق دنیوی سے مجرد ہو کر تعلیم کے خاطر سمرقند و بخارا
کا عزم کیا۔ مولانا حسام الدین سے قرآن پاک حفظ کیا اور علوم ظاہری حاصل کئے مگر اس میں
کوئی کشود کار نظر نہ آیا تو گھبرا کر مرشد کے تلاش کیلئے نکلے اور عراق عرب کا قصد فرمایا یہاں
نواحی نیشاپور میں قصبہ ہارون میں خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ملازمت حاصل
ہوئی اور ڈھائی سال آپ کی خدمت میں رہ کر تربیت حاصل فرمائی اور ریاضت و مجاہدات
شروع کئے۔ جب تکمیل ہو چکی تو خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خرقہ خلافت
دیکر رخصت فرمایا۔ وہاں سے آپ بخارا میں آئے جہاں حضرت نجم الدین کبریٰؒ سے ملاقات
ہوئی۔ اس کے بعد قصبہ جیال میں آئے جہاں سیدی میراں محی الدین عبد القادر جیلانیؓ
سے ملاقات ہوئی وہاں سے آپ بغداد آئے جہاں شیخ المشائخ ضیاء الدین قدس سرہ
اور شیخ المشائخ شہاب الدین سہروردیؒ سے ملے اور ایک مدت تک صحبت میں رہے

لیکن انیس الارواح میں خود حضرت خواجہ صاحبؒ کے زبانی یہ درج ہے کہ
بغداد میں خواجہ عثمانؒ کا شرف خدمت مجھے حاصل ہوا۔ آٹھ برس ان کی خدمت میں رہا اور
طرح طرح صوری و معنوی سفر درپیش آئے اس وقت کہیں خرقہ خلافت خواجہ عثمانؒ سے
مشرف ہوا۔ اپنی بیعت کا حال خود یوں لکھتے ہیں۔

"جس وقت حقیر نے روئے نیاز زمین پر رکھا آپ نے توجہ فرمائی اور ارشاد
فرمایا کہ "دوگانہ ادا کر" میں نے حکم کی تعمیل کی۔ پھر قبلہ رخ بیٹھنے کے لئے
ارشاد ہوا میں نہایت ادب سے قبلہ کی طرف منہ کرکے بیٹھ گیا۔ پھر
فرمایا کہ "سورہ بقر پڑھو" میں نے خالص دل سے پوری سورۃ پڑھی

پھر فرمایا اکیس مرتبہ "سبحان اللہ" پڑھو میں نے تعمیل کی۔ اسکے بعد حضرت اٹھکر قبلہ رُخ کھڑے ہوئے اور میرا ہاتھ پکڑ آسمان کی طرف نظر کی اور فرمایا میں نے تجھے خدا تک پہونچا دیا"

اس کے بعد آپ نے ایسے مجاہدہ کئے جو حیرت میں ڈالنے والے تھے۔ شیخ فریدالدین گنج شکرؒ اپنے پیرو مرشد قدس سرہ العزیز کی روایت سے بیان فرماتے ہیں کہ خواجہ ہندؒ نے ابتدائی زمانہ میں اس سختی کے ساتھ مجاہدہ کئے ہیں کہ لوگ حیرت زدہ تھے۔ لگاتار سات سات دن تک روزہ رکھتے اور آٹھویں روز صرف پانچ مثقال کے ایک ٹکیہ سے پانی میں بھگو کر افطار فرماتے۔

آپ کی شان یہ تھی کہ جہاں کہیں تشریف لیجاتے یا تو بھٹکے ہوئے مسلمانوں کی ہدایت فرماتے یا غیر مسلموں کو دعوت اسلام دیتے اور اپنا ایک ایک نائب یا خلیفہ ہر مقام پر چھوڑتے جاتے۔ آپ جب بغداد شریف تشریف لے گئے ہیں تو یہ زمانہ شیخ الجن والانس سید محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا تھا۔ گو خود خواجہ سے کوئی روایت نہیں پہنچی تاہم "قرین قیاس ہے کہ حضرت سے آپ کی ملاقات ہوئی ہوگی۔ درالدارین فی مناقب غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سید غلام علی قادری موسوی لکھتے ہیں کہ بروایت لطائف الغرائب مصنفہ خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ صاحب مناقب کا بیان ہے کہ جب حضرت غوث الثقلینؓ نے قدمی ہذہ علیٰ رقبۃ کل ولی اللہ فرمایا تو خواجہ غریب نوازؒ خراسان میں ایک پہاڑ کے دامن میں مشغول بریاضت تھے جب آپ کو اس قول کا علم ہوتو فوراً آپ نے اپنا سر جھکا دیا۔ سیر العارفین میں ہے کہ خواجہ بزرگؒ کو بمقام جیال حضرت غوث الثقلینؓ کا شرف ملازمت حاصل ہوا اور ستاون روز آپ کے پاس رہے اور انواع اقسام کے فیوض باطن حاصل فرمائے۔ نیز لطائف الغرائب کے سند سے سید غلام علی قادری موسوی لکھتے ہیں کہ خواجہ بزرگ نے حضرت غوث الاعظم پیر و دستگیرؓ سے عراق کی ولایت مانگی تھی آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے اخی صالح میں نے عراق شہاب الدین عمر سہروردی کو دیا اور تمہیں مملکت ہند کے ولایت دیتا ہوں۔ اس سے

معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ بزرگ رح کے ملاقات حضرت غوث الثقلین رض سے ضرور ہوئی تھی مدینہ سے آپ سنجار تشریف لائے۔ یہاں غالباً حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ملاقات ہوئی ہوگی۔ وہاں سے بغداد تشریف لائے حضرت قطب الدین بختیار کاکی رح کو شرف بیعت یہیں نصیب ہوا۔ شیخ اوحد الدین کرمانی اور شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رح آپ کے مجلسوں میں شریک ہوا کرتے اور فیضیاب ہوا کرتے تھے۔ بغداد سے آپ ہمدان آئے جہاں شیخ یوسف ہمدانی رح سے ملاقات کی وہاں سے تبریز آئے جہاں شیخ ابوسعید تبریزی رح کا زمانہ تھا۔ انکی خدمت میں چند ایام رہے وہاں سے اصفہان گئے جہاں شیخ محمود اصفہانی سے ملاقات ہوئی جو بڑے پایہ کے درویش تھے۔ اصفہان سے آپ خرقان گئے جہاں تقریباً دو سال تک قرب وجوار میں ہدایت خلق فرماتے رہے۔ پھر استرآباد آئے جہاں شیخ ناصر الدین رح استرآبادی کی صحبت رہی۔ اس کے بعد ہرات کا عزم فرمایا۔ یہاں اکثر آپ پر بیخودی طاری رہتی تھی اور راتیں خواجہ عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار پر بسر کیا کرتے تھے۔ یہاں جب لوگوں کا ہجوم زیادہ ہوا تو سبزوار تشریف لے گئے۔ سبزوار میں یادگار محمد حاکم وقت نے جو فاسق وفاجر شخص تھا آپ کے ہاتھ پر توبہ کی اور خاصان خدا میں سے ہوا اُسے آپ نے حصار شادماں میں ہدایت خلق کے لئے چھوڑا اور خود بلخ تشریف لے گئے۔ یہاں ضیاء الدین فلسفی نے آپ کے ہاتھ پر توبہ کی۔ اسے آپ نے تعلیم وتلقین فرماکر بلخ میں ہدایت خلق کے لئے اپنا جانشین بنایا اور خود عازم غزنی ہوئے۔ جہاں شیخ عبدالواحد غزنوی سے ملاقات ہوئی۔ اس کے بعد آپ نے ہندوستان میں نور ہدایت پھیلانے کا عزم فرمایا۔ اُس وقت ہندوستان کی حالت بہت خراب تھی۔ سلطان محمود غزنوی کے کارنامے تہ ہو چکے تھے اور اُس کے زمانے کے اثرات باقی نہیں رہے تھے اور جو کچھ تھوڑا بہت اسلام کا چرچا تھا۔ وہ بھی ختم ہو گیا تھا ہندوستان کے نہ سیاسی حالت اچھی تھی اور نہ مذہبی۔ ایسے زمانہ میں ایک داعی الی اللہ کی سخت ضرورت تھی جو جانشین پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ہو۔ پہلے آپ لاہور تشریف لے گئے جہاں مخدوم علی

بن عثمان ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار پر چلہ کش ہوئے۔ شیخ حسین زنجانی بقید حیات تھے اُنسے ملاقات ہوئی۔ چندروز بعد لاہور سے پھر دہلی آئے جو ہندوسلطنت کا مرکز تھا۔ یہاں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کو ہدایت خلق اللہ کے لئے اپنا جانشین بنا کر اجمیر کا قصد فرمایا۔ اور یہ مقام چونکہ وسط ہند میں تھا اس لئے اسی کو نور ہدایت کا مرکز قرار دیا۔ معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ ۱۰ محرم ۵۶۱ھ کو آپ یہاں رونق افروز ہوئے۔

اجمیر میں بہت سے ہندو فقیروں سے آپ کا مقابلہ ہوا۔ یہ لوگ بھی بہت مجاہدہ ومرتاض اور صاحب استدراج تھے لیکن الحق یعلو ولا یُعلیٰ آپ کے انفاس مبارک کے شمیم نے سب کو عطر آگیں بنا دیا اور باطل کے عمارتیں خود بخود اس نورانی اثر سے منہدم ہونا شروع ہوئیں۔ شادی دیو اور جیپال جوگی جو اکابر فقرائے اہل ہنود تھے داخل سلسلہ اسلام ہوئے اور دعوت الی اللہ کے کام کو اب خود اپنے ہاتھوں میں لیکر کام کرنے لگے۔ اتنے میں رائے پتھورا اور شہاب الدین غوری سے جنگ ہوئی جس میں اول الذکر گرفتار ہو کر مارا گیا۔ شہاب الدین نے ہندوستان میں رہنا نہیں پسند کیا اور اپنے غلام قطب الدین ایبک کو نائب بنا کر واپس ہوا۔ اس سیاسی ورق کے اُلٹ جانے کی وجہ سے تبلیغ اسلام میں بہت مدد ملی اور جوق جوق لوگ اس دائرے میں داخل ہونے لگے۔

شہاب الدین غوری واپسی کے وقت سید وجیہ الدین مشہدیؒ کو اجمیر کا حاکم مقرر کرتا گیا تھا۔ یہ صاحب بڑے کھرے اور صاحب مرتبہ سید تھے۔ ان کی صاحبزادی بی بی عصمت اللہ سے آپ نے عقد فرمایا اور تین فرزند تولد ہوئے لیکن پہلا عقد آپ نے ایک ہندو راجہ کی لڑکی سے فرمایا تھا جسے حاکم بیٹلی نے گرفتار کر کے آپ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ اس کا نام بی بی امۃ اللہ تھا۔ ان کے بطن سے دو صاحبزادے اور ایک لڑکی تولد ہوئی۔ صاحبزادے بچپن ہی میں انتقال کر گئے اور صاحبزادی بی بی حافظ جمال کی شادی شیخ رضی الدین سے ہوئی جو خواجہ

علیہ الرحمہ کے قریب ایک مقبرہ میں مدفون ہیں۔ خواجہ علیہ الرحمہ کے نسل صرف خواجہ فخر الدین سے چلی جو خواجہ علیہ رحمہ کے بعد بیس برس تک آپ کی مسند پر سرفراز رہے ہیں۔ تبلیغ دین میں سید وجیہہ الدین مشہدی کے بھتیجے سید حسن مشہدی سے آپ کو بہت مدد ملی۔

سیر العارفین میں ہے کہ اکثر اوقات نواحی اجمیر سے لوگ سید حسین مشہدیؒ کی کوشش سے خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہونچتے اور مشرف باسلام ہوتے تھے۔ صاحب مراۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ "ہر کہ براہ اخلاص از خود مائل گشتہ ارادہ اسلام می کرد اورا تلقین احکام اسلام می فرمود وہرگز از خود اظہار این معنی نمی کرد و دیرا مزاحم نمی شد" یعنی جو لوگ مسلمان ہوتے اپنی خوشی سے ہوتے تھے۔ کسی پر جبر نہیں کیا جاتا تھا

مراۃ الاسرار میں ہے کہ ایک روز خواجہ غریب نوازؒ ایک بت خانہ میں تشریف لے گئے۔ وہاں سات پجاری اس وقت پوجا کر رہے تھے۔ جیونہی انکی نظر پڑی اپنے آپے میں نہ رہے اور بیتاب ہو کر سر قدموں پر رکھدیا اور اسلام قبول کیا۔ آپ نے سب کا نام حمید الدینؒ رکھا۔ ان میں سے ہر ایک آپ کی توجہ سے بڑے بڑے مرتبہ پر فائز ہوا ہے۔ ایک اور روز کا واقعہ ہے کہ ایک کافر چھُری بغل میں رکھکر ضرر پہنچانے کی نیت سے آپ کے سامنے آیا خواجہ علیہ الرحمہ نے فراست سے دریافت کر کے ارشاد فرمایا اۓ فلاں کیوں نہیں چھُرے سے کام لیتا۔ لے میں حاضر ہوں۔ یہ سُنتے ہی اُسکے بدن پر لرزہ پڑ گیا اور چھُری کو ایک طرف پھینک کر پیروں پر گر پڑا اور توبہ کر کے مشرف باسلام ہوا۔ اس روز کے بعد سے لوگ جوق جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہونے لگے۔

آپ ہر فرد کے ساتھ خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان۔ خویش ہو یا بیگانہ بہت تواضع فرمایا کرتے تھے اور ہر مذہب وملت کے لوگ آکر آپ کے فیض مشاہدہ سے بہرہ مند ہوتے تھے۔ یہی حال آپ کے مزار مبارک کے ساتھ ابتک ہے اور

ہر عام و خاص ہند و مسلمان کا مرکز بنا ہوا ہے۔

صاحب مراۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ آپ دو مرتبہ دہلی تشریف لے گئے ہیں۔ اول مرتبہ صرف خواجہ قطب الاسلامؒ کے دیکھنے کے لئے دوسری مرتبہ اپنے صاحبزادے خواجہ فخر الدین کے لئے موضع ماندن کا فرمان درست کرانے کے واسطے۔ ان دونوں موقعوں پر شمس الدین التمش دہلی کا بادشاہ تھا۔ دراصل آپ کا مقصود التمش کے تمنائے حصول ملازمت کو پورا کرنا اور اُسے سرفراز کرنا تھا ورنہ اصلاح فرمان کا کام تو ایک زبانی پیام سے بھی نکل سکتا تھا۔

دلیل العارفین جس میں خواجہ علیہ الرحمہ کے بارہ مجلسوں کے ملفوظات ہیں اس میں پانچویں ماہ رجب ۶۱۴ھ (چھ سو چودہ ہجری) کو خواجہ قطب الاسلام نے پہلی مجلس کا جو واقعہ لکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ علیہ الرحمہ کے آخری عمر کی یہ صحبت تھی۔ اور خواجہ قطب الاسلام دہلی سے اجمیر شریف آپ سے ملازمت حاصل کرنے تشریف لے گئے تھے۔ بارہویں مجلس سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ خواجگان علیہ الرحمہ اپنے احباب کو وداع کر رہے ہیں اور وصل حبیب کا شوق غالب ہے خواجہ قطب الاسلام لکھتے ہیں کہ پنجشنبہ کے روز آخری مجلس تھی۔ جامع مسجد اجمیر میں دولت پابوسی حاصل ہوئی۔ درویش و عزیز و اقربا۔ اہل صنع اور مرید سب موجود تھے ملک الموت کی گفتگو شروع ہوئی۔ آپ نے زبان مبارک سے یہ فرمایا کہ بغیر ملک الموت کے دنیا بے حقیقت ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ حضور کیسے آپ نے فرمایا حدیث شریف میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب یعنی موت ایک پل کے مانند ہے جو دوست کو دوست تک پہنچا دیتا ہے۔ اس کے بعد چند کلمات اور ارشاد فرما کر فوائد تمام کئے اور آنکھوں میں آنسو لا کر فرمایا کہ اے درویش ہیں یہاں اس لئے لائے ہیں کہ ہمارا یہیں مدفن ہوگا اور چند روز بعد ہم اس عالم سے سفر کرینگے۔ شیخ علی سنجری حاضر تھے اُن سے فرمایا کہ ہمارے طرف سے فرمان لکھ کر قطب الدین بختیارؒ کو دو کہ وہ دہلی جائیں

ہم نے انہیں خلافت عطا کی اور دہلی اُن کے لئے جائے قیام مقرر کی۔ جب فرمان لکھا جا چکا تو خواجہ قطب الاسلام کے ہاتھ میں دیا۔ اُنہوں نے زمین بوسی کی فرمایا نزدیک آؤ جب نزدیک گئے تو کلاہ مع دستار مبارک اپنے ہاتھ سے خواجہ قطب الاسلام کے سر پر رکھی اور شیخ عثمان ہارونیؒ کا عصا اور زرہ دی اور مصلی اور مصحف بھی عطا فرمایا اور ارشاد ہوا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امانتیں ہیں جو خواجگان چشت سے سلسلہ بسلسلہ ہمارے پاس آئے ہیں۔ میں تمہیں دیتا ہوں۔ جس طرح ہم نے اسکا حق ادا کیا تم بھی اسکا حق ادا کرتے رہو تاکہ فردائے قیامت کو اپنے بزرگوں کے سامنے شرمندگی نہ ہو۔ خواجہ قطب الاسلام نے زمین پر سر رکھا اور دوگانہ ادا کیا۔ خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ نے فرمایا اچھا اب جاؤ خدا کے سپرد کیا اور منزل گاہ عزت تک تمہیں پہنچا دیا۔ خواجہ قطب الاسلام فرماتے ہیں کہ دہلی پہنچنے کے چالیس روز کے اندر یہ خبر آئی کہ میرے روانہ ہونیکے بعد بیس دن خواجہ خواجگان اور بقید حیات رہے۔ اس کے بعد انتقال فرمایا۔

صاحب مراۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ آپ کے وفات روز دوشنبہ چھٹی ماہ رجب ۶۳۲ھ (چھ سو بتیس ہجری) کو ہوئی۔ لیکن کلمات الصادقین میں بتحقیق ۶۲۷ھ ہجری چھ سو ستائیس ہجری بیان کیا ہے۔ بعض نے ۶۳۳ھ (چھ سو تینتیس ہجری) لکھا ہے جو اس لئے صحیح نہیں ہے کہ خواجہ قطب الاسلامؒ کی وفات اسی سنہ کے ماہ ربیع الاول میں مذکور ہے اور خواجہ قطب الاسلام کا وصال تحقیق طور پر خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ہوا ہے۔ دلیل العارفین کا نسخہ میرے پاس ہے اس میں تاریخ آغاز جمع ملفوظات رجب ۶۱۴ھ درج ہے۔ مگر اسکی صحت میں شبہ ہے اور کتابت کی غلطی معلوم ہوئی ہے۔ اس لئے کہ اخیر مجلس کے بعد خواجہ قطب الاسلام کو حضرت خواجہ خواجگانؒ نے رخصت فرمایا اور دلیل العارفین کے بیان کے مطابق اُسکے بیس دن کے بعد وصال فرمایا ہے تو ۶۱۴ھ کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ نیز سیر العارفین میں حضرت خواجہ غریب نوازؒ کا سن مبارک ستانوے سال بیان ہوا ہے پس اگر

سنہ ولادت ۵۳۵ھ (پانسو سینتیس ہجری) ہے اور عمر بھی ستانوے ۹۷ کی تسلیم کی جائے تو رجب ۶۳۶ھ میں یہ مدت ختم ہوتی ہے اور قطب صاحب کے وصال کے بعد یہ تاریخ قرار پائی ہے۔ لیکن بعض نے قطب صاحب کا وصال ۶۳۶ھ میں لکھا ہے مگر یہ بھی صحیح نہیں ہوسکتا اس لئے کہ ربیع الاول میں قطب صاحب کا وصال ہوا ہے اور یہ مہینہ رجب کے قبل آتا ہے جو خواجہ خواجگان علیہ الرحمہ کے وصال کا مہینہ ہے۔

بہر حال دو ایک سال کا فرق عمر یا سنہ کے بیان میں کوئی فرق نہیں ہے اور جہاں عمر کا صحیح حساب نہیں رکھا جاتا وہاں ایسا ہو ہی جاتا ہے۔ یہ بزرگوار اپنے کام میں اس قدر مستغرق تھے کہ ان چھوٹی باتوں کی طرف کبھی متوجہ نہیں ہوسکتی تھی۔ اس مختصر میں سنہ وفات صاحب مراۃ الاسرار کے قول کے مطابق درج کیا گیا ہے۔ اسی کو قریب قریب صحیح ماننا چاہیئے اور مدت عمر میں دو ایک سال کا فرق تسلیم کیا جاسکتا ہے۔

دلیل العارفین سے آپ کے چند کلمات طیبات یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے پیر کے ملفوظ جمع نہیں کئے اور دلیل العارفین محض منسوبات میں سے ہے۔ لیکن صاحب سفینۃ الاولیا صاحب مراۃ الاسرار وغیرہ نے اسے آپ کی تالیف تسلیم کیا ہے۔ اسی سند پر اعتبار کر کے اس سے اقتباس کیا گیا ہے۔

آپ کا ارشاد ہے کہ آدمی منزلگاہ عزت کا قرب صرف نماز میں حاصل کرتا ہے۔ الصلوٰۃ معراج المومنین نماز ایک راز ہے جو بندہ اپنے پروردگار سے کہتا رہتا ہے۔ المصلی یناجی ربہ آپ نے فرمایا کہ نماز ستون دین ہے۔ جبتک ستون قائم ہے گھر بھی قائم ہے۔ اگر نماز میں خلل واقع ہوگیا تو فریضہ وسنت ورکوع وسجود میں بھی خرابی ہوگئی۔

آپ نے فرمایا کہ عارف اُسے کہتے ہیں جو تمام عالم کو جانے اور عقل سے لاکھوں معانی بیان کرے اور محبت کے تمام مشکل باتوں کا جواب دے۔ عارف ہر وقت ولولہ عشق میں رہتا ہے۔ اور خدائے عزوجل کی قدرت کے تماشوں میں متحیر رہتا ہے۔ اگر کھڑا

ہے تو دوست کے خیال میں کھڑا ہے۔ بیٹھا ہے تو دوست کے ذکر میں ہے۔ سو رہا ہے تو اسی خیال میں متحیر ہے اور بیدار ہے تو حجاب عظمت دوست کے گرد طواف کر رہا ہے عارفوں پر ایک ایسی حالت طاری ہوتی ہے کہ ایک قدم میں عرش سے حجاب عظمت تک پہنچ جاتے ہیں اور دوسرے قدم میں واپس آجاتے ہیں اور یہ کمترین درجہ ہے۔ کامل کا حال اور ہے سوائے خدائے عزوجل کے اور کوئی نہیں جانتا۔ عارف کے دل میں جو کچھ ہوتا ہے سب وہ دور کر کے خدائے عزوجل کے لئے یگانہ ہو جاتا ہے اور خدائے جل وعلیٰ بھی اس سے کسی بخشش وعطا میں دریغ نہیں فرماتا۔ اہل عرفان کے زبان پر سوائے یاد حق کے کوئی اور سخن نہیں ہوتا اور دوست کے لئے مال وملک سب سے ہاتھ اُٹھا لینا اُنکا ادنی کام ہے۔ انکی بڑی صفت یہ ہے کہ ہمیشہ خاموش اور ایک حالت اندوہ میں رہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ دنیا کے عزیز ترین چیزیں یہ تین ہیں اول وہ عالم (باعمل) جو بات کرے تو علم کی رو سے بات کرے۔ دوم وہ مرد جسے طمع نہ ہو تیسرے وہ عارف جو ہمیشہ دوست ہی کی صفت بیان کرتا رہے۔ جبتک عارف راہ میں ہوتا ہے اس پر گریہ مستولی رہتا ہے اور جب قوتوں کے حقائق تک پہونچ جاتا ہے اور وصال کا مزا چکھتا ہے تو گریہ زائل ہو جاتا ہے۔ جب وہ حق کی طرف رجوع ہو کر اس سے تعلق پیدا کر لیتا ہے۔ اور وہیں منزل قرب میں ٹھیر جاتا ہے۔ پھر اس سے اگر سوال کیا جائے کہ تم کہاں تھے اور کیا خواہش رکھتے ہو تو سوائے اللہ کے کوئی اور جواب انکی زبان سے نہیں نکلتا۔ ان لوگوں کی خصلت میں یہ ہے کہ محبت میں اخلاص رکھتے ہیں۔ اور محبت میں اس وقت کامل کہے جاتے ہیں جبکہ درمیانی گفتگو اٹھ جائے اور ریا ہی رہتے ہیں یا آن کا دوست اُنکے توکل کی شان یہ ہے کہ سوائے خدائے تعالیٰ کے کسی اور طرف التفات ہی نہیں کرتے اور عالم سکر میں اُسکی جانب حیرت زدہ سے رہتے ہیں۔ اُنکے نزدیک یقین اس نور کا نام ہے جس سے بندہ اپنے احوال میں منور ہوتا ہے۔ یہ لوگ آفتاب کے مانند ہیں جو عالم پر چمکتے رہتے ہیں۔ آپنے فرمایا کہ اہل معرفت کے عبادت پاس انفاس ہے۔ جب عارف خاموش ہوتا ہے تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ حق تعالیٰ سے ہمکلام ہے۔

آپ نے فرمایا کہ سلوک میں پہلا راستہ شریعت کا ہے۔ جب اس پر راہرو ثابت قدم ہو جاتا ہے اور اس کے تمام احکام بجالاتا ہے تو طریقت کا راستہ ملتا ہے۔ جب اس پر بھی وہ جملہ شرائط اور تمام احکام طریقت کے فرمانبرداری کے ساتھ ثابت قدم ہوجاتا ہے تو معرفت کے راہ ملتی ہے۔ جب اس پر بھی وہ ثابت قدم رہا اور آشنائی اور روشنائی پیدا ہوگی تو چوتھا مرتبہ حقیقت کا ہے وہاں پہونچتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بعض مشائخ نے سلوک کے سو مرتبہ مقرر کئے ہیں جن میں سترہواں درجہ کشف وکرامات کا ہے لیکن خواجگان چشت میں بعض نے سلوک کے صرف پندرہ درجے مقرر کئے ہیں اور پانچویں مرتبہ کو کشف وکرامت کا مرتبہ کہا ہے۔ اس میں بہت احتیاط اور استتار کی ضرورت ہے ورنہ آگے کا راستہ طے نہیں ہوسکتا۔ آدمی کو اس راہ میں پہلے دنیا سے اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے اس کے بعد خود اپنے آپ سے بیزار ہونا چاہیئے ورنہ اہل سلوک میں وہ داخل نہیں ہوسکتا اور اگر باوجود اس کے وہ دعویٰ سلوک کرے تو جھوٹا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ محبت میں وہی صادق ہے جو دوست کی بھیجی ہوئی بلا کو طوع ورغبت کے ساتھ قبول کرے۔ عاشق کا دل محبت کا آتشکدہ ہوتا ہے۔ جو چیز اس میں پڑتی ہے جل بھنکر فنا ہو جاتی ہے۔ محبت کی آگ سے بڑھ کر کوئی اور آگ نہیں محبت کی راہ ایسی ہے کہ جو اس پر گام زن ہوا پھر اس کا نام ونشان نظر نہیں آتا۔ آپ نے فرمایا کہ اہل سلوک ومحبت کے نزدیک محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ بندہ پوری پوری طاعت کرے اور ڈرتا رہے کہ کہیں نکال نہ دیا جائے۔ بندہ جسقدر مہجوری اور دوری سے ڈرتا رہیگا اسی قدر اُسے محبت کا ثمرہ ملیگا اور ایک سرور واشتیاق اس کے دل میں پیدا ہوگا۔ جسنے حق کو دوست رکھا اُسکے دیدار کے آرزومند بہشت رہتی ہے۔ اس راہ میں عاشق اُسے کہتے ہیں جو دونوں عالم سے اپنا دل اُٹھا لے۔ آپ نے فرمایا کہ محبت کی چار علامتیں ہوتی ہیں اول خدائے عزوجل کا ہمیشہ ذکر کرتے رہنا اور اس پر دل وجان سے خوش ہونا دوم ذکر حق کو بدرجہ اتم کرنا اور اُسے امر عظیم سمجھنا۔ سوم وہ اشغال اختیار کرنا جو دنیاوی محبت کے قطع کرنے والے ہوں چہارم اپنے اوپر اور غیر حق پر گریہ کرتے رہنا۔ محبت میں سچا

وہی ہے جو ماں باپ اولاد و برادر سب سے دل کو ہٹا کر خدا اور اُسکے رسول کی طرف متوجہ ہو جائے۔ قل ان کان اباؤکم وابناؤکم واخوانکم وازواجکم الخ۔ محب اگر مملکت کا دعویٰ کرے گا تو اپنے مرتبہ سے گر جائیگا محبت تو دعویٰ وفا ہے۔ پس محب کو چاہیئے کہ اپنے بھید کی حفاظت کرے اور فرائض نماز کی ادائی میں اپنے نفس پر کان دھرے رہے۔ اہل محبت بلا واسطہ دوست کا کلام سنتے ہیں اور اُن کا دل سخن حق کا عاشق ہوتا ہے۔ انکے اور خدا کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا کہ بہترین اوقات وہ ہیں جن میں تم وسواس نفس سے آزاد رہو اور خلق اللہ تم سے آزاد رہے۔ پھر فرمایا جس کسی کو محبت وفقر کی نعمت عطا ہوئی ہے اسے ماسویٰ سے وحشت پیدا ہو جاتی ہے تاکہ اس پر فریفتہ نہ ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ عاشق کا واویلا اور فریاد اوسی وقت تک ہے جبتک کہ وہ مشاہدہ دوست سے دور ہے۔ جب دوست کا مشاہدہ حاصل ہو جاتا ہے تو درمیان سے گفتگو اُٹھ جاتی ہے۔ آپ سے کسی نے پوچھا کہ خدائے عزوجل کی دوستی کیسے حاصل کی جائے۔ آپ نے فرمایا اُن چیزوں سے دشمنی پیدا کرے جن سے حق تعالیٰ کو دشمنی ہے یعنی دنیا و نفس سے۔

آپ نے فرمایا کہ کوئی گناہ مسلمان بھائی کو آزار پہونچانے سے بڑھکر نہیں ہے والذین یؤذون المومنین بغیر ما اکتسبو فقد احتملو بہتاناً واثما مبینا۔ آپ نے فرمایا کہ گناہوں سے تمہیں اسقدر زیاں نہیں پہونچیا جسقدر کہ اپنے مسلمان بھائی کی بے حرمتی اور خواری کرنے سے۔ آپ نے فرمایا کہ جب آدمی خدائے عزوجل کا نام یا اُسکا کلام سنے تو لازم ہے کہ اُس کا دل نرم ہو جائے اور ہیبت حق تعالےٰ سے اُس کے ایمان میں اضافہ ہو۔ انما المومنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم واذا تلیت علیھم آیاتہ زادتھم ایمانا و علی ربھم یتوکلون۔

آپ نے فرمایا کہ پانچ چیزیں ہیں جن کا دیکھنا عبادت ہے۔ اول ماں باپ کا چہرہ۔ دوم مصحف سوم عالم دین کی صورت چہارم خانہ کعبہ پنجم اپنے پیر کی صورت آپ نے فرمایا مرید کو چاہیے کہ ذرہ برابر بھی اپنے پیر کے حکم سے تجاوز نہ کرے اور جو کچھ

اپنے پیر کی زبان ت سُنے گوش ہوش سے سُنے اور اُسی میں لگ جائے اپنے پیر کی خدمت میں متواتر حاضر ہوتا رہے اور خدمت کرتا رہے۔ اگر متواتر حاضر ہونا ممکن نہ ہو تو کم سے کم حاضر ہونے کی کوشش کرتا رہے اور جو نماز درود وظیفہ وہ بتائے اس پر عمل کرتا رہے۔ آپ نے فرمایا کہ مریدوں کو طاعت میں اس وقت حلاوت ملتی ہے جب کہ وہ اس طاعت کو خوشی سے بجا لاتے ہیں۔ لیکن خوشی وخرمی حجاب بھی ہو جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نیک لوگوں کی صحبت نیک کام سے زیادہ بہتر ہے۔ اور بدوں کی صحبت بُرے کام سے زیادہ بُری ہے۔ اگر کوئی بدنیکوں کی صحبت میں بیٹھا ہے تو اُمید ہوتی ہے کہ یہ صحبت اس پر کچھ اثر کرے گی لیکن اگر کوئی نیک بُروں کی صحبت میں بیٹھتا ہے تو چندہی روز میں بد ہو جاتا ہے۔

آپ نے فرمایا آدمی کو چاہیئے کہ حق تعالیٰ کے احکام کی فرمانبرداری میں کمی نہ کرے پھر کونسی چیز ہے کہ حق تعالیٰ کی قدرت میں نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس راہ میں خدا کے ایسے بندے بھی ہیں کہ عالم میں جو معاملہ گذرتا ہے اور جو عجائب وغرائب کہ حق تعالیٰ کی قدرت سے ظاہر ہوتے رہتے ہیں اُن کی نظر کے سامنے مثل معاینہ کے ہیں۔ وہ اُن سب کو آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور بندگان خدا سے اُس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جو کوئی چاہتا ہے کہ روز قیامت کے عقاب سے ایمن رہے اُسے لازم ہے کہ وہ طاعت کرے جس سے بہتر اُس کے نزدیک کوئی اور طاعت نہ ہو۔ لوگوں نے اُس سے پوچھا کہ وہ کونسی طاعت ہے فرمایا کہ عاجزوں کی فریاد کو پہونچنا لاچار لوگوں کی حاجت روا کرنا اور بھوکوں کو کھانا کھلانا۔

آپ نے فرمایا کہ عجب وپندار گناہ ہی نہیں۔ بلکہ یہہ بدتر از گناہ ہے اس لئے کہ معصیت سے توبہ ایک ہی مرتبہ کی جاتی ہے مگر طاعت سے ہزار مرتبہ۔ آپ نے فرمایا کہ متوکل وہ شخص ہے جو خلق کے رنج وتکلیف دینےکی نہ کسی سے شکایت کرے اور نہ حکایت ایک مرتبہ آپ کی مجلس میں توبہ کا ذکر تھا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ توبہ کے چند مقام ہیں جاہلوں سے دور رہنا اور باطلوں سے قطع تعلق کرنا۔ منکروں کے پاس نہ پھٹکنا اور محبوبان خدا کے صحبت اختیار کرنا۔ نیک اعمال کی طرف متوجہ ہونا۔ توبہ اور لوازمات

توبہ کی درستی کی فکر میں رہنا۔ آپ نے فرمایا اہل سلوک کے نزدیک توبہ نصوح میں تین چیزیں لازم ہیں ایک روزانہ کے مقابلہ میں کم کھانا۔ دوم طاعت کی غرض سے کم سونا سوم دعا کی غرض سے کم کلام کرنا۔ آپ نے فرمایا اس راہ میں دو چیزیں اختیار کرنی چاہییں۔ ایک ادب عبودیت دوم تعظیم حق معرفت۔ آپ نے فرمایا۔ اے غافل قبل اس کے کہ موت آئے توشۂ راہ تیار کر لے۔ آپ نے فرمایا پہلے خوف آتا ہے۔ پھر رجا پھر محبت۔ خوف کے آنے سے بندہ سے گناہ ترک ہوتے ہیں۔ اور آتش دوزخ سے نجات حاصل ہوتی ہے۔ رجا کے ضمن میں بندہ طاعت کرنے لگتا ہے اور جنت و مرتبہ و حیات ابدی حاصل کرتا ہے اور محبت کی ضمن میں اجتہاد و تفکر کے صفت پیدا ہوتی ہے جس سے رضائے الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا چار چیزیں گوہر نفس ہیں اول وہ درویشی جو کہ تونگری معلوم ہو دوم وہ گرسنگی جس کا علم کسی کو نہ ہو اور بظاہر سیری نظر آئے۔ تیسری وہ اندوہگینی جو چہرے سے خوشی نظر آئے۔ یعنی دل میں کتنا ہی اندوہ ہو لیکن چہرہ سے بشاشت ٹپکتی ہی ہو چوتھی یہ کہ۔ جو کوئی دشمنی کرے اس کے ساتھ دوستی کا برتاؤ کرنا۔

خواجہ قطب الاسلام کو آپ کی یہ آخری نصیحت تھی "ہر کجا بروئے ؛ خراشی و ہر کجا کہ باشی مرد باشی"۔ آپ نے فرمایا علم ایک بحر محیط ہے اور معرفت اس بحر محیط کے ایک نہر ہے پس خدا کجا اور بندہ کجا۔ علم حق مثل بحر محیط کے ہے اور معرفت بندہ نہر کے مانند ہے۔

آپ نے فرمایا "چوں من از پوست بیروں آمدم و نگاہ کردم عاشق و معشوق و عشق ہر سہ یکے دیدم یعنی عالم توحید میں سب ایک ہی ہیں۔

آپ ہر آن خوشنودی مولیٰ کو مدنظر رکھتے تھے۔ خواجہ قطب الاسلام فرماتے ہیں کہ بیس برس میں نے آپ کی خدمت کی ہے مگر کبھی نہیں سنا کہ آپ نے اپنی صحت کے لئے دعا مانگی ہو بلکہ فرمایا کرتے تھے کہ الٰہی معین الدین کو درد و شفقت عنایت فرما۔ جب آپ سے پوچھا گیا کہ حضور یہ کیا دعا مانگتے ہیں۔ ارشاد فرمایا درد میں مبتلا ہونا مومن کے لئے صحت ایمان کی دلیل ہے۔

آپ ہمیشہ باوضو۔ صائم الدہر اور قائم اللیل رہتے تھے اور عام طور پر خاموش رہتے

بند کئے رہتے تھے۔ عالم استغراق میں کبھی کبھی اوقات نماز کی بھی خبر نہیں ہوتی اور جب خواجہ قطب الاسلام توجہ دلاتے تو آپ عالم استغراق سے باہر آتے اور نماز ادا فرماتے کبھی یہ حالت ہوتی کہ مشغولی کے وقت حجرے کے دروازے بند کرلیا کرتے تھے۔

آپ کے اخلاق کی بنیاد اسوۂ نبوی صلعم پر تھی۔ آپ میں ایسا مقناطیسی جذب تھا کہ کسی مذہب کا آدمی ہو جب سامنے آتا تو سر جھکا دیتا اور دل وجان سے گرویدہ ہو جاتا تھا اعلاء کلمۃ اللہ آپ کا شیوہ تھا۔ اخلاق حسنہ و خصائل حمیدہ آپ کا شعار تھا۔ شہرت سے آپ کو نفرت تھی اور دنیا سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ سیر العارفین میں بروایت سلطان نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرقوم ہے کہ آپ صرف ایک دوتہی پہنا کرتے جس میں بخیہ کردیا جاتا تھا۔ اور نعلین بند رہتی تھیں اگر کہیں سے پھٹ جاتی تو جس قسم کے کپڑے کا کوئی پاک ٹکڑا مل جاتا تو اس کو پیوند لگا لیتے۔

آپ سے اسقدر کرامتیں ظاہر ہوئے ہیں کہ خارج از بیان ہیں۔ صاحب مراۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ " ازاں صاحب احوال چنداں مریدان صاحب ولایت خاستہ اندکہ در ہر شہر شاہی می کنند۔ دور ہر چہار دانگ ہندوستان ہیچ دیارے وہیچ شہرے وہیچ قصبہ نیست کہ درآں یکے ازمریدان وے آسودہ نیست و تصرف نمی کنند" آپ اُن کبار اولیاء اللہ میں سے ہیں جنہیں خدائے عزوجل نے زندگی اور بعد موت دونوں میں یکساں تصرف کی قدرت عطا فرمائی ہے بلکہ بعد مرگ جسے وصال حقیقی کہتے ہیں یہ قوت اور بڑھ جاتی ہے۔ مولانا عبد الرحمن چشتی" لکھتے ہیں کہ آنحضرت کے کمال کی کوئی حد وانتہا نہیں ہے اور آپ کی روحانیت مبارک سے آج بھی طالبان صادق تربیت حاصل کرتے اور مرتبہ تکمیل کو پہونچتے ہیں۔

سلاطین میں شمس الدین التمش۔ سلطان محمود خلجی اور اکبر و جہانگیر و شاہجہاں اور اورنگ زیب کو بہت عقیدت تھی چنانچہ ان لوگوں کے یادگاریں درگاہ شریف میں ابتک موجود ہیں سے

اگر گیتی سراسر باد گیرد　　چراغ مقبلاں ہرگز نمیرد

خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آں غریق لجہ بحر لایزالی۔ حریق شعلہ نار لایُبالی آفتاب توحید و تفرید۔ ماہتاب تفرید و تجرید۔ محرم راز لامکانی۔ در خور اعزاز حاودانی۔ کشتہ خنجر تسلیم و رضا۔ نوبادہ گلبن صدق وصفا۔ منبع اسرار الٰہی۔ مطلع انوار لاتناہی سلطان ارباب مشاہدہ۔ پیشوائے اصحاب مجاہدہ۔ فخر سلاسل درویشی۔ خواجہ قطب الدین بختیار بن احمد بن موسیٰ اوشی قدس سرہٗ العزیز گمنشان روزگار و نوادر زمانہ میں سے تھے۔ آپ کا وطن مالوف اوش تھا جو مواضع اندجان کا ایک قصبہ ہے۔ جہاں ۵۸۳ھ ہجری (پانسو تراسی ہجری) میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ کاکی اور بختیار آپ کے لقب ہیں۔ خواجہ بزرگ معین الحق والدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے آپ سب سے بزرگ تر خلیفہ تھے۔ صاحب مراۃ الاسرار لکھتے ہیں وے قطب عالم و پیشوائے بنی آدم بود و در مقام ترک و تجرید قدمے راسخ داشت۔ در ریاضات و مجاہدات بے نظیر وقت بود و در میان نکات حقایق و توحید ہمتا نہ داشت آپ اکثر فنائے احدیت میں مستغرق رہا کرتے تھے۔

سیر العارفین میں حامد بن فضل اللہ راجی لکھتے ہیں کہ جب آپ پیدا ہوئے تو آپ کے والد ماجد[1] کمال الدین احمد بن موسیٰ حضرت کو ایک سال کا چھوڑ کر دار فنا سے دار بقا کی طرف رخصت فرما ہوئے۔ آپ کے والدہ ماجدہ پاک ذات مریم صفات نے کمال عصمت و عفت میں آپ کی پرورش فرمائی۔ جب آپ پانچ سال کے ہوئے تو ہمسایہ میں ایک مرد صالح تھا آپ کی والدہ نے ایک طباق میں کسیقدر حلوا رکھکر خواجہ کو اُسکے ساتھ کر دیا اور فرمایا کہ اُستاد پاس لیجاؤ۔ اور پڑھنے بٹھا آؤ۔ راہ میں اُس شخص کو ایک نورانی پیر مرد ملا۔ اُس نے پوچھا کہ اس لڑکے کو کہاں لیجا رہے ہو۔ ہمسایہ نے کہا کہ یہ لڑکا اہل فلاح و اصلاح کے خاندان سے ہے۔ اس کا باپ گذر گیا ہے۔ ماں ہے جس نے مجھ سے کہا ہے کہ اسے کسی صالح شخص معلم کے مکتب میں بٹھا آؤں۔ تاکہ قرآن پڑھے۔ پیر مرد نے یہ سنکر کہا اسے میرے حوالہ کر دو تاکہ ایک ایسے معلم کے پاس بٹھا آؤں جس کی برکت

[1] کمال الدین احمد بن موسیٰ بن احمد اوشی بن کمال الدین بن محمد بن احمد بن اسحاق بن الحسن بن احمد بن رضی الدین بن حسام الدین بن رشید الدین بن امام ابا جعفر صادق قدس اللہ اسرارہم (خزینۃ الاصفیا)

اس میں اثر کرے اور اُس کے حال کی پوری نگرانی رکھے۔ ہمسایہ پیرمرد کے یہ شفقت دیکھکر راضی ہوگیا۔ وہاں ایک استاد تھے ابوحفص نام۔ کمال عبادت وسعادت کے ساتھ منسوب۔ پیرمرد نے خواجہ قطب الدین کو لاکر اُن کے سپرد کیا کہ یہ لڑکا مبارک و برگزیدہ حق تبارک وتعالی ہے اور اولیار کبار میں سے ہوگا اسی بہ شفقت تمام کلام اللہ پڑھاؤ اُستاد ابوحفص نے بدل وجان قبول کیا۔ اور پیرمرد خواجہ کو وہاں چھوڑکر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد اُستاد نے خواجہ سے پوچھا تم جانتے ہو یہ کون شخص تھا آپ نے فرمایا میں نہیں جانتا۔ میری ماں نے ہمسایہ سے ایک دوسرے استاد کے پاس لیجانے کو کہا تھا کہ یہ صاحب راستہ میں مل گئے اور یہاں لے آئے۔ شیخ ابوحفص نے فرمایا یہ خواجہ خضر تھے جو تمہیں یہاں چھوڑ گئے ہیں۔

شیخ نصیر الدین محمود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روایت سے خیر المجالس میں مذکور ہے کہ مولانا ابوحفص کی برکت سے خواجہ قطب الدینؒ کو بہت کچھ ظاہری وباطنی اخلاق کی تہذیب حاصل ہوئی اور ریاضت ومجاہدہ کا اس قدر شوق پیدا ہوا کہ ایک گھڑی بھی اُس کے بغیر آرام نہیں ملتا تھا۔ غرضکہ ابھی سے آپ کی تعلیم ظاہری اور ریاضات ومجاہدہ دونوں کا سلسلہ جاری ہوا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں بعد تکمیل علوم آپ نے سفر کیا اور بغداد میں مسجد امام ابو لیث سمرقندی میں شیخ شہاب الدین سہروردیؒ۔ شیخ اوحدالدین کرمانیؒ۔ شیخ برہان الدین چشتیؒ اور شیخ محمود اصفہانی کے سامنے خواجہ بزرگ معین الحق والدین قدس سرہ سے بیعت کی۔ خواجہ بزرگ کو آپ سے کمال درجہ کی الفت تھی۔ تھوڑی ہی مدت میں تمام سلوک طے کرا دیا اور بیس سال کے عمر میں خلافت عطا فرمائے اور مریدان صادق الاعتقاد کی تربیت آپ کی سپرد کی۔

سیر الاولیا میں حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ سے منقول ہے کہ خواجہ قطب الدین اوائل زمانہ میں سوتے وقت تین ہزار بار درود شریف پڑھکر سویا کرتے تھے۔ ماں نے آپکی شادی کردی تھی۔ اس شادی کی وجہ سے تین شب وظیفہ ناغہ ہوگیا۔ آپ کے ایک مرید نے جس کا نام احمد تھا۔ دربار نبوی صلعم کو خواب میں دیکھا اور حضوری میں حاضر ہونے کے

خواہش کی جواب ملا تم میں ابھی اس کی اہلیت نہیں ہے لیکن قطب الدین سے ہمارا سلام کہنا اور پوچھنا کہ جو تحفہ تم ہر شب ہمیں بھیجا کرتے تھے وہ تین شب سے نہیں بھیجا۔ اس نے خواب سے بیدار ہو کر حضرت خواجہ کی خدمت میں یہ ماجرا عرض کیا۔ آپ نے غور فرمایا تو معلوم ہوا کہ شادی کی وجہ سے وظیفہ ناغہ ہوا ہے فوراً بی بی کو بلا کر مہر ادا کیا اور طلاق دیدی۔

اوش سے خواجہ قطب الدین قدس سرہ ہندوستان تشریف لائے۔ ملتان میں شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی۔ شیخ جلال الدین تبریزی بھی اتفاقاً وہیں تھے۔ تینوں بزرگوں میں کچھ عرصہ تک صحبت رہی۔ اس زمانہ میں قباچہ بیگ ملتان کا حاکم تھا اور کفار تاتار نے ملتان پر حملہ کیا تھا۔ خدائے بزرگ و برتر نے ان بزرگوں کے نفوس مقدسہ کی برکت سے ملتان کو ان کی شر سے محفوظ رکھا اور کفار محاصرہ اٹھا کر چلے گئے۔ اسی زمانہ میں ملتان میں حضرت گنج شکر پہلی مرتبہ خواجہ قطب الاسلام کی ملازمت سے بہرہ اندوز ہوئے تھے۔

ملتان میں کچھ عرصہ قیام کر کے آپ دہلی تشریف لائے۔ التمش کا زمانہ تھا اس نے آپ کے قدوم میمنت لزوم کو غنیمت سمجھا اور کمال اخلاص و ارادت سے حاضر خدمت ہوا اور ہر ہفتہ زیارت کے لئے حاضر ہوا کرتا تھا۔ دہلی کے شیخ الاسلام اس وقت شیخ جمال الدین محمد بسطامی تھے۔ فوائد الفواد میں حضرت سلطان المشائخؒ سے مروی ہے کہ قطب صاحب کی خدمت میں انہیں اخلاص و عقیدہ کامل تھا۔ شیخ محمد عطا معروف بہ قاضی حمید الدین ناگوری بھی ہیں تھے۔ انہوں نے بغداد کی ملاقات تھی۔ کمال صدق و صفا سے یہ بھی اکثر اوقات خواجہ قطب الاسلام کی صحبت میں رہا کرتے تھے اور بعض اوقات دونوں ساتھ سفر بھی کیا کرتے تھے۔ سیر الاولیا میں ہے کہ ایک مرتبہ قاضی حمید الدین ناگوری اور خواجہ قطب الاسلام قدس اسرارہما دونوں کہیں سفر کر رہے تھے۔ راہ میں ایک بچھو دیکھا کہ ایک طرف جا رہا ہے۔ یہ دونوں بھی اس کے پیچھے چلے۔ راہ میں دریا ملا۔ بچھو اس میں کود پڑا اور دریا عبور کر کے دوسری طرف پہونچا۔ یہ دونوں بھی دریا عبور کر کے

دوسری طرف پہنچے کیا دیکھتے ہیں کہ ایک درخت کے نیچے ایک شخص پڑا سو رہا ہے اور ایک سانپ اُسے ڈسنے والا ہے۔ ان بچھو نے اس سانپ پر حملہ کیا اور اُسے ہلاک کر کے کسی طرف چلا گیا۔ یہ دونوں اس ماجرے سے حیرت میں تھے اور دیکھنا چاہتے تھے کہ یہ کون ایسا بڑا بزرگ ہے جسکی اس طرح حفاظت فرمائی گئی ہے۔ قریب جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک شخص شراب پئے ہوئے قے کئے پڑا ہے۔ یہ دونوں شرمندہ ہوئے کہ یہ مرد ایسی نافرمانی کرتا ہے اور خدائے عزوجل اُسکی ایسی حفاظت فرماتا ہے۔ ہاتف نے آواز دی کہ اے عزیزو اگر صرف صالحوں اور پارساؤں کی حفاظت کیا کریں تو مفسدوں اور گنہگاروں کی کون حفاظت کرے۔ یہ دونوں اسی تحیر میں تھے کہ وہ شخص بیدار ہوا اور کل واقعات ان دونوں بزرگوں کی زبانی سن کر سخت شرمندہ ہوا اور اپنے فعل سے توبہ کر کے متوجہ بحق ہوا اور واصل الی اللہ ہوا۔ خواجہ قطب الاسلام یہ حکایت بیان کر کے فرماتے ہیں کہ اے درویش جب وقت آتا ہے اور نسیم لطف چلنے لگتی ہے۔ تو صد ہزار خراباتوں کو صاحب سجادہ کر دیتا ہے اور اگر صبا و اسموم قہاری چلنا شروع ہوتی ہے تو صد ہزار سجادہ نشینوں کو خرابات میں پھینک دیتا ہے۔ جسے اوسکی رحمت اپنی فضل کی طرف بلاتی ہے اُسے کوئیں کے اندر سے باہر نکال لاتی ہے۔ اور جس پر عتاب ہوتا ہے اسی قہر الٰہی راہ راست سے سو دعاقبت کے طرف پھینکدیتا ہے۔

سیر العارفین میں ہے کہ خواجہ قطب الاسلام نے دہلی میں قیام فرمایا تو جوق جوق خلایق اکابر و عمائد آپ کے حسن سیرت و پاکیزہ روش کے دلدادہ ہو کر حاضر خدمت ہونے لگے۔ شیخ بدر الدین غزنوی اسی زمانہ میں مرید ہوئے اور خرقہ سے مشرف ہو کر تمام عمر آپ کی خدمت میں رہے۔ خواجہ قطب الاسلام نے خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں شوق ملازمت سے بھرا ہوا ایک عریضہ لکھا آپ اجمیر میں تھے۔ آپ نے جواب دیا کہ المرء مع من احب قرب جانی اگر ہے تو بعد مکانی کوئی چیز نہیں تم وہیں رہو انشاء اللہ ہم خود چند روز میں اسی طرف آئینگے۔ ان ایام میں شیخ الاسلام جمال الدین بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو چکا تھا شمس الدین التمش نے حضرت قطب صاحب

سے گذارش کی کہ عہدہ شیخ الاسلامی قبول فرمایا جائے مگر آپ نے انکار کیا بعد ازاں شیخ نجم الدین صغریٰ شیخ الاسلام ہوئے۔ اس عہدہ پر فائز ہونے کے پہلے اُن کے اخلاق بہت پسندیدہ تھے مگر منصب شیخ الاسلامی حاصل ہونے کے بعد ہی اُن کی روش و اخلاق میں فرق آگیا انہوں نے دیکھا کہ سلطان شمس الدین التمش اور تمام اعیان و اکابر سلطنت خواجہ قطب الاسلام کی طرف رجوع ہیں تو اُسے حسد پیدا ہوا۔ اتفاقاً اُسی زمانہ میں خواجہ بزرگ قدس سرہٗ العزیز بھی دہلی تشریف لائے۔ چونکہ شیخ نجم الدین صغریٰ سے خراسان کی ملاقات تھی اور وہ حضرت سے ملنے نہیں آئے تو خود آپ ہی نے قصد فرمایا اور انکے گھر تشریف لیگئے۔ شیخ نجم الدین صغریٰ مکان کا ایک حصہ بنوا رہے تھے اور مزدور لگے ہوئے تھے۔ خواجہ بزرگ کی طرف کچھ ملتفت نہیں ہوئے۔ آپ نے فرمایا نجم الدین کیا شیخ الاسلامی نے تمہیں اس قدر بدل دیا۔ وہ شرمندہ ہوکر سامنے آئے اور کہنے لگے کہ حضرت میں وہی مخلص و معتقد ہوں لیکن آپ نے ایک ایسے مرید کو شہر میں رکھا ہے کہ اس کے سامنے میری شیخ الاسلامی کوئی شخص نہیں پوچھتا۔ خواجہ بزرگ نے مسکرا کر فرمایا کہ اطمینان رکھو اس مرتبہ میں بابا قطب الدین کو ساتھ لیجاؤں گا۔ چند روز بعد جب حضرت خواجہ بزرگ رح نے قصد روانگی فرمایا اور خواجہ قطب الدین رح کو ساتھ لے چلے تو دہلی میں ایک غلغلہ پڑ گیا اور تمام خلایق۔ فقیر و امیر خود سلطان شمس الدین التمش روتے ہوئے پیچھے پیچھے دہلی سے باہر نکل آئے اور خواجہ قطب الدین کو نہیں چھوڑتے تھے۔ یہ حال دیکھ کر خواجہ بزرگ رح نے فرمایا بابا قطب الدین تم یہیں رہو میں اتنے لوگوں کا دل نہیں توڑ سکتا۔ اس شہر کو تمہاری پناہ میں دیتا ہوں۔ اس ارشاد کے بعد خواجہ قطب الاسلام واپس تشریف لائے۔ اور خواجہ بزرگ قدس سرہٗ العزیز تنہا تشریف لیگئے۔

سیر العارفین میں ہے کہ عرصہ سے سلطان شمس الدین التمش کا ارادہ تھا کہ شہر کے قریب ایک حوض بنائے۔ ایک شب اتفاقاً اس نے جناب رسالت مآب صلعم کو خواب میں دیکھا کہ ایک مقام پر گھوڑے پر سوار کھڑے ہوئے ہیں اور فرماتے

ہیں کہ شمس الدین جہاں میں کھڑا ہوں یہاں حوض بنا۔ بادشاہ نے بیدار ہو کر خواجہ قطب الاسلام قدس سرہ کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ میں نے رات ایک خواب دیکھا ہے حاضر ہو کر عرض کرنا چاہتا ہوں آپ نے فرمایا ہاں ہمیں معلوم ہے سلطان سے کہو کہ جلدی آئے ہم اس مقام پر چلتے ہیں۔ خواجہ قطب الاسلام اسی مقام پر جہاں حضور پرنور صلعم گھوڑے پر استادہ تھے پہونچکر نماز میں مشغول ہو گئے۔ کہ اتنے میں بادشاہ دوڑا ہوا آیا اور اس جگہ کو پہچان کر ایک حوض وہاں بنایا اور جہاں سم اسپ مبارک تھا وہاں ایک گنبد بنا دیا۔

سیر العارفین میں ہے کہ آخر زمانہ میں خواجہ قطب الاسلام دہلی میں متاہل ہوئے تھے۔ آپ کے دو صاحبزادے تولد ہوئے ایک شیخ احمد جنکی قبر آپ کے پہلو میں ہے۔ یہ صاحب جذبات عظیمہ و واردات غریبہ تھے زمانہ سلطان المشائخ قدس سرہ تک قید حیات میں رہے دوسرے کا نام شیخ محمد تھا بچپن ہی میں انتقال فرما گئے تھے۔

خواجہ قطب الاسلام باوجود اہل وعیال کے فتوح بہت کم لیا کرتے تھے خواجہ بزرگ قدس سرہ نے بوقت حاجت پانسو دام تک قرض لینے کی اجازت دی تھی جب دو تین فاقے متواتر ہوتے تو آپ کی بی بی صاحبہ ہمسایہ کے ایک بقال سے جسکا نام شرف الدین تھا جسقدر ضرورت شدید ہوتی اس کی بیوی سے قرض لے لیا کرتی تھیں اور جب کچھ فتوح آتی قرض ادا کر دیتیں۔ ایکدن شرف الدین کی جورو نے کہا کہ اگر ہم ان کے ہمسایہ نہ ہوتی تو ان لوگوں کا کیا حال ہوتا۔ بی بی صاحبہ کو یہ بات ناگوار گذری اور حضرت قطب صاحب سے معروضہ کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ آج سے قرض ہرگز مت لینا اور حجرہ مبارک میں ایک طاق تھا اس طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ضرورت پڑے تو بسم اللہ کہکر اس میں ہاتھ ڈالنا۔ جو چاہو گی مل جائے گا۔ اس روز سے بی بی صاحبہ اس طاقچہ میں سے گرم گرم کلیچے لے لیا کرتیں اور اپنے متعلقین کے لئے کام میں لاتیں بقال کو جب آپ کی یہ بے تعلقی معلوم ہوئی تو شرمندہ ہوا اور اپنی بیوی کو دریافت حال

کے لئے بھیجا۔ حضرت شیخ کی اس کرامت کی اطلاع اُسے ہوگئی۔ خواجہ صاحب کی اسی کرامت کی وجہ سے لوگ آپکو کاکی (کاک یعنی کلچہ۔ روٹی کی ٹکیہ) کہنے لگے بختیار بھی آپ کا لقب تھا جو حضرت خواجہ بزرگ نے عطا فرمایا تھا۔ صاحب مراۃ الاسرار فرماتے ہیں کہ "خواجہ بزرگ اور از راہ مہربانی اکثر قطب الدینؒ بختیار گفتے از انجہت اورا بختیار لقب شد"۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خواجہ قطب الدینؒ از اکابر اولیا واجلہ اصفیا است۔ قبولے عظیم داشت وبغایت ترک وتجرید وفقر وفاقہ موصوف بود ونہایت استغراق داشت در یاد مولیٰ۔ چوں کسے بزیارت او آمدے زمانے بایستے تا بخود باز آمدے آنگاہ بہ آیندہ مشغول شدے اگر از حال خود یا حال آیندہ چیزے نگفتندے بعدہ گفتے مرا معذور دارید وباز بحق مشغول شدے واگر یکے از او دعا بر دے اور از اں خبر نہ شدے مگر بعد ازاں بزمانے حضرت سلطان المشائخؒ کی غالباً روایت سے حضرت شیخ عبد الحقؒ دہلوی نے یہ حال لکھا ہے۔ نیز اسی طرح کی ایک اور روایت شیخ محمد نور بخشؒ سے منقول ہے۔ حضرت شیخ ممدوح سلسلۃ الذہب میں قطب صاحبؒ کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں کہ خواجہ بختیار اوشیؒ اولیائے سالکین وقرباصین زمانہ سے تھے۔ مجاہدہ خلوت وعزلت کے اوصاف سے متصف۔ اور قلت طعام قلت منام۔ قلت کلام۔ ذکر ودوام اور چلہ کشی میں ممتاز تھے اور اہل مکاشفہ میں احوال باطن کے لحاظ سے آپ کی شان بہت بلند اور مرتبہ بہت بڑا تھا۔

حضرت سلطان المشائخؒ سیر الاولیا میں نقل فرماتے ہیں کہ عید کا روز تھا اور خواجہ قطب الاسلام صبح کی نماز پڑھ کر واپس آرہے تھے کہ اس مقام پر پہونچے جہاں آپ کا روضہ متبرکہ ہے۔ اس وقت وہاں جنگل تہا اور کسی قبر وگنبد کا نشان نہ تھا۔ خواجہ قطب الاسلامؒ اس مقام پر پہونچکر کھڑے ہو گئے اور کچھ دیر خاموش رہے ہمراہیوں نے کہا کہ آج عید کا روز ہے اور خلق اللہ ملازمت کی منتظر ہے۔ بہتر ہو اگر مکان تشریف لے چلیں۔ فرمایا کہ مارا ازیں زمین بوئے دلہا می آید۔ اُسی وقت زمین کے مالک کو

بلا کر اپنے دفن کے لئے جگہ خرید فرمائی۔ حضرت سلطان المشائخؒ جب اس کلام کو بیان فرماتے تو آنکھوں میں آنسو بھر لاتے اور فرماتے کہ سبحان اللہ کون کون سے بزرگ وہاں آسودہ ہوں گے جو خواجہؒ نے فرمایا تھا کہ "ازیں زمین بوئے دلہامی آید"۔

دلیل العارفین سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر وقت میں خواجہ قطب الاسلامؒ نے خواجہ بزرگ کی حیات مبارک میں اجمیر شریف کا قصد فرمایا تھا اور وہاں جا کر بعد حصول اجازت دہلی تشریف لائے تھے۔ اس کے بیس روز بعد خواجہ بزرگؒ نے اس عالم فانی سے عالم بقا کی طرف ارادہ فرمایا اور خواجہ قطب الاسلامؒ کچھ عرصہ تک قید حیات میں رہے پھر آپ نے بھی انتقال فرمایا۔

نفحات عنبریہ میں ہے کہ آپ کو روحانیت اقدس حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حکم ہوا کہ نعمت و اجازت سلسلہ چشتیہ حضرت خضر رومی قلندر کو جو ملک مغرب سے آئے ہیں دو چنانچہ حضرت خواجہ صاحب نے اپنا خرقہ حضرت خضر رومیؒ کے سامنے پیش کیا۔ خواجہ صاحبؒ کی عمر کم تھی اور حضرت خضر رومی قلندرؒ کی بہت زیادہ تھی۔ ..... قلندر صاحبؒ نے فرمایا کہ یاران بہ بینید کہ ایں طفل با ما بازی می کند۔ پھر حضرت قطب صاحبؒ کو یہ اشارہ ہوا کہ محفل سماع گرم کر کے حالت وجد وسکر میں اُن کو یہ نعمت دینا چاہیئے۔ چنانچہ مجلس برپا کی گئی۔ اس حالت میں حضرت خواجہ صاحبؒ نے پھر فرمایا اور قلندر صاحب نے وہی جواب دیا مگر بعدہٗ روح پاک نبویؐ صلعم و روح جناب سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے اشارہ سے قلندر صاحب نے لے لیا اور اذکار چشتیہ بھی اخذ کئے اور جب ان اذکار کو اپنے یہاں کے اذکار سے ملایا تو بہت سہل پایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ چشتیان خدا را اسفت یافتند۔ اسی مقام پر یہ بھی مذکور ہے کہ قطب صاحب کو بھی بالمبادلہ سلسلہ عالیہ قلندریہ کی اجازت خضر رومی قلندرؒ سے تھی۔

فوائد السالکین میں حضرت گنج شکرؒ بیان فرماتے ہیں کہ مجھے ایک مرتبہ دولت پابوسی خواجہ قطب الاسلامؒ حاصل ہوئی۔ قاضی حمید الدین ناگوریؒ۔ مولانا علاء الدین

کرانیؒ۔ سید نور الدینؒ مبارک۔ شیخ شرف الدینؒ۔ شیخ محمودؒ موئینہ دوز اور مولانا فقیہ حدادؒ حاضر تھے۔ ان میں سے ہر ایک ایسا بلند مرتبہ تھا کہ عرش سے ثریٰ تک اس کے سامنے حجاب نہ تھا۔ حج کے بارے میں گفتگو ہوئی۔ اس تقریب کے دوران میں آپ کی ایک عظیم الشان کرامت ظاہر ہوئی جو فوائد السالکین اور مرآۃ الاسرار میں موجود ہے۔ اس واقعہ کے بعد حضرت گنج شکرؒ فرماتے ہیں کہ میں اٹھا اور رخصتی چاہنے کی... اجازت طلب کی۔ خواجہ قطب الاسلامؒ نے جب مجھے دیکھا تو آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور قبل اس کے کہ میں کچھ زبان سے نکالوں آپ نے فرمایا بابا فرید کیا تم جاؤ گے۔ میں نے پھر زمین پر سر رکھا اور عرض کی کہ جو ارشاد مبارک ہو۔ فرمایا جاؤ تقدیر الٰہی یوں ہی ہے کہ جس طرح میں خواجہ بزرگؒ کے انتقال کے وقت موجود نہ تھا تم بھی میرے سفر آخرت کے وقت موجود نہ ہو۔ یہ فرما کر آپ کو مصلیٰ اور عصا عطا فرمایا اور دوگانہ ادا کرنے کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ سجادہ و دستار و خرقہ و نعلین قاضی حمید الدین ناگوریؒ کے سپرد کر جاؤں گا جو تیسرے یا پانچویں روز تمہیں دیدیں گے اور تمہارا مقام وہی ہوگا جو میرا مقام ہے۔ حضرت گنجشکرؒ اسی حکایت کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ اس کلام کو سنکر اہل مجلس میں شور پیدا ہوا۔ آپ نے پھر یہ ارشاد فرمایا کہ مرید کو اپنے پیران طریقت کی سنت پر چلنا لازمی ہے۔ ذرہ برابر اس سے تجاوز نہ کرنا چاہئے تاکہ قیامت کے روز ان کے سامنے شرمندگی نہ اٹھانا پڑے۔ اس کے بعد میری طرف منہ کر کے فرمایا کہ بابا فرید تم دین و دنیا میں میرے ساتھی ہو۔ یاد رکھو کبھی غافل نہ رہنا۔ اہل سلوک فرماتے ہیں کہ طریقت کا راستہ بہت پُرخوف و خطر ہے۔ جس کسی نے اس راہ میں قدم رکھا ہے وہ اسی طریق سے منزل مقصود کو پہونچا ہے جو اہل طریق نے بتایا ہے یعنی جو لوگ اللہ جل شانہ کے دروازے پر آئیں گے تو جب تک بلا و امتحان کے ہاتھ سے اس دروازے کو نہ کھٹکھٹائیں گے یہ دروازہ نہ کھلیگا اور جب تک ندامت کے ساتھ اندوہ ایمان نہ کریں گے اور دل کو قدم بنا کر اس راہ میں نہ چلیں گے اس وقت تک منزل مقصود تک نہ پہونچیں گے۔ پھر فرمایا کہ تین سال تک میرا یہ حال رہا کہ ہر زبان سے باریابی کی درخواست کرتا تھا اور ہر ہاتھ سے دروازہ کھٹکھٹاتا تھا اور ہر قدم

سے اس راہ میں چلتا رہا مگر منزل گاہ عزت تک رسائی نہ ہوتی تھی لیکن جب بلا کے ہاتھ سے دروازہ کھٹکھٹایا اور زبان اندوہ سے باریابی چاہی تو اجازت ملی اور اس مرتبہ تک رسائی ہوئی۔ جب خواجہ صاحب نے یہ فوائد ختم فرمائے تو تمام اصحاب زمین بوسی کر کے رخصت ہونے لگے۔ حضرت گنجشکرؒ فرماتے ہیں کہ جب میری نوبت آئی تو آپ نے بغلگیر کر کے فرمایا ھٰذا فراق بینی و بینک جاؤ خدا کے سپرد کیا۔

سیر العارفین میں حضرت خواجہ سلطان المشائخ قدس سرہٗ العزیز سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ خانقاہ شیخ علی سجزیؒ میں مجلس سماع گرم تھی اور بہت سے درویش صاحب حال اہل کمال تشریف فرما تھے۔ خواجہ قطب الدینؒ بھی تشریف فرما تھے۔ کہ قوالوں نے شیخ احمد جام قدس سرہٗ کی ایک مشہور غزل گانی شروع کی۔ جب اس شعر پر پہونچے ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را — ہر زماں از غیب جانے دیگر ست

تو آپ کو کیفیت شروع ہوئی اور اس حد تک کیفیت ہولی کہ ہوش و ہواس بجا نہ رہے شیخ محمد عطا عرف قاضی حمید الدین ناگوریؒ اور شیخ بدر الدین غزنویؒ آپ کو مکان لے آئے۔ قوال بھی ساتھ ساتھ آئے۔ خواجہ صاحب تین شبانہ روز اسی حال میں مستغرق رہے اور قوال بھی وہی شعر پڑھتے رہے۔ تیسرے روز استغراق کا غلبہ بہت ہوا۔ قاضی حمید الدین ناگوریؒ اور شیخ بدر الدین غزنویؒ نے عرض کیا کہ اپنے خلفا میں کسے جانشین فرمایا جاتا ہے؟ ارشاد ہوا کہ دستار و خرقہ و نعلین چوبیں جو خواجہ بزرگؒ سے مجھے ملی تھیں شیخ فرید الدین مسعود کو پہونچا دینا۔ وہی میرے جانشین ہیں۔ اس ارشاد کے بعد جاں بحق تسلیم فرمائی ؎

گفت کہ خواجہ شنای بمرد	مرگ چنیں خواجہ نہ کاریست خرد
کاہ نبود او کہ بہ بادے پرید	آب نبود او کہ بہ سرما فسرد
شانہ نبود او کہ بہ موئے شکست	دانہ نبود او کہ زمینش فشرد
گنج زرے بود دریں خاکداں	کو دو جہاں را بجوئے می شمرد
قالب خاکی سوئے خاکی فگند	جان و خرد سوئے سمٰوات برد

شیخ بدر الدین غزنوی فرماتے ہیں کہ جس شب خواجہ قطب الدین بختیار اوشی نے وفات پائی مجھ پر ایک طرح کی غنودگی طاری ہوئی۔ اس حالت میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت آسمان کی طرف جارہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے بدر الدین دوستان حق مرا نہیں کرتے۔ جب میری آنکھ کھلی تو دیکھا کہ خواجہ وفات فرما چکے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔ آپ کی وفات ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ (سنہ چھ سو تینتیس ہجری) کو واقع ہوئی اور سلطان شمس الدین التمش نے نماز جنازہ پڑھائی اور مہرولی میں دہلی کے قریب دفن کیا۔ آپ کا روضہ مبارک اب تک عام و خاص کا زیارت گاہ ہے۔

آپ کے خلفا کے نام یہ ہیں:۔ حضرت فرید الدین گنج شکرؒ۔ مولانا بدر الدین غزنویؒ۔ شیخ برہان الدین بلخیؒ۔ شیخ ضیاء الدین رومیؒ۔ سلطان شمس الدین التمشؒ۔ شیخ بابا سنجری بحر دریاؒ۔ مولانا فخر الدینؒ حلوائیؒ۔ شیخ احمد تماجیؒ۔ شیخ حسینؒ۔ شیخ فیروزؒ۔ شیخ بدر الدین موئے تابؒ بدایونی۔ حضرت سید خضر رومیؒ قلندر۔ شیخ سعد الدینؒ۔ شیخ بیرؒ۔ شیخ محمد بہاریؒ۔ مولانا احمد عاجزیؒ۔ سلطان نصیر الدینؒ۔ قاضی حمید الدینؒ ناگوریؒ۔ شیخ محمدؒ۔ شیخ برہان الدین حلوائیؒ۔ شیخ صوفی بدہنیؒ۔ مولانا خضر معین شیخ جلال الدین ابوالقاسمؒ۔ شیخ نظام الدین ابوالمویدؒ۔ شیخ تاج الدین منورؒ۔ شیخ جلال الدین تبریزیؒ قدست اسرارہم (کذا فی نفحات العزیہ من انفاس لقلندریہ)۔

آپ کا ارشاد ہے کہ شیخ میں اس قدر قوت دل اور صحت ضمیر ہونی چاہیئے کہ اپنے مرید کے سینے کے زنگار اور آلودگی و آلائش دنیاوی کو اپنی قوت باطن سے پاک کر سکے تاکہ کوئی کھوٹ۔ دغا۔ فریب۔ حسد۔ برائی اور کدورت دنیاوی باقی نہ رہے پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اسرار معرفت سے واقف کرے اور اگر اتنی قوت نہ رہی تو یقین جانو کہ پیر و مرید دونوں گمراہی کے جنگل میں راہ بھٹکتے پھریں گے۔

آپ نے ایک درویش کے حال میں بیان فرمایا کہ اُس نے چالیس سال مجاہدے پر مجاہدے کئے لیکن کوئی روشنی اپنے آپ میں نہ پائی لیکن جب سے کم خوردن

وکم خفتن وکم گفتن وکم آمیختن با خلق ۔ ان چار چیزوں پر عمل کیا تب اُسے اس قدر روشنی حاصل ہوئی کہ وہ کہتا ہے کہ اگر آسمان کی طرف کسی وقت دیکھتا ہوں تو عرش عظیم تک پردہ نہیں رہتا۔ اگر زمین کی طرف نگاہ کرتا ہوں تو تحت الثریٰ تک صاف نظر آتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی درویش خالق کے لئے نہیں بلکہ خلق کے لئے عمدہ لباس پہنے تو وہ درویش نہیں بلکہ رہزن راہ سلوک ہے۔ اور جو درویش نفس کے لئے عمدہ کھانا کھاتے تو وہ دروغ گو اور خود پرست ہے اور جو درویش دولتمندوں کی ہمنشینی کرتا ہے وہ مرتد طریقت ہے اور جو خواہش نفسانی کے مطابق خوب جی بھر کر سوتا ہے اسے یقیناً اس نعمت سے کوئی حصہ نہیں ملتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انسان آلائش نفسانی بھی رکھے اور بارگاہ الٰہی میں باریاب بھی ہو۔ پھر فرماتے ہیں کہ درویش کو مجبور رہنا چاہیئے۔ اور ہر روز ایک ملک سے دوسرے ملک میں سیر کرنا چاہیئے۔ حضرت کی مراد مجبور ہونے سے تجرید عن الدنیا اور ماسوائے اللہ کو دل میں جگہ نہ دینا ہے۔ اور ملکوں کی سیر سے ملک جان کی سیر کرنی مراد ہے۔ اس ارشاد کے بعد حضرت قطب صاحبؒ ایک درویش صاحب فکر کا حال بیان کر کے آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک درویش سے میں نے یہ مثنوی سُنی تھی۔

ہر آں ملکے کہ دو ایس می گزارم　　　دو صد ملکے دگر در پیش آرم

اسی سلسلہ میں پھر ارشاد فرمایا ہے کہ اہل سلوک وتجرید کے نزدیک درویش کو راہ سلوک میں روزانہ ایک لاکھ ملکوں سے گذر کرنا چاہیئے اور پھر بھی قدم آگے بڑھتا رہے۔

اسی موقعہ پر آپ نے فرمایا کہ جو اولیا اسرار کو ظاہر کرتے ہیں وہ غلبات شوق سے مجبور ہوتے ہیں مگر بعض ایسے کامل و پختہ احوال ہوتے ہیں کہ کسی حال میں کوئی بھید ظاہر نہیں کرتے پس سالک راہ کا حوصلہ وسیع ہونا چاہیئے تاکہ اسرار الٰہی کو پوشیدہ رکھ سکے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ اگر شیخ منصور حلاج کامل ہوتے تو ہرگز دوست کا بھید ظاہر نہ کرتے۔ اس راہ میں ایسے ایسے لوگ بھی ہیں کہ اسرار کے لاکھوں دریا پی جاتے

ہیں اور معلوم بھی نہیں ہوتا بلکہ ہل من مزید کی فریاد کرتے ہیں۔

آپ کا ارشاد ہے کہ جب تک درویش سب سے بیگانہ نہ ہوجائے اور ہر وقت مجرد نہ رہے اور آلائش دنیاوی سے ذرا سا بھی اس میں باقی رہے اس وقت تک قرب کے مقام کو نہیں پہونچتا۔ راہ درویشی چلنا اور بات ہے اور ذخیرہ جمع کرنا اور بات ہی یا درویش بن یا ذخیرہ ہی جمع کر۔ اے برادر اس راہ میں بے غم نہ رہنا۔ جن لوگوں نے سلوک کے تمام درجے طے کر لئے اور کمال کو پہونچ گئے ہیں وہ بھی ہر وقت فراق کے ڈر اور خوف سے محزون و حیراں رہتے ہیں۔ کیونکہ کسی کو نہیں معلوم کہ انجام کیوں کر ہونے والا ہے۔

آپ کا ارشاد ہے کہ سالک وہ ہیں جو سرتاپا دریائے محبت میں غرق رہیں اور کوئی لحظہ و ساعت ایسی نہ ہو کہ باران عشق اُن پر نہ برستا رہے اور عارف وہ شخص ہے کہ ہر لحظہ اس میں عالم اسرار سے ہزارہا اسرار پیدا ہوتے رہیں اور وہ عالم سکر میں رہے اور اگر اس حالت میں اٹھارہ ہزار عالم اس کے سینہ میں ڈالدئے جائیں تب بھی اُسے خبر نہ ہو۔

آپ فرماتے ہیں کہ جو شخص محبت کا دعویٰ کرے اور مصیبت کے وقت فریاد کرے وہ جھوٹا ہے۔ دوستی اس بات کا نام ہے کہ جو کچھ دوست کی طرف سے آئے اُس پر راضی رہے اور لاکھوں شکر بجالائے کہ اسی بہانہ خیر یاد تو ہوئی۔ اہل معرفت کے نزدیک بلائے دوست رضائے دوست ہے۔ جس روز بلائے دوست ہم پر نہیں نازل ہوتی ہم سمجھتے ہیں کہ کوئی نعمت ہم سے چھین لی گئی ہے۔

آپ کا ارشاد ہے کہ اگر راہ گیر ایک سمت خاص پر چلتا رہے اور یقین کامل واُسے حصول کمال رکھے۔ تو یقیناً وہ درجہ کمال کو پہونچ جائے گا۔

آپ نے فرمایا کہ بزرگوں کی مجلس میں جو کوئی آئے جہاں جگہ خالی پائے وہیں بیٹھ جائے۔

آپ نے فرمایا کہ دعا دو قسم کی ہوتی ہے۔ نیک و بد۔ کسی کے حق میں بد دعا نہ کرنی

چاہئے مگر نیک دعا بہت اچھی ہوتی ہے۔ خصوصاً وہ جو بزرگوں کی زبان سے نکلی۔ پھر شمس الدین التمش کا قصہ بیان فرمایا کہ ایک دفعہ شیخ معین الدین سنجریؒ۔ شیخ اوحد الدین کرمانی اور شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ اور دعاگو (یعنی خود قطب صاحب) ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ اور انبیا کا تذکرہ ہو رہا تھا شمس الدین التمش جو ابھی بارہ سال کا تھا ہاتھ میں پیالہ لئے ہوئے جا رہا تھا کہ بزرگوں کی نگاہ اس پر پڑی۔ فوراً خواجہ معین الدین سنجریؒ کی زبان مبارک سے نکلا کہ یہ لڑکا جب تک دہلی کا بادشاہ نہ ہو جائے گا خدا اسے دنیا سے نہ اٹھائے گا۔ چنانچہ خدائے کریم نے اپنے فضل وکرم سے ایسا ہی کیا۔

آپ نے فرمایا کہ بیعت دوبارہ ہوسکتی ہے۔ یعنی اگر کوئی بیعت سے پھر جائے یا اس کی توبہ میں شک پڑ جائے تو از سر نو بیعت کر لینی چاہیئے اور اگر پیر نہ ہو تو شیخ کا جامہ ہی سامنے رکھ لے اور بیعت کرے شیخ معین الدین قدس سرہٗ بھی اسی طرح بیعت کیا کرتے تھے اور میں بھی اسی طرح کرتا ہوں۔ مرید کو اپنے پیر کی موجودگی اور عدم موجودگی دونوں میں یکساں خدمت کرنی چاہیئے۔ جس طرح اس کی زندگی میں خدمت کرتا تھا اسی طرح انتقال کے بعد بھی خدمت کرتا رہے۔ بلکہ مناسب ہے کہ اس سے زیادہ کرے۔

آپ نے فرمایا کہ میرے نزدیک سماع میں کچھ ایسا ذوق ہے کہ اور کسی چیز میں اتنا نہیں ہے جو لوگ صاحب طریقت ومشتاق حقیقت ہیں انہیں سماع سے گویا بدن میں آگ لگ اٹھتی ہے اور اگر یہ نہ ہوتا تو بقا کہاں ہوتا اور بقا کا لطف ہی کیا حاصل ہوتا۔

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ جو اولیاء اللہ کہ مرتبہ کے شروع ہی میں کشف حال کر دیتے ہیں انہیں کامل نہیں کہا جا سکتا۔ کامل وہ لوگ ہیں جو تمام مدارج طے کرنے تک کشف وکرامات کی ایک بات بھی ظاہر نہیں ہونے دیتے اور جب تمام مدارج طے کرنے کے بعد کشف حال ہوتا ہے تو عین وہی ہوتا ہے جو وہ کہتے ہیں اور ان کی دعا ضائع نہیں ہوتی۔ اولیاء اللہ کی دعاؤں میں فرق آ جانے کی یہی وجہ ہے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ دائرۂ محمدیہ میں ایسے مرد بھی ہیں جو تمام مدارج مقررہ طے کر کے لاکھوں درجے اور طے کرتے جاتے ہیں اور پھر بھی اپنے دوست کا بھید ذرہ برابر ظاہر نہیں کرتے۔ انہیں خود اپنے آپ کی خبر نہیں ہوتی۔ کہ ہم کون ہیں اور کیا ہیں۔ اور جب حالت ہوتی ہے تو ایک مقام سے دوسرے مقام تک برابر ترقی کرتے جاتے ہیں اور جوں جوں ترقی کرتے ہیں عالم تحیر میں پڑتے جاتے ہیں اور جب عالم تحیر میں پڑتے ہیں تو اُن کا فراق وصل سے بدل دیا جاتا ہے۔

آپ کا ارشاد ہے کہ اگر مرید نماز نفل پڑھ رہا ہو اور پیر بلائے تو نیت توڑ کر چلا جانا چاہیئے۔ کیونکہ یہ امتثال امر پیر نفل نمازوں سے افضل ہے۔

آپ کا ارشاد ہے کہ جب آدمی توبہ کرے تو پھر اُن لوگوں سے میل جول نہ رکھنا چاہیئے جن سے پہلے وہ رکھتا تھا۔ مبادا کہ پھر اُسی گناہ میں مبتلا ہو جائے۔ کیونکہ انسان کے لئے بُری صحبت سے بڑھکر اور کوئی چیز بُری نہیں ہے اور خود بھی جس چیز سے توبہ کرے اُسے ہمیشہ اپنا دشمن خیال کرتا رہے۔ سالک کے لئے دنیا سے بڑھکر کوئی حجاب نہیں۔ کوئی شخص اس وقت تک خدا رسیدہ نہیں ہوتا جب تک وہ دنیا میں مشغول رہتا ہے دنیا سب کی دوست ہے لیکن درویشوں کی نہیں۔ کیونکہ انہوں نے اُسے رد کر دیا ہے درویشی میں بڑا آرام ہے اور دنیاوی آفتوں سے درویش محفوظ ہیں لیکن اس کام میں سختی بہت ہے۔ معراج الفقرا فی لیلۃ الفاقہ۔

پھر آپ نے فرمایا کہ درویش کا فاقہ اس کے اختیار میں رکھا گیا ہے۔ دنیا اُسے دیگئی ہے کہ جس طرح چاہئے خرچ کرے وہ اپنے واسطے بھی خرچ کر سکتا ہے مگر ایسا نہیں کرتا اور دوسروں کو دیتا ہے اور خود فاقہ کرتا ہے اور اس سے اس کے کام میں ترقی ہوتی ہے۔

آپ کا ارشاد ہے کہ چار چیزیں گوہر نفس ہیں (۱) درویشی جو توانگری نظر آئے (۲) گرسنگی جو سیری نظر آئے (۳) اندوہگینی جو شادی نظر آئے (۴) اور باوجود دشمنی کے دوستی کا برتاؤ کرنا۔

آپ کا ارشاد ہے کہ جہاں جاؤ کا شانہ بن جاؤ اور جہاں رہو مردہ دار رہو۔
آپ کی طرف ایک دیوان بھی منسوب ہے مگر وہ آپ کا کلام نہیں آپ کو استغراق سے اتنی فرصت کہاں تھی جو شعر و شاعری کی طرف متوجہ ہو سکتے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

شیخ اوحد الدین کرمانی قدس سرہٗ العزیز

عاشق پاکباز زندہ و عشق بے نیاز۔ عارف ربانی شیخ اوحد الدین حامد الکرمانی قدس سرہٗ العزیز عشق مشرب اور اس راہ کے پاکبازوں میں سے تھے۔ صاحب مراۃ الاسرار فرماتے ہیں کہ شیخ اوحد الدین کرمانی قدس سرہٗ بے باکان روزگار و رندان محرم اسرار میں سے تھے۔ اور کمال قرب حضرت عزوجل کی وجہ سے خلق کے رد و قدح کی طرف کوئی التفات نہیں فرماتے تھے اور ہمیشہ آراستگی باطن کی طرف متوجہ رہتے تھے۔ نفحات الانس میں ہے کہ آپ حضرت شیخ رکن الدین سنجاسیؒ کے مرید تھے۔ اور وہ شیخ قطب الدین ابہریؒ کے اور وہ شیخ ابوالنجیب سہروردیؒ کے مرید تھے۔

سیر العارفین میں شیخ چلپی حسام الدینؒ سے منقول ہے کہ شیخ اوحد الدین کرمانیؒ نے ابتدائی حال میں خواجہ بزرگ شیخ معین الحق والدین چشتی قدس سرہٗ العزیز سے بھی آپ کے قیام بغداد کے زمانہ میں خرقہ پہنا تھا۔ چنانچہ اس کا ذکر خواجگان چشت کے ملفوظات میں اکثر جگہ آیا ہے۔ صاحب نفحات الانس فرماتے ہیں کہ شیخ اوحد الدین اپنے زمانہ کے بہت بڑے لوگوں اور حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن العربی قدس سرہٗ کی صحبت بابرکت کے بیٹھنے والوں میں سے تھے۔ حضرت شیخ اکبرؒ کی مشہور و معروف کتاب فتوحات مکیہ میں حضرت شیخ اوحدین کرمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ذکر ہے اور یہ نقل اُن کے زبانی نفحات الانس میں مذکور ہے کہ میں جوانی میں اپنے شیخ حضرت رکن الدین سنجاسیؒ کی خدمت میں رہا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت کے ساتھ سفر کا اتفاق ہوا۔ شیخ عماری میں تشریف فرماتے تھے اور درد شکم کی تکلیف تھی۔ چلتے چلتے ہم ایک

جگہ پہونچے جہاں ایک شفا خانہ تھا میں نے درخواست کی کہ اگر اجازت ہو تو میں جاکر دوا لے آؤں۔ شائد کچھ نفع اللہ جل شانہٗ بخشے۔ غرضکہ میرے اضطراب کو دیکھ کر حضرت شیخ نے اجازت دی۔ میں گیا اور ایک شخص کو میں نے دیکھا کہ خیمہ میں بیٹھا ہے اور چہار طرف ملازم کھڑے ہیں اور اسکے سامنے ایک شمع جل رہی ہے۔ اس نے مجھے نہیں پہچانا۔ مگر اپنے ملازموں کے درمیان مجھے دیکھکر کھڑا ہو گیا۔ اور میرے سامنے آکر دونوں ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا کہ کیا حاجت ہے میں نے اپنے شیخ کا حال بیان کیا۔ یہ سنکر فی الفور دوا لے آیا اور مجھے دی۔ اور میرے ہمراہ باہر تک آیا اور نوکر کو ہمراہ شمع لئے ہوئے میرے آگے آگے چلنے کا حکم دیا۔ میں ڈرا کہ کہیں حضرت شیخ اس طرح دیکھ لیں گے تو ناخوش ہونگے۔ اس لئے سمجھا بجھا کر نوکر کو واپس کر دیا اور میں شیخ کی خدمت میں واپس حاضر ہوا اور دوا پیش کی اور جو احترام و اکرام میرا ہوا تھا اسے بیان کیا۔ حضرت نے تبسم فرمایا اور کہا اے فرزند جب میں نے تیرا اتنا اضطراب دیکھا تو مجھے رحم آیا اور تجھے میں نے جانے کی اجازت دی لیکن جب وہاں پہونچا تو مجھے اندیشہ ہوا کہ یہ شخص اس موضع کا رئیس ہے تیری طرف اگر التفات نہ کرے گا تو تو شرمندہ ہوگا۔ اس خیال میں اپنے مکان سے جدا ہو کر اس کی صورت میں متشکل ہوا۔ اور اوسکی جگہ بیٹھ گیا۔ جب تو آیا تو میں نے تیرا احترام و اکرام کیا۔ اسکے بعد جو کچھ تجھپر گذرا تو خود جانتا ہے۔

چہل مجلس میں حضرت شیخ علاؤ الدولہ سمنانی بیان فرماتے ہیں کہ شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین عمر سہروردیؒ آپ کو مبتدع کہتے تھے اور سامنے نہیں بلاتے تھے۔ ایک دن اس کا ذکر شیخ اوحد الدین کرمانی کے سامنے ہوا۔ آپ نے کہا گو حضرت شیخ الشیوخ مجھے مبتدع کہتے ہیں لیکن یہ کیا کم فخر کی جگہ ہے کہ میرا نام تو آپ نے زبان سے لیا۔ اس کے بعد عربی کا یہ شعر پڑھا ؎

ما ساءنی ذکراک لی بمساءۃ　　بل سرانی خطرت ببالکا

حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ نے جب یہ سنا تو آپ کے اخلاق کی

بہت تعریف کی صاحب نفحات الانس شیخ الشیوخ کے اس قول کی توجیہ اس طرح کرتے ہیں کہ مبتدع سے غالباً حضرت کی مراد یہ ہوگی کہ شیخ اوحد الدینؒ شہود حقیقت میں مظاہر صوری سے میل رکھا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ خواجہ شمس الدین تبریزیؒ نے آپ سے پوچھا "درچہ کاری" آپ نے فرمایا "ماہ را درطشت آب می بینم" خواجہ نے فرمایا "در قفا دنبل نہ داری چرا بر آسمان نمی بینی"۔

مولانا جلال الدین رومیؒ کے سامنے ایک مرتبہ ذکر ہوکہ شیخ اوحد الدین کرمانیؒ شاہد باز است اما پاکباز است" مولانا نے فرمایا "کاشکے کردی و درگزشتی"۔ اس معنی میں آپکی ایک رباعی مشہور ہے۔

زاں می نگرم بچشم سر در صورت — زیرا کہ ز معنی است اثر در صورت
ایں عالم صورتست ما در صوریم — معنی نتواں دید مگر در صورت

صاحب نفحات نقل فرماتے ہیں "در بعضی تواریخ مذکور است کہ چوں وے در سماع گرم شدے پیراہن امرداں چاک کردے۔ و سینہ بسینہ آنہا باز نہادے"۔

ایک مرتبہ کا قصہ ہے کہ جب آپ بغداد پہونچے تو خلیفہ وقت نے یہ حالات سُنکر کہا کہ مبتدع اور کافر ہے۔ اگر ایسی حرکت یہاں کرے گا تو قتل کر دونگا۔ اتفاقاً ایک روز سماع کا جلسہ ہوا۔ خلیفہ کا لڑکا جو نہایت صاحب جمال تھا وہ بھی موجود تھا۔ جب مجلس گرم ہوئی تو حضرت شیخ نے یہ رباعی اُس کی طرف مخاطب ہو کر پڑھی۔

سہل است مرا بر سر خنجر بودن — در پائے مراد دوست بے سر بودن
تو آمدۂ کہ کافرے را بکشی — غازی چو توئی رواست کافر بودن

لڑکے نے آپ کے قدموں پر سر رکھدیا اور مرید ہوا۔ نفحات میں اس واقعہ کے سلسلے میں مذکور ہے کہ اہل تحقیق و توحید کے نزدیک کامل مکمل وہ شخص ہی کہ جمال حق سبحانہ تعالےٰ کو مظاہر کونی حسی میں بصر سے اُسی طرح مشاہدہ کرے جس طرح کہ بصیرت سے مظاہر روحانی میں مشاہدہ کرتا ہے مگر غیر عارف کے لئے یہ نظر بازی جائز نہیں ہے۔ اہل طریق میں ایسے بھی لوگ ہوے ہیں جو دیکھنے کو مظاہر قدرت و صور زیبا کے عشق میں گرفتار رہے ہیں۔

مگر اُن کا باطن مشاہدہ جمالِ حقیقی ہی میں مشغول رہا ہے۔ چنانچہ مصنوع کی زیبائش میں گرفتار رہنا اور صانع کی طرف نظر نہ کرنا ممنوع ہے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ سے ہم پناہ مانگتے ہیں کہ پہچاننے کے بعد بھی نہ پہچانیں اور انکشافِ حقیقت کے بعد بھی وہ کونینہ ہمارے لئے حجاب بنے رہیں۔ ایسے بزرگوں کے ساتھ حسن ظن رکھنا چاہیے اس قسم کے لوگوں میں سے شیخ احمد غزالی۔ شیخ فخر الدین عراقی۔ اور شیخ اوحد الدین کرمانی۔ قدس سرہم تھے ان بزرگوں نے مظاہر صوری حسی کے جمال کے مطالعہ سے شغل رکھا ہے۔ درحقیقت اُن کی حالت یہ تھی کہ اس جمال ظاہری میں جمال مطلق حق انہیں نظر آتا تھا۔ اور بعض صور حسی کے ساتھ مقید نہیں رہتے تھے۔ اسی خیال کو حافظ شیرازی علیہ الرحمہ اس طرح ادا فرماتے ہیں۔

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم   اے بیخبر ز لذت شرب مدام ما

لیکن بعض بزرگوں نے جو اُن لوگوں کی شان سے انکار کیا ہے تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے احتیاط کا پہلو مدنظر رکھا ہے کہ کہیں محجوب لوگ اس طریقہ کو اپنا دستور نہ بنا لیں اور اپنی حالت کو اسی طرح سمجھنے نہ لگیں جیسی کہ اُن بزرگوں کی حالت تھی۔

حضرت شیخ اوحد الدین کرمانیؒ کے بہت سے صاحب کمال مرید تھے جن میں سے ایک شیخ صدر الدین علی یمنیؒ تھے جنھوں نے میر سید قاسم تبریزیؒ کو تربیت فرمائی تھی ان شیخ صدر الدین علی کا انتقال جام میں ۸۷۳ھ میں ہوا۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔ حضرت شیخ اوحد الدین کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک اور مرید حضرت شیخ اوحد الدین اصفہانیؒ تھے جن کی کتاب مثنوی جام جم حدیقہ حکیم سنائی کے وزن پہ ہے۔ اس مثنوی کے چند شعر یہ ہیں ؎

اوحدی شصت سال سختی دید	تا شبی روے نیک بختی دید
سر گفتار ما مجازی نیست	باز کن دیدکیں بہ بازی نیست
سالہا چوں فلک بہ سر گشتم	تا فلک دار دیدہ در گشتم
بر سر پائے چلہ داشتہ ام	چوں نہ از بہر زلہ داشتہ ام
از بروں در میاں بازارم	وز دروں خلوتے ست با یارم

ان شیخ اوحد الدین اصفہانیؒ نے ۶۳۸ھ میں بمقام تبریز انتقال فرمایا اور وہیں مدفون ہوئے۔

شیخ اوحد الدین کرمانیؒ کے کرامات اور خرق عادات بہت مشہور ہیں حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ نے راحت القلوب میں آپ کی ملاقات اور آپ کے بعض کرامتوں کا ذکر فرمایا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ چند روز میں نے آپ کی خدمت میں بسر کر کے نعمت حاصل کی ہے۔

شیخ اوحد الدین کرمانیؒ اشعار لطیف کہتے تھے۔ چنانچہ آخر کتاب مصباح الارواح سے یہ چند شعر نقل کئے جاتے ہیں ؎

تا جنبش دست ہست مادام — سایہ متحرک است ناکام
چوں سایہ ز دست یافت مایہ — پس نیست خود اندر اصل سایہ
چیزے کہ وجود او بخود نیست — ہستیش نہادں از خرد نیست
ہست است ولیک ہست مطلق — نزدیک حکیم نیست جز حق
ہستی کہ بحق قوام دارد — او نیست ولے کہ نام دارد
ہر نقش خود ست فتنۂ نقاش — کس نیست دریں میاں تو خوش باش
پس باد یقیں کہ نیست واللہ — موجود حقیقی سوئے اللہ

رباعیات

دائم ز درائے حرف بیروں احد است — وز چشمہ لطف آب حیاتم مدد است
علّت ز احد باوحد آمد حرفے — علّت بگذار اینک اوحد احد است

اوحد در دل می زنی آخر دل کو — عمر یست کہ راہ میروی منزل کو
دردینی دوں بے وفامی گردی — پنجاہ دو چلّہ داشتی حاصل کو

جز نیستی تو نیست ہستی بخدائی — اے ہوشیاران خوش است ہستی بخدائی
گزرانکہ بستے بحق پرستی ناگاہ — حقا کہ رسی زبت پرستی بخدائی

اسرار حقیقت نہ شود حل بسوال نے نیز بدر باختن حشمت و مال
تا خون نہ کنی دیدہ و دل پنجہ سال ہرگز نہ دہندت راہ قال بحال

صاحب منتخب التواریخ لکھتے ہیں کہ ابوجعفر منصور بن ظاہر ملقب بہ مستنصر باللہ خلیفہ عباسی کے زمانہ میں آپ نے بمقام بغداد ۵۳۶ھ میں انتقال فرمایا۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

شیخ محی الدین بن علی ابن العربی قدس سرہٗ العزیز

برگزیدہ بہ نفحات قدسیہ ممتاز بانفاس روحانیہ۔ واقف اسرار ولایت عارف محقق۔ سردار مقربین۔ صاحب فتح موفق وکشف مشرق۔ ذوبصائر خارقہ وسرائر صادقہ حال معارف باہرہ وحقائق زاہرہ امام محی الدین محمد بن علی العربی معروف بہ شیخ اکبر قدس سرہٗ العزیز اپنے زمانہ کے اکابر کاملین میں سے تھے۔ آپ کا نام محمدؐ لقب محی الدین اور کنیت ابن العربی تھی۔ الف لام تعریف کے ساتھ۔ امام شعرانی فرماتے ہیں کہ کتاب نسب الخرقہ میں میں نے اسی طرح آپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا ہے۔ جس قدر رموز تصوف آپ نے بیان فرمائے کسی نے اسقدر نہیں بیان کئے آپ قائلین وحدت وجود کے امام تھے۔ آپ سے کرامات وخرق عادات لاتعد ولاتحصیٰ صادر ہوئے ہیں۔ شیخ الاسلام صاحب قاموس قدس سرہٗ لکھتے ہیں کہ مجھے آج تک نہیں معلوم ہوا کہ کوئی شخص علم شریعت وحقیقت میں امام محی الدین ابن العربی شیخ اکبر کے مبلغ علم کو پہونچا ہو۔ کیونکہ وہ ایک دریائے ناپید اکنار تھے اور ان کی تصنیفات بحر زخار ہیں کسی نے ایسے رموز ومفید مطالب بیان نہیں کئے۔ اور اُن کی کتابوں کا مطالعہ کرنا حق تعالےٰ کی قربت حاصل کرنا ہے۔

آپ کے والد ماجد کا نام علی بن محمد العربی ہے۔ آپ حضرت سیدنا عدی بن حاتم طائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے ہیں ۵۶۰ھ (پانسو ساٹھ ہجری) میں دوشنبہ کی شب سترہویں رمضان المبارک کو آپ بمقام مرسیہ ملک اندلس میں پیدا ہوئے۔ آپ کا طریقہ مالکی تھا اور آپ کا کلام اس قدر عجیب ولطیف ہوتا تھا کہ

علمائے ظاہر اس کے سمجھنے سے قاصر تھے۔ اس لئے اکثر نے آپ پر (نعوذ باللہ) کفر کے فتوے لگائے۔ علامہ قطب الدین شیرازی فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ اکبر شریعت وحقیقت دونوں میں کامل اور بے نظیر فرد تھے۔ جو لوگ ان کے کلام پر طعن کرتے ہیں وہ کیا کریں۔ اس کو وہ سمجھ نہیں سکتے تھے۔ اور جو کوئی اُن کو بُرا کہتے ہیں تو اُن کو ایسا جانو جیسے وہ لوگ ہیں جو سبھوں کو بُرا کہتے ہیں۔ امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں۔ کہ امام محی الدین ابن العربی بہت بڑے جلیل القدر ولی اور اپنے زمانے کے قطب الاقطاب تھے شیخ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ شیخ اکبر عارفوں کے مربی ہیں۔ اور حضور پرنور صلعم کے قدم بقدم چلنے والے۔ انہوں نے حضرت شیخ اکبرؓ کے منکروں کے جواب میں ایک کتاب بھی لکھی ہے جس کا نام تنبیہ الغبی فی تبرئیہ ابن العربیؒ ہے امام عبداللہ ابن سعد یافعیؒ کہتے ہیں کہ حضرت شیخ اکبرؒ کو ولایت عظمیٰ حاصل تھی۔ امام سکیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام محی الدین ابن العربیؒ ایتہ من آیات اللہ تھے اور اس زمانہ میں علم وفضل کی کنجی انھیں کے ہاتھ میں تھی۔ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ اور حضرت شیخ کمال الدین کاشیؒ فرماتے ہیں کہ امام محی الدین ابن عربی کامل محقق وصاحب کرامات تھے شیخ قطب الدین حموی قدس سرہٗ العزیز فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو امام محی الدین ابن العربیؓ کے منکر مت ہونا اور اُنہیں بُرا مت کہنا کیونکہ اولیاء اللہ کا لحم مسموم ہوتا ہے۔ اور اُن سے بغض رکھنے والے اکثر نصرانی مرے ہیں۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ بعض نے شیخ کی عبارت میں جھوٹی عبارت بھی داخل کر دی ہے تاکہ لوگ حضرت کو ظاہر شریعت کا مخالف سمجھنے لگیں اور اُن کی اپنے حسد کی آگ بجھے۔ ایک شخص مسمیٰ جمال الدین ابن الخیاط یمن کا رہنے والا تھا۔ اس نے چند رسائل لکھ کر بلاد اسلام میں بھیجے اور کہا کہ محی الدین ابن العربی کے عقائد میں۔ آپ لوگوں کی کیا رائے ہے؟ چونکہ وہ عقائد لغو تھے اس لئے سب نے بُرا کہا۔ علامہ فیروز آبادی کہتے ہیں کہ حضرت شیخ اکبرؓ ان لغو عقائد سے پاک ہیں اور یہ اشعار ان کی تعریف میں کہے ہیں ؎

وما علیّ اذا ما قلت معتقدی ۔۔۔ دع الجھول یظن الجھل عدوانا

واللہ واللہ واللہ العظیم ومن اقامہ حجۃ للدین برھانا
ان الذی قلت بعضا من مناقبہ ما زدت الا لعلی زدت نقصانا

یعنی میرے لئے اس میں کوئی مضائقہ کی بات نہیں ہے اگر یہ کہوں کہ ان پر مجھے اعتقاد ہے۔ ان جاہلوں سے درگزر کرو جو جہل سے انہیں دشمن سمجھتے ہیں۔ خدائے بزرگ و برتر کی قسم جس نے انہیں حجت دین اور برہان بنایا ہے کہ میں نے ان کی مدح و ثنا کرنے سے ان کے مرتبہ کو بڑھایا نہیں ہے بلکہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں اس مدح سے ان کی منقصت نہ ہوئی ہو۔ شیخ مجد الدین فیروز آبادی لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ اکبر کا مکان شام میں تھا اور شیخ نے تمام علوم شام ہی میں حاصل کئے۔ شام وہ ملک ہے کہ جس کے لئے حدیث شریف میں وارد ہے کہ لا تسبوا اھل الشام فان فیھم الابدال حضرت شیخ اکبرؒ کو کسی نے برا اگر کہا ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ اس لئے کہ بڑے لوگوں کے برا کہنے والے بھی ہوا کرتے ہیں۔ انبیاء کو برا ہی نہیں کہا بلکہ لوگوں نے قتل کیا ہے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا حال سب پر روشن ہے۔ انہیں برا کہنے والے ابھی تک موجود ہیں اولیاء اللہ کو ان کے زمانہ میں لوگوں نے برا ہی نہیں کہا بلکہ طرح طرح کی ایذائیں دی ہیں۔ حضرت سمنون محبؓ کو لوگوں نے ایک عورت سے بدنام کیا۔ حضرت سہیل ابن عبد اللہ تستریؒ کو لوگوں نے شہر بصرہ سے نکال دیا حضرت ابو سعید خرازہ پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا۔ حضرت جنید بغدادیؒ کا بھی یہی حال ہوا حضرت محمد بن الفضلؒ بلخی کو لوگوں نے بدعتی کہا اور شہر سے نکال دیا۔ حضرت ابو عثمان مغربی کو لوگوں نے مکہ سے نکلدیا۔ حالانکہ وہ بہت بڑے مجاہد علامہ اور صاحب جمال تھے حضرت ابوبکر شبلیؒ پر کفر کے فتویٰ لگائے گئے۔ اور حضرت امام ابوبکر نابلسی کو باین فضل وکمال و استقامت فی الدین جو ملک مغرب سے مصر تک مشہور تھے زندیق کہکر بدنام کیا اور بادشاہوں سے کہکر الٹا لٹکوا کر کھال کھینچوائی اسی طرح حضرت ابو الحسن شاذلی کو لوگوں نے زندیق کہکر ملک مغرب سے نکالدیا۔

شیخ بدر الدین ابن جماعہ سے لوگوں نے شیخ ابن العربیؒ کا حال پوچھا آپ نے

فرمایا تم کو کیا ہوا ہے جو ایسے شخص کے بارہ میں مذبذب ہو جسکے فضل و کمال اور جلالت قدر پر تمام عالم نے اتفاق کیا ہے۔ شیخ فخر رومی فرماتے ہیں یہ جو مشہور ہے کہ حضرت عزالدین بن عبد السلام نے اُن کو زندیق کہا ہے محض جھوٹ اور افترا ہے کیونکہ صلاح الدین قلانسی صاحب فوائد مشایخ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ شیخ عزالدین کی مجلس درس میں شریک تھے اور ردّت کا بیان ہو رہا تھا۔ قاری نے زندیق کے لفظ کو پڑھا ایک نے کہا کہ یہ لفظ عربی ہے دوسرے نے کہا عجمی ہے تب ایک عالم نے کہا یہ فارسی الاصل ہے اور معرّب ہے۔ اس کا اصل زن دین تھا۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو کفر چھپاتا ہو اور ایمان ظاہر کرتا ہو تب ایک طالب علم نے کہا کوئی مثال فرمائیے اس پر ایک شخص نے عزالدین بن عبد السلام کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ جیسے محی الدین ابن العربی میں شیخ چپکے رہے اور کچھ نہ بولے۔ صلاح الدین فرماتے ہیں کہ حضرت اس دن روزہ سے تھے جب میں نے شام کو دسترخوان بچھایا تو دریافت کیا کہ حضرت آج کل قطب کون ہے؟ آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ میں اس زمانے میں سوائے ابن العربی کے کسی دوسرے کو قطب نہیں دیکھتا ہوں میں سر فرو کر کے تھوڑی دیر حیرت کرتا رہا بعدہٗ میں نے کہا کہ اُس وقت آپ نے سکوت ظاہر کر کے رضامندی کیوں ظاہر فرمائی تھی۔ فرمایا وہ عالموں کی مجلس تھی وہاں سوائے سکوت کے مجھکو کوئی چارہ نہ تھا۔ امام شعرانی فرماتے ہیں کہ شیخ عزالدین ابن عبد السلام شیخ الاسلام مصر جب حضرت شیخ ابو الحسن شاذلی کی صحبت میں پہونچے اور اس گروہ کے احوال سے واقف ہوئے تب شیخ اکبر کو ولایت و عرفان و قطبیت کے ساتھ یاد کرنے لگے۔ احیاء العلوم میں مذکور ہے کہ جس کسی کو اس علم (تصوف) سے کچھ بہرہ نہیں اُس کے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے۔ جو لوگ کتاب و سنت سے اسے مدلل نہ پائیں تو عمل موقوف رکھیں۔ مگر اسکی حقیقت سے انکار نکریں۔ لوگوں نے حضرت شیخ اکبرؒ کے کلام کو سمجھا نہیں اور اس سے انکار کیا۔ حالانکہ یہ نہایت نامناسب تھا اپنی چھوٹی سی عقل کو تمام علوم پر حاوی سمجھنا کمال نادانی ہے خدائے عزوجل فرماتا ہے وَمَا اوتیتم من العلم الا قلیلا۔ ایک تو خود انسان کو کم علم عطا ہوا ہے۔ اس پر ہر شخص کی

استعداد اور نصیب ہے کسی کو اگر علم کا زیادہ حصہ نہیں ملا ہے تو اُسے لازم نہیں کہ اُس شخص کے علم کا انکار کرے جسے خدائے عزوجل نے اس سے زیادہ حصہ دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی شخص صفت علم سے متصف ہوتا ہے تو اس کے مخالفین بہت پیدا ہوجاتے ہیں۔ اسرار وعلوم جنھیں حضرت شیخ اکبرؒ نے ظاہر فرمایا۔ اسی قبیل کے ہیں جنکے بارہ میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ مجھے رسول اللہ نے دو قسم کے علوم عطا فرمائے ایک کو میں نے ظاہر کیا ہے اور اگر دوسرے کو ظاہر کروں تو نقطع ھذا البلعوم۔ یہ حلق کاٹ دیا جائے حضرت امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں حضرت امام زین العابدین بن الحسینؓ سے ان دو شعروں کو اسی ضمن میں نقل کیا ہے۔

یارب لو جوھر علم الوح به یقل لی انت لعبد الوثنا

اے میرے خدا اگر میں جوہر علم کو ظاہر کروں تو لوگ مجھے بت پرست کہیں گے۔

ولاستحل رجال المسلمین دمی یرون اقبح ما یأتونه حسنا

اور مسلمان میری خونریزی کو جائز رکھیں گے اور اپنے بُرے افعال کو اچھا سمجھیں گے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے علم لدنی مراد ہے جسے ہر کوئی نہیں جانتا۔ اگر منکرین کو انکار ہے تو حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کے قصہ پر غور کریں۔ شیخ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی بڑا شخص پیدا ہوتا ہے تو اُس کے مقابل میں اُس کا دشمن بھی ظاہر ہوتا ہے۔ اور اشراف و اہل علم ہمیشہ بلاؤں میں مبتلا رہتے ہیں۔

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ پہلے عرب کے ایک بادشاہ کے منشی تھے۔ اس کے بعد زہد وعبادت وسیاحت اختیار کی اور مصر وشام وحجاز وروم کا سفر کیا اور جس جس شہر میں پہونچے وہاں کوئی نہ کوئی کتاب تالیف فرمائی۔ آپ کو تصوف میں بواسطہ شیخ ابو محمد یونس قصار ہاشمیؒ حضرت شیخ الجن والانس سیدنا میراں محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خرقہ ملا ہے اور حضرت خضر سے بھی ایک ہی واسطہ ہے۔ چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے اس خرقہ کو شہر موصل کے

باہر سنہ ٦٠٦ھ میں ابو الحسن علی بن عبد اللہ بن جامع سے پہنا ہے اور ابن جامع نے حضرت خضر علیہ السلام سے خرقہ پہنا ہے اور جس مقام پر جس طرح ابن جامع کو حضرت خضر نے پہنایا ہے اسی مقام پر اسی طرح سے بغیر زیادتی و نقصان کے ابن جامع نے مجھ کو پہنایا ہے۔ حضرت خضر رضی سے ایک دوسری نسبت بے واسطہ بھی حضرت شیخ اکبر رح کو حاصل ہے۔ انہوں نے خود اُس کا ذکر فرمایا ہے۔

آپ بہت بڑے صاحب تصانیف تھے لیکن افسوس اس زمانہ میں بہت کم کتابوں کا پتہ ملتا ہے۔ حضرت شیخ مجد الدین فیروز آبادی قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں کہ میں نے بچشم خود حضرت شیخ اکبر رح کے ہاتھ کا اجازت نامہ دیکھا ہے۔ یہ شاہ حلب کے واسطے لکھا گیا تھا۔ اس کے آخر میں یہ بھی تھا کہ اپنے کل تصنیفات کی روایت کی اجازت میں نے تمہیں دی۔ اور وہ کتابیں فلاں اور فلاں ہیں۔ جب میں نے گنا تو اجازت ناموں میں چار سو کتابیں تھیں۔ اس میں آپ کی تفسیریں بھی تھیں۔ ایک نصف قرآن کی تفسیر چَونسٹھ جلدوں میں تھی اور آیہ و علمناہ من لدنا علما تک ختم کردیا تھا اور دوسری پوری تفسیر آٹھ جلدوں میں تھی اس میں محققانہ طرز اختیار کیا تھا۔ اور اسی فہرست میں ریاض الفردوسیہ فی الاحادیث القدسیہ بھی شامل تھے اُن کے علاوہ ایک تفسیر اہل تصوف کے طرز پر بھی تحریر فرمائی تھی۔ صاحب نفحات الانس لکھتے ہیں کہ بغداد کے ایک بڑے شیخ نے آپ کے مناقب لکھے ہیں اس میں بیان کیا ہے کہ حضرت کی تصنیفات پانسو سے زیادہ ہیں۔ خود حضرت شیخ نے بھی اپنے بعض دوستوں کے اصرار سے اپنی تصنیفات کی فہرست ایک رسالہ کی شکل میں مرتب کی ہے اس میں ڈھائی سو سے زیادہ کتابوں کے نام لکھے ہیں جن میں سے اکثر تصوف میں ہے۔ بعض کی وجہ تصنیف و تالیف یہ بیان فرماتے ہیں کہ مجھ پر حق سبحانہٗ تعالےٰ کی طرف سے ایک امر وارد ہوتا تھا اور وہ مجھے جلائے ڈالتا تھا۔ اس لئے اس امر کو بیان کرنے میں مشغول ہو جایا کرتا تھا۔ بعض کے متعلق یہ فرماتے ہیں کہ خواب میں یا مکاشفہ میں حق سبحانہٗ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لکھنے کے لئے حکم ہوتا تھا اسلئے

لکھنا پڑا۔ اس زمانہ میں جس قدر آپ کے تصانیف موجود ہیں اُن میں فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم سب سے زیادہ بزرگ کتابیں ہیں شیخ سراج الدین بلقینیؒ فرماتے ہیں کہ ابن العربیؒ نے اوائل عمر میں معارف وحقایق کے دریا میں غوطہ مارا ہے اور اخیر میں فصوص وفتوحات اور تنزلات موصلیہ کے ساحل پر نکلے ہیں۔ یہ تینوں کتابیں آپ کی اُمہات کتب سے ہیں۔ یہ سب کتابیں لوگوں نے خود شیخ سے پڑھی ہیں اور سند لی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ فصوص الحکم آپ نے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے لکھی ہے۔ چنانچہ ابتدائی کتاب میں خود فرماتے ہیں کہ آخر عشرہ محرم ۶۲۷ھ میں بمقام دمشق میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ کے ہاتھ میں ایک کتاب ہے اور مجھ سے فرماتے ہیں کہ یہ کتاب فصوص الحکم ہے اس کو لو اور تمام لوگوں پر ظاہر کرو۔ تاکہ لوگ اس سے فائدہ اُٹھائیں۔ میں نے عرض کیا۔ سمعاً وطاعۃً۔ بسر وچشم۔ پس اس کتاب کو خالصۃً لوجہ اللہ لکھا۔ اور جس قدر کہ حد حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی تھی۔ اس ... میں نے نہ زیادتی کی اور نہ کمی۔ اور خدا سے بزرگ و برتر سے شیطان کے ... سے پناہ مانگی۔

حافظ عبداللہ ذہبی حضرت شیخؒ کے نہایت مخالف تھے۔ ایکبار لوگوں نے اُن سے پوچھا کہ امام محی الدین ابن العربیؒ نے فصوص الحکم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے لکھا ہے؟ تو انہوں باوجود سخت مخالفت کے جواب دیا کہ ایسا علامہ کبھی جھوٹ نہیں کہا کرتا۔

شیخ مجدالدین فیروزآبادی ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ اکبرؓ کی تصنیفات کا خاصہ یہ ہے کہ جو کوئی ان کا شغل رکھتا ہے اُسے علوم وفنون کے دقیق مسئلے پانی کی طرح آسان ہو جاتے ہیں یہ کہنا کہ ان کا پڑھنا ناجائز ہے درست نہیں کیونکہ انکار کرنے والا اپنی فہم ناقص سے کتاب وسنت کے مطالب کا انکار کرتا ہے ایکبار لوگوں نے انہیں شیخ مجدالدین سے پوچھا کہ فصوص وفتوحات وغیرہ جو کتابیں حضرت شیخ اکبرؓ کی طرف منسوب ہیں کیا انکا پڑھنا پڑھانا درست ہے اور کیا

شیخ سے بھی پڑھی یا سُنی گئی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا ہاں یہ کتابیں شیخ سے پڑھی اور سُنی بھی گئی ہیں۔ اور حافظ یزونی وغیرہ نے خود شیخ اکبرؒ سے پڑھا ہے۔ اور میں نے خود قونیہ میں فتوحات پر شیخ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی اجازت دیکھی ہے۔ شیخ اکبرؒ کی کتابوں کا مطالعہ کرنا اللہ تعالیٰ سے قربت حاصل کرنا ہے اور جو لوگ انکار کرتے ہیں وہ راہ راست سے منحرف ہیں۔ کیونکہ شیخ اکبرؒ اپنے زمانہ میں ولایت عظمیٰ اور صدیقیت کبریٰ پر فائز تھے اُن کے مخالف پر اللہ کی ناخوشی کی پہلی علامت یہ ہے کہ اسے اتنے بڑے فوائد سے محروم رکھا۔ لوگوں کا یہ افترا ہے کہ شیخ کا کلام خلاف شریعت ہے ان کا مرتبہ اور تبحر علمی اس کا متقاضی نہیں ہو سکتا۔ شیخ ابن العربیؒ کبھی اس رسول کی مخالفت نہیں کر سکتے جنہوں نے اپنی شریعت غرّا کا آپ کو امین و رازدار بنایا ہے۔ غرضکہ اس زمانہ میں انکار کیا جاتا تھا۔ مگر پھر ایک زمانہ ایسا آیا جب کہ لوگ عود و لوبان سُلگا کر اور نہایت مقدس جگہ بیٹھکر بہت ادب کے ساتھ فصوص الحکم کا درس دیتے تھے اور بکثرت علماء نے اُس کی شرحیں لکھی ہیں جن میں سے ایک شیخ بدر الدین ابن سماعۃ بھی تھے۔ شیخ مخزومی نے بھی ایک کتاب میں شیخ اکبرؒ کے کلام پر اسرار کو ظاہر کیا ہے اور اور اُس کا نام کشف الغطاء رکھا ہے۔ عبد الغفور اللاری نفحات الانس میں فرماتے ہیں کہ جو کلمات کہ مشائخ کی طرف منسوب ہوں اور بظاہر خلاف شریعت معلوم ہوتے ہوں اُنہیں دوسرے امور پر محمول سمجھنا چاہیئے۔ وہ کہتے ہیں اول تو اُنکی طرف ایسے کلمات کی نسبت ہی تسلیم ہی نہیں ہے۔ دوم یہ کہ اگر نسبت کے صحت ہو جائے تو شریعت میں اُن کے کلام کی تاویل پیدا کرنا چاہیئے۔ اگر ایسے تاویل مل سکے تو فبہا ورنہ ارباب علم باطن و اصحاب معرفت پر جو عارفین باللہ ہوتے ہیں اُس کے تاویل چھوڑ دینی چاہیئے۔ سوم یہ کہ ممکن ہے کہ وہ کلام جس پر اعتراض ہو حالت سکر و غیبت کا کلام ہو جس پر کوئی مواخذہ نہیں ہو سکتا۔ پس باوجود ان احتمالات اور دفع بد گمانی کے اشکال کے اس طائفہ سے سوء ظن پیدا کرنا عدم توفیق کی علامت ہے۔ امام یافعی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ سے اور شیخ شہاب الدین عمر سہروردی سے رحمۃ اللہ علیہما

سے ملاقات ہوئی تھی لیکن باہم کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ آپ سے لوگوں نے شیخ کا حال پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ سر سے پیر تک شیخ سنت نبوی صلعم سے مملو ہیں۔ شیخ سے جب آپ کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت ایک بحر حقائق ہیں

فتوحات مکیہ میں ایک جگہ آپ لکھتے ہیں کہ ایمان لایا میں خدا پر اس کے رسول پر اور اُن سب پر جو وہ رسول لائے بطریق اجمال و بطریق تفصیل اور جو مجھ تک پہونچا اور جو مجھ تک نہیں پہونچا یا میرے نزدیک ثابت نہیں ہوا۔ پس جو کچھ رسول (صلعم) واقعی لائے اس سب کی میں تصدیق کرتا ہوں۔ یہ ایمان و اعتقاد بطور تقلید کے میں نے اپنے والدین سے حاصل کیا۔ اور اسی تقلید کے تقاضے سے میں نے اس پر عمل کیا اور بمقتضائے ایمان تقلیدی اس عمل کا یہ اثر ہوا کہ مجھے معلوم ہو گیا کہ میرا یہ ایمان کس مقام کا تھا اور کس چیز پر میں ایمان لایا تھا۔ میرے بصر و بصیرت و خیال سے حجاب اٹھ گیا۔ اور جو کچھ کہ مناسب حال تھا مجھ پر واضح و ظاہر ہو گیا۔ پس چشم بصر سے میں نے وہی دیکھا جو بصر سے ادراک کیا جاتا ہے اور چشم بصیرت سے بھی وہی دیکھا جو صرف چشم بصیرت سے ادراک ہوا کرتا ہے اور چشم خیال سے بھی میں نے وہی دیکھا جو صرف چشم خیال سے دیکھا جا سکتا ہے۔ پس حقیقت حال مجھ پر منکشف ہو گئی اور حکم متخیل جو میں نے تقلید سے حاصل کیا تھا میرے کشف میں موجود ہو گیا۔ اور اس ذات کو میں نے پہچانا جسکی میں پیروی کرتا تھا کہ وہ رسول مبعوث ہیں یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدائے عزوجل نے مجھے تمام مومنوں کے حال پر اطلاع بخشی اور اگلے پچھلے خاص و عام لوگوں میں سے قیامت تک کوئی ایسا نہ رہا جسکے حال پر مجھے اطلاع نہ بخشی گئی ہو۔ جماعتوں کے مراتب میں نے دیکھے اور اُن کا اندازہ معلوم کیا اور جس جس شئے پر مجملاً ایمان لایا تھا اس سب کو میں نے مشاہدہ کیا۔ اس مشاہدہ اور معائنہ نے میرے ایمان کو متزلزل نہیں کیا اور میں اپنے علم سے اور معاینہ اور شہود سے نہیں بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے جو کچھ کہتا اور کرتا تھا ہمیشہ وہی کہتا اور کرتا رہا۔ پس میری جگہ ایمان اور عیاں کے مابین قایم ہوئے اور پیروان نبی صلی اللہ علیہ وسلم

میں یہ ایک عزیز الوجود مقام ہے ۔ یہاں بڑے بڑے لوگ ٹھوکر کھاتے ہیں کیونکہ جس شئے پر انہیں ایمان ہوتا ہے جب اُس کا معاینہ و مشاہدہ کرتے ہیں تو مشاہدہ و معاینہ کے مطابق عمل کرتے ہیں نہ کہ ایمان کے مطابق اور ایمان و مشاہدہ دونوں کے جامع نہیں ہوتے اس لئے کمال کو نہیں پہونچتے ۔ اور اگر یہ شخص اہل کشف سے ہے تو اُسکا کشف بھی کامل نہیں ہے ۔ اس نے اپنے نفس کو نہیں پہچانا اور اپنے مشاہدہ پر عمل کیا ۔ لیکن کامل وہ شخص ہے جو ذوق مشاہدہ و عیاں کے ساتھ اپنے ایمان پر عمل کرے اور اس کے ایمان پر مشاہدہ و عیان کا بالکل اثر نہ پڑے ۔ میں نے کسی شخص کو اس مرتبہ کا نہیں پایا گو میں جانتا ہوں کہ اس عالم میں خدائے عزوجل کے بڑے بڑے بندے ہیں لیکن میرے اُن سے ملاقات نہیں ہوئی ۔ ممکن ہے کہ میں نے دیکھا ہو مگر پہچانا نہ ہو ۔ اس کا سبب یہ ہے کہ میں نے کبھی اپنی نفس کو حق کی طرف اس لئے متوجہ نہیں کیا کہ دنیا میں سے کسی شخص کی حادثات عالم میں سے کسی حادثہ کی مجھے آگاہی حاصل ہو بلکہ میرا نفس خدائے عزوجل کے ساتھ لگا رہا کہ جس کام میں اُس کی مرضی ہو اسکے لئے مجھے کام میں لائے ۔ اور جس کام میں اس سے دوری حاصل ہوتی ہے اس میں مجھے مشغول نہ فرمائے ۔ اس کی مجھے کبھی فکر نہیں ہوئی کہ خدائے عزوجل مجھے ایسے مقام کے ساتھ مخصوص فرمائے جو پیروان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی کو عطا نہ فرمایا ہو بلکہ اگر جمیع عالم کو میرا سا بنا دے تو بھی مجھ پر کوئی اثر نہ ہوگا اس لئے کہ میں بندہ محض ہوں اور بندگان خدا میں سے کسی پر تفوق نہیں چاہتا ہوں بلکہ خدائے بزرگ و برتر نے میری نفس میں ایسی کشادگی رکھی ہے کہ میں آرزو کرتا ہوں کہ تمام عالم مراتب اعلےٰ کے ایک ہی قدم پر ہو جائے لیکن اس پاک بے نیاز نے مجھے ایک ایسے امر کا خاتم بنایا ہے جو میرے دل میں کبھی نہیں آیا تھا پس عجز و شکر کے اقرار کے ساتھ اور توفیق شکر کو حق جانکر اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں ۔ یہ بات میں نے کسی فخر کے خیال سے نہیں بیان کی ہے بلکہ دو امور کے وجہ سے بیان کی ہے ۔ ایک تو یہ کہ خدائے عزوجل خود فرماتا ہے واما بنعمة ربك فحدث کونسی نعمت بھلا اس نعمت سے

بڑھکر ہوسکتی ہے اور دوسری یہ کہ کوئی صاحب ہمت تو اُسے سُنے اور اُسکے دل میں ہمت عظیم پیدا ہو اور اپنے نفس سے جیسا میں نے کام لیا ہے وہ بھی کام لے اور جس مرتبہ پر میں پہونچا ہوں وہ بھی پہونچ جائے۔ اگر وہ بھی اس مرتبہ پر پہونچ جائیگا تو مجھی کوئی نقصان نہ ہوگا اس لئے کہ امور معنوی میں تنگی نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ تنگی صرف امور محسوسہ میں ہوا کرتی ہے۔

شیخ صدر الدین قونوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کتاب فکوک میں فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ کو ایک نظر مخصوص حاصل تھی کہ اگر چاہتے کہ کسی کے احوال پر اطلاع حاصل ہو تو ایک نظر اس کی طرف کرتے اور اُس کی اُخروی و دنیوی احوال سے آگاہی پاکر خبر کرتے۔ آپ کا ایک شعر ہے ؎

یا من یرانی ولم اراہ کم اذا اراہ ولا یرانی

یعنے ائے وہ شخص جو کہ مجھے دیکھتا ہے اور میں اُسے نہیں دیکھتا ہوں بارہا ایسا ہوا ہے کہ میں اُسے دیکھتا رہا ہوں۔ حالانکہ وہ مجھے نہیں دیکھتا تھا۔ ایک شخص نے کہا کہ لا یرانی کیسے ہوسکتا ہے۔ کیا حق نہیں دیکھتا۔ آپ نے فی البدیہ جواب میں فرمایا ؎

یا من یرانی مجرما ولا اراہ مفضلاً کم اذا اراہ منعما ولا یرانی لائذاً

یعنی اے وہ شخص کہ مجھے گنہگار دیکھتا ہے۔ اور میں اُسے مفضل نہیں دیکھتا۔ کتنی مرتبہ میں اسے منعم کی حیثیت سے دیکھتا ہوں اور وہ مجھے پناہ گیرندہ کی حیثیت سے نہیں دیکھتا۔

فتوحات مکیہ کے باب ۳۶۷ میں شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکاشفہ کا ذکر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں عالم واقعہ میں حضرت ادریس علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسّلام سے ملا اور ابتدائے عالم کے متعلق اُن سے کچھ پوچھا۔ آپ نے فرمایا مجھکو مدت عالم کی ابتدا کا حال نہیں معلوم اور نہ یہ جانتا ہوں کہ مخلوقات کس حد تک پیدا ہوتی رہیں گی۔ کیونکہ ہر نفس کے ساتھ ایک نئی خلقت پیدا ہوتی ہے۔ اور اللہ

جلشانہٗ کی صفت خلق ابدی ہے۔ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگی اور دنیا و آخرت ہمیشہ رہیگی۔ میں نے کہا یا نبی اللہ قیامت کی کوئی علامت مجھ سے فرمایئے ارشاد ہوا کہ تمہارے جدّ آدم قریب کا وجود اُس کی بڑی علامت تھی۔ میں نے کہا کہ حضرت دنیا کے بعد بھی کوئی دار اُسکے سوا ہے؟ فرمایا کہ ہاں ایک ہی وار دار وجود ہے اور دنیا بہتیں لوگوں کے سبب سے دنیا ہوئی۔ فتوحات کے ساتویں باب میں فرماتے ہیں کہ عالم کی عمر کا کروڑوں برس سے بھی اندازہ نہیں ہو سکتا پھر اسی باب میں فرماتے ہیں کہ عالم طبعی کی عمر کے اکہتر ہزار برس جب گذر چکے تب اللہ جلشانہ نے موالید ثلاثہ کو پیدا کیا اسکے چون ہزار برس بعد اللہ جلشانہ نے اس دنیا کو پیدا کیا۔ اور جب دنیا کو ترسٹھ ہزار برس گزر چکے تب اللہ جلشانہ نے جنت و دوزخ کو بنایا دنیا اور آخرت میں نوے ہزار برس کا تفاوت ہے اور اس کا نام آخرت اس لئے ہوا کہ وہ بعد آنیوالی ہے۔ آخرت کی کوئی انتہا نہیں کہ اس کا احصاء کیا جا سکے اور جب دنیا کی عمر کے ستر ہزار برس اور آخرت کی عمر کے آٹھ ہزار برس گذر چکے تب اللہ جلشانہ نے آدم کی مٹی کا خمیر کیا۔ تری و خشکی کے جانور پیدا کئے۔ زمین کے عفونات سے حشرات الارض کو پیدا کیا تا کہ ہوا عفونت سے پاک رہے۔ واللہ عالم۔

فتوحات کے باب (۳۹۰) میں فرماتے ہیں کہ مجھے یہ نہیں معلوم ہوا کہ کسی نے خلق عالم کی ابتدائی حد جانی ہو اور یہ ممکن نہیں ہی۔ کیونکہ اکثر تارے فلک اطلس میں ایسے ہیں جنہیں کواکب ثابت نہیں کہہ سکتے اور انسان کی عمر اُن کی حرکت کو نہیں پہچان سکتی کیونکہ وہ بظاہر ثابت معلوم ہوتے ہیں۔ مگر درحقیقت نہایت لطی رفتار کے ساتھ سیر کی حالت میں ہیں۔ فلک اقصیٰ کا ہر ایک ستارہ ایک درجہ کو سو برس میں طے کرتا ہے اور جس درجہ سے اُس کی سیر شروع ہوتی ہے وہاں پہنچنے میں جتنے سال لگتے ہیں اتنی مدت کا ان کواکب ثابتہ کا ایک دن ہوتا ہے اب حساب کر لو کہ اس فلک میں تین سو ساٹھ درجہ ہیں اور ہر درجہ کو سو برس میں ایک ستارہ طے کرتا ہے۔

فتوحات مکیہ کے باب (۳۷) میں حضرت شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ عالم کبھی قطب سے خالی نہیں ہوتا۔ جیسے کہ کبھی رسول سے خالی نہیں ہے اور اسی واسطے اللہ جل شانہٗ نے چار نبیوں کو زندہ رکھا ہے۔ تین ان میں سے صاحب شرع ہیں یعنی ادریس و الیاس و عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ و السّلام۔ اور ایک حامل علم لدنی ہیں یعنی حضرت خضر علیہ السلام اور اس کی توضیح یہ ہے۔ کہ دین حنفی کے چار رکن ہیں۔ جیسے کہ گھر کے چار رکن ہوتے ہیں اور وہ رسل اور انبیاء اور اولیاء اور مومنین ہیں۔

فتوحات مکیہ کے باب (۳۸۳) میں فرماتے ہیں کہ جاننا چاہیئے کہ قطب سے تمام دائرہ وجود کون و فساد کی حفاظت ہوتی ہے اور دو اماموں سے عالم غیب و شہادت کی حفاظت ہوتی ہے اور اوتاد سے حق تعالیٰ جنوب و شمال و مشرق و مغرب کی حفاظت کرتا ہے اور ابدالوں سے حق تعالیٰ ہفت اقلیم کی محافظت فرماتا ہے۔ قطب ان سب کا محافظ اور نگہبان افسر ہے اور اس عالم کون و فساد کے تمام امور کا اُسی کی ذات پر دار و مدار ہے امام عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح اللہ جل شانہ کے امہات صفات سات ہیں۔ اسی طرح سات ابدال بھی ہیں۔ انھیں سے حفاظت جہات ہوتی ہے شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ ایک ابدال کو مدد انبیاء کی روحوں سے پہونچتی ہے جو ایک ایک آسمان میں ہیں میں ان ساتوں ابدالوں سے مکہ معظمہ میں حطیم حنابلہ کے پیچھے ملا ہوں ان سب کو رکوع کی حالت میں پایا۔ مابعد فراغت نماز میں نے سلام کیا۔ انھوں نے جواب دیا پھر میں نے ان سے باتیں کیں۔ میں نے کسی کو اُن سے زیادہ خوش رو خوش خلق اور خوش شغل نہیں پایا۔

فتوحات مکیہ کے باب ۳۷ میں فرماتے ہیں کہ بڑی وراثت ختم ولایت ہے اور ختم کی دو قسمیں ہیں ایک اعلیٰ ہے اور دوسری ادنیٰ اعلیٰ یہ ہے کہ ولایت مطلق کا وہ خاتم ہو۔ ادنیٰ یہ ہے کہ ولایت مقیدہ محمدیہ کا خاتم ہو۔ پس مطلق ولایت کے خاتم حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ و السلام ہیں اور آخیر زمانہ میں نزول فرمائیں گے اور ولایت مطلقہ کے آپ خاتم ہوں گے اور ولایت مقیدہ کے خاتم ایک شخص ولایت مغرب کے ہوں گے اور وہ خاندان اور ملک دونوں میں اشرف ہوں گے وہ آج ہمارے زمانہ میں موجود ہیں اور ۵۹۵ھ

ہیں اُن سے میں ملا تھا اور میں نے اُن میں ختم کی مہر بھی دیکھی تھی جسے حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کے آنکھوں سے مخفی رکھا ہے۔ انہوں نے اس مہر کو مجھے جسد کھول کر بتلایا اور میں نے دیکھا کہ جو اسرار و علوم ربانی وہ بیان کرتے ہیں اس سے لوگ انکار کرتے ہیں۔ فتوحات کے باب ۳۶۲ میں آپ فرماتے ہیں کہ یہ لوگوں کی کیسی بے انصافی ہے کہ جن صفات الٰہی کو انبیا کہیں اُن پر ایمان لائیں اور جب انہیں کو کوئی عالم و مقرب پیرو رسول کہے تو انکار کریں یہ نہیں جانتے کہ دریا ایک ہی ہے اُسی سے دونوں چشمے بہتے ہیں باب الوصایا میں آپ فرماتے ہیں کہ تم ایمہ مجتہدین پر طعن کرنے سے بچو اور یہ کبھی نہ کہو کہ وہ معارف و اسرار سے محجوب تھے جیسا کہ بعض جاہل و بے علم صوفی کہا کرتے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ ایمہ مجتہدین کا قدم علوم غیب میں راسخ تھا اگرچہ وہ بغلبہ ظن حکم کرتے تھے لیکن ان کا علم یقینی تھا۔ ان میں اور اہل مکاشفہ میں صرف راستہ کا اختلاف ہے اور یہ لوگ تشریع کے جہت سے رسولوں کے مرتبہ میں ہیں۔ پھر باب ۳۶۹ میں فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن یہ علمائے مجتہدین انبیا کی صفوں میں ہوں گے۔ امت کے صفوں میں نہ ہوں گے اور ہر رسول کی جانب میں ایک عالم امت محمدیہ میں کا ہوگا۔ اور یہ وہ علما ہوں گے جنہیں احکام و حالات و مقامات و منازل میں صاحب سند ہونے کا درجہ حاصل ہوگا۔ اُن کے آخر میں خاتم ائمہ مجتہدین حضرت امام مہدی علیہ السلام ہوں گے۔ فتوحات مکیہ باب (۲۸۵) میں شیخ اکبر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ عزوجل پر بھی وحی نازل ہوتی ہے مگر اس کے طریقہ مختلف ہیں کبھی وہ وحی کو خیال میں پاتے ہیں اور کبھی حس میں دیکھتے ہیں اور کبھی اپنے دل میں پاتے ہیں اور کبھی لکھی ہوئی عبارت میں اور یہ اکثر اولیاء اللہ کو واقع ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو عبداللہ قضیب البان موصلیؒ اور تقی ابن مخلد شاگرد امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کتابت ہی کے ذریعہ سے ملک الالہام وحی پہونچاتا تھا۔ اور جب وہ خواب سے بیدار ہوتے تو ایک کاغذ پر کچھ لکھا ہوا پاتے تھے۔ حضرت شیخ فرماتے کہ اس کی بڑی علامت یہ ہے کہ ہر طرف سے برابر پڑھا جاتا ہے اور جب ورق اُلٹتے ہیں تو کتاب بھی الٹ جاتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے خود اس کتابت کو دیکھا ہے۔ وہ ایک فقیر پر سطاف میں اسی صفت پر اتری تھی۔ اس میں دوزخ

سے اُس کی نجات درج تھی۔آپ فرماتے ہیں کہ کبھی بندہ کو ایک خاص طریقہ پر الہام ہوتا ہے اور وہ جہت ہر انسان میں حق تعالیٰ کی جانب سے ودیعت ہے کہ اس کی ملک الالہام کو بھی خبر نہیں ہوتی لیکن لوگ اس سے انکار کرنے میں عجلت سے کام لیتے ہیں چنانچہ حضرت خضر اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کا قصہ موجود ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو حضرت خضرؑ کے الہامات کا انکار کیا تو اس سے وہ معذور تھے اس لئے کہ وہ نبی تھے اور نبی ہمیشہ بالمشافہ لینے کا عادی ہوتا ہے اور چونکہ وہ صاحب شریعت ہوتا ہے اس لئے اسے فرشتہ کا واسطہ ضرور ہے تاکہ حقیقت وحی میں وہم کو بھی دخل نہ ہو۔فتوحات کے باب (۳۴۶) میں حضرت فرماتے ہیں کہ فرشتہ نبی وولی دونوں پر نزول کرتا ہے لیکن دونوں کی کیفیت نزول میں فرق ہے یعنی انبیاء ومرسلین پر بالذات وہ نزول کرتا ہے اور اولیاء اللہ پر بہ اتباع نبی ان امور کو سمجھانے کے لئے جو نبی لایا ہے۔لیکن فہم وادراک میں نہیں آتے کبھی ملک الالہام ولی اللہ پر بشارت کے ساتھ نزول کرتا ہے۔ مثلاً الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملٰئکۃ۔ یہ اکثر موت کے وقت واقع ہوتا ہے۔آپ فرماتے ہیں کہ مجھ پر ملک الالہام نے غیر متناہی علوم لے کر نزول کیا ہے۔

فتوحات مکیہ کے باب (۱۳۹) میں آپ فرماتے ہیں کہ امت محمدیہ میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل ہو سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جن کا اس امت میں بھی شمار ہے۔یعنی جب آپ نزول فرمائیں گے تو اسی شریعت محمدیؐ کے مطابق احکام دین گے۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں نے سالہا سال فاطمہؓ بنت ولیہ کی خدمت کی ہے۔ اُس وقت اُن کا سن پچانوے سال کا تھا لیکن چہرہ پر رونق وتازگی ایسی تھی جیسی عالم شباب میں ہوتی ہے اور میں اُن پر نظر ڈالتے شرماتا تھا۔حق تعالیٰ کے ساتھ اُن کا عجیب وغریب حال تھا۔ہمارے ابنائے جنس میں سے جو لوگ اُن کی خدمت میں آتے ان سب میں مجھ سے زیادہ خوش تھیں اور مجھے خدمت میں رہنے کے لئے اکثر فرمایا

کرتی تھیں اور کہا کرتیں کہ میں فلاں (یعنی میرا) جیسا کسی کو نہیں دیکھتی۔ جب میں ان کے سامنے جاتا تو ہمہ تن متوجہ ہو جاتیں اور فرمایا کرتیں کہ میں اُن لوگوں پر تعجب کرتی ہوں جو حق تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اس بات سے خوش نہیں ہوتے کہ اللہ جلشانہٗ انکا مشہود ہے اور ایک چشم زدن کے لئے بھی اُنسے غائب نہیں ہوتا۔

فتوحات مکیہ کے باب (۷۳) میں آپ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ عزوجل میں ہمیشہ ایک مرد یا ایک عورت صاحب مقامات ہوا کرتی ہے جس سے بہ کثرت کرامتیں سرزد ہوتی ہیں اور بندگان خدا کو نفع پہونچتا ہے۔ اُسے ہر شئے پر قدرت ہوتی ہے اور وہ سب کا سردار ہوتا ہے اور ہمیشہ حق کے ساتھ رہتا ہے اور اسی کے حکم سے کام کرتا ہے چنانچہ بغداد میں ہمارے شیخ سید محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہی مقام حاصل تھا۔ میں آپ سے نہیں ملا ہوں لیکن اُن سے ملا ہوں جو آپ کے بعد ہوئے لیکن ہمارے شیخ سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مرتبہ اُن سے بزرگتر تھا۔ فتوحات کے باب (۳۰) میں فرماتے ہیں کہ مجھے بالتحقیق معلوم ہوا ہے کہ شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قطب وقت تھے اور تصرفات کے انہیں اجازت تھی اس لئے بے حساب کرامتیں ان سے ظاہر ہوئیں۔

فتوحات مکیہ کے چالیسویں باب میں فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ پر بے خودی طاری ہوئی ایک مدت اسی بے خودی میں گذر گئی لیکن نماز با جماعت پڑھتا رہا اور امامت کرتا رہا اور نماز کے جمیع اعمال جیسا کہ چاہئے بجالاتا رہا لیکن یہ تمام حالت بے شعوری میں ہوتا رہا۔ مجھے نہ جماعت کا شعور تھا نہ اعمال کا۔ اور ایسی بے خودی تھی کہ عالم محسوس میں سے کسی شئے کا شعور باقی نہیں رہا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ جس طرح حق سبحانہٗ تعالیٰ نے شیخ شبلی کی اوقات کو محفوظ رکھا تھا اسی طرح مجھے بھی محفوظ رکھا۔ شیخ شبلی پر بھی جب غلبہ سکر ہوا تو ایک اُن پر بے خودی سی رہا کرتی تھی۔ صرف نماز کے وقت ہوش آتا تھا۔ اس کے بعد پھر حالت سکر میں بیخود ہو جایا کرتے تھے۔

فتوحات میں ہے کہ ایک مرتبہ نماز جمعہ کے بعد میں طواف کر رہا تھا۔ ایک

شخص کو دیکھا کہ وہ بھی طواف میں مشغول ہے لیکن نہ وہ کسی کے آنے جانے سے رکتا ہے۔
اور نہ کوئی اس کی وجہ سے رُکتا ہے۔ دو آدمیوں میں وہ اس طرح نکل جاتا ہے کہ ان دونوں
میں سے کسی کو جُدا ہونے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ میں نے یہ حال دیکھکر سمجھا کہ یہ روح ہے
جسد نہیں ہے۔ اس کے راہ پر کھڑا ہو گیا اور جب وہ سامنے آیا تو میں نے سلام کیا۔ اس
نے جواب دیا۔ میں اس کے ہمراہ ہو لیا اور باتیں کرنے لگا معلوم ہوا کہ حضرت احمد سبتی
ہیں۔ میں نے پوچھا کہ حضرت ہفتہ کے سات دنوں میں سے آپ نے صرف سنیچر کو کیوں کسب
نفس کے لئے مخصوص فرمایا تھا۔ آپ نے فرمایا اس جہت سے کہ خدائے
تعالیٰ نے یکشنبہ کو تخلیق عالم شروع فرمائی اور جمعہ کے دن فارغ ہوا۔ یہ چھ دن وہ ہمارے
کام میں مصروف تھا میں بھی اس لئے اُس کے کام میں مصروف رہا کرتا تھا اور اپنی حظ نفس
کے لئے کوئی کام اُن ایام میں نہیں کرتا تھا جب شنبہ (سنیچر) کا دن آیا تو اسے میں نے
اپنے لئے مقرر کیا اور اس میں اپنی نفس کے لئے کسب کرتا تھا تاکہ ان چھ دن کے لئے
قوت کا انتظام کروں۔ اس کے بعد پھر میں نے ان سے پوچھا کہ حضرت آپ کے زمانہ
میں قطب وقت کون تھا۔ اُنہوں نے فرمایا کہ میں۔ اس کے بعد رخصت ہو گئے۔ اور میں
اپنی جگہ واپس آیا۔ یہاں میرے ساتھیوں میں سے ایک نے کہا کہ آج میں نے ایک پردیسی کو
مکہ میں دیکھا جسے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ طواف کی حالت میں آپ سے باتیں
کر رہا تھا۔ وہ کون شخص تھا اور کہاں سے آیا۔ میں نے سارا قصہ اس سے بیان کیا۔

فتوحات میں ایک مقام پر آپ لکھتے ہیں کہ شیخ ابو العباس جریری نے ۶۰۳ھ
(چھ سو تین ہجری) میں مجھ سے مصر میں یہ واقعہ بیان کیا کہ شیخ عبد اللہ قربانی کے ساتھ
میں بازار گیا تھا۔ شیخ نے اپنے چھوٹے بچے کے لئے ایک قصریہ (یعنے بچوں کے پیشاب
کرنے کا شیشہ کا ایک ظرف) خریدی۔ اسی اثنا میں ہم سے صالحین کی ایک جماعت سے
ملاقات ہوئی اور ہم سب ایک جگہ بیٹھ گئے کہ وہاں کچھ منگا کر کھائیں۔ رائے یہ ہوئی کہ
روٹی سے کھانے کے لئے کچھ دودھ اور شکر منگائیں۔ قصریہ چونکہ نئی تھی اور اس میں کوئی
گندگی ابھی تک نہیں پڑی تھی اس لئے اس میں دودھ منگایا۔ جب ہم کھا چکے اور لوگ

لوگ سب اپنی اپنی راہ چلے گئے اور میں ابو عبد اللہ کے ساتھ جا رہا تھا۔ قصریہ انہیں کے ہاتھ میں تھی۔ واللہ میں نے اور ابو عبد اللہ دونوں نے اس قصریہ سے یہ آواز سنی کہ اولیاء خدا عزوجل مجھ میں رکھ کر کچھ چیز کھا چکے ہیں اب میں بول و ناپاکی کی جگہ نہیں بننا چاہتی خدائے تعالیٰ کی قسم اب ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد ابو عبد اللہ کے ہاتھ سے وہ قصریہ اچھلکر نیچے گری اور پاش پاش ہو گئی۔ اس واقعہ سے ہماری حالت عجیب ہو گئی۔ شیخ ابو عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے شیخ ابو العباس سے کہا کہ قصریہ کے یہ نصیحت تمہارے سمجھ میں نہیں آئی۔ تم جو خیال کر رہے ہو وہ مقصود نہیں ہے۔ بہت سے برتن ایسے ہیں جن میں تم سے بہتر لوگوں نے کھانا کھایا ہے اور پھر ان میں ناپاک اشیاء رکھی گئی ہیں بلکہ اس نصیحت کا مقصد یہ تنبیہ ہے کہ جب تمہارے قلوب معرفت الٰہی کے جگہ بن چکے ہیں۔ تو انہیں پھر اغیار کے جگہ نہ بننا چاہیئے۔ منہیات الٰہی کو اس میں جگہ نہ دینا چاہیئے۔ قصریہ کے ٹوٹ جانے سے یہ سمجھنا چاہیئے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے سامنے اسی طرح شکستہ رہنا چاہیئے۔ شیخ ابو العباس نے اقرار کیا کہ بیشک یہی ہے۔ جو کچھ کہ تم کہہ رہے ہو ہماری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

فتوحات مکیہ میں ایک مقام پر ہے کہ میرے برادری میں سے ایک شخص یحییٰ بن یغان (لغمان؟) تلمسان کا بادشاہ تھا۔ اس میں ایک شیخ تھے جن کا نام ابو عبد اللہ تونسی تھا۔ اور خلق سے گوشہ گیر ہو کر شہر کے باہر ایک مقام پر مشغول بہ عبادت رہا کرتے تھے۔ ایک دن اس مقام سے خدم و حشم کے ساتھ یحییٰ کا گذر ہوا۔ اس سے لوگوں نے ابو عبد اللہ تونسی کا حال بیان کیا۔ یحییٰ گھوڑے کی باگ موڑ کر آپ کے سامنے آیا اور سلام کیا۔ اس کے جسم پر فاخرہ لباس تھا۔ شیخ سے پوچھنے لگا کہ حضرت اس لباس کے ساتھ نماز جائز ہے یا نہیں۔ شیخ ہنس دیے۔ اس نے پوچھا کیوں ہنستے ہیں۔ آپ نے فرمایا تیری کم عقلی پر۔ تیری مثال اس کتے کی سی ہے جس نے مردار کھا کر پیٹ بھرا ہے اور سر سے لے کر پیر تک خون میں آلودہ ہے لیکن جب پیشاب کرتا ہے تو ٹانگ اٹھا کر پیشاب کرتا ہے کہ کہیں چھینٹ نہ پڑ جائے۔ تیرا پیٹ حرام سے بھرا ہوا ہے اور جو مظالم بندوں پر کئے ہیں وہ گردن پر بہ کثرت ہیں اور تو یہ سوال کرتا ہے کہ ان

کپڑوں سے نماز جائز ہے یا نہیں۔ یحییٰ پر یہ سن کر رقت طاری ہوئی۔ وہ گھوڑے سے اتر آیا اور سلطنت ترک کر کے شیخ کے ملازمت میں رہنے لگا۔ تین دن بعد شیخ نے فرمایا اب مہمانی ہو چکی۔ یہ رسی ہے ہاتھ میں لو اور لکڑیاں سر پہ رکھ کر لاؤ اور بازار میں بیچو۔ یحییٰ نے حکم کی تعمیل کی۔ لکڑیاں جنگل سے لاتا۔ بازار میں بیچتا اور کھانے کے لئے کچھ رکھکر باقی سب قیمت خیرات کر دیتا۔ لوگ اس کی یہ حالت دیکھ کر رو دیتے تھے۔ آخر وقت تک وہ اسی حالت میں اپنے ہی شہر میں رہا۔ اگر کوئی شخص شیخ سے دعا کی درخواست کرتا تو وہ فرماتے یحییٰ سے دعا کراؤ اس نے بادشاہی چھوڑ کر زہد اختیار کیا ہے۔ شاید میں اگر اس میں مبتلا ہوتا تو یہ زہد کی حالت اختیار نہ کرتا۔

فتوحات میں مجملاً اور رسالہ برزخیہ میں صراحتہً مذکور ہے کہ برزخ ایک عالم مستقل ہے جو عالم دنیا اور عالم آخرت کے مابین ہے کما قال اللہ تعالیٰ من ورائھم برزخ الی یوم یبعثون۔ برزخ ارواح و ملائک کا مستقر ہے اور ابتدائے مخلوقات سے انقراض ارض و سماوات تک ارواح وہیں رہیں گی۔ خالق مطلق نے وجود کو تین صورتوں میں ظاہر فرمایا ہے۔ دنیا برزخ و آخرت پس عالم موجودات کے بھی تین نوع ہیں ملک و ملکوت و جبروت اور انسان کی ایجاد ان کی مجموعی سے ہوئی ہے یعنی انسان جسم و نفس و روح کا مجموعہ ہے جسم کی ایجاد دنیا سے ہی جو عالم ملک کا مظہر ہے اور نفس کے ایجاد برزخ سے جو عالم ملکوت کا مظہر ہے اور روح کی ایجاد آخرت سے ہے جو عالم جبروت کی مظہر ہے۔ آدمی جب تک اس کی حیات ہے اپنی استعداد کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے۔ اس کے بعد بمقتضائے آیہ کریمہ کل نفس ذائقۃ الموت بواسطہ مرگ عالم دنیا سے عالم برزخ میں انتقال کرتا ہے۔ بعض ایسے ہوتے ہیں کہ چند مدت قبور میں توقف کر کے اور آلائش دنیا سے پاک و صاف ہو کر عالم مثال میں چلے جاتے ہیں۔ اور بعض اخص الاولیاء و اکمل شہداء جن کی سپرد اس عالم کی خدمت کی جاتی ہے۔ اپنے قبور میں سے زندوں کے مانند تصرف کرتے ہیں کما قال اللہ تعالیٰ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون

تمام اسباب جنت پروردگار عالم اُن کی قبروں ہی میں عطا فرما دیتا ہے۔ القبر روضۃ من ریاض الجنۃ۔ قبور میں بھی ترقیات ہوتی رہتی ہیں۔

فتوحات مکیہ میں یہ سب مفصل موجود ہے۔ عالم دنیا کبھی ویران بھی ہوجاتا ہے لیکن عالم مثال پر کوئی آفت نہیں آتی۔ قیامت کبریٰ تک یہی حال رہے گا۔ اس دنیا کا حال یہ ہے کہ جسم کے واسطہ سے نفس وروح کو رنج وراحت پہونچتا ہے۔ لیکن بعد مرگ نفس وروح جسم کے تسلط سے آزاد ہوجاتے ہیں اور انسان عالم برزخ میں انتقال کرتا ہے۔ جہاں اعمال وکردار کے مطابق اُسے اچھا یا بُرا ایک وجود مثالی عطا ہوتا ہے اور عذاب وثواب وتعذب وتنعم نفس وروح کے واسطہ سے حاصل ہوتا ہے۔ جب ارادہ الٰہی یہ ہوگا کہ اس عالم برزخ سے بھی انتقال ارواح عمل میں آئے تو قیامت کبریٰ قائم ہوگی اور احکام نفسیہ منعدم ہوجائیں گے اور آن واحد میں عالم جبروت یعنی آخرت میں سب پہونچ جائیں گے اور حشر اجساد کے بعد ہر شخص اپنے اپنے درجہ کے مطابق وہاں ہوگا۔ جہاں اُس کا مستقر قرار پائے گا۔ فریق فی الجنۃ وفریق فی السعیر یہ تمام تفاوت اسمائے کلیہ وجزیہ الٰہیہ کے تجلیات کے واسطہ سے ہونگے جو عالم ناسوت۔ ملکوت وجبروت پر تجلی ہوتی رہتی ہیں۔

فتوحات مکیہ کے باب (۱۶۱) ایک سو اکسٹھ میں صدیقیت اور نبوت کے درمیانی مقام کا ذکر کرتے وقت لکھتے ہیں کہ محرم ۵۹۷ھ پانسو ستانوے ہجری میں اس مقام پر پہونچا تھا۔ واقعہ یہ ہوا کہ میں بلاد مغرب کے سفر میں تھا کہ مجھ پر حیرت غالب ہوئی اور یہ وجہ تنہائی کے وحشت معلوم ہونے لگی۔ اس مقام کا نام بھی مجھے معلوم نہ تھا باوجودیکہ مجھے وہ مقام حاصل تھا۔ غرضکہ اس وحشت وحیرت کے ساتھ میں جہاں ٹھیرا ہوا تھا وہاں سے چل کھڑا ہوا اور عصر کی نماز کے بعد ایک شخص کے مکان پر جس سے مجھے بہت موانست تھی اتر پڑا اور اسی عالم حیرت ووحشت میں اس سے کلام کرتا تھا کہ میں نے دیکھا کہ ایک شخص کا سایہ ظاہر ہوا۔ میں اپنی جگہ پر اچھل پڑا اور یہ کہنے لگا کہ شاید اس شخص کے پاس کچھ فرحت حاصل ہو۔ اُسنے مجھے گلے لگالیا۔ میں نے غور کرکے دیکھا تو معلوم ہوا کہ شیخ ابوعبدالرحمٰن اسلمیؒ کی روح

مبارک تھی جو جسمی صورت میں متمثل ہو کر میرے پاس آئی تھی اور حق سبحانہٗ تعالیٰ نے میرے پاس اُسے بھیجا تھا میں نے اُن سے کہا کہ میں آپ کو بھی اسی مقام پر پاتا ہوں فرمایا کہ میں اسی مقام پر فائز تھا کہ دنیا سے عقبیٰ کی طرف انتقال ہوا۔ اب ہمیشہ اسی مقام پر متمکن ہوں پھر فرمایا اجنبی کو لامحالہ وحشت ہوتی ہے۔ اے برادر جب عنایت الٰہی تمہاری شامل حال ہوئی اور اس مقام پہونچے ہو تو خدائے عزوجل کے حمد کرو اور خضر علیہ السلام کی مشارکت سے راضی رہو۔ میں نے پوچھا اے ابو عبدالرحمٰن میں اس مقام کا نام نہیں جانتا۔ انہوں نے فرمایا اسے مقام قربت کہتے ہیں۔

فصوص الحکم آپ کی بڑی معرکتہ الارا تصنیف ہے۔ شیخ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ کتاب میں نے حضرت سرور کائنات علیہ الف الف تحیتہ والصلوٰۃ کے اشارہ سے لکھی ہے۔ عالم واقعہ میں آپ نے یہ کتاب مجھے عطا فرمائی تاکہ لوگوں کو اس سے فائدہ پہونچے۔ اس کتاب میں چھبیس ۲۶ فصلیں ہیں۔ پہلی فص حکمت الٰہیہ فی کلمتہ آدمیہ ہے اور اخیر فص کا نام فص حکمت فردیہ فی کلمتہ محمدیہ ہے۔ اسی طرح درمیانی فصوص بعض پیغمبروں کے نام سے موسوم ہیں اور جو کلمہ حکمت ان کے ساتھ مخصوص ہے وہ اس فص کا عنوان ہے۔ اس مقام پر صرف پہلی فص الٰہیہ سے کسی قدر اقتباس کر کے نمونہ کے طور پر درج کیا جاتا ہے۔

شیخ الامام العالم الراسخ الفرد المحقق محی الملتہ والدین ابوعبداللہ محمد بن علی بن محمد العربی الطائی الحاتمی فرماتے ہیں کہ فص حکمت الٰہیہ سے ان علوم و معارف کا خلاصہ مراد ہے جو مرتبہ الوہیت سے متعلق ہیں۔ نیز ان علوم و معارف کے محل انتعاش یعنی انسان کامل کے قلب سے مراد لی جاسکتی ہے۔ کلمہ آدمیہ سے مراد روح کلی ہے۔ جب حق سبحانہ و تعالیٰ نے ان اسماء حسنیٰ کے رو سے جن کی کوئی انتہا نہیں ہے یہ چاہا کہ ان اسماء کے حقایق کو دیکھے اور اپنے بھید کا اظہار فرمائے تو تمام عالم کو مثل کالبد بے روح کے موجود فرمایا۔ یعنی ایک ایسے آئینہ کے مانند جس میں صیقل نہ ہو لیکن حصول صیقل کی قابلیت رکھتا ہو۔ پھر دائمی تجلی کے فیض کو قبول کرنے کے لئے کالبد آدم کو بنایا اور اس کالبد میں نفخ روح

فرمایا۔ اس نفخ سے حضرت آدم ؑ پیدا ہوئے جو اس آئینہ عالم کے مین جلا تھے چنانچہ آپ
کالبد عالم کے روح قرار پائے اور ملائکہ صورت کالبد کے بعض قویٰ ہوئے۔ مثل عقل و وہم
وغیرہ اور ہر قوت اپنی نفس کے آڑ میں محجوب ہو گئی۔ ہر قوت کو خواہ وہ نشاء انسانیت کے اندر
ہو یا باہر خدائے عزوجل کے نزدیک ایک منزل رفیع رکھنے کا گمان ہوتا ہے۔ اس لئے کہ
جمعیت الٰہیہ کی وجہ سے اس کا ایک رُخ جناب الٰہی کی طرف ہوتا ہے اور دوسرا
حقیقت حقایق کی طرف۔ یہی نشاء انسانیت ان اوصاف کی بھی حامل ہے جو بتقاضائے
طبعیت کلیہ عالم علوی و سفلی دونوں سے متعلق ہیں۔ اس جمعیت کا علم عقل و فکر سے
نہیں بلکہ کشف الٰہی سے حاصل ہوتا ہے اور یہ بات پہچانی جاتی ہے کہ صورتہائے عالم
کے اصل انسان ہے جو خلیفۃ اللہ ہے۔ انسان کامل گویا حق سبحانہٗ تعالیٰ کے آنکھ کی
پتلی ہے جس سے اپنی مخلوق کو وہ دیکھتا ہے۔ وہ انسان ازروئے جسد حادث وفانی
ہے اور ازروئے حقیقت روح ازلی وابدی ہے۔ جب یہ پیدا ہوا تو اس کے پیدا ہونے
سے عالم کے وجود کی تکمیل ہو گئی اور جس طرح انگوٹھی میں نگینہ ہوتا ہے اس طرح انسان عالم
میں نگینہ کے مانند قرار پایا۔ یہی محل نقش ٹھیرا۔ چنانچہ بادشاہ اسی نگینہ سے اپنے خزانوں پر
ایسی مہر لگاتا ہے جو خزانوں کی حفاظت کرتی ہے سوائے بادشاہ کی اجازت کے کوئی
ان خزانوں کو کھولنے کی جرات نہیں کر سکتا پس انسان کو اس عالم میں پروردگار نے
خلیفہ بنایا۔ جب تک اس عالم میں انسان کامل باقی ہے یہ ہمیشہ محفوظ رہے گا۔ پھر آخرت
کے خزانوں پر بھی ابدی مہر کے مانند یہی انسان مہر قرار پائے گا۔ اسی وجہ سے اسماء الٰہی کے
تمام چیزیں نشاء انسانیت میں ظاہر ہوئیں اور اس کے ساتھ خدائے عزوجل کی حجت ملائکہ
پر غالب ہوئی۔ کوئی شخص حق کی کسی چیز کو نہیں پہچان سکتا۔ تاوقتیکہ وہ اپنی ذات سے
عطا نہ فرمائے۔ فرشتوں کو آدم کے مانند اسماء الٰہیہ کے جمعیت حاصل نہیں ہے۔ حق جل
شانہٗ نے خود ادب آموزی فرمائی ہے یعنی ارشاد فرمایا کہ اس کے سامنے کھڑے
ہوں اور اس کے ساتھ جو ادب ملحوظ رکھنا چاہئے وہ سیکھیں بعض ایسے امور کلیہ ہیں
جو خارج میں موجود ہوتے ہیں مثلاً حیات و قدرت و علم و ارادت۔ ان کے علاوہ ایسے

بھی امور ہیں جنہیں معقولی یا عقلی کہتے ہیں۔ یہ امور کلیہ اول الذکر کے طرح خارج میں موجود نہیں ہوتے لیکن عقل میں بے شک وشبہ موجود ہیں۔ امور کلیہ موجود فی العقل کا ہر شئے میں ایک مستقل علم اور اثر نظر آتا ہے بالخصوص ان اشیا میں جن کا وجود خارج میں موجود ہے۔ یہ امور جب تک خارج میں ظاہر نہیں ہوتے اپنی نفس کے اندر چھپے رہتے ہیں۔ اور معقولی یا عقلی کہی جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے جس قدر اشیا، ایک خارجی وجود رکھتی ہیں۔ ان سب کو ان امور کلیہ موجود فی العقل کے ساتھ ایک نسبت دائمی ہوتی ہے اور ممکن نہیں کہ از روئے عقل اس نسبت میں کوئی زوال واقع ہو۔ یہ بھی ممکن نہیں کہ یہ امور عقلیہ ظاہر ہیں امور کلیہ موجود فی الخارج کے طرح موجود رہیں۔ امور کلیہ موجود فی الخارج زمانی ہوتے ہیں یا غیر زمانی۔ ان میں سے ہر ایک پھر جسمانی ہوتا ہے یا غیر جسمانی۔ جسمانی زمانی کی مثال اجساد ہیں اور جسمانی غیر زمانی کی مثال فلک اعظم ہے اور روحانی (یعنی غیر جسمانی) زمانی کی مثال نفوس حیوانی ہیں اور روحانی (غیر جسمانی) غیر زمانی کی مثال ارواح علوی ہیں۔ یہ نسبت زمانی وغیر زمانی جب امور کلیہ عقلیہ کی طرف ہوتی ہیں تو اس میں تعدد نہیں ہوتا بلکہ ایک ہی ہوتی ہے۔ الاآن کہ امر کلی عقلی اور امور موجودات خارجی میں فرق ہوتا ہے۔ مثلاً حدوث وقدم۔ ان دونوں میں فرق ہے۔ لیکن یہ فرق اسی شے کی حیثیت سے ہوتا ہے جو حقایق موجودات خارجی طلب کرتی ہیں اور جسکے لئے ان کا تقاضا ہوتا ہے۔ یعنی نسبت علم بہ عالم اور نسبت حیات بہ حی۔

حق سبحانہٗ تعالیٰ کو بھی علم وحیات ہے اور انسان کو بھی علم وحیات ہے اور ہر دو صفات یعنی علم وحیات کی حقیقت دونوں میں واحد ہے اور جو نسبت باہم ان دونوں صفات میں ہے وہ بھی واحد ہے لیکن حق سبحانہٗ تعالیٰ کی ذات میں یہ صفات علم وحیات قدیم ہیں اور انسان کی ذات میں حادث۔ پس معقولات وموجودات میں جو یہ رابطہ ہے وہ غور کرنے کے قابل ہے۔

امور کلیہ عقلیہ میں تجزیہ نہیں ہوسکتا۔ وہ ہر شخص میں تماماً موجود ہیں۔ مثلاً انسانیت اس میں تعدد اشخاص کی وجہ سے کوئی تعدد واقع نہیں ہوتا اور نسبت ہر حال میں واحد ہی رہتی

ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ موجودات اور امور کلیہ عقلیہ جو موجود فی الخارج نہیں ہیں ان میں بھی ایک طرح کا ارتباط پایا جاتا ہے پس اس اعتبار سے کہ امور کلیہ ذاتیہ ذات کے ساتھ وابستہ ہیں ایک جدید نسبت کا ثبوت ملتا ہے جسے نسبت عدمی کہہ سکتے ہیں جو باہم امور کلی عقلی و امور موجودات خارجی میں پائی جاتی ہے۔ پس موجودات خارجی کا ارتباط مثلاً وہ ارتباط جو حق و مخلوقات میں ہے اور وہ ارتباط جو موجودات میں بعض کو بعض کے ساتھ ہے۔ ارتباط معقولی (ذہنی) سے بہت قریب نظر آتا ہے۔ کیونکہ موجودات کے درمیان ہر حال میں ایک طرح کا ایسا ارتباط پایا جاتا ہے جو ان کا جامع ہے لیکن یہ ارتباط جامع کسی وجود خارجی کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ تحقیق یہ ہے کہ امور عدمیہ (ذہنیہ) اور موجودات خارجی میں باہم ایک قسم کا ارتباط یا نسبت عدمی موجود ہے۔ جو دونوں کو باہم جمع و مربوط رکھتی ہے۔ پس نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کا ارتباط وجود خارجی کے ساتھ نسبتۃً زیادہ قوی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر حادث ایک پیدا کرنے والے کا محتاج ہے۔ جب حضرت واجب الوجود نے اپنی ذات کے واسطے ایک حادث شئے کا تقاضا ظاہر کیا تو اس واجب لذاتہ کے ساتھ یہ حادث بھی واجب ہو گیا۔ اسی طرح جب اس حادث نے اس ذات واجب الوجود پر تکیہ کیا جس سے اس کا ظہور ہوا ہے تو اس ذات کا یہ تقاضا ہوا کہ یہ حادث اس کی صورت قرار پائے۔ کیونکہ جو شئے ذاتی طور پر واجب الوجود نہیں ہے اس کے اسماء و صفات سب میں ہر شئے کے نسبت واجب الوجود ہی کی طرف کی جایا کریگی اور جب ہم نے یہ کہا کہ اس کا ظہور اس کی صورت پر ہوا ہے تو اس وقت اس نے اپنے ہی علم کے سیدان میں ہمیں منتقل فرما کر یہ کہلایا ہے خود اس کا قول ہے۔ سنریھم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسھم اس آیت سے ہم یہ استدلال کرتے ہیں کہ کوئی وصف ایسا نہیں ہے جو ہماری ذات میں نہ ہو اور ایسے سب اوصاف واجب لذاتہ ہیں۔ اس کی تائید میں یہ اخبار الٰہی وارد ہے کہ ان اللہ خلق آدم علی صورتہ وغیر ذٰلک پس ثابت ہوا کہ من عرف نفسہٗ فقد عرف ربہ یعنی جس نے

اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم شخصیت اور نوعیت کے لحاظ سے کثیر ہیں لیکن درحقیقت ایک ہی ہیں۔وہ اس سے بے پرواہ ہے کہ ہم اس کے محتاج ہوں لیکن ہم اس سے بے پرواہ نہیں ہوسکتے کہ اس کے محتاج نہ ہوں۔پس اس کا ازلی اور قدیم ہونا صحیح ہے۔ وہ ایسی اولیت سے مستغنی ہے جس سے افتتاح وجود ہوتا ہے پس اس حیثیت سے کہ ایک شئے عدم سے وجود میں آئے حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف اولیت کی نسبت درست نہیں ہے۔اور اس حیثیت سے کہ ایک شئے وجود سے عدم میں جارہی ہے حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف آخر ہونیکی نسبت صحیح نہیں اسکے کسی صفت میں تقیید نہیں ہے۔مندرجہ بالا مضمون کو زیادہ واضح زبان میں بیان کیا جائے تو یہ ہوگا

اللہ جل شانہ کے اسماء کی کوئی انتہا نہیں۔اور ہر اسم ایک صفت کے ساتھ موسوم ہے جب اس نے چاہا کہ حقایق اسماء۔یا یوں کہو کہ اپنی حقیقت کا خود معائنہ فرمائے تو عالم کو بمنزلہ ایک آئینہ کے خلق فرمایا جس میں اس کی حقیقت کا مشاہدہ ونظارہ ہوسکے پس باعتبار اسکی صفت خلق کے یہ عالم ایک معتدل الخلق وجود کالبدی کے مانند ظاہر ہوا جس میں روح نہ تھی یعنی مثل آئینہ بے جلا کے تھا۔لیکن شان الٰہی یہ ہے کہ جو شئے معتدل الخلق ہو اس میں روح الٰہی یعنی فیض تجلی دائمی قبول کرنے کے استعداد ضرور ہونی چاہیے۔یہ استعداد بھی عالم میں بحیثیت اپنے خلق کے موجود تھی۔اس لئے گویا اس میں نفخ روح فرمایا یعنی استعداد قبول فیض عطا فرمائی اس حصول استعداد کو نفخ روح سے موسوم فرمایا گیا۔غرض کہ شان الٰہی اس امر کی مقتضی ہوئی کہ اس آئینہ عالم کو جلا دی جائے پس ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا پس انسے آئینہ عالم کے جلا ہوئی اور اس کالبد کے یہ روح رواں قرار پائے اور فرشتے اس عالم یعنی انسان کے بعض قوائے روحانیہ وحسیہ کے جگہ ہوئے۔چونکہ خلقت انسان میں جمعیت الٰہیہ ودیعت رکھی گئی ہے اس لئے اس میں ہر مقام عالی پر پہونچنے اور مرتبہ حاصل کرنے کی لیاقت موجود ہے جس کا ادراک بھی محض کشف الٰہی سے ممکن ہے۔انسان کو خلیفۃ اللہ فی الارض اسی جامع حقایق ہونے کی وجہ سے کہا گیا ہے اور بارگاہ رب العزت میں اس کی جگہ آنکھ کی پتلی کے مانند اسی جمعیت کی وجہ سے قرار پائی ہے۔آنکھ پتلی سے بصارت ہے۔

اگر یہ نہیں تو بصارت بھی نہیں پس اسی تپلی سے حق تعالیٰ نے اپنی خلق کے جانب نظر فرمائی اور اُن پر رحم فرمایا اور انسان کی خلقت سے وجود عالم کو تمام فرمایا اس کی مثال انگوٹھی کے نگینہ کی سی سمجھنی چاہئے جس پر مہر کندہ کی جاتی ہے اور اس مہر سے بادشاہ کے خزانوں کی حفاظت اور اس کے احکام کی اجرائی کی جاتی ہے پس وجود انسانی سے حق جل وعلیٰ اپنی تمام مخلوقات کی حفاظت فرماتا ہے اور اپنے ازلی ابدی کلام کو اس کے ذریعہ سے عالم میں پہنچاتا ہے۔ جبتک انسان کامل موجود رہیگا عالم بھی محفوظ رہے گا اور جب یہ نہ رہیگا تو عالم بھی نہ رہے گا اور اس عالم سے وہ منتقل ہو کر عالم آخرت میں چلا جائیگا پھر گویا وہاں کے خزانوں کی حفاظت ہوگی اور مہر لگے گی اور وہ حالت دائمی ابدی ہوگی۔ انسان کو لازم ہے کہ اپنے مرتبہ کو پہچانے۔ اس کے سامنے فرشتوں کی نظیر موجود ہے جو خاص خاص اسماء الٰہی کے ساتھ اللہ جل شانہ کی عبادت کرتے تھے اور انہیں دوسرے اسماء کا علم نہ تھا۔ انہوں نے اپنے علم کو کامل سمجھکر اور آدم ؑ کے ظاہر خلقت پر نظر کر کے حق تعالےٰ سے حجت کی اور اپنی حقیقت کو نہیں پہچانا۔ اگر وہ اپنی حقیقت پہچانتے تو کبھی حجت نہ کرتے فرشتوں کا یہ قصہ اے انسان تیرے ہی سمجھانے کو بیان کیا گیا ہے۔ تجھے چاہیئے کہ اپنی حقیقت کو پہچاننے کی کوشش کرے اور ہر حال میں ادب ملحوظ رکھے اور دعویٰ سے زبان بند رکھے کیونکہ جس طرح فرشتوں کو بہت سے اسماء الٰہی معلوم نہ تھے۔ تجھے بھی اس کے تمام اسماء پر وقوف نہیں ہے۔

امور کلی گو ان کا عینی وجود نہ ہو مگر معہود فی الذہن ضرور ہوتے ہیں اس لئے انہیں امور باطن کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اُن کا اثر ہر وجود عینی میں ساری وجاری ہے بلکہ عین امر وہی ہیں اور وجود عینی کا استناد ان سے کیا جاتا ہے یعنی امور کلیہ اور موجودات خارجیہ اگرچہ ایک اعتبار سے تابع ومتبوع۔ لازم وملزوم اور موثر ومتاثر ہیں لیکن باعتبار اس کے کہ تمام حقایق کی حقیقت ذات الٰہیہ پر منتہی ہوتی ہے حقیقۃً دونوں ایک ہی ہیں۔ اس لئے کہ یہ حقایق مرکب ہوتے ہیں۔ طبیعت جوہر یہ متبوعہ اور حقیقت عرضیہ تابعیہ

موجودات خارجیہ اعراض ہیں اور امور کلیہ جوہر عرض جوہر سے علیحدہ ہیں ہے جیسے علم وعالم
حیات وحی۔ لیکن جس طرح علم کا مقتضی یہ ہے کہ جس میں یہ صفت علم ہو اُسے عالم کہا جائے
اسی طرح موصوف کے لحاظ سے صفت اس کی متقاضی ہے کہ اگر موصوف قدیم ہے تو
صفت بھی قدیم ہو اور اگر موصوف حادث ہے تو صفت بھی حادث ہو۔ پس اس ارتباط
معقولات وموجودات عینیہ کی رو سے ہر امر کلی محکوم بہ اور وجود خارجی محکوم علیہ ہوا۔ امور
کلی جب موجودات عینی کی طرف منسوب ہوتے ہیں تو اُن پر بھی محکوم علیہ کا حکم کیا جاتا ہے۔
اور چونکہ وہ اپنی موصوف میں بغیر تجزی کے پائے جاتے ہیں اس لئے اُن میں تجزی ممکن نہیں
مثلاً انسانیت نوع انسان کے ہر فرد میں بغیر تجزی موجود ہے اور تعدد افراد سے تعدد
ماہیت نہیں ہو سکتی ہے۔

جب کہ امور کلی جو غیر خارجی ہیں اور موجودات عینی جو خارجی ہیں اُن میں باوجود نسبت
عدمیہ کے ایک قسم کا ارتباط ہے تو موجودات عینیہ میں باہم بہت زیادہ ارتباط ہونا چاہئے اسی
طرح حادث ومحدث کا ارتباط ہے۔ حادث کو اپنے محدث کے ساتھ رشتہ احتیاج ہوتا ہے۔
کیونکہ اس کا وجود اسی کے ذات سے وابستہ ہے۔ پس حادث کی صفت ہوئی موجود
بذات غیرہ یعنی واجب بالغیر اور محدث کی صفت ہوئی موجود بذاتہ یعنی واجب الوجود
پس جب ذات واجب الوجود نے چاہا کہ حادث کو وجود میں لائے تو تقاضا یہ ہوا کہ کل
اشیاء اسماء وصفات میں سے سوائے اسم ذات کے اس میں ودیعت رکھی جائیں اور
وہ حادث تمام اسماء صفات کے لحاظ سے باستثناء وجوب ذاتی واجب الوجود کی صورت
پر ہو پس اللہ جل شانہ نے اپنی معرفت کا راستہ ہیں اس طرح بتایا کہ اپنی حقیقت پر نظر کریں
"وفی انفسکم افلا تبصرون"۔ نیز ہم اپنی حقیقت حادثہ کے علاوہ دوسرے حادث
اشیاء کی طرف بھی دیکھنے اور فکر کرنے کے لئے ارشاد ہوا ہے "سنریھم ایاتنا فی الآفاق
وفی انفسہم حتی یتبین لہم انہ الحق" پس جب بندہ اپنے نفس کو پہچان لیتا ہے تو اپنے رب کو بھی پہچان لیتا ہے
کیونکہ جن صفات سے اللہ جل شانہ موصوف ہے بندہ بھی انہیں صفات سے موصوف ہے۔
سوائے صفت وجوب ذاتی کے اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے اپنا کلام اپنے بندے کی زبان

میں اُتارا۔ پس جب ہم نے حق تعالیٰ کو پہچانا اور اپنی ہر چیز کی نسبت اسی کی طرف کی پس حق تعالیٰ نے بھی ہمارے لئے اپنی ذات کی صفت ہماری صفات سے کی اور جب ہم نے حق تعالیٰ کا مشاہدہ کیا تو ہم نے اپنی ذاتوں کا مشاہدہ کیا اور جب ہم نے اپنی ذات کو دیکھا تو اُسی کی ذات کا مشاہدہ کیا۔

اس میں شک نہیں کہ ہم ہزار ہیں وہ ایک ہے۔ یہاں ہزار ہا عالم ہیں اور وہاں ایک ذات واجب الوجود ہے۔ گو ہماری حقیقت جامعیہ ایک ہے لیکن ہم میں سے ہر ایک میں فرق ہے تاکہ تمیز کیا جا سکے۔ اگر یہ فرق کرنے والی شئے نہ ہوتی تو کثرت میں وحدت ممکن نہ ہوتی۔ اسی طرح بندہ اور خدا میں ایک شئے فرق کرنے والی ہے یعنی ہم محتاج ہیں وہ حاجت برار ہے ہم حادث ہیں وہ محدث ہے۔ ہم مخلوق ہیں وہ خالق ہے۔ نہ وہ محتاج ہے نہ وہ حادث ہے نہ وہ مخلوق ہے۔ وہ ان صفات سے ممتاز غنی و قدیم خالق ہے۔ اس کے لئے نہ صفت اول ہے اور نہ صفت آخر کیوں کہ ان دونوں سے تقید لازم آتی ہے۔ وہ عین اپنی اولیت میں آخر ہے اور آخریت میں اول ہے۔ اور یہی معنی ہوالاول ہوالآخر کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو ظاہر و باطن کے صفات سے موصوف کیا پس اسی رعایت سے ایک عالم شہادت بنایا اور دوسرا عالم غیب بنایا تاکہ ہم باطن حق کو اپنے باطن سے اور ظاہر حق کو اپنے ظاہر سے حاصل کریں۔ نیز اس نے اپنی ذات کے لئے صفات رضا اور غضب اختیار فرمائیں۔ پس عالم کو ڈرنے والا اور اُمید رکھنے والا بنایا۔ اسی لئے ہم اس کے غصے سے ڈرتے ہیں اور اس کی رضا کی کوشش کرتے ہیں۔ غرض کہ اسی طرح تمام صفات کا مظہر انسان کو بنایا اور اپنے دونوں ہاتھوں یعنی جمال و جلال سے انسان کامل کو بنایا جو تمام حقایق و مفردات عالم کا جامع قرار پایا۔ اس طرح عالم شہادت اور خلیفہ باطن کو پیدا کر کے خود کتمان حجاب میں ہو بیٹھا۔ اللہ جل شانہٗ نے اپنی توصیف میں فرمایا کہ وہ حجب ظلمانیہ میں مخفی ہے یعنی حجابات طبیعت میں پوشیدہ ہے۔ پھر فرمایا کہ وہ حجب نوریہ میں مستور ہے یعنی ارواح لطیفہ حاجب بارگاہ ہیں۔ عالم چونکہ خود لطیف و کثیف کے درمیان میں ہے اس لئے خود ایک حجاب ہے۔ باوجودیکہ

عالم حادث محتاج ہونے کی وجہ سے اپنے موجد کا دست نگر ہے۔ لیکن چونکہ اس میں وجوب ذاتی کے لئے کوئی امر محقق نہیں ہے اس لئے پروردگار عالم کی ذات کا ادراک کبھی نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ جل شانہٗ نے آدمؑ کو اپنے ہاتھ سے اس لئے بنایا کہ انہیں بزرگی عطا ہو۔ اس لئے ابلیس سے سجدہ نہ کرنے پر پوچھا "مامنعک ان تسجد لما خلقت بیدی" اور آدمؑ کی بزرگی جس نے انہیں مسجود ملائک بنایا صرف اسی میں تھی کہ اون میں صورت عالم اور صورت حق دونوں کو جمع فرمایا تھا۔ "ان اللّٰہ خلق آدم علی صورتہٖ" اور یہی گویا دونوں ہاتھ اللہ تعالیٰ کے تھے۔ اسی جامعیت کے باعث حضرت آدمؑ خلیفہ مقرر ہوئے۔ اگر آدمؑ اللہ کی صورت پر اس عالم میں نہ ہوتے اور ان میں وہ سب چیزیں نہ ہوتیں جو رعایا اپنے بادشاہ کے جانشین میں طلب کرتی ہے تو وہ خلیفہ ہی نہیں بنائے جاسکتے تھے۔ پس لازم ہوا کہ ان میں وہ تمام چیزیں موجود ہوں جن کی احتیاج رعایا کو پڑتی ہے۔ ورنہ خلافت کا صحیح اطلاق نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ اس لفظ کا اطلاق صحیح طور پر انسان کامل پر ہوسکتا ہے۔ پس اللہ جل شانہٗ نے حضرت آدمؑ کی صورت ظاہری حقایق وصور عالم کے بموجب بنائی اور صورت باطنی اپنی صورت پر بنائی۔ اسی لئے انسان کی شان میں فرمایا ہے کہ میں اس کی بینائی اور شنوائی ہوجاتا ہوں۔ اور یہ نہیں فرمایا کہ میں اس کی آنکھ اور کان ہوجاتا ہوں۔ اس کے بعد آدمؑ کی صورت ظاہری و باطنی میں فرق فرمایا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے موجودات عالم میں سے ہر شئے میں بقدر اس کی استعداد کے سریان فرمایا لیکن خلیفۃ اللہ کی سی جامعیت کسی کو نہیں بخشی۔ اگر موجودات عالم میں حق تعالیٰ اس طرح اپنے صفات کے ساتھ سرایت نہ فرماتا تو کسی شئے کا وجود ممکن نہ ہوتا۔ اسی ارتباط وجودی کے سبب سے عالم کو اپنے وجود کے بارے میں حق تعالیٰ کی طرف احتیاج واقع ہوئی۔ غرض کہ آدمؑ کی تخلیق اس طرح فرمائی اور ان سے تمام آدمیوں کو پیدا کیا۔ چنانچہ خود فرماتا ہے۔ "یاایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالا کثیرا ونساء" یعنی اے لوگو ڈرو اس پروردگار سے جس نے تم کو ایک ہی شخص سے پیدا کیا اور اس شخص سے اس کی زوج کو بنایا اور ان دونوں سے

بہت مردوں اور عورتوں کو عالم وجود میں لایا۔ اس کے بعد حضرت شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے یہاں صرف اسی قدر بیان کیا جس کے لئے مجھے حضرت رسالت پناہ صلعم کا ارشاد ہوا تھا۔ مجھے اللہ نے جس قدر علم عطا فرمایا ہے اگر اُسے بیان کرنے پر آؤں تو اس عالم وجود میں نہیں سما سکتا۔

اس فص کے بعد فص شیثیہ ہے۔ پھر فص نوحیہ پھر فص ادریسیہ پھر فص ابراہیمیہ وغیرہ علی ہذا لقیاس یعنی خاتم الانبیاء والمرسلین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام حکمتیں الگ الگ فصوص میں بیان کی گئی ہیں۔ مخفی نہ رہے کہ ہر فص ایک بحر زخار ہے۔ جس کا سمجھنا اور حکمت الٰہی پر مطلع ہونا ہر شخص کے لئے ضروری ہے کیونکہ اس کتاب کی شان نزول ہی یہی ہے کہ لوگ پڑھیں سمجھیں اور علوم الٰہی پر مطلع ہوں بعض نے حضرت شیخؒ پر یہ اعتراض کیا ہے کہ آپ نے قوم نوح وقوم ہود وقوم صالح علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کو اہل قرب میں سے کہا ہے حالانکہ یہ قطعی جہنمی ہیں مگر اس میں بھی معترض بجائے معنی کے الفاظ پر جاتے ہیں۔ حضرت شیخ نے حسب نحوائے آیتہ نحن اقرب الیہ منکم ولکن لا تبصرون"، کل شیٔ یرجع الی اصلہ"۔ ان اقوام کو خدا سے بمقابلہ ان لوگوں کے جو اس عالم شہادت میں موجود ہیں قریب تر کہا تو اس میں کونسا خلاف فص نہیں جنتی بنایا۔ حالانکہ یہ اللہ جل شانہٗ کے فضل پر منحصر ہے کہ ایک رند خراباتی کو جنت میں جگہ دے اور اُس کی شان لااُبالی کو اس کی کچھ پروا نہیں کہ عابد ہزار سالہ جہنم میں جائے۔ خدا کے معاملے خدا ہی کے ساتھ ہیں۔ اسی طرح فرعون کے بارے میں حضرت شیخ اکبرؒ نے اُسے ناجی فرمایا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ جل شانہٗ نے آسیہ زوجۂ فرعون کی زبانی صاف کہلوایا ہے کہ " انہ قرۃ عین لی ولک عسیٰ ان ینفعنا" یعنی یہ میرا اور تمہارا دونوں کا قرۃ العین ہے۔ قریب ہے کہ ہم دونوں کو یہ نفع پہنچائیگا حضرت آسیہ کو تو یہ نفع پہونچایا کہ حضرت موسیٰ کی بدولت وہ ایمان لائیں اور فرعون کو بھی یہی نفع پہنچایا۔ یعنی اُس نے ڈوبتے وقت کہا کہ میں ایمان لایا اس رب پر جس پر بنو اسرائیل ایمان لائے۔ کہا جاتا ہے کہ فرعون کا اُس وقت کا ایمان لانا قابل

قبول نہیں ہے اور اس ایت سے استدلال کیا جاتا ہے کہ "فلم یک ینفعہم ایمانہم لما راو باسنا سنۃ اللہ التی قد خلت فی عبادہ الا قوام یونس" لیکن یہ آیت قطعی طور پر دلالت نہیں کرتی کہ یہ ایمان اُس کو آخرت میں بھی نفع نہ دیگا۔

حضرت شیخ رکن الدین علاء الدولہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے گو شیخ علیہ الرحمہ کی بزرگی و کمال کے وہ قایل تھے مگر فتوحات کے حواشی پر بہت اعتراض کیا ہے۔ اور گو خطاب کرتے وقت ایہا الصدیق۔ وایہا المقرب وایہا الولی وایہا العارف الحقانی لکھتے ہیں لیکن بوجہ اس کے کہ شیخ نے حضرت حق کو وجود مطلق کہا ہے غلطی کہتے ہیں۔ اور ان کلمات کو کلمات کفر کہتے ہیں۔ صاحب نفحات الانس لکھتے ہیں کہ بعض مشائخ نے لکھا ہے کہ یہ تکفیر ان معانی کی ہے جو کلام شیخ کے انہوں نے لئے ہیں نہ کہ ان معانی کی جو شیخ کے مراد ہیں۔ اس لئے کہ وجود تین طرح کا ہے۔ ایک بشرط شئے۔ یہ وجود مقید ہے۔ دوسرا بشرط لاشئے۔ یہ وجود عام ہے اور تیسرا لا بہ شرط شئے۔ یہ وجود مطلق ہے۔ شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آخری معانی میں حق سبحانہٗ تعالیٰ کو وجود مطلق کہا ہے اور شیخ رکن الدینؒ وجود عام کے معنی لیکر تردید کر رہے ہیں۔ شیخ علیہ الرحمہ کے نزدیک وجود میں نہ کوئی قید شرط ہے اور نہ عمومیت۔ قید و تعینات مراتب میں اس کے ظہور کی شرط واقع ہوئی ہیں نہ کہ فی حد ذاتہ۔ شیخ نے وحدت کو کثرت میں ثابت کرنا چاہا ہے اور یہ دکھایا ہے کہ کثرت مخلوقات سے وحدت حق میں کوئی زیادتی نہیں ہو سکتی ہے۔

حضرت شیخ ابوبکر خوافی قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں کہ اوائل میں فصوص الحکم کا میں بہت شغلہ رکھتا تھا۔ ایک بار میں رسول اللہ صلعم کی زیارت سے مشرف ہوا۔ میں نے نہایت ادب سے پوچھا کہ آپ فرعون کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ زبان حق ترجمان سے ارشاد ہوا کہ جو اس میں لکھا ہے وہی کر دپھر میں نے عرض کیا یارسول اللہ وجود میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوا قدیم میں قدیم ہے اور حادث میں حادث ہے۔ بغرض کسی کو بقول حضرت شیخ صلاح الدین صفدی قدس سرہٗ اگر علم لدنی والے کے کلام کو دیکھنا منظور ہو تو وہ شیخ اکبرؒ کے تصانیف دیکھے آپکے

ہمعصر یہ بزرگ تھے۔ شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ شیخ اوحد الدین کرمانیؒ۔ شیخ نجم الدین کبریؒ۔ شیخ مصلح الدین سعدی شیرازیؒ۔ شیخ صدر الدین قونویؒ۔ شیخ سوید الدین جنیدیؒ شیخ ابو الحسن شاذلی مغربیؒ۔ ابو العباس رمثیؒ۔ ابن الفارس حموی مصریؒ۔ عزیز الدین سقیؒ ابن الصباغؒ۔ فخر الدین عراقیؒ۔ نجیب الدین برغش شیرازیؒ۔ برہان الدین تبریزیؒ نور الدین عبد الرحمٰن اسفرائنیؒ۔ جمال الدین جرزقانیؒ۔ سیف الدین باخرزیؒ سعد الدینؒ ابو محمد عبد اللہ مغربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمہ کا زمانہ حضرت محی الدین ابن العربیؒ کی اخیر عمر سے ملتا ہے۔ جس وقت فصوص الحکم لکھی گئی اس وقت مولانا کی عمر غالباً ۲۳ سال کی تھی۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ شیخ اکبر علیہ الرحمہ سے (۵۵) سال پیشتر گذرے ہیں۔ حضرت شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کل اوناسی برس چھ یوم اس عالم فانی میں رہکر جمعہ کی شب بائیسویں (۲۲) ربیع الآخر ۶۳۸ھ (چھ سو اڑتیس ہجری) کو بمقام دمشق انتقال فرمایا اور آپ کا مزار شریف جبل قاسوں کے دامن میں جو صالحیہ کے نام سے مشہور ہے اب تک فیض بخش خاص و عام ہے یہ تبرک زیارت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

حضرت ابو القاسم شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

جہان معرفت۔ دریائے راز عشق و محبت کے شاہباز۔ گنج حقیقت و معانی مہبط انوار یزدانی۔ سرچشمۂ الفت و دلآویزی شیخ المشائخ ابو القاسم جلال الدین تبریزی قدس سرہ العزیز اپنے زمانہ کے غوث اولیاء اللہ میں سے تھے۔ سیر العارفین میں ہے کہ آپ علم ظاہر و باطن میں دریائے مواج تھے اور کمال دانشمندی و معرفت میں جواب نہیں رکھتے تھے۔ تمام مشائخ عصر نے آپ کی بزرگی تسلیم کی تھی کشف و کرامات و ترک و تجرید کی آپ کے کوئی نہایت نہ تھی۔

آپ شیخ المشائخ بدر الدین ابو سعید تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید تھے۔ پیر کی دفات کے بعد آپ تبریز سے بغداد آئے اور سات سال حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین

عمر سہروردی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں رہے اور سفر و حضر میں حضرت کے ہمراہ رہے۔ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانیؒ فرماتے ہیں کہ جب سے آپ بغداد میں تشریف لائے ہر سال حضرت شیخ الشیوخ قدس سرہٗ العزیز کے ہمراہ حج کو جاتے اور مدینہ طیبہ میں زیارت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوا کرتے تھے۔ حضرت شیخ الشیوخ قدس سرہٗ چونکہ معمر ہوگئے تھے اس لئے محافہ میں سفر کرتے تھے اور حضرت شیخ جلال الدین آپ کے ہمراہ رکاب رہتے اور چونکہ حضرت کو کلیجہ وغیرہ جو مسافر عام طور سے ناشتہ میں کھا کرتے ہیں طبیعت کے موافق نہیں آتے تھے۔ اس لئے حضرت شیخ جلال الدینؒ نے ایک دیگدان بنایا تھا جس میں ایک توا بھی رہتا تھا اور آگ بھی رہ سکتی تھی اور ایسا تھا کہ اگر سر پر رکھکر لے چلیں تو سر کو آزار نہ پہونچے۔ اس دیگدان کو اپنے سر پر لئے چلتے تھے اور جہاں ضرورت ہوتی گرم گرم کھانا حضرت شیخ الشیوخ علیہ الرحمہ کے خدمت میں پیش کرتے تھے۔ حضرت سلطان المشائخ قدس سرہٗ العزیز سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ الشیوخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حج سے واپس ہوکر بغداد پہونچے اور اپنی خانقاہ میں تشریف فرما تھے کہ مریدین و معتقدین قدمبوسی کے لئے جوق جوق حاضر ہونے لگے۔ اور کچھ نہ کچھ ہدیہ اپنے ہمراہ لاتے۔ ان میں ایک صالحہ عورت بھی ایک درم ہدیہ لائی۔ اور ہدایا کے ڈھیر پر اسے رکھ دیا۔ جب سب جمع ہوگیا تو حضرت شیخ الشیوخ نے ارشاد فرمایا کہ جس کا جو کچھ جی چاہے ان ہدایا میں سے لے لے۔ ہر ایک نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق اس میں سے لیا۔ لیکن حضرت شیخ جلال الدین تبریزیؒ نے وہی ایک درم اٹھا لیا جو اس صالحہ بی بی نے لاکر پیش کیا تھا۔ حضرت شیخ الشیوخ نے یہ دیکھ کر ان سے فرمایا کہ جو کچھ برکت تھی وہ تمہیں نے جلدی سے اٹھالی اور دوسروں کے لئے کچھ نہیں چھوڑا۔

شیخ اوحد الدین کرمانیؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں بھی سفر میں شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے ہمراہ تھا جب ہم قبیلہ بنی لام میں پہونچے تو راستہ بہت سخت و تکلیف دہ بلا سواری کے اکثر اونٹ یہاں ہلاک ہوگئے اور فقراء و غرباء جو ہمراہ تھے ان کے پیروں

یں آبلے پڑ گئے۔ اتنے میں ہی لام کے لوگ اونٹ فروخت کرنے آئے اور بیس اشرفی سے کم کسی اونٹ کی قیمت نہیں طلب کی۔ جو لوگ کہ مقدور نہیں رکھتے تھے۔ وہ خرید نہ سکے اور جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ شیخ المشائخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جب یہ دیکھا تو حمیت وہمدردی انسانی نے غلبہ کیا اور شتربانوں کو بلا کر پوچھا کہ تمہارے پاس کتنے اونٹ ہیں اونہوں نے کہا کہ تقریباً پانسو بکنے سے بچ رہے ہیں۔ شیخ المشائخ نے ان سب کو خرید کر کے مستحقین کو تقسیم کر دیا۔

سیر العارفین میں ہے کہ جب شیخ المشائخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کو حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی قدس سرہٗ نے جانب ملتان رخصت فرمایا تو حضرت جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اجازت حاصل کی اور باہمی محبت والفت کی وجہ سے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہمراہ عازم ہندوستان ہوئے۔ راہ میں جب نیشاپور پہونچے تو شیخ جلال الدینؒ قدوۃ الاولیاء شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نام سن کر ان کی قدم بوسی کو حاضر ہوئے۔ حضرت شیخ نے پوچھا کہ وہاں مشغولان حق میں سے کون کون ہیں۔ شیخ جلال الدینؒ نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموش رہے۔ جب واپس آکر شیخ بہاء الدین زکریاؒ سے یہ حال بیان کیا تو آپ نے کہا کہ کیوں نہیں تم نے حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نام لیا۔ آپ نے جواب دیا کہ حضرت شیخ فرید الدین عطارؒ کی عظمت استغراق اس قدر مجھ پر غالب ہوئی کہ مجھے اصلا حضرت شیخ الشیوخؒ کا نام یاد نہ آیا۔ یہ بات حضرت بہاء الدین ذکریاؒ کو ناگوار گذری اور یہاں سے دونوں جدا ہو گئے اور حضرت بہاء الدین زکریاؒ سیدھے ملتان تشریف لائے اور حضرت جلال الدین تبریزیؒ مختلف مقامات کی سیر کرتے ہوے دہلی آئے۔

حضرت شیخ فرید الدین زرادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ شیخ المشائخ جلال الدین تبریزیؒ دہلی پہونچے تو شمس الدین التمش کا زمانہ تھا۔ یہ بادشاہ اولیاء اللہ سے بہت عقیدہ رکھتا تھا۔ اسے جب یہ حال معلوم ہوا تو آپ کے استقبال

کا اہتمام کیا اور شہر کے باہر آکر ملازمت حاصل کی۔ شیخ نجم الدین صغریٰؒ اس زمانہ میں شیخ الاسلام تھے انہیں یہ ناگوار گذرا۔ اُن سے جب سلطان نے پوچھا کہ حضرت کو کہاں ٹھیرانا چاہیئے۔ کوئی ایسی جگہ ہو جو مجھ سے قریب ہو تاکہ وقت بے وقت حاضر خدمت ہو سکوں۔ انہوں نے کہا کہ بیت الجن میں ٹھیرائیے۔ یہ ایک شاہی مکان تھا جو محل سے بہت قریب تھا مگر خیال کیا جاتا تھا کہ وہاں آسیب ہے اور جن رہا کرتے ہیں۔ اور ہمیشہ مقفل رہا کرتا تھا۔ سلطان نے فرمایا کہ مہمان کے ساتھ ایسا برتاؤ ٹھیک نہیں ہے۔ شیخ نجم الدین صغریٰؒ نے کہا کہ اگر یہ مرد کامل ہیں تو جن انہیں کوئی تکلیف نہیں دینگے اور اگر ناقص ہیں تو ان کی یہی سزا ہے۔ بادشاہ ابھی راضی نہیں ہوا تھا کہ حضرت شیخ جلال الدینؒ کو اس کی خبر ہوئی۔ آپ نے فرمایا نجم الدین اس مکان کی کنجی کہاں ہے بھیجدو تاکہ اُترنے کے پہلے ایک درویش کو بھیجکر اس کی صفائی کا انتظام کراؤں۔ کنجی منگائی گئی۔ آپ نے اُسے لیکر تراب نامی ایک درویش کو دیا کہ قفل کھول کر مکان میں جاؤ اور باواز بلند پکار دو کہ اے جنو شیخ جلال الدین تبریزی یہاں آتے ہیں عرصہ تک تم یہاں رہے اب حضرت شیخ یہاں رہیں گے تم یہاں سے چلے جاؤ۔ اور میری یہ حمائل وہاں ٹانگ دینا۔ خادم نے اس حکم کی تعمیل کی جنوں نے مکان خالی کر دیا اور حضرت شیخ علیہ الرحمہ نے بآرام تمام وہاں قیام فرمایا۔

سیر العارفین میں ہے کہ دوسرے روز آپ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ملاقات کو اپنے مکان سے نکلے۔ قطب صاحب اس زمانہ میں کیلوکھڑی میں رہتے تھے۔ آپ کو بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت جلال الدین تبریزیؒ ملنے کو آرہے ہیں۔ آپ بھی اپنے مکان سے چلے۔ راستہ میں دونوں صاحبوں میں باہم ملاقات ہوئی اور اُسی بیت الجن میں اس روز قوالی ہوئی اور یہ غزل گائی گئی جس کا مطلع یہ ہے ؎

درمیکدۂ وحدت ہشیار نمی گنجد ۔ درعالم بیرنگی اغیار نمی گنجد

یہ شب شب جمعہ تھی۔ چنانچہ اس کے بعد دونوں نے مسجد منارہ میں ایک ہی جگہ نماز جمعہ پڑھی اور اپنے اپنے مکان واپس ہوئے۔

حضرت شیخ المشائخ جلال الدین تبریزیؒ کسی قدر قید سے آزاد تھے اور صفائے باطن

کے بہت کوشش کرتے تھے۔ اکثر آپ صبح کی نماز عشا رہی کے وضو سے اول وقت پڑھکر نماز چاشت کے وقت تک پلنگ پر آرام فرمایا کرتے تھے۔ قیام دہلی کے زمانہ میں آپ نے ایک صاحب جمال غلام ڈیڑھ ہزار دینار کو خریدا تھا۔ شیخ کو اس سے بہت الفت تھی۔ ایک دن موسم بہار میں سلطان نے شیخ نجم الدین صغریٰؒ کو صبح تڑکے کسی کام سے بلایا اور ان کے پیچھے نماز فجر بھی پڑھی۔ حضرت شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے مکان کا صحن اس مقام سے نظر آتا تھا۔ شیخ نجم الدین صغریؒ نے دیکھا کہ شیخ جلال الدینؒ ایک رزائی اوڑھے ہوئے سو رہے ہیں اور ایک خوبصورت غلام ان کے پیر دبا رہا ہے۔ انہوں نے سلطان کو یہ تماشا دکھایا اور کہا کہ ایسے فقیروں کے آپ معتقد ہیں سلطان نے کہا ممکن ہے نماز پڑھ چکے ہوں۔ اور حسین غلام سے پیر دبوانے میں کیا مضائقہ ہے۔ حضرت شیخ علیہ الرحمہ نے کشف سے یہ حالات معلوم کر کے رزائی روے مبارک سے ہٹائی اور بلند آواز سے کہا اے نجم الدین اگر تم پہلے آتے تو اس غلام کو میرے گود میں دیکھتے۔ یہ فرما کر پھر رزائی اوڑھلی اور شغل باطن میں مشغول ہو گئے۔ التمش نے نجم الدین صغریٰ سے کہا آخر تم نے اپنے تئیں ذلیل کیا لوگ کہینگے کہ شیخ الاسلام ہیں اور اتنی باطنی صفائی بھی نہیں ہے کہ حقیقت حال معلوم کر سکیں اور مجھے کہینگے کہ سلطان کو اس قدر بصیرت نہیں ہے کہ اہل اخلاق و اصفا کو عوام الناس کے زمرہ میں رکھا ہے۔ ان کلمات سے شیخ نجم الدین صغریٰ بہت خفیف ہوئے اور حسد کی آگ اور تیز ہو گئی اور حضرت شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے پیچھے پڑ گئے اور اس کوشش میں ہوئے کہ آپ پر کوئی تہمت لگائیں۔ اور بہتان تراشیں صاحب سیر العارفین کہتے ہیں کہ دہلی میں ایک مطربہ تھی گوہر نام نہایت حسین اور خوش گلو اور گانے بجانے میں بہت مشہور تھی۔ شہر کے اکثر امیر امرا اسے بلایا کرتے تھے اور کبھی کبھی حضرت شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں بھی آیا کرتی تھی۔ شیخ نجم الدین صغریٰ نے اسے بلا کر سکھایا کہ اگر تو شیخ پر فسق کی تہمت لگائے اور جہاں کہیں میں طلب کروں وہاں آکر صاف صاف کہدے کہ شیخ نے مجھ سے فحش کام کیا ہے تو پانسو دینار تجھے دوں گا۔ مطربہ کو راضی کر کے ڈھائی سو دینار اسی وقت

دیئے اور باقی ڈھائی سو بنئے کے پاس امانت رکھدئیے کہ جب یہ اپنا وعدہ پورا کریگی تو یہ ڈھائی سو بھی دیدیئے جائیں گے حاصل کلام یہ کہ شیخ نجم الدینؒ نے ایک محضر تیار کرایا اور تمام علماء و مشائخ وقت کو بلایا اور حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کو بھی ملتان سے بلایا جب یہ سب بزرگوار جمع ہو گئے تو جمعہ کے روز بعد نماز سب کو سلطان شمس الدین کے پاس لیگئے اور حضرت شیخ جلال الدینؒ اور اس مطربہ کو وہیں بلوایا تاکہ دونوں کا مقابلہ کیا جائے۔ شیخ بہاؤ الدینؒ نے مطربہ کو سامنے بلاکر فرمایا کہ دوستان حق سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے تجھے لازم ہے کہ سچ بولے ورنہ جھوٹ کی پاداش پائے گی مطربہ نے باآواز بلند کہاکہ حق تعالیٰ حاضر و ناظر ہے یہ الزام محض دروغ و افترا ہے حضرت شیخ جلال الدین تبریزیؒ آب حیات سے زیادہ پاک وصاف ہیں شیخ نجم الدین صغریٰ نے مجھے پانسو دینار فلاں بنئے کے سامنے دیکر اس طرح کی بات بنانے کی ہدایت کی تھی غرض کہ اس بقال کو بھی بلاکر دریافت کیا گیا۔ شیخ نجم الدین کو سلطان شمس الدین نے شیخ الاسلامی سے معزول کرکے خادمان شیخ بہاء الدین کو شیخ الاسلامی عطا فرمائی۔ اس واقعہ کے بعد حضرت شیخ جلال الدین تبریزیؒ بدایون تشریف لے گئے۔ فوائد الفواد میں حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کہتے تھے کہ جب میں اس شہر دہلی میں آیا تو زرخالص تھا اب اس وقت نقرہ رہ گیا ہوں دیکھئے آگے چل کر کیا ہوتا ہے۔ قیام بدایون کے دوران میں ایک روز کا ذکر ہے کہ اپنے دوستوں کے ہمراہ دریا کنارے تشریف فرما تھے کہ یکایک بیٹھے بیٹھے کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے آؤ نجم الدین صغریٰ کے جنازے کی نماز پڑھیں۔ اس وقت انھوں نے اس جہان فانی سے انتقال فرمایا ہے۔ اگرچہ اُن کی تہمت کے باعث میں شہر سے نکل آیا ہوں لیکن میرے مرشد کی برکت سے وہ دنیا ہی سے تشریف لے گئے جب تحقیق کیا گیا تو معلوم ہوا کہ واقعی اسی وقت انتقال فرمایا تھا۔ چند روز آپ نے اور بدایون میں قیام فرمایا۔ یہاں بہت شہرت ہوئی اور تمام لوگ آپ کی خدمت میں حصول فیض کے لئے آنے لگے۔ ایک روز ایک ہندو گوالا جو ڈاکوؤں کی جماعت میں سے تھا دہی کی ٹھلیا سر پر رکھے

شیخ کے سامنے سے گذرا شیخ نے ایک نگاہ اس طرف فرمائی جس کے ساتھ ہی وہ بیتاب ہو گیا اور حاضر خدمت ہو کر توبہ کی اور مسلمان ہوا۔ آپ نے علی نام رکھا اور چند روز میں مرتبہ عرفان تک پہونچا دیا جب آپ بدایون سے بنگالہ کی طرف متوجہ ہوئے تو فرمایا اے علی اس شہر کو میں نے تیرے حوالہ کیا چنانچہ گو وہاں مشائخ کی کثرت تھی مگر لوگ انہیں شیخ علی کی طرف متوجہ ہوئے۔

سلطان نظام الدین اولیاؒ فرماتے ہیں کہ بدایوں میں حضرت شیخ قدس سرہٗ اور قاضی کمال الدین جعفری میں باہم بہت محبت تھی۔ ایک روز آپ قاضی صاحب کے مکان پر تشریف لے گئے خادموں نے کہا کہ قاضی صاحب نماز میں مشغول ہیں شیخ نے فرمایا قاضی صاحب کو نماز پڑھنا بھی آتا ہے۔ قاضی صاحب نے جب یہ سنا تو شیخ سے التماس کیا کہ آپ کس طرح فرماتے ہیں کہ نماز پڑھنا نہیں جانتا شیخ نے کہا تم کس کی جانب نماز پڑھتے ہو۔ فرمایا کعبہ کی جانب شیخ نے کہا کعبہ بھی نظر آتا ہے کہ کہاں ہے۔ فرمایا نہیں پس فرمایا اے قاضی فقرا جب تک کہ رب کعبہ کو نہیں دیکھتے اللہ اکبر نہیں کہتے پہلا مرتبہ ان کا یہ ہے کہ نماز عرش کے نیچے پڑھتے ہیں اسی شب قاضی موصوف نے واقعہ میں دیکھا کہ شیخ جلال الدینؒ بالائے عرش نماز پڑھ رہے ہیں صبح ہوتے ہی شیخ کے ہاتھ پر تائب ہوئے اور اپنے لڑکے کو حضرت کا مرید کرایا اس کے بعد شیخ قدس سرہٗ بدایون سے بنگالہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ جب وہاں پہونچے تو اس ملک کی تمام خلقت اُمنڈ آئی اور مرید ہونے لگی۔ حضرت شیخ نے وہاں ایک خانقاہ تیار کی اور لنگر قایم کیا۔ اس کے بعد بندر گاہ دیو محل کی طرف تشریف لے گئے وہاں کفار کا ایک بڑا بت خانہ تھا اور اس ملک کے لوگ جوق جوق اُس کی زیارت کے لئے جاتے تھے۔ شیخ نے تصرف باطنی سے ان بتوں کو شکست کیا اور اس ملک کے تمام کفار کو مسلمان کیا اور وہیں اپنا تکیہ بنایا اور جب انتقال ہوا تو وہیں دفن ہوئے۔ اب تک اس بت خانہ میں قبر مبارک ہے۔ صاحب سیر العارفین لکھتے ہیں کہ ابتک وہاں کی نصف آمدنی آستانہ کے لئے وقف ہے۔ بنگالہ میں جہاں کہیں حضرت شیخ تشریف فرما ہوئے تھے آج تک لوگ وہاں جبین اخلاص خاک پر ملتے ہیں۔ چنانچہ چند جگہ اور زیارت گاہیں مشہور ہیں بعض لوگ غلطی سے آپ کو شمس الدین

تبریزی کہتے ہیں۔ غرض کہ آپ کے کمالات اور خوارق عادات اتنے زیادہ ہیں کہ اس مختصر میں نہیں سما سکتے۔ آپ کے احوال پیران چشت کے ملفوظات میں اکثر جگہ نظر پڑے ہیں۔ چنانچہ جوامع الکلم میں ہے کہ حضرت شیخ جلال الدینؒ جب سفر کرتے کرتے شیخ فرید الدین شکر گنجؒ کے وطن پہونچے تو حضرت گنج شکر اس وقت کم سن تھے۔ شیخ جلال الدینؒ نے پوچھا کہ یہاں کوئی درویش ہیں لوگوں نے کہا ہاں ایک قاضی بچہ دیوانہ ہے۔ یہ سن کر شیخ جلال الدینؒ آپ کے دیکھنے کو آئے اور ایک انار آپ کو دیا۔ آپ اس وقت روزہ سے تھے انار تقسیم کردیا صرف ایک دانہ افطار کے لئے رکھا۔ جب یہ بڑے ہوئے اور حضرت قطب الاسلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں آئے اور آپ سے یہ ذکر کیا تو آپ نے فرمایا۔ اسی ایک دانہ میں تمہارے لئے تمام نعمتیں تھیں۔

آپ کا کلام ہے کہ جس کسی نے صانع کو چھوڑ کر مصنوع سے دل لگایا وہ دنیا کا بندہ ہوگیا۔ آپ نے شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کو ایک خط لکھا تھا جس میں لکھا تھا کہ جس کسی نے عورتوں کے سرینوں سے محبت پیدا کی اُسے کبھی فلاح نہیں ہو سکتی خزینۃ الاصفیا اور مرأۃ الکونین میں آپ کے وصال کی تاریخ ۶۴۲ھ ہجری و چھ سو بیالیس ہجری لکھی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کوہ قاف علم و وقار محیط عشق و اسرار۔ ثانی سفیان ثوری یعنے قاضی حمید الدین ناگوری قدس سرہٗ کا نام نامی محمد بن عطاء اللہ محمود البخاری تھا۔ آپ جامع العلوم ظاہری و باطنی تھے اور ذوق سماع بہت رکھتے تھے۔

صاحب سیر العارفین فرماتے ہیں کہ آپ کے والد ماجد عطاء اللہ محمود سلطان معز الدین سام عرف شہاب الدین غوری کے زمانہ میں بخارا سے دہلی تشریف لائے تھے قاضی صاحب بھی اپنے والد ماجد کے ہمراہ تھے۔ علم ظاہری میں آپ کا نظیر نہ تھا۔ اور درس دیا کرتے تھے۔ جب والد ماجد کا دہلی میں انتقال ہوگیا تو حمید الدین کو ناگور کی

قضاۃ سلطان کی طرف سے ملی۔ چنانچہ تین سال تک آپ برابر قاضی ناگور رہے۔ ایک مرتبہ حضرت سرور کائنات صلعم کو خواب میں دیکھا کہ اپنی طرف بلا رہے ہیں۔ علی الصباح نوکری چاکری کو خیرباد کہکر ترک وتجرید کلی اختیار کی اور سفر اختیار کیا۔ بغداد شریف پہونچکر حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ کی خدمت میں پہونچے۔ مرید ہوئے اور ایک سال خدمت مبارک میں رہ کر تربیت حاصل کی اور دولت خرقۂ خلافت اور فیضان شیخ سے بہرہ اندوز ہوئے۔ اس زمانہ میں خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی بغداد شریف میں تشریف رکھتے تھے۔ آپ سے بے انتہا محبت ہوگئی اور اعتقاد صادق بحد حاصل ہوا۔ اس کے بعد مدینہ طیبہ کا رُخ کیا۔ ایکسال دو ماہ اور سات روز مجاور روضۂ اطہر رہے۔ اس کے بعد مکہ معظمہ گئے اور ایک سال تک وہاں بھی مجاورت کی اور بہت سے اولیاء اللہ سے ملاقات کی اور نعمتیں حاصل کیں۔

حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک روز قاضی حمید الدین ناگوری نے ایک بزرگ کو دیکھا کہ بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں آپ بھی ان کے پیچھے طواف میں مشغول ہوئے اور تبرکاً ان کے قدم بہ قدم رکھتے جاتے تھے۔ اُن بزرگ کو آگہی ہوئی۔ فرمانے لگے کہ حمید الدین متابعت ظاہر کرنی آسان ہے۔ اس شئے کی متابعت کرو جو مجھے طواف میں میسر ہے۔ پوچھا وہ کیا ہے فرمایا ہر قدم پر قرآن ختم کرتا ہوں۔ ان کے دل میں خیال ہوا کہ شاید معانی قرآن سے مراد ہے۔ ان بزرگ نے صفائے باطن سے دریافت کر کے فرمایا کہ موہوماً نہیں بلکہ لفظاً۔ القصہ اس قسم کے بزرگوں سے ملاقات کر کے مراجعت فرمائی اور سیر کنان سلطان شمس الدین التمش کے زمانہ میں دار الخلافہ دہلی میں تشریف لائے یہاں حضرت خواجہ قطب الاسلام بختیار اوشی سے اتفاق صحبت ہوا۔ اور ایسے تعلقات بڑھے کہ حیات وممات میں ایک دوسرے سے جُدا نہ ہوئے۔ چنانچہ ان دونوں بزرگوں کے مزار بھی یکجا واقع ہیں۔

صاحب اخبار الاخیار فرماتے ہیں کہ وے از مصاحبان خاص خواجہ قطب الاسلام بود۔ اگرچہ می گویند کہ وے از سلسلہ سہروردیہ است۔ مرید وخلیفہ شیخ شہاب الدین

سہروردی بود۔ اما بر مشرب وے وجد سماع غالب بودہ است" آپ کے زمانہ میں اس قدر ذوق سماع کسی اور کو حاصل نہ تھا۔ علمائے عصر کو اسی وجہ سے آپ پر خاش ہوگئی حتی کہ آپ کے خلاف ایک محضر تیار کیا۔ مگر آپ کے بعد حضرت سلطان المشایخ نے اس سلسلہ کو قایم رکھا۔ سلطان غیاث الدین تغلق کے زمانہ میں اُن کے خلاف بھی محضر تیار کیا گیا اور وہ تمام محضر جو قاضی حمید الدین کے زمانے میں تیار کئے گئے تھے اس زمانہ میں بھی پیش کئے گئے۔ میر سید اشرف جہانگیر لطایف اشرفی میں فرماتے ہیں کہ خواجہ قطب الاسلام نے بھی خرقۂ خلافت قاضی حمید الدین ناگوری کو عطا کیا تھا۔ اور یہ سب وجد و ذوق اسی نسبت کی وجہ سے تھا۔

حضرت سلطان المشایخ فرماتے ہیں کہ وے بغایت لطیف طبیعت بود بیشتر سخن وے بے لطائف وظرایف نہ بودے" ایک روز شیخ کبیر خوارزمی جو علمائے کبار میں سے تھے اور مولانا برہان الدین بلخی دونوں عراقی گھوڑوں پر اور قاضی حمید الدین ناگوری ایک متوسط القامت خچر پر سوار باہم جارہے تھے۔ کہ شیخ کبیر نے مسکرا کر فرمایا کہ "مرکب شما بسیار صغیر است" قاضی صاحب نے فوراً جواب دیا اگرچہ صغیر است اما بہ از کبیر است" حضرت سلطان المشایخ فرماتے ہیں کہ سلطان شمس الدین کے زمانہ میں ایک درویش کے گھر میں سماع ہورہا تھا۔ اور خواجہ قطب الاسلام اور قاضی حمید الدین ناگوری اور دیگر بزرگ بھی تشریف فرما تھے سب درویش سماع میں مشغول تھے کہ شیخ علی شوریدہ آئے اور خواجہ قطب الاسلام سے کہنے لگے کہ مولانا رکن الدین سمرقندی طالب علموں اور خدمتگاروں کے ہمراہ خود آرہے ہیں کہ درویشوں کو سماع سے جبراً روکیں۔ قاضی حمید الدین نے صاحب خانہ کو طلب کر کے کہا کہ کسی گوشہ میں چھپ جاؤ۔ اور کتنا ہی بلائیں لیکن مت نکلنا۔ اگر مولوی صاحب مالک مکان کے بغیر اجازت گھر میں چلے آئیں گے تو پہلے ہمیں کو ان پر مواخذہ کا موقع ملے گا۔ یہ فرما کر سماع میں مشغول ہوگئے۔ مولانا مذکور دروازہ پر آکر صاحب خانہ کو بلانے لگے لیکن کوئی نہیں آیا اور مجبوراً لوٹنا پڑا

فوائد الفواد میں مذکور ہے کہ قاضی حمید الدین ناگوریؒ کو حضرت بابا گنج شکرؒ کے ساتھ نہایت محبت تھی۔ ایک دن بابا صاحب کا جی چاہا کہ سماع فرمائیں۔ لیکن قوال حاضر نہ تھے۔ شیخ بدر الدین اسحٰقؒ سے فرمایا کہ قاضی حمید الدین نے ایک خط مجھے لکھا تھا اُسے لاؤ اور کھڑے ہو کر پڑھو۔ مکتوب یہ تھا۔ فقیر حقیر ضعیف نحیف محمدؒ عطا کہ بندۂ درویشاں است و از سر و دیدہ خاک قدم ایشاں حضرت گنج شکرنے جو یہ الفاظ سنے ایک حالت ذوق و شوق پیدا ہوئی اور تو جد فرمانے لگے بعد ازاں یہ رباعی پڑھی جو مکتوب میں درج تھی ؎

آں عقل کجا کہ در کمال تو رسد — آں روح کجا کہ در جلال تو رسد
گیرم کہ تو پردہ برگرفتی ز جمال — آں دیدہ کجا کہ در جمال تو رسد

حقایق و معارف میں آپ کی بہت سی تصانیف ہیں۔ چنانچہ آپ کی ایک تصنیف طوالع الشموس ہے۔ اس کتاب حقیقت مآب میں موج بہ موج اسرار حقیقت اور فوج فوج معانی طریقت بیان کئے ہیں اور نہایت خوبی و جامعیت کے ساتھ نود و نہ نام کی شرح بیان فرمائی ہے۔

شیخ نصیر الدین اودھیؒ سے منقول ہے کہ خواجہ قطب الاسلام بختیار اوشیؒ کی وفات کے بعد دہلی میں ایک مرتبہ قحط آپڑا اور غلہ بہت گران ہو گیا اور اکثر لوگ مرنے لگے سلطان شمس الدین نے یہ دیکھکر قاضی حمید الدینؒ اور دیگر بزرگوں کی خدمت میں التماس کیا کہ توجہ فرمائیں تاکہ باران رحمت برسے۔ قاضی حمید الدینؒ نے جواب کہلا بھیجا کہ مجلس سماع آراستہ کی جائے کہ درویش ذوق سماع میں مشغول ہوں اور اللہ تعالیٰ باران رحمت نازل فرمائے سلطان نے یہی کیا جب مجلس گرم ہوئی تو پانی برسنے لگا اور لوگ آسودہ ہوئے کہتے ہیں کہ اس مجلس میں کئی ایک اولیاء اللہ تشریف فرما تھے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ یعنی شیخ علی سنجری مرید خواجہ بزرگؒ قاضی حمید الدین ناگوریؒ۔ شیخ احمد نہروانیؒ۔ شیخ بدر الدین سمرقندیؒ۔ خلیفہ شیخ سیف الدین باخرزیؒ شیخ رکن الدین سمرقندی الفردوسیؒ سید قطب الدین غزنویؒ برادر زادہ شیخ

نور الدین مبارک شیخ نظام الدین ابوالمؤید اور شیخ موئنہ دوز وغیرہ
حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ قاضی حمید الدین ناگوری نے باوجود ان کمالات صوری و معنوی کے سوائے تین اشخاص کے کسی کو مرید نہیں کیا اور یہ تینوں صاحب کشف و کرامات ہوئے۔ ایک شیخ احمد نہروانیؒ۔ دوم شیخ رسن تاب جنھیں بعض لوگ شیخ شاہی موئے تاب بھی کہتے تھے سوم شیخ عین الدین قصاب قدس اللہ ارواحہم۔ قاضی حمید الدین ناگوریؒ کے ایک صاحبزادے تھے جنکا مولانا ناصح الدین نام تھا۔ یہ اپنے والد ماجد کے بعد صاحب سجادہ ہوئے اور طالبوں اور مریدوں کو رشد و ارشاد فرمانے لگے۔ حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ فرماتے ہیں کہ خواجہ قطب الدین اوشیؒ کے وفات کے بعد اور دس برس تک قاضی حمید الدین ناگوریؒ بقید حیات رہے اور شب پنجم ماہ رمضان المبارک بعد ادائے نماز تراویح و وتر سر سجدہ میں رکھا اور جان بحق تسلیم فرمائی۔ آپ کی وفات سنہ چھ سو تیتالیس ہجری (۶۴۳ھ) ہجری میں بزمانہ سلطان ناصر الدین بن سلطان شمس الدین التمش بمقام دار الخلافت دہلی وقوع پذیر ہوئی اور بموجب وصیت پایان مرقد مبارک خواجہ قطب الاسلام بختیار اوشیؒ دفن کئے گئے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

آپ کی تصانیف بہت ہیں۔ ان میں سے طوالع الشموس جو اسماء حسنیٰ کی شرح ہے حقیقت و معرفت سے لبریز ہے اس کا صرف ایک قلمی نسخہ کاتب حروف کی نظر سے گذرا جو سید عطا حسین صاحب بہاری (انجنیر وظیفہ یاب سرکار نظام سلمہ اللہ تعالیٰ) کے پاس ہے۔ اخبار الاخیار میں شیخ عبد الحق علیہ الرحمہ نے طوالع الشموس سے کسی قدر اقتباس کر کے لکھا ہے۔ اس مقام پر چند کلمے تبرکاً و تیمناً درج کئے جاتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

اے برادر عالم سلوک میں جمعیت محال ہے انی ذاھب الیٰ ربی سیھدین پس کسی کو اگر جمعیت نصیب ہو سکتی تو سیھدین نہ کہتے۔ جب بندہ واصل ہو جاتا ہے تو تفرقہ ضلالت کہا جاتا ہے۔ انا الحق و سبحانی اسی معنی کو آشکارا کرتے ہیں جس مقام پر انا کہنا چاہیے وہاں ھو کہنا گمراہی ہے اور جہاں ھو کہنا چاہیے وہاں انا کہنا محال ہے

اے برادر حس کا اشارہ محسوسات کی طرف ہوتا ہے اور وہم کا اشارہ موہومات کی طرف ہوتا ہے اور عقل کا اشارہ معقولات کی طرف ہوتا ہے۔ خالق جل وعلی کی ذات پاک ان عوالم سے نسبت نہیں رکھتی پس اس کی طرف اشارہ کرنا شرک کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے اگر وہ غائب ہے تو کسکی طرف تم اشارہ کرتے ہو اور اگر حاضر ہے تو اشارہ کرنے کی کیا ضرورت ہے خالق الخلق ہم سب کو دیکھتا ہے لیکن اسے کوئی نہیں دیکھتا۔ خدائے عزوجل کی عزت کی قسم اس کی طرف اشارہ کرنا بس غفلت دل ہی سے ہوتا ہے لا الہ الا اللہ جس دل پر اس کی عظمت کی تجلی ہوتی اُسے اُس کی یادداشت کی پرواہی نہ رہتی۔ چونکہ دل یادداشت سے باز نہیں رہ سکتا اس لئے زبان کبھی یاد کرنے سے باز نہیں رہ سکتی۔

اے برادر تو اپنے آپ کو بھول جا اور چپ رہ۔ یہی خود فراموشی عجیب طرح پر یاد کرنے میں داخل ہو جائیگی اذکر ربک اذا نسیت۔ قیل اذا نسیت نفسک۔ اے عزیز اسم ہو اس ذات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جو موجود ازلی ہست لم یزلی۔ موصوف باوصاف کمال ومقدس از نقائص وزوال ہے وہ ایسا موجود ہے کہ اس کی ازلیت کی ابتدا نہیں ہے۔ اور ایسا ہست ہے کہ اس کی ہمیشگی کی انتہا نہیں ہے اور ھو وہ پیارا اسم ہے جو غیب کے پردوں سے عالم ظہور میں آیا ہے۔ اے برادر یہی اسم ھو اسم ذات مطلق ہے۔ یہ نہ مشتق ہے اور نہ معلوم۔ اسم مشتق اشتراک غیر سے خالی نہیں ہوتا اور وحدت کی بنیاد بلند اس پر قائم نہیں ہوتی۔ تمام عشاق کا اتفاق ہے کہ اسم معظم جو مشتق نہیں ہے اور سوائے وحدت مطلق اور کسی پر جس کا اطلاق نہیں ہے۔ اس نسبت کے لحاظ سے یہی ھو اسم معظم ہے۔ جو اسم کسی چیز سے مشتق نہیں ہے وقت طلب طالب کی نظر دو چیزوں پر پڑتی ہے اور عقل کا حق یہ ہے کہ جب کسی چیز پر نظر ڈالے تو جب تک اسکی حقیقت معلوم نہ ہو جائے دوسری چیز کی طرف توجہ نکرے۔ یہ لفظ کسی چیز سے مشتق نہیں ہے تا کہ طالب میں دوبینی پیدا کرے۔ طالب کو یہ غیر سے منقطع کر کے مطلوب سے ملا دیتا ہے۔ قل ھو اللہ احد اس میں ھو اللہ اور احد تین اسماء باری تعالی ہیں راہ عشق کے چلنے والے بھی تین ہیں۔ ظالم بمقتصد و سابق مراتب نفوس بھی تین ہیں۔ امارہ لوامہ

ومطمئنہ۔ اسم مقربان سابق کو ملا جو ارباب نفوس مطمئنہ میں۔ اور یہ تو انوار احدیت میں جل بھن گئے ہیں۔ غیر کے دیکھنے سے انہوں نے اپنی آنکھ سی لی ہے اور مقام استغراق میں ہر شئے سے بے شعور ہیں اور اس کے لطف کے نور میں جذب ہو گئے ہیں۔ اسم ھو اسم اللہ کی منتہا ہے جس کی جان بادشاہ کے عشق میں ڈوبی ہوئی ہے وہی اس راز سے آگاہ ہے۔ اے عزیز جس کسی کو کہ ہیبت محبوب کے عالم میں حاضری کی اجازت دیگئی ہے وہ اپنی انانیت میں نہیں پڑتا بلکہ غلبہ مشاہدہ جلال سے گھل جاتا ہے اور اپنے سے بے شعور اور اس نور کے سایہ میں چلا جاتا ہے۔ مقامات وکرامات اور سکر وصحو۔ اور اثبات ومحو اور فنا و بقا اور خوف ورجا اور بسط وقبض اور نفل وفرض اور انس وہیبت اور سرور وھیبت کی اس کی طرف اضافت نہیں ہو سکتی۔ جیسا محبوب بے نشان ہے وہ بھی بے نشان ہو جاتا ہے۔ اے برادر جو اسے پہچان لیتا ہے شان بیچونی سے پہچانتا ہے۔ بے چوں کی طرف اشارہ کرنا محال ہے اور بیچوں کی حقیقت عبارت میں لانا ضلال ہے۔ انجام کار یہی کہنا پڑتا ہے لا احصی ثناءً علیك انت کما اثنیت علی نفسك اپنی جان کی قسم اگر شروع ہی میں وہ معنی معلوم ہو جاتے جو انتہائے کار میں زبان کو گنگ کر دیا کرتے ہیں تو ہر روز سو بار استغفار کرنا پڑتا۔ ننیانوے ناموں کے حساب سے ننیانوے بار اور استغفار کے واسطے ایک مرتبہ استغفار۔ اے برادر جس کسی کی زبان مقام تحمید میں نہ کھلی وہ مقام توحید میں کیا دم مار سکتا ہے لا احصی ثناءً علیك لا الہ الا اللہ۔

احب مناجات الحبیب باوجہ ولکن لسان العاشقین کلیل

یعنی اپنے حبیب سے میں طرح طرح پر مناجات کرنا پسند کرتا ہوں لیکن کیا کروں عاشقوں کی زبان گنگ ہو جاتی ہے۔

ما ہر چہ داشتیم فدائے تو کردہ ایم	جاں را اسیر بند ہوائے تو کردہ ایم
ما کردہ ایم ترک خود و ہر دو کون نیز	وینہا کہ کردہ ایم برائے تو کردہ ایم

حضرت شمس الدین محمد تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

مولائے اعزداعی الی الخیر۔ خلاصۃ الارواح۔ سر المشکواۃ والزجاجہ والمصباح شمس الحق والدین نور اللہ فی الاولین والآخرین کاملین روزگار سے تھے۔ آپ کا اسم مبارک محمد اور آپ کے والد ماجد کا نام علی بن ملک داؤد تبریزی تھا۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آپ کے سلسلہ آبائی کی تحقیق نہ ہو سکی بعض کہتے ہیں کہ آپ کے والد ماجد خاوند علاء الدین کیا بزرگ اسید کی اولادیں سے تھے۔ مولانا علاء الدین نے اپنی تمام کتابیں اور رسالے نذر آتش کر کے ان مقامات کا رخ کیا جہاں سخت کفر و الحاد تھا۔ اور اسلام کی اشاعت میں وعظ فرمانے شروع کئے اور خواجہ شمس الدین کو جو اس وقت نہایت حسین و جمیل نوجوان لڑکے تھے تبریز بھیجدیا۔ بعض کہتے ہیں کہ خواجہ شمس الدین کی ولادت یہیں تبریز میں ہوئی تھی۔ جہاں آپ کے والد بزازی کا پیشہ کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ نے[1] حضرت بابا کمال جنیدی۔ حضرت ابو بکر سلہ باف اور حضرت رکن الدین سنجاسی رحمہم اللہ علیہم اجمعین سے تحصیل علوم فرمائی ہے۔

---

[1] ۔ دولت شاہ سمرقندی حضرت شمس الدین تبریزیؒ کے شجرہ معرفت کو اس طرح بیان کرتے ہیں ۔

(۱) حضرت رکن الدین سنجاسیؒ (۲) حضرت ضیاء الدین ابو النجیب سہروردیؒ (۳) حضرت احمد غزالیؒ (۴) حضرت ابو بکر نساجؒ (۵) حضرت ابو القاسم گورگانیؒ (۶) حضرت ابو عثمان مغربیؒ (۷) حضرت ابو علی کاتبؒ (۸) حضرت ابو علی رودباریؒ (۹) حضرت ابو القاسم جنید بغدادیؒ۔ (۱۰) حضرت سری سقطیؒ (۱۱) حضرت ابو محفوظ معروف کرخیؒ۔ یہاں سے دو شاخیں ہو جاتی ہیں۔ ایک حضرت امام علی ابن موسیٰ رضا کے سلسلہ سے حضرت سرور کائنات صلعم تک پہونچتی ہے۔ اور دوسری حضرت ابو سلیمان داؤد طائیؒ۔ حضرت حبیب عجمیؒ۔ حضرت حسن بصریؒ اور حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے جناب رسالت مآب صلعم تک پہونچتی ہے ۱۲

صاحب نفحات کی تحقیق میں آپ حضرت شیخ ابو بکرؒ سلہ باف تبریزی کے مرید تھے۔ لیکن بعض کہتے ہیں کہ آپ شیخ رکن الدین سنجاسیؒ کے مرید اور شیخ اوحد الدین کرمانیؒ کے پیر بھائی تھے لیکن بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ کو بابا کمال جندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیعت تھی۔ یہ اختلاف جو کچھ ہو مگر اتنا ضرور تھا کہ آپ کو ان سب بزرگوں کی صحبت ملی تھی اور سب سے تربیت حاصل کی تھی۔

اپنی حالت خود آپ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ہنوز در مکتب بودم مراہق نہ شدہ بودم اگر چہل روز بر من گذشتے از عشق سیرت محمدیؐ مرا آرزوئے طعام نبودے واگر سخن طعام گفتندے بدست و سر منع آں کردمے"

آخر حال میں آپ ہمیشہ سفر میں رہتے حتیٰ کہ لوگ آپ کو پرندہ کہنے لگے تھے اور سیاہ نمد پہنا کرتے تھے اور جہاں کہیں پہونچتے کاررواں سرائے میں قیام فرماتے۔ ایک مرتبہ بغداد میں حضرت شیخ اوحد الدین کرمانی (رحمۃ اللہ علیہ) سے ملاقات کا اتفاق ہوا۔ آپ نے پوچھا "در چہ کاری" انہوں نے فرمایا "ماہ را در طشت آب می بینم" یعنی مظاہر صوری کے قید میں مجھے جلوہ یار نظر آتا ہے۔ مولانا شمس الدین نے فرمایا "اگر بر گردن دنبل نہ داری چرا بر آسمان نہ می بینی" یعنی کیوں آپ غیر مظاہر صوریہ میں اس کی علو ذات و اسماء و صفات کا جلوہ نہیں دیکھتے۔ کیونکہ کمال عدم حصر میں ہے نہ کہ تقیید میں۔

جس زمانہ میں مولانا شمس الدین حضرت بابا کمال جندی کی صحبت میں رہا کرتے تھے شیخ فخر الدین عراقیؒ بھی اپنے پیر حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے حکم سے یہاں تشریف لائے تھے۔ جو باب کہ عراقی پر کشادہ ہوتا اور جو کشف کہ انہیں حاصل ہوتا آپ اسے نظم و نثر کے بہترین لباس میں ظاہر فرماتے اور بابا کمال جندیؒ کے حضور میں پیش کرتے لیکن شیخ شمس الدینؒ نے کبھی کوئی امر ظاہر نہیں فرمایا۔ ایک روز بابا کمالؒ نے ان سے پوچھا "بیٹا شمس الدین جو اسرار حقائق کہ فخر الدین پر ظاہر ہوا کرتے ہیں تم پر بھی کچھ ظاہر ہوتے ہیں

ہیں۔ انہوں نے جواب دیا اس سے زیادہ مشاہدہ کرتا ہوں لیکن فخرالدین عراقی اسی زبان کا بہترین لباس پہنا کر جلوہ دیتے ہیں۔ میں یہ نہیں کر سکتا۔ مجھ میں اس کی قوت نہیں۔ بابا کمال نے ارشاد فرمایا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ تمہیں ایک ایسا مصاحب عطا فرمائیگا جو معارف وحقایق اولین وآخرین تمامے نام سے ظاہر کرے گا۔ حکمۃ ازلی کے چشمہ اس کی زبان سے جاری ہوں گے اور حرف وصوت کا لباس اختیار کرینگے جس کا طراز تمہارا نام ہوگا۔[1]

آپ علم ظاہری نہیں رکھتے تھے۔ مگر علم باطن میں کمال حاصل تھا اور ایسا عجیب وغریب جوش وخروش اندر تھا کہ جب کلام کرتے تو معلوم ہوتا کہ گویا روح القدس بول رہا ہے۔ تمام سامعین مسخر ہو جاتے۔ آپ کی حالت کو بعض علمار یورپ نے سقراط سے مشابہت دی ہے اور کہتے ہیں کہ دونوں کا اثر بڑے بڑے زکی اور فہیم لوگوں پر عجیب طرح سے پڑا کرتا تھا۔ سقراط اور حضرت خواجہ شمس الدین دونوں علوم ظاہری کو بیکار تصور کرتے تھے اور باطنی نور کے طلبگار۔ اور عشق ومحبت کے میدان میں فرد فرید تھے۔

یہ اوپر بیان ہوا کہ مولانا شمس الدین تبریزیؒ سفر بہت کرتے تھے۔ چنانچہ ایک سفر کے اثنا میں ایک مرتبہ ۶۴۲ھ میں قونیہ پہونچے اور سرائے شکر ریزان میں قیام فرمایا۔ اس زمانہ میں مولانا جلال الدین بلخی الرومی درس وتدریس میں مشغول رہا کرتے تھے ایک دن کا ذکر ہے کہ مولانا روم نہایت جاہ جلال سے علماء وفضلائے عصر کے مجمع کے ساتھ اس سرائے کے پاس سے گزر رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر مولانا شمس الدین سامنے آئے اور گھوڑے کی لگام پکڑ کر یہ پوچھنے لگے کہ اے مسلمانوں کے امام حضرت بایزید بزرگتر تھے یا حضرت رسول خدا صلعم۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اس سوال کی ہیبت سے گویا ساتوں آسمان مجھ پر لوٹ پڑے اور ایک آتش عظیم باطن میں

---

[1] دیوان شمس تبریز جو مولانا رومؒ کی تصنیف ہے اسی دعا کا نتیجہ ہے ۱۲

پیدا ہوئی جو دماغ تک پہونچ گئی اور اس کا دھواں ساق عرش تک پہونچا۔ بہرحال میں نے جواب دیا کہ حضرت رسول خدا صلعم بزرگ ترین عالمیان ہیں بایزید سے کیا مقابلہ مولانا شمس الدین نے فرمایا پھر اس کے کیا معنی ہیں حضور پر نور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ماعرفناک حق معرفتك اور حضرت بایزید فرماتے ہیں سبحانی ما اعظم شانی وانا سلطان السلاطین میں نے کہا بایزید کی پیاس ایک چلو میں بجھ گئی لیکن حضور سرور کائنات صلعم کو استسقائے عظیم اور تشنگی در تشنگی تھی۔ اور سینہ مبارک بنحوائے الم نشرح لك صدرك بمنزلہ ارض اللہ واسعۃ کے ہو گیا تھا۔ اسی لئے آپ کی پیاس نہیں بجھی اور روز زیادتی قربت کی استدعا ہوتی تھی۔ مولانا شمس الدینؒ نے یہ سن کر ایک نعرہ مارا اور گر پڑے۔ مولانا یہ دیکھ کر سواری سے اتر پڑے اور شاگردوں کو حکم دیا کہ آپ کو اٹھا کر مدرسہ لے چلیں اور جبتک ہوش نہیں آیا اُن کا سر مبارک برابر اپنے زانو پر لیے رہے۔ مولانا شمس الدین کو جب ہوش آیا تو مولانا روم اُن کا ہاتھ پکڑ کر خلوت میں لے گئے اور تین ماہ تک برابر رات دن صوم وصال میں بیٹھے رہے اور اصلا باہر نہیں آئے لیکن کسی کی اتنی مجال نہ تھی جو دخلت کر سکتا۔ ایک روز مولانا شمس الدین نے فرمایا کہ ایک شاہد ہمارے لئے لاؤ مولانا نے اپنی حرم کا ہاتھ پکڑا اور سامنے لیگئے۔ حضرت شمس تبریز نے فرمایا یہ تو میری خواہر جانی ہے۔ کسی نازنین لڑکے کو لاؤ مولانا نے اپنے لڑکے سلطان ولد کا ہاتھ پکڑا اور سامنے لے گئے لیکن حضرت شمس تبریزؒ نے فرمایا یہ تو ہمارا فرزند جانی ہے۔ اچھا اب تھوڑی شراب لاؤ۔ مولانا باہر آئے اور یہودیوں کے محلہ سے ایک سبو بھر کر لے گئے شمس تبریز نے یہ دیکھکر فرمایا کہ میں مولانا کی قوت مطاوعت اور وسعت مشرب کا امتحان کرتا تھا۔ جتنا سنا تھا اس سے ہزار درجہ زیادہ پایا۔

فرماتے ہیں کہ ان مشائخ سے میں پوچھتا ہوں کہ لی مع اللہ وقت الخ یعنی مرا باحق سبحانہٗ تعالیٰ حالی می باشد کہ درآں حال نہ ملک مقرب گنجد و نہ نبی مرسل اس حدیث پاک کا مصداق ہمیشہ رہتا ہے یا نہیں مگر انھوں نے جواب دیا کہ

نہیں ہمیشہ یہ حالت نہیں رہتی۔ آپ نے فرمایا کہ امت نبوی صلعم سے ایک درویش کو کسی نے یہ دعا دی کہ "خدائے تعالیٰ ترا جمعیت دہاد اُس نے کہا ہے ہے ایں دعا مکن۔ مراد عا کن کہ یارب جمعیت از من دار" یعنے اے خدا مجھے تفرقہ عطا فرما اس لئے کہ میں جمعیت کی حالت سے عاجز آگیا ہوں۔

مشہور ہے کہ جب حضرت مولانا شمس الدین تبریزی قونیہ میں پہونچے اور مولانا روم کے پاس آئے۔ اُس وقت مولانا حوض کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے اور سامنے چند کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ انھوں نے پوچھا یہ کون سی کتابیں ہیں مولانا نے جواب دیا اسے قیل و قال کہتے ہیں تمہیں ان سے کیا کام۔ مولانا شمس الدین نے ہاتھ بڑھا کر تمام کتابیں پانی میں ڈالدیں۔ مولانا روم نے تاسف کر کے فرمایا کہ اے درویش تم نے یہ کیا کیا۔ ان میں سے بعض فوائد میرے والد ماجد کے تھے جواب نہیں مل سکتے حضرت شمس تبریزیؒ نے یہ سُن کر پانی میں ہاتھ ڈالا اور ایک ایک کر کے تمام کتابیں نکال دیں جن میں پانی کا کوئی اثر بھی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ حضرت مولانا روم نے حیرت سے پوچھا کہ اس میں کیا بھید ہے۔ خواجہ شمس الدین نے فرمایا یہ ذوق و حال ہے تمہیں اس کی کیا خبر۔ اس کے بعد جیسا کہ اوپر مذکور ہوا آپ میں ایک عرصہ تک صحبت رہی۔

خواجہ شمس تبریزؒ کی وفات کا حال صاحب نفحات اس طرح لکھتے ہیں کہ ایک شب آپ مولانا کے ساتھ خلوت میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے دروازے کے باہر سے شیخ کو اشارہ کر کے بلایا آپ فوراً اُٹھے اور مولانا سے کہنے لگے کہ مجھے قتل کرنے کو بلاتے ہیں۔ مولانا نے کچھ توقف کر کے فرمایا الا لہ الخلق والامر تبارک اللّٰہ رب العالمین باہر سات آدمی ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے کمین گاہ میں کھڑے تھے۔ خواجہ شمس الدین تبریزیؒ پر حملہ کیا اور کام تمام کیا۔ شیخ نے اسی حالت میں ایک نعرہ مارا کہ وہ سب کے سب بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ انہیں ساتوں میں ایک علاء الدین محمد مولانا روم کے فرزند تھے جن کے متعلق صاحب نفحات فرماتے ہیں کہ انہ انہ لیس من اھلک انسام داشت۔ جب یہ لوگ ہوش میں آئے تو

سوائے چند قطرۂ خون کے کچھ نہیں دیکھا۔ یہ واقعہ ۶۴۵ھ میں ہوا۔ بدبخت قاتل بھی کسی نہ کسی بلا میں گرفتار ہو کر ہلاک ہو گئے۔ علاء الدین محمدؒ یحیٰی ایک عجیب مرض میں گرفتار ہو کر اسی زمانہ میں مر گئے لیکن مولانا روم اُن کے جنازہ پر نہیں تشریف لائے۔

بعض کا بیان ہے کہ خواجہ شمس الدین تبریزیؒ کا مزار مولانا بہاء الدین ولدؒ کے مزار کے ایک جانب واقع ہے اور بعض کہتے ہیں کہ قاتلوں نے آپ کے جسم مبارک کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ایک کوئیں میں ڈال دیئے تھے۔ ایک شب حضرت سلطان ولدؒ نے خواب میں دیکھا کہ خواجہ شمس الدین فرماتے ہیں میں فلاں چاہ میں ہوں چنانچہ آپ نے آدھی رات کو یاران حرم کو جمع کیا اور کوئیں سے خواجہ شمس تبریزؒ کی لاش مبارک نکال کر مولانا کے مدرسہ میں بانی مدرسہ امیر بدر الدین کے پہلو میں دفن کر دیا۔

مگر بعض مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت کہیں چلے گئے اور پھر آپ کا پتہ نہ چلا یہی روایت سپہ سالار نے لکھی ہے۔ فیہ مافیہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ "ناپید" ہو گئے واللہ عالم بالصواب۔

شیخ ابو الحسن شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

قطب زمانہ شیخ یگانہ حجت گروہ صوفیہ اہل صفا۔ پیشوائے اصحاب سلوک اہل فنا علمبردار اہل عیاں، زینت اصحاب عرفاں۔ زمزم اسرار۔ معدن انوار۔ دستگیر ادانی واعالی شیخ ابو الحسن علی الشاذلی قدس سرہٗ العزیز اپنے زمانہ کے جامع مراتب قطبیت وغوثیت تھے۔ طبقات الکبریٰ میں امام عبد الوہاب شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ آپ کا نام علی بن عبد اللہ بن عبد الجبار شاذلی تھا۔ اسکندریہ (مصر) کے قریب شاذلہ ایک گاؤں کا نام ہے۔ وہاں کے رہنے والے تھے) آپ تقریباً ۵۹۳ھ (پانسو ترانوے ہجری) میں شمالی افریقہ کے شہر مرسیہ کے قریب ایک گاؤں میں جس کا نام عمان ہے پیدا ہوئے۔ آپ مشائخ سلسلہ شاذلیہ کے شیخ الطائفہ ہیں۔ صاحب نفحات الانس

لکھتے ہیں کہ آپ سادات حسنی میں سے تھے۔ کتاب جامع الاصول میں آپ کا نسب یہ درج ہے۔ ابوالحسن علی الشاذلی بن عبداللہ بن عبدالجبار بن تمیم بن ہرمز بن حاتم بن قصی بن یوسف بن یوشع بن ورد بن علی بن احمد بن محمد بن عیسیٰ بن ادریس بن عمر بن ادریس بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن امام حسنؑ بن سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ۔ ایک جماعت کثیر آپ کی صحبت سے فیضیاب ہوکر مراتب اعلیٰ کو پہونچے اور بڑے اولیا اور مشائخ نے آپ سے فیض حاصل کیا اوراد حزب البحر آپ ہی کے جمع کردہ ہیں۔ ابن یتمیہ آپ کا ہمعصر تھا۔ اس نے آپ کی سخت مخالفت کی مگر اس مخالفت سے خدائے عزوجل نے آپ کی حفاظت فرمائی اور کوئی گزند نہیں پہنچا۔ آپ نے دو شیخوں سے خرقہ پہنا ہے۔ ایک ابوعبداللہ محمد بن شیخ ابوالحسن معروف بابن حرازمؒ سے اور دوسرا شیخ ابوعبداللہ عبدالسلام بن مشیشؒ سے۔ پہلا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہونچتا ہے اور دوسرا سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ تک جاتا ہے۔ آپ کا شجرہ طریقہ یہ ہے۔ آپ کے پیر سید عبدالسلام نے سید عبدالرحمٰن مدنی حسنی سے خرقہ حاصل کیا۔ انہوں نے شیخ تقی الدین سے۔ انہوں نے شیخ فخرالدین سے انہوں نے شیخ نورالدین ابوالحسن علی سے انہوں نے شیخ تاج الدین محمد سے۔ انہوں نے شیخ شمس الدین محمد سے انہوں نے شیخ زین الدین قزوینی سے انہوں نے شیخ ابواسحٰق ابراہیم البصری سے انہوں نے شیخ ابوالقاسم احمد روانی سے۔ انہوں نے شیخ سعید سے انہوں نے شیخ ابومحمد فتح السعودی سے انہوں نے شیخ سعد الغزوانی سے انہوں نے شیخ ابومحمد جابر سے انہوں نے جناب امام حسنؑ انہوں نے اپنے والد سے رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

ابن صباغ۔ مراۃ الاسرار میں لکھتے ہیں کہ میں نے شیخ بن الغرائم سے آپ کا حلیہ مبارک سنا ہے۔ آپ کا رنگ گیہواں تھا۔ جسم مبارک نحیف قد لمبا۔ رخسارے کم گوشت اور ہاتھوں کی اُنگلیاں لمبی تھیں۔ زبان فصیح اور کلام شیریں تھا۔ کلام کرتے وقت جب محو ہوجاتے تو فرمایا کرتے الا رجل من الاخیار یعقل عنا ہذا الاسرار هلموا الی رجل سیرہ الی بحر الانوار یعنی کیا ایسے کوئی نیک آدمی ہیں

جو ہم سے ان اسرار کو اکر سمجھے۔ اے لوگو اس شخص کی طرف آؤ جس کی سیر کبر انوار کی طرف ہے۔ نیز یہ بھی کبھی کبھی دوران وعظ میں کہا کرتے تھے کہ میں نے یہ میراث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پائی ہے اور آسمانوں کے خزانوں کا مالک ہو گیا ہوں۔ اگر جن والانس قیامت تک مجھ سے یہ اسرار لکھتے رہیں تو لکھیں۔ وہ آخر کار تھک جائیں گے اور سیر ہو جائیں گے۔

آپ بچپن ہی میں شہر تونس چلے گئے تھے۔ پھر بلاد مشرق کی طرف گئے۔ متعدد حج کئے۔ عراق عرب میں شیخ ابوالفتح واسطی سے ملے۔ فرماتے ہیں کہ تمام عراق میں شیخ ابوالفتح واسطی کے مثل کوئی نہیں مجھے نظر پڑا۔ میں قطب وقت کو پوچھتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ تو تمہارے ہی ملک میں ہیں یہ سن کر میں بلاد مغرب کی طرف واپس ہوا۔ اور شیخ ابو محمد عبد السلام کی خدمت مبارک میں پہونچا آپ پہاڑ کی چوٹی پر ایک غار میں ان دنوں رہا کرتے تھے۔ میں نے دامن کوہ میں ٹھیر کر غسل کیا اور علم و عمل دونوں کے خیال کو بالائے طاق رکھکر فقیرانہ طریق پر پہاڑ پر چڑھا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت میری ہی طرف اُترتے آرہے ہیں اور مجھے دیکھتے ہی مرحبا یا علی یعنے تم خوب آئے اور میری نسبت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی بیان فرمائی اور کہا تم عمل و علم دونوں کا خیال ترک کر کے ہمارے پاس آئے ہو تم دنیا و آخرت کے مناکحوں سے ہوئے۔

جامع الاصول کمشخانوی میں ہے کہ آپ کا طریقہ عجیب تھا۔ علم و عمل۔ حال و مقام ہمت و مقال اس میں جمع فرماتی تھی۔ یہ طریقہ جذب و مجاہدہ و عنایت پر مشتمل ہے۔ ادب و قرب و تسلیم پر محتوی اور ظاہر و باطن کے علوم سے مضبوط کیا گیا ہے اور تمامتر ہدایہ۔ اسرار کرامت و قرب ہی ہے۔ اس طریقہ کی بنیاد طلب علم و کثرت ذکر و حضور پر ہے۔ مجاہدے بہت نہیں ہیں۔ اس لئے کہ نفس میں جو کچھ اصلی نور ہوتا ہے وہ نور علم و نور ذکر سے قوی کیا جاتا ہے۔ اور باوجود مشاغل ظاہری کے قوت یقین۔ کثرت عرفان و فتح انوار کی زیادتی اور قلوب کا تزکیہ شاغل کو نصیب ہوتا ہے۔ اس طریقہ کے لوگ اپنے اقوال میں محفوظ اور اپنے اعمال کے محافظ نظر آتے ہیں۔ اور اُن کے قلوب اسرار

علوم سے لبریز اور حقایق و حکم سے منور رہوتے ہیں۔

طبقات الکبری میں ہے کہ شیخ ابوالحسن شاذلیؒ نے پہلے تمام ظاہری علوم کو حاصل کیا اور علم مناظرہ میں پوری دستگاہ بہم پہونچائی اس کے بعد گروہ اہل تصوف میں داخل ہوئے۔ شیخ ابوعبداللہ بن نعمان قدس سرہٗ نے آپ کے قطب وقت ہونے کی گواہی دی ہے اور شیخ تقی الدین دقیق العید۔ رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کہ میں نے کسی کو شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ سے بڑھ کر عارف باللہ نہیں دیکھا۔

آپ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا مجھ سے فرماتے ہیں کہ تم مصر جاؤ۔ وہاں چالیس صدیقوں کو تمہاری ذات سے تربیت حاصل ہوگی۔ میں نے عرض کیا حضور گرمی کا موسم ہے۔ اور سخت گرمی پڑ رہی ہے۔ آپ نے فرمایا تمہیں بادل سایہ کئے رہے گا میں نے عرض کیا پیاس کا ڈر معلوم ہوتا ہے فرمایا آسمان تمہارے لئے پانی برساتا رہے گا اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر کرامتوں کا مجھ سے وعدہ فرمایا۔

ایک مرتبہ آپ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے پیر کون ہیں آپ نے فرمایا کہ پہلے میں اپنے آپ کو شیخ عبدالسلام ابن مشیش کی طرف منسوب کرتا تھا مگر اب کسی کی طرف منسوب نہیں کرتا بلکہ دس دریاؤں یعنی محمد ﷺ۔ ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ۔ علیؓ۔ جبرئیلؑ۔ میکائیلؑ۔ عزرائیلؑ۔ اسرافیلؑ اور روح اکبر۔ حضرت شیخ عبدالسلام بن مشیشؒ کو بلاد مغرب میں ابن ابی الطواجن نے قتل کیا ہے۔

شیخ مکین الدین اسمرؒ فرمایا کرتے تھے کہ اور لوگ تو اللہ جل شانہٗ کے دروازہ کی طرف بلاتے ہیں۔ اور شیخ ابوالحسن شاذلیؒ لوگوں کو اللہ جل شانہ کے حضور میں داخل کر دیتے ہیں۔

نفحات الانس میں آپکے زبانی یہ روایت درج ہے کہ ایک دفعہ میں سفر میں تھا۔ راہ میں ایک شب ایک جنگل میں سو گیا میرے گرد تمام درندے جمع ہوگئے خدائے تعالیٰ سے جیسا انس اس شب مجھے حاصل ہوا پھر نہیں حاصل ہوا۔

صبح جب ہوئی تو مجھے خیال ہوا کہ اللہ جل شانہ کے مقام انس سے مجھے کوئی شئے حاصل ہوئی۔ اس کے بعد جب دو دخانہ پر قیام کیا تو میں نے اس قدر کبک دیکھی کہ پہلے کبھی نظر نہیں آئے تھے میرے پیر کی آواز سنتے ہی وہ سب اڑ گئے حتیٰ کہ ان کی ترس سے مجھے وحشت پیدا ہوئی۔ میں نے اپنے دل سے یہ آواز سنی کہ کل شب درندے تم سے انسیت رکھتے تھے آج کیا ہوا کہ ان کبکوں کے اڑنے سے تمہیں خوف معلوم ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ جواب ملا کہ کل تو تمہارے ساتھ تھا اور ہم سے انس گرفتہ تھا اور اس وقت تو اپنی نفس کے ساتھ ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں نے خدائے عزوجل سے دعا کی کہ میں تیرا شکر گزار بندہ بنا رہوں۔ یہ جواب ملا کہ اس وقت تم شکر گزار بندے ہو گے جب کہ سوائے اپنے کسی کو منعم علیہ نہ سمجھو گے۔ میں نے عرض کی بار الٰہا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ تو نے تو انبیا و علما و ملوک سب پر انعام فرمایا ہے۔ آواز آئی اگر انبیا نہ ہوتے تو کیا تمہیں ہدایت نصیب ہوتی۔ اگر علما نہ ہوتے تو تم کس کی اقتدا کرتے۔ اگر ملوک نہ ہوتے تو تم کیسے امن و امان سے رہتے۔ یہ سب نعمتیں ہماری طرف سے تم ہی پر ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ایک رفیق کے ہمراہ ایک غار میں عبادت کر رہا تھا۔ خدائے عزوجل سے واصل ہونے کی طلب میں مصروف تھے اور کہا کہا کرتے تھے کہ کل فتح یاب ہو گی۔ چنانچہ اسی خیال میں تھے کہ یکایک ایک شخص آیا جس جس کے چہرے سے ہیبت ٹپک رہی تھی۔ ہم نے پوچھا آپ کون صاحب ہیں۔ اس نے کہا عبد الملک۔ ہم نے جانا کہ اولیاء اللہ میں سے ہے اور اس سے حال پوچھا اس نے کہا اپنا حال تو کہو اور اس شخص کا بھی کوئی حال ہو سکتا ہے جو کہا کرتا ہے کہ کل فتح نصیب ہو گی اور پرسوں کتنا حاصل ہو گی درآنحالیکہ ایسے نہ ولایت حاصل ہے اور نہ فلاح۔ اسے شخص کس لئے خاص خدائے عزوجل کی پرستش تو خدا کے واسطے نہیں کرتا۔ ہم نے سمجھا کہ ہمارے پاس اسے بھیجنے کا کیا سبب ہے اور توبہ

اور استغفار کی۔ اس کے بعد پھر ہمیں آثار فتح باب نمایاں ہونے شروع ہوئے۔
آپ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت سرور کائنات علیہ الف الف تحیۃ والصلوٰۃ کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں یا علی طھرثیابك من الدنس تحظ بمدد اللہ فی کل نفس یعنی اے علی اپنے کپڑے میل سے پاک کر دتا کہ ہر دم اللہ جل شانہٗ کی مدد سے بہرہ مند ہوتے رہو۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ کونسے کپڑے۔ فرمایا خدائے تعالیٰ نے تمہیں پانچ خلعتیں دی ہیں۔ خلعت محبت خلعت معرفت۔ خلعت توحید۔ خلعت ایمان اور خلعت اسلام۔ جو کوئی خدائے بزرگ و برتر کو دوست رکھتا ہے۔ اس پر ہر چیز آسان ہو جاتی ہے۔ جو اُسے پہچان لیتا ہے اس کے نظر میں ہر چیز خورد معلوم ہوتی ہے جو اُسے ایک سمجھتا ہے وہ کسی کو اس کا شریک نہیں کرتا اور جو اس پر ایمان لاتا ہے وہ ہر شئے سے امین ہو جاتا ہے اور جو شخص اسلام کی صفت سے متصف ہوتا ہے اس سے خدائے عزوجل کا گناہ نہیں سرزد ہوتا اور اگر ہوتا بھی ہے تو وہ فوراً اعتذار کرتا ہے۔ شیخ ابوالحسنؒ فرماتے ہیں کہ میں اب سمجھا کہ اللہ جل شانہٗ کے اس قول وثیابك فطھر کے معنی کیا ہیں۔
آپ فرماتے ہیں کہ ابتدائی حال میں مجھے تردد سا تھا کہ لوگوں میں مل جل کر رہوں۔ یا الگ ہو جاؤں۔ شہر میں رہوں یا جنگل میں رہوں۔ لوگوں سے معلوم ہوا کہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر ایک بزرگ رہتے ہیں۔ میں اُن کی زیارت کو گیا اور رات کے وقت وہاں پہنچا۔ میں نے دل میں کہا کہ رات کے وقت حضرت کے پاس مت جاؤ۔ یہ خیال کر کے غار کے دروازہ ہی پر سو رہا۔ اندر سے میں نے آواز سُنی کہ کوئی دعا مانگ رہا ہے کہ بار خدایا تیرے ایسے بعض بندے ہیں جو تجھ سے چاہتے ہیں کہ خلق ان کی مسخر ہو جائے۔ تو نے خلق کو اُن کی مسخر کر بھی دیا اور وہ لوگ تجھ سے راضی ہو گئے لیکن میں چاہتا ہوں کہ خلق کو میرے لئے بدخو کر دے تاکہ سوائے تیری بارگاہ کے میرے لئے کوئی جائے پناہ نہ رہے۔ یہ سن کر میں نے اپنی نفس سے کہا کہ ذرا اُن کہ یہ شیخ کس سے کیا کہہ رہا ہے۔ جب صبح ہوئی تو میں نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کیا۔ انکی

ہیبت وجلال سے میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ میں نے دریافت کیا کہ سیدی مزاج کیسا ہے۔ فرمایا کہ جس طرح تو خدائے عزوجل کی گرمی تدبیر واختیار کی شکایت کرتا ہے میں اس کی خنکی تسلیم ورضا کی شکایت کرتا ہوں اس وقت میرا یہی حال ہے۔ میں نے پوچھا کہ رضا وتسلیم کی خنکی کسے کہتے ہیں۔ اور کیوں اسکی آپ شکایت کرتے ہیں فرمایا میں ڈرتا ہوں کہ اس کی حلاوت کہیں مجھے خدائے عزوجل سے اپنی طرف مشغول نہ کرلے میں نے عرض کیا کہ اے میرے سردار شب کو میں نے آپ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ بار خدایا تیرے ایسے بعض بندے ہیں جو تجھ سے چاہتے ہیں کہ خلق ان کی مسخر ہوجائے۔ تونے خلق کو اس کی مسخر کر بھی دیا اور وہ تجھ سے راضی ہوگئے۔ شیخ نے یہ سن کر تبسم فرمایا اور ارشاد کیا کہ اے فرزند اللھم سخرلی کی جگہ اللھم کن لی کہا کرو کیا تم خیال کرتے ہو کہ جس کے لئے خود خدا تعالیٰ ہوجائے وہ کسی شئے کا محتاج رہ سکتا ہے۔ اپنا دل کیوں برا کرتے ہو۔ امام یافعی کہتے ہیں کہ میں نے بعض مشائخ سے سنا ہے کہ حضرت ابوالحسن شاذلیؒ جب کسی کے لئے دعا کرتے تھے تو یہ کہا کرتے تھے کہ کان اللہ لک یعنی خدا تمہارا ہوجائے۔ حدیث شریف میں آیا ہے من کان اللہ کان اللہ لہٗ۔

نفحات الانس میں ہے کہ شیخ ابوالحسن یہ فرمایا کرتے تھے کہ جب ہم حق کے ساتھ ہوتے ہیں تو اس وقت مخلوقات میں سے کوئی ہماری نظر میں نہیں رہتا اور اگر کوئی شے بدرجہ مجبوری ہوتی بھی ہے تو جیسے ہوا کے ذرے کہ اگر تم اس کی تفتیش کرو تو کچھ ہاتھ نہ آئے گا یعنے حادث قدیم کے ساتھ اور باطل حق کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا۔ شیخ اس قول سے اس تعلق کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ جس کا حال حضرت سرور کائنات صلعم بیان فرماتے ہیں کہ۔ لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل۔

آپ فرماتے ہیں کہ جس فقیر میں یہ چار باتیں نہ ہوں اسے مٹی سمجھ یعنی چھوٹوں پر رحمت کرنا بڑوں کی خدمت کرنا اپنے نفس سے دوسروں کی داد طلب کرنا اور

خود اپنی نفس کی داد دوسروں سے نہیں چاہتا۔

آپ فرماتے ہیں کہ گو تم سے کوئی گناہ سرزد نہ ہوا ہو مگر ہمیشہ استغفار کیا کرو

آپ کا ارشاد ہے کہ جب کشف کتاب وسنت کا معارض ہو تو کتاب وسنت پر جمے رہو۔ اسی پر اجماع ہے۔

آپ فرماتے ہیں جب حق کے ہاتف تمہیں اپنی طرف کھینچیں تو خبردار غیبی حقائق کے محسوسات سے دلیل طلب نہ کرنا اور ان کو رد نہ کرنا ورنہ جاہل رہ جاؤ گے۔

آپ نے فرمایا کہ اگر تم خدا کے بندے ہو اور تمہارے پاس علم وعمل کچھ نہیں ہے تو تمہیں کچھ پرواہ نہیں علم میں علم توحید اور عمل میں اللہ اور اس کے رسول اور صحابۂ رسول کی محبت اور جماعت کی نسبت حق ہونے کا اعتقاد کافی ہے اور جب تک یہ نہ ہو کہ تمہارے علم جد وجہد کے ساتھ تمہارے قلب میں کوئی تعلق باقی رہے اور اللہ جل شانہٗ کے سوا سب سے ناامید نہ ہو جاؤ اس وقت تک تم کو نہ روحانی راحت پہنچے گی اور نہ مدد اور نہ مردوں کا مقام نصیب ہو گا۔

آپ نے فرمایا کہ جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مملکت میں کوئی گناہ نہ کرے وہ گویا پسند کرتا ہے کہ اللہ جل شانہ کی مغفرت ورحمت ظاہر نہ ہو اور نبی صلعم کی شفاعت بھی ظاہر نہ ہو۔

آپ کا ارشاد ہے کہ قبض کے اسباب تین ہیں۔ گناہ جس کا تم نے ارتکاب کیا ہے یا دنیا[1] جو تم سے چلی گئی ہو یا کوئی شخص ہے جو تمہاری جان یا آبرو کی نسبت تمہارے درپے آزار ہے پس اگر تم نے گناہ کیا ہے تو استغفار کرو اور اگر دنیا چلی گئی ہے تو

---

[1] امید وبیم کی حالت سے ترقی کرنے میں عارف پر قبض وبسط کی دو حالتیں طاری ہوتی ہیں۔ عارف کے لئے قبض وبسط ایسا ہی ہے جیسا کہ مثامن کے لئے خوف۔ ان دونوں میں صرف فرق یہ ہے کہ امید وبیم آئندہ کی مکروہ یا محبوب امر سے متعلق ہوتی ہے اور قبض وبسط موجود فی الوقت امر کے متعلق ہوتا ہے جس کا غلبہ واردات غیبی کی طرح عارف کے قلب پر ہوتا ہے۔ (نعمت عظمیٰ)

اپنے رب کی طرف رجوع ہو اور اگر تم پر ظلم کیا گیا ہو تو صبر و تحمل کرو اور اگر اللہ جل شانہٗ تمہیں قبض کے سبب پر مطلع نہ فرمائے تو اجرائی احکام الٰہی کے تحت مقیم رہو وہ چلتا پھرتا بادل ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلعم کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا کہ حضور متابعت کسے کہتے ہیں آپ نے فرمایا کہ متبوع کو ہر شئے کے نزدیک۔ ہر شئے کے ساتھ اور ہر شئے میں دیکھنا۔ آپ سے کسی نے پوچھا کہ پیر کسے کہتے ہیں آپ نے فرمایا کہ پیر وہ ہے جو تمہیں مصیبت کی نہیں بلکہ راحت کی راہ دکھائے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب تمہیں اپنی ظاہری یا باطنی احوال میں سے کوئی حال اچھا معلوم ہو اور تمہیں اندیشہ ہو کہ کہیں یہ زائل نہ ہو جائے تو ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ پڑھا کرو۔ آپ فرماتے ہیں کہ عالم اس گروہ کی راہ میں صرف اس وقت چل کر کمال کو پہونچ سکتا ہے جبکہ کسی برادر صالح یا پیر ناصح کی صحبت ہو۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ راہ نہ رہبانیت کی راہ ہے اور نہ جوار اور بھوسہ کھانے کی۔ یہ راہ اوامر پر صبر کرنے اور ہدایت کی نسبت یقین رکھنے سے طے ہوتی ہے وجعلناھم ائمۃً یھدون بامرنا لما صبروا وکانوا بآیٰتنا یوقنون یعنی اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے کہ ہم نے ان میں سے پیشوا بنائے تھے کہ ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے تھے۔ جب کہ وہ ایذاؤں پر صبر کئے رہے اور ہماری آیتوں کا یقین بھی رکھتے تھے۔

آپ فرماتے ہیں کہ مومنوں کی جماعت کو نہ چھوڑو گو وہ گنہگار و بدکار ہی کیوں نہ ہوں۔ ان پر حدود قائم کرو اور اگر انہیں چھوڑو تو ان پر رحم کی وجہ سے نہ کہ اپنے آپ کو اُن سے بڑا سمجھ کر یا انہیں سرزنش کرنے کے خیال سے۔

آپ فرماتے ہیں کہ جس اسم کے ذریعہ سے تم کوئی نعمت حاصل کرنا چاہو یا کسی زحمت سے بچنا چاہو وہ ذات اور توحید بالصفات سے ایک حجاب ہے۔ مگر یہ مراتب و مقامات والوں کے لئے ہے اور عام مومنین اس سے علحدہ ہیں اور اپنی اپنی حدود کی طرف رجوع کرنے والے ہیں اور اللہ جل شانہٗ اُن کی اجروں میں سے کچھ کم کرنیوالا

نہیں ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جس نے نماز و روزہ پر اجرت و رشوت لی اور سر جھکانے اور ذکر میں مشغول ہونے کے وقت لوگوں کی نگاہیں پڑنے سے لطف اٹھایا اس کے لئے کوئی اجر نہیں ہے۔ اللہ جل شانہ کو سب سے زیادہ ناپسند وہ شخص ہے جو صبح کے وقت طاعت کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی چاپلوسی اس لئے کرتا ہے اس سے اپنی مسرت مطلوب ہے۔ دیکھو اپنے آپ کو بار بار گناہ میں پڑنے سے بچاؤ کیوں کہ جو شخص حدود الٰہی سے تجاوز کرتا ہے وہی ظالم ہے اور ظالم امام نہیں ہوتا۔ جس نے گناہ ترک کر کے اور جس حالت میں بتلا کیا گیا ہے اس پر صبر کیا اور اللہ جل شانہ کے وعدہ وعید کا یقین کیا وہی امام ہے۔ گو اس کے پیرو تھوڑے ہوں۔

آپ فرماتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی طرف ایمان و ایقان کی بصیرتوں سے دیکھتے ہیں اس لئے دلیل و برہان سے بے نیاز ہیں۔ بصیرت کا بھی یہی حال ہے جو بصارت کا ہے یعنی جس طرح آنکھ میں ادنیٰ سی چیز کے پڑ جانے سے نگاہ میں فتور پیدا ہو جاتا ہے اسی طرح برائی کی صفت کا خطرہ بصیرت کی نگاہ میں خلل انداز ہوتا ہے۔ فکر و ارادہ کو دھندلا اور نیکی کو سرے سے غائب کر دیتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ چیزوں کو صفات میں اسی طرح مرکوز تصور کرو جس طرح وہ اپنے وجود سے پہلے تھیں۔ بعد اس کے نگاہ دوڑاؤ تو کیا تم کو ذات کے لئے کوئی مقام یا ہستی کی کوئی ہستی یا اس چیز کی کوئی شان دکھائی دیگی۔ بس یہی حال وجود کے بعد بھی ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ تصوف نفس کو بندگی کا خوگر کرنا اور احکام ربوبیت کی طرف پھیر لانا ہے۔ صوفی اپنے وجود کو اس طرح دیکھتا ہے جس طرح ہوا میں اڑنے والے ذروں کو جو نہ معدوم ہیں اور نہ موجود۔ اور جس نے وجود کو پالیا وہ ہر موجود سے فنا ہو گیا اور جو وجود کے ساتھ ہوا ہے اس کے لئے ہر موجود ثابت ہوا۔

آپ فرماتے ہیں کہ جبتک بندے کی ساتھ خواہشوں میں سے کوئی خواہش اور اپنی مشیتوں میں سے کوئی مشیت رہیگی وہ ہرگز اللہ جل شانہ تک نہ پہونچے گا جو پرہیزگاری کے تمہارے حق میں علم و نور نہ پیدا کرے اس کا کوئی اجر شمار میں نہ ا

اور جس برائی کے بعد خوف اور اللہ تعالیٰ کی جانب بھاگنا و تورع میں آئے اس کا کوئی وبال حساب میں نہ لو۔ آپ فرماتے ہیں کہ جبتک کہ تجھے اوپر نہ چڑھایا جائے اوپر نہ جا ورنہ تیرا قدم پھسل جائے گا۔

آپ فرماتے ہیں کہ نفس کے چار مرکز ہیں۔ ایک خواہش نفسانی کے لئے مخالفتوں میں ہے۔ دوسرا خواہش نفسانی کے لئے طاعتوں میں ہے تیسرا مرکز آرام کی طرف میلان میں ہے اور چوتھا مفروضات کے ادا کرنے سے عاجزی میں ہے آپ فرماتے ہیں کہ اگر تم چاہتے ہو کہ کیمیا بنانے میں کامیاب ہو تو خلق کو اپنے قلب سے دور کرو اور اپنے پروردگار سے اس کی طمع نہ رکھو کیونکہ مقدرات کے سوا تمہیں کچھ اور عطا کرے اس کے بعد جس چیز کو تم ہاتھ لگاؤ گے اور جو تم چاہو گے وہی ہو جائیگی۔

آپ فرماتے ہیں کہ چار چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے رہتے ہوئے علم کچھ فائدہ نہیں دیتا ایک دنیا کی محبت دوسری آخرت سے غفلت تیسری افلاس کی دہشت چوتھی آدمی کی ہیبت۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک ہی خصلت ایسی ہے کہ جب بندہ اسے اختیار کرے تو اپنے زمانے کے لوگوں کا پیشوا ہو جائے گا اور وہ دنیا سے منہ پھیر لینا اور اہل دنیا کے تکلیفیں برداشت کرنا ہے۔ مگر ترک دنیا میں حد سے زیادہ تجاوز نہ کرو ورنہ اس کی تاریکی تم کو ڈھانک لے گی اور تمہارے اعضا اس کے لئے کھل جائیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس سے باہر نکل آنے کے بعد تم ہمت یا فکر یا ارادہ یا حرکت کے ذریعہ سے اسے گلے لگانے کو لوٹو گے۔ اور آپ فرماتے ہیں کہ ایک ہی خصلت ایسی ہے جو اعمال کو باطل کر دیتی ہے۔ اور اکثر لوگوں کو اس میں تنبہ نہیں ہوتا وہ اللہ جل شانہ کے حکم پر بندہ کا ناراض ہونا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ یعنی اس سبب سے ہے کہ خدا نے جو اتارا اس کو ان لوگوں نے ناپسند کیا پس ان کے اعمال اکارت کر دئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ دو نیکیاں ایسی ہیں کہ ان کے ساتھ گناہوں کی کثرت ضرر نہیں کرتی ایک تو قضائے الٰہی پر رضامندی اور دوسرے اللہ جل شانہ کے بندوں سے درگذر۔

آپ فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہ کو چھوڑ کر دوسروں کو ولی و شفیع بنا لینا بھی اللہ جل شانہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کی ایک صورت ہے وہ فرماتا ہے کہ مالکم من دونہ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیۡعٍ اَفَلَا تَتَذَکَّرُوۡنَ یعنی اس کے سوا تم لوگوں کا نہ تو کوئی کارساز ہے۔ اور نہ کوئی سفارشی۔ کیا تم نہیں سوچتے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہ کے سوا خلق سے مدد چاہیں اللہ تعالیٰ کی نسبت سوء ظن رکھنا ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ جو کامل ہوتے ہیں وہ اوصاف حق کے بھی حامل ہوتے ہیں۔ اور اوصاف خلق کے بھی خلق کے اعتبار سے اگر انہیں دیکھو گے تو تم کو بشر کے اوصاف نظر آئینگے اور اگر حق کی حیثیت سے دیکھو گے تو حق کے اوصاف ان میں پاؤ گے جن سے حق تعالیٰ نے انہیں آراستہ کیا ہوگا پس رسول اللہ صلعم کے اخلاق کی پیروی سے تمہیں ان کی ظاہر میں فقر اور باطن میں غنا نظر آئیگا۔

آپ فرماتے ہیں کہ پہلی منزل جس میں پستی سے ترقی کر کے اوپر کے طرف جانے کے لئے عاشق قدم دھرتا ہے۔ نفس ہے۔ پس جب وہ اس کی سیاست و ریاست میں مشغول ہوا یہاں تک کہ اس کی شناخت و تحقیق تک پہونچ گیا تب اس پر دوسرے منزل کے انوار جھلکتے ہیں اور وہ قلب ہے۔ اور جب اس کی سیاست میں مشغول ہو کر اس کو پہچان لیا اور اس کا کچھ بھی اثر اس پر نہ ہوا تب تیسری منزل کے انوار اس پر چمکتے ہیں اور وہ روح ہے۔ پس جب اس کے سیاست میں مشغول ہوا اور اس کی معرفت کامل ہوگئی۔ تب اس پر تھوڑے تھوڑے یقین کے انوار جلوہ افروز ہونا شروع ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ اس کی نہایات تک پہونچ جاتا ہے۔ مگر یہ عوام کا راستہ ہے۔ خواص کا جو راستہ ہے۔ وہ بادشاہی راہ ہے۔ جس کی اقل قلیل کی شرح بھی عقل میں نہیں آسکتی۔

آپ نے کئی حج کئے تھے اور ایک مرتبہ حج ہی کے ارادہ سے جا رہے تھے کہ عیذاب (افریقہ) کے جنگل جہاں کہیں میٹھا پانی نہ تھا پیاس سے ۶۵۵ھ (بقول نفحات الانس) یا ۶۵۶ھ (بقول طبقات الکبریٰ) میں داعی اجل کو لبیک کہا اور وہیں دفن

ہوئے اور پروردگار عالم نے آپ کی وجود باجود کی برکت سے اس صحرا کے کھارے پانی کو میٹھا کردیا رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ۔

حضرت غوث شیخ بہاءالدین زکریا ملتانیؒ قدس سرہ العزیز

مقتدائے عالم۔ پیشوائے بنی آدم محتشم روزگار۔ گنجینۂ اسرار۔ عارف ربانی غوث وقت شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی قدس سرہٗ العزیز۔ اس طریق کے بلند مرتبہ بزرگوں میں سے تھے۔ آپ کی دو کنیتیں تھیں۔ ابو محمدؒ اور ابوالبرکات آپ کا سلسلہ نسب اسد قریشی تک پہونچتا ہے اور امیرالمومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ آپ کے جد مادری ہیں۔ آپ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ کے خلیفہ اعظم تھے اور بعد وفات حضرت شیخ الشیوخ مرتبہ غوثی پر فائز ہوئے صاحب مراۃ الاسرار آپ کی شان میں تحریر فرماتے ہیں کہ "وے را دریں طریق شانے عظیم وحالے قوی بود در ریاضات و مجاہدات نظیر نہ داشت و در کشف و کرامات میان مشائخ کبار ممتاز بود" سفینۃ الاولیا میں ہے کہ "در ملتان از علوم ظاہر و باطن و فقہ و حدیث و باصول و فروع عالم و کامل و قطب و غوث وقت درعہد خویش در اسلام و از بے نظیران روزگار و حنفی مذہب بود" آپ دیار ملتان کے صاحب ولایت تھے اور آپ ہی کے وجود باوجود سے سلسلہ عالیہ سہروردیہ کی ہندوستان میں اشاعت ہوئی۔ آپ کے بکثرت مریدان صادق الحال و خلفائے صاحب کمال گذرے ہیں۔ سیرالعارفین میں مذکور ہے کہ آپ کے جد بزرگوار حضرت کمال الدین علیشاہ قریشی مکہ مبارک سے خوارزم تشریف لائے وہاں سے ملتان آئے۔ ایک مدت تک یہاں سکونت اختیار فرمائی۔ یہیں شیخ وجیہ الدین محمدؒ آپ کے صاحبزادے پیدا ہوئے جن کا عقد مولانا حسام الدین ترمذی کی صاحبزادی سے ہوا مولانا حسام الدین کا حال یہ ہے کہ چنگیز خاں کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے تھے۔ اور قلعہ کوٹ کرور میں جسے سلطان محمدؒ غزنوی نے ضبط ہندوستان سے پہلے ملتان

کے قریب بنایا تھا اقامت گزیں ہوئے تھے۔ چونکہ مولانا وجیہہ الدین محمد آپ کے داماد تھے وہ بھی یہیں آپ کے ہمراہ کوٹ کرور میں رہنے لگے۔ اسی قلعہ میں حضرت شیخ بہار الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔ جب آپ کی دس سال کی عمر ہوئی۔ تو آپ کے والد ماجد نے اس عالم فانی سے انتقال فرمایا۔ شیخ نے حفظ قرآن فرماکر ساتوں قرائتوں میں مہارت حاصل کی تھی۔ والد ماجد کے انتقال کے بعد آپ نے خراسان کا رخ کیا اور سات سال تحصیل علوم میں مشغول رہے۔ بعد ازاں بخارا کا ارادہ فرمایا وہاں تحصیل علم میں مشغول رہے اور مرتبہ اجتہاد حاصل کیا۔ کمال عفت وصلاحیت کی وجہ سے بخارا کے لوگ آپ کو بہار الدین فرشتہ کہتے تھے۔ یہاں سے آپ مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور پانچ سال حرم مدینۃ الرسول اللہ صلعم میں مجاور رہے اور شیخ کمال الدین محمد یمنی کے حضور میں سماعت حدیث فرمائی۔ ہر سال حج کو مکہ معظمہ جاتے و مدینہ طیبہ واپس ہو کر تحصیل علم حدیث میں مشغول ہوتے۔ بعد ختم تعلیم حدیث اجازت نامہ حدیث لیکر بیت المقدس تشریف لے گئے اور انبیا علیہم السلام کے مزارات کی زیارت فرماکر وہاں سے بغداد شریف روانہ ہوئے اور حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی قدس سرہٗ العزیز کی خدمت بابرکت میں پہونچے اور وہیں حضرت شیخ الشیوخ کے وابستہ دامانوں میں شریک ہو کر تربیت پذیر رہے اور خرقہ خلافت حاصل فرمایا۔ حضرت سلطان المشائخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ الشیوخ کی خدمت میں آپ صرف سترہ ۱۷ دن رہے تھے اور انہیں معدودے چند ایام میں یہ سب دولت جاودانی اور معارف دوجہانی حاصل فرمائیں۔ بعض درویش ایسے بھی تھے جو حضرت شیخ الشیوخ کی خدمت میں مدتوں سے تھے اور بڑی بڑی ریاضتیں کر چکے تھے۔ انہیں اس حالت پر تعجب ہوا کہ ایک مرد ہندی آیا اور صرف چند دن رہا اور یہ تمام نعمائے عظمیٰ اسے حاصل ہو گئیں اور ہم سب ویسے کے ویسے ہی رہے حضرت شیخ الشیوخ نے فراست باطن سے دریافت فرماکر جواب دیا کہ مشوش مت ہو تمہارے پاس ہیزم تر تھی جس میں ایکبارگی آگ نہیں لگ سکتی اور زکریا

کے پاس ہیزم خشک تھی اس وجہ سے اس میں فوراً آگ لگ اٹھی۔ بعدہٗ شیخ بہاؤالدین
کو حضرت فرماکر ارشاد کیا کہ ملتان میں بود و باش رکھو اور وہاں کے لوگوں کو
فیض پہونچاؤ۔ اخبار الاخیار میں ہے کہ شیخ بہار الدین زکریا رحمۃ اس نعمت و کرامت
کے ساتھ ملتان تشریف لائے تو اکابر ملتان کو آپ پر حسد ہوا اور کنایہ کے طور پر
ایک پیالے میں دودھ بھر کر آپ کے پاس بھیجا یعنے اس بات کے اظہار کے
لئے کہ اس شہر میں کسی دوسرے کی اب گنجایش نہیں ہے۔ شیخ فوراً یہ مطلب سمجھ گئے اور
ایک پھول اس پیالے میں رکھکر واپس کر دیا جس کا مطلب یہ تھا کہ میں یہاں اس
طرح رہوں گا کہ جس طرح دودھ پر گلاب کا پھول ہے۔ یعنی کسی پر بار نہ ہونگا۔ وہ لوگ آپ
کی حسن لیاقت سے حیران رہ گئے۔ اور آپ کے مطیع و منقاد ہوئے رفتہ رفتہ
آپ کی کشش باطنی نے یہ غلبہ کیا کہ تمام اکابر و عوام الناس یکبارگی آپ کی جانب
جھک پڑے اور بہت سے خلفائے صاحب کمال آپ سے تربیت پاکر مرتبہ تکمیل پر فائز
ہوے اور ہزاروں دیندار صادق الاعتقاد مرید سلسلہ حلقہ بگوش شان ذی اخلاص میں
شامل ہوے فتوحات کے دروازے کھل گئے اور بے انتہا تصرف آپ کی ذات پاک
سے ظاہر ہونے لگا اس کے بعد حضرت شیخ متاہل ہوے اور شیخ صدرالدین عارف رحمۃ
کے مانند صاحب حال صاحبزادے متولد ہوے۔ آپؒ میں اور حضرت شیخ فریدالدین
گنج شکرؒ میں باہم مودت عظیم تھی اور اکثر دونوں میں محرمانہ صحبتیں رہتی تھیں۔ یہ بھی
بعض کہتے ہیں کہ ایک دوسرے کے خالہ زاد بھائی تھے ایک مرتبہ کسی نے آپ کی
طرف سے کوئی ناخوش کلمہ حضرت شیخ گنج شکرؒ کی سمع مبارک تک پہنچایا جو حضرت گنج
شکر کی مجلس کے مناسب نہ تھا۔ آپ نے یہ حال معلوم کر کے فوراً حضرت گنج شکر رحمۃ
کی خدمت میں ایک رقعہ بھیجا کہ "درمیان ما و شما عشق بازی است سخن دیگر گنجایش ندارد"
حضرت گنج شکر نے جواب میں تحریر فرمایا کہ "درمیان ما وشما عشق است و بازی نیست"
حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ حضرت گنج شکر رحمۃ بہت کم افطار فرماتے تھے اگرچہ
تپ ہی کیوں نہ لاحق ہو یا فصد ہی کیوں نہ لی ہو۔ اور شیخ بہار الدین زکریا روزے

کم رکھتے لیکن طاعت وعبادت بہت فرماتے اور اکثر یہ آیۂ مبارک پڑھا کرتے تھے
یا ایھا الرسل کلو من الطیبات واعملو صالحا۔
سیر العارفین میں ہے کہ ایک روز حضرت شیخ بہاؤ الدینؒ خانقاہ میں تشریف
فرما تھے کہ خادم نے آکر عرض کی کہ فلاں صندوق میں پانچہزار اشرفیاں کم معلوم ہوتی
ہیں۔ آپ نے تھوڑا تامل فرمایا اور کہا الحمد للہ۔ اس کے کچھ دن بعد خادم نے التماس
کیا کہ وہ اشرفیاں جو گم ہوگئیں تھیں اب مل گئیں آپ نے تھوڑا تامل فرمایا اور کہا الحمد للہ
حاضرین نے عرض کیا کہ ان دونوں موقعوں پر الحمد للہ کہنے کے کیا معنی ہیں۔ آپ نے
فرمایا کہ اہل اللہ کے نزدیک دنیا کا عدم وجود برابر ہے نہ جانے کی انہیں فکر ہوتی
ہے اور نہ آنے سے خوشی۔ دونوں محل شکر گذاری کے تھے۔ پھر ان پانچہزار اشرفیوں
کو منگا کر اسی وقت فقرا کو تقسیم کر دیا۔ آپ کی ہمت بے انتہا بلند تھی اور عجیب حالت
تھی کہ معرض تحریر میں نہیں آسکتی آپ بے اندازہ بخشش فرماتے۔ مجلس میں نہایت
لطیف ولذیز طعام دسترخوان پر لایا جاتا۔ جو مہمان آتا اس کے برابر بیٹھکر خود تناول
طعام فرماتے اور ہر طرح اس کی خاطرداری کرتے۔
حضرت سلطان المشائخ سے ایک نقل مروی ہے کہ عبد اللہ نام ایک قوال تعلقہ
بغداد شریف سے اجودھن حضرت گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہوا اور چند روز
آپ کی خدمت میں رہکر عازم ملتان ہوا اور رخصت ہونے کے لئے حضرت گنج شکرؒ
کی خدمت میں حاضر ہوا کہ فاتحہ خیر فرمائیں کیونکہ ملتان کے راستہ میں قطاع الطریق
بہت تھے حضرت گنج شکر نے ارشاد فرمایا کہ یہاں سے فلاں حوض تک جو ملتان کی سرحد ہے
مجھ سے متعلق ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ تیری نگہبانی کروں گا۔ اس حوض سے ملتان
کی سرحد شروع ہوتی ہے اور برادرم شیخ بہاء الدین کی عملداری ہے۔ ان سے مدد طلب
کرنا۔ عبد اللہ مذکور اس حوض تک سلامتی کے ساتھ پہونچا۔ جوں ہی آگے قدم
بڑھایا ایک طرف سوار تلوارین علم کئے ہوے نظر آئے۔ عین پریشانی میں اسے
حضرت گنج شکر کا ارشاد مبارک یاد آیا اور حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ

کی طرف رجوع ہوا اور توجہ کی فی الفور سوار خود بخود مستغرق ہو گئے اور عبداللہ قوال منزل بمنزل سفر کرتا ہوا حضرت شیخ کی خدمت میں ملتان پہونچا۔ اس وقت عبداللہ مذکور سُرخ گلیم اوڑھے ہوئے تھا۔ شیخ نے فرمایا سُرخ گلیم کیوں پہن رکھی ہے۔ یہ تو شیطان کا لباس ہے۔ عبداللہ کے دل میں یہ خطرہ گذرا کہ خود حضرت شیخ کے پاس اسقدر بے اندازہ مال و منال ہے۔ اس پر نظر نہیں کرتے۔ میری پرانی گدڑی کو ٹوکتے ہیں شیخ نے فراست سے دریافت فرمایا کہ وہ دائرہ ادب سے قدم باہر رکھتا ہے فرمایا کہ اے عبداللہ ہوش میں آ۔ حوض کے کنارے زکریا کی کوشش سے چوروں کے ہاتھ سے نجات پائی ورنہ تو تماشہ دیکھتا۔ عبداللہ نے شرمندہ ہو کر سر قدم پر رکھدیا اور اپنے فعل سے تائب ہوا۔ آپ سے اتنی کرامتیں ظہور میں آئیں کہ شمار میں نہیں آسکتیں اور بکثرت خلفائے صاحب حال فیضان صحبت سے مراتب جلیلہ کو پہونچے۔ ان میں سے ایک حضرت مخدوم جہانیاں میر سید جلال الدین بخاریؒ کے دادا حضرت میر سید جلال سُرخ تھے جو بخارا سے آکر آپ کی خدمت میں رہے اور خرقۂ خلافت و اجازت حاصل کر کے اوچ میں سکونت پذیر ہوئے۔ ان کے علاوہ آپ کے خلفا میں شیخ فخر الدین عراقیؒ۔ میر سید حسین صاحب نزہت الارواح اور حسن افغانؒ بڑے پایہ کے لوگ گذرے ہیں۔ حسن افغان کی شان میں حضرت شیخ بہاء الدین فرمایا کرتے تھے کہ اگر قیامت کے روز حق تعالیٰ مجھ سے سوال کریگا کہ زکریا ہماری درگاہ میں کیا لایا ہے تو میں عرض کرونگا کہ حسن افغان کو لایا ہوں۔ یہ اُمی تھے۔ حتیٰ کہ حرف تک نہیں پہچانتے تھے۔ لیکن بقول صاحب مراۃ الاسرار "گویا لوح محفوظ در آئینہ دلش عکس انداختہ بود۔ ہیچ علم او را مشکل نمی شد۔" پیر گانون قدس سرہٗ جن کا مزار اودھ میں ہے وہ بھی حضرت شیخ قدس سرہٗ کے خلفاء میں سے گزرے ہیں اور حضرت شاہ عالم المشہور۔ پیر پیٹہ قدس سرہٗ جنکا مزار ٹھٹھہ میں ہے اور جو کشف و کرامات میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے وہ بھی آپ ہی کے خلفاء میں سے تھے ان کی علاوہ میر سید عثمان المشہور بہ لال شہباز قدس سرہٗ جنکا طریقہ ملامتیہ تھا آپ ہی کے خلفاء

یں سے تھے۔

اخبار الاخیار میں ہے کہ شیخ نور بخش سلسلۃ الذہب میں آپ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ "بہاء الدین زکریا ملتانی قدس سرہٗ ہندوستان میں رئیس الاولیاء تھے۔ علوم ظاہری میں ایک جید عالم اور مکاشفات و مشاہدات کے مقامات و احوال میں کامل تھے۔ آپ سے اکثر اولیاء اللہ کے سلسلے منشعب ہوئے ہیں۔ لوگوں کو آپ نے بہت کچھ رشد و ارشاد فرمایا اور کفر سے ایمان کی طرف معصیت سے طاعت کی طرف اور نفسانیت سے روحانیت کی طرف ہدایت فرمائی ہے اور آپ کی شان بہت بڑی تھی۔"

مجمع الاخیار میں حضرت شیخ ابوالفتح رکن الدین کے ایک مرید نے آپ کے وصیتوں کو نقل کیا ہے۔ ان میں سے بعض یہ ہیں۔ بندہ پر واجب ہے کہ صدق و اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور عبادات و اذکار میں غیر کی نفی اور اشخاص کی طرف سے بالکل محویت ہونی چاہیئے۔ اپنے اقوال درست کرنے اور اقوال و افعال میں محاسبہ نفس کرنے کے سوا اس کی طرف اور کوئی راہ نہیں ہے۔ کوئی قول و فعل ضرورت کے سوا نہ کرے اور ہر قول و فعل میں اللہ جل شانہٗ سے نیک عمل کی توفیق طلب کرے۔ بعض مریدوں کو آپ نے یہ وصیت کی تھی کہ ہمیشہ ذکر کرتے رہو۔ ذکر ایک ایسی چیز ہے جو طالب و محب کو مطلوب و محبوب سے ملا دیتی ہے۔ اور محبت کی مثال آگ کی سی ہے جو تمام میل کچیل کو جلا ڈالتی ہے۔ جب محبت متحقق ہو جاتی ہے تو ذکر مذکور کے مشاہدہ کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ اور اسے کثیر ذکر کے عوض میں اللہ جل شانہٗ نے اپنے اس قول میں وعدہ فلاح فرمایا ہے۔ واذکروا اللّٰہ کثیرا لعلکم تفلحون۔" نیز بعض رسائل میں جو آپ نے مریدوں کو لکھے ہیں مذکور ہے کہ مرید کو چاہیئے کہ اپنے روزگار کی حفاظت کرتا رہے۔ اور ماسویٰ اللہ کو دل سے دور کر دے اور صحبت خلق کو اپنے اوپر حرام کرے۔ اور اللہ جل شانہٗ کے ذکر سے انس اختیار کرے۔ اگر اسے اللہ جل شانہٗ کے ذکر سے انس نہ ہوگا تو یہ سمجھ لو

آسے اللہ جل شانہ کی محبت کی بو بھی نہ لگی ہوگی بعض رسالوں میں آپ نے یہہ بھی فرمایا ہے کہ بدن کی سلامتی قلت طعام میں ہے اور روح کی سلامتی ترک گناہ میں اور دین کی سلامتی حضرت خیرالانام صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے میں۔

حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں۔ کہ آخر حیات میں حضرت شیخ بہاوالدین زکریا ملتانی حجرہ میں برابر مشغول بحق رہتے تھے۔ ایک دن شیخ صدرالدین عارف آپ کے صاحبزادے اور سجادہ نشین در حجرہ پر کھڑے تھے کہ ایک نورانی مرد ایک نامہ سربمہر ہاتھ میں لئے آیا اور شیخ صدرالدین عارف کے ہاتھ میں دیا اور کہا کہ حضرت شیخ کو جا کر دیدو۔ شیخ صدرالدین عارف کا رنگ اسے دیکھکر متغیر ہوگیا۔ مجبوراً خط حضرت شیخ کے پاس لے گئے۔ جیوں ہی حضرت شیخ بہاوالدینؒ نے خط کو مطالعہ کیا جان بحق تسلیم ہوے۔ اور حجرہ کے ہر طرف سے آواز آنے لگی کہ دوست بدوست رسید۔

حضرت سلطان المشائخ سے منقول ہے کہ یہ چند بزرگ ایک دوسرے کے ہمعصر تھے اور چند ہی دنوں میں یکے بعد دیگرے سب نے انتقال فرمایا۔ پہلے شیخ سعدالدین حمویؒ نے وفات فرمائی۔ ان کے تین سال بعد شیخ سیف الدین باخرزیؒ نے انتقال فرمایا ان کے تین سال بعد حضرت بہاءالدین زکریا ملتانیؒ نے وصال فرمایا۔ ان کے تین سال بعد حضرت فریدالدین گنج شکرؒ نے رحلت فرمائی۔

حضرت شیخ بہاءالدین زکریا ملتانیؒ بن شیخ وجیہ الدین قریشیؒ بمقام قلعہ کوٹ کرور ملتان سے متصل ۵۶۵ھ یا ۵۶۶ھ میں پیدا ہوے اور بموجب اخبار الاخیار سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں بتاریخ ہفتم ماہ صفر ۶۶۱ھ چھ سو اکسٹھ ہجری میں انتقال فرمایا اور ملتان میں مدفون ہوے مراۃ الاسرار میں ان کی وفات کی تاریخ دہم صفر ۶۶۵ھ چھ سو پینسٹھ ہجری (یا ۶۶۶ھ) درج ہے اور لکھا ہے کہ آپ نے سو سال کی عمر پائی تھی۔ رحمۃ اللہ تعالی علیہ۔

ملتان میں آج تک آپ کا مزار مبارک زیارتگاہ خلائق ہے۔ ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر مسعود اجودھنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آفتاب انوار ولایت، پیشوائے عالم ہدایت، بدر الطریقت شمس الحقیقت، عمدۃ الابرار، قدوۃ الاخیار، سلطان السالکین شمس العارفین، برہان العاشقین فرید الحق والشرع والدین قدس سرہٗ العزیز اپنے زمانے کے سر حلقہ واصلان حق تھے۔ صاحب مراۃ الاسرار فرماتے ہیں کہ

"ویرا دریں طریق بغایت شانے بزرگ است۔ وجمیع مشائخ بر کمال عشق وعرفان واحوال وے متفق اند۔ در ریاضت ومجاہدات وترک وتجرید وفقر وشوق کہ ویرا دست دادہ بود ہیچ یکے ازیں طائفہ را مجموع کمالات صوری ومعنوی در یک شخص واحد میسر نشد۔ در کشف وکرامات ووجد وحال وہمت وشجاعت بے نظیر وقت بود"

آپ کے والد ماجد کا نام نامی جمال الدین سلیمان تھا جو کھتوال (واقع ملتان) کے قاضی تھے۔ اور والدۂ ماجدہ ملّا وجیہ الدین خجندی کی دختر نیک اختر تھیں۔ آپ کے والد ماجد قاضی شعیب کی اولاد میں سے تھے جن کا سلسلۂ نسب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ سید محمد کرمانیؒ کتاب سیر الاولیاء میں فرماتے ہیں کہ فرخ شاہ عادل والی کابل آپ کے اجداد میں سے تھے۔ کابل کی سلطنت حوادث روزگار سے غزنی کی سلطنت میں ضم ہو گئی لیکن فرخ شاہ کی اولاد چنگیز خاں کے خروج تک کابل ہی میں رہی۔ فتنۂ تاتار کے بعد آپ کے جد قاضی شعیب تمام عیال واطفال کو لے کر لاہور آ گئے۔ مگر وہاں چند روز قیام کر کے قصور کا ارادہ فرمایا۔ قاضی قصور نے آپ کی بڑی خاطر تواضع کی اور بادشاہ وقت کو آپ کے حالات سے مطلع کیا۔ بادشاہ نے قصبہ کھتوال کی قضاۃ جو ملتان کے قریب واقع ہے آپ کو عطا کی۔ چنانچہ آپ نے وہیں اقامت وسکونت اختیار فرمائی۔

آپ کی والدۂ ماجدہ اپنے زمانہ کی بڑی بزرگ بی بی تھیں۔ حضرت سلطان جیؒ

کے ملفوظات میں اکثر آپ کی کرامات کا ذکر ہے۔ آپ کا نام قرسم خاتون تھا۔

مراۃ الاسرار میں ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت قصبۂ کھوتوال میں جو ملتان کے توابع میں سے ہے اور آج کل مشائخ کی چاؤلی کے نام سے مشہور ہے ۵۷۳ھ پانسو تہتر ہجری میں (یا بقول بعض ۵۶۹ھ میں) واقع ہوئی۔ یہ موضع پاک پٹن (اجودھن) اور دیپالپور ضلع ملتان کے درمیان واقع ہے۔ اپنے شیخ کے وصال کے بعد اکتیس (۳۱) برس سال قید حیات میں رہے۔ اور پچانوے ۹۵ سال کی عمر میں [1] شنبہ کے دن پانچویں محرم ۶۶۸ھ چھ سو اڑسٹھ ہجری (یا بقول بعض ۶۶۴ھ) کو اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی۔ مراۃ الاسرار میں اول الذکر تاریخ وفات چھ سو اڑسٹھ (۶۶۸) ہجری درج ہے اور سفینۃ الاولیا میں آخر الذکر یعنی سفینۃ الاولیا سے چار سال کا تفاوت آتا ہے۔ لیکن عمر دونوں نے پچانوے (نود و پنج) سال لکھی ہے۔ لیکن مراۃ الاسرار کے تاریخ صحیح ہے۔ اس لئے کہ یہ حضرت سلطان جیؒ کے اس قول کی مطابق ہے کہ باباصاحبؒ کا وصال حضرت بہاء الدین زکریاؒ کے تین سال بعد ہوا ہے حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کی تاریخ وفات ۶۶۵ھ میں ہوئی۔ آپ کے تین سال بعد اگر باباصاحبؒ کا انتقال ہوا ہے تو ۶۶۸ھ صحیح تاریخ ہوئی۔ آپ کو قصبہ اجودھن میں جو اب پاک پٹن کے نام سے مشہور ہے دفن کیا گیا۔ مزار مبارک آج تک منبع فیوض و برکات ہے۔ یزار و یتبرک۔

صاحب مراۃ الاسرار فرماتے ہیں کہ بچپن ہی سے عشق الٰہی آپ کے دل میں موجزن تھا۔ اور عنفوان شباب ہی میں تمام دنیاوی مرادوں سے دست کش ہو کر گھر سے علم ظاہری و باطنی کی طلب میں نکل کھڑے ہوئے۔

سیر العارفین میں حضرت سلطان المشائخ سے منقول ہے کہ تلاش علم میں آپ گھر سے نکلکر ملتان پہونچے۔ وہاں مولانا منہاج الدین ترمذی کی مسجد میں اُترے۔ علم فقہ

---

[1] مراۃ الاسرار میں روز وفات شنبہ درج ہے اور سفینۃ الاولیا میں سہ شنبہ۔ لیکن دونوں میں پانچویں محرم کی تاریخ وفات بیان کی گئی ہے۔

میں ایک کتاب ہے۔ نافع نام، اُسی کا مطالعہ فرما رہے تھے کہ حضرت قطب الاسلام والمسلمین خواجہ بختیار کاکیؒ اس مسجد میں تشریف لائے اور دیکھا کہ ایک پاک صورت نیک سیرت لڑکا ایک کتاب ہاتھ میں لئے پڑھ رہا ہے۔ آپ نے پوچھا مسعود کونسی کتاب پڑھ رہے ہو؟ انہوں نے کہا نافع۔ آپ نے فرمایا تم سمجھتے ہو کہ اس سے تمہیں نفع پہونچے گا؟ حضرت گنجشکرؒ نے التماس کیا کہ میرا نفع حضرت کی نظر کیمیا اثر میں ہے۔ یہ کہکر قدمبوس ہوئے۔ خواجہ قطب الاسلام نے بہت نوازش فرمائی۔ اور جب ملتان سے دہلی جانے لگے تو حضرت گنج شکر تین منزل تک ہمراہ آئے۔ بعدہٗ حضرت قطب الاسلام نے یہ کہکر رخصت کردیا کہ ابھی چند ایام علم ظاہری کی تحصیل میں مشغول رہو۔ اس کے بعد دہلی آکر ہمارے پاس ٹھہرنا۔ حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ اس وقت حضرت گنج شکرؒ کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔

خواجہ قطب الاسلام سے رخصت ہو کر آپ قندہار کی طرف متوجہ ہوئے اور پانچ سال کامل وہاں تحصیل علم میں مشغول رہے۔ اس کے بعد بغداد کی طرف ارادہ فرمایا۔ یہاں تمام مشائخ وقت سے ملاقات فرمائی۔ خصوصاً شیخ شہاب الدین عمر سہروردی قدس سرہٗ العزیز کی ملازمت بھی حاصل کی۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ "شیخ شہاب الدین سہروردی را دعاگو دیدہ است وسعادت قدم بوسی حاصل کردہ"۔ حضرت گنجشکر فرماتے ہیں کہ بغداد میں شیخ اجل شیرازیؒ سے بھی ملا تھا۔ بہت بزرگ وباعصمت پیر تھے۔ جب ہاتھ چومنے کے لئے بڑھا تو آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ اور فرمایا "بیا اے لنگر عالم نیک آمدی"۔ چند روز اُن کی خدمت میں بھی رہا۔ کسی کو نہیں دیکھا کہ اُن کی خانقاہ سے محروم گیا ہو۔ مجھے بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تیرے رزق میں برکت عطا فرمائے۔ بغداد سے نکلکر جب صحرا میں پہنچا تو ایک درویش کو دیکھا زار و نزار۔ جسم پر صرف استخوان و پوست باقی رہ گیا ہے۔ میرے دل میں یہ خطرہ گذرا کہ اس جنگل میں یہ صاحب کب سے ہیں اور کیا کھاتے پیتے ہیں؟ اس خطرہ پر مطلع ہو کر انہوں نے فرمایا کہ اے فرزند چالیس سال سے اس غار میں مقیم ہوں اور سوائے خس و خاشاک کے اور میرے لئے کچھ نہیں ہے۔ چند روز انکی

خدمت میں رہا۔ پھر وہاں سے بخارا کی طرف روانہ ہوا۔ جہاں شیخ سیف الدین باخرزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے قدم بوسی حاصل کی۔ بڑے باعصمت بزرگ تھے۔ اُن کی خدمت میں رہا ہوں۔ جب میری طرف نظر فرماتے یہ کہتے کہ یہ لڑکا مشائخ روزگار میں سے ہوگا۔ اور تمام عالم اُس کے مُریدوں اور فرزندوں سے بھر جائیگا۔ ایک سیاہ گلیم آپ کے دوش مبارک پر تھی اُتار کر مجھے دی اور فرمایا پہن لو۔ میں نے پہن لی۔ چندروز کے بعد یہاں سے بھی رخصت ہوا۔ ایک مسجد میں پہونچا۔ وہاں سے نزدیک ایک صومعہ تھا وہاں ایک باہیبت درویش کو دیکھا کہ عالم تفکر میں کھڑا ہے۔ اور آنکھیں آسمان کی طرف ہیں۔ چار روز بعد یہ عالم صحو میں آئے۔ اُس وقت میں نے سلام کیا۔ جواب سلام عطا فرمایا اور کہا کہ میری وجہ سے بڑی تکلیف ہوئی۔ بیٹھو۔ اُنہوں نے اپنا حال بیان فرمایا کہ میں حضرت شمس العارفینؒ کے پوتوں میں سے ہوں اور تیس سال سے یہاں معتکف ہوں سوائے ہیبت وحیرت کے اور کچھ نصیب نہیں ہوا۔ پھر فرمایا کہ "ایں راہ راستی استہر کہ دریں راہ بہ راستی قدم نہ زند بدوست نہ رسد۔ بعد ازاں اپنے احوال ومقامات بیان فرمائے اور کہا خویشتن سے بیگانہ ہوجاؤ تاکہ اُس کے یگانہ بنو۔ رات پھر خدمت میں رہا صبح کو رخصت ہوا۔

آپ فرماتے ہیں کہ بدخشاں میں بھی بہت سے بزرگوں سے نیاز حاصل ہوا ہے ایسے تھے کہ اُن کی تعریف نہیں بیان کرسکتا۔

اس تمام دورہ وسفر کے بعد آپ ملتان کی جانب واپس ہوئے۔ اور شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات فرمائی۔ وہاں سے مراجعت کرکے دہلی تشریف لائے اور خواجہ قطب الاسلام بختیار اوشی قدس سرہٗ العزیز کی خدمت میں رہنے لگے۔ خود فرماتے ہیں کہ۔

"نعمتے کہ در وے دیدم آں نعمت در حد وصف در بیان نیاید پس خود را در پائے ایشاں بستم وبشرف بیعت مشرف شدم۔ سوم روز تر نعمت بمن رواں کردومما سخن ہم فرمود کہ مولانا فرید کار خود تمام کردہ بودی آنگاہ بمن آمدی۔"

حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ حضرت گنج شکرؒ نے جب یہ بیان ختم کیا تو نعرہ مارا اور تین شبانہ روز عالم استغراق میں بیخود رہے۔ اس کے بعد جب ہوش میں آئے تو فرمایا مردان خدا نے یہ کیا ہے۔ جب کسی مقام پر پہونچے ہیں۔ اس راہ میں جبتک کوئی صدق دل سے سفر نہ کریگا ہرگز ہرگز کسی مقام پر نہ پہونچے گا۔ پھر یہ ابیات زبان فیض ترجمان سے ارشاد فرمائے ؂

تو راہ نہ رفتی و ترا نہ نمودند   ورنہ کہ زد ایں درکہ بر و نکشودند

جاں در رہِ دوست باز اگر میخواہی   تو نیز چناں شوی کہ ایشاں بودند

فوائد السالکین میں حضرت گنجشکرؒ فرماتے ہیں کہ جب میں خواجہ قطب الاسلامؒ کے شرف ارادت سے بہرہ مند ہوا تو چار ترکی کلاہ میرے سر پر رکھی اور بہت شفقت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ شیخ میں اتنی ذاتی قوت اور تصحیح خاطر ہونی چاہیئے کہ اگر کوئی اُس کے پاس مُرید ہونے کو آئے تو باطنی نظر کی قوت سے اُس کے سینہ کے زنگار کو جو آلودگی دنیا کی وجہ سے جم گیا ہے۔ صاف کر دے تا کہ کوئی کدورت اور آلائش باقی نہ رہے۔ اس کے بعد ہاتھ پکڑ کر خدا تک پہونچا دے۔ شرف بعیت کے بعد حضرت گنج شکرؒ غزنی دروازہ کے متصل جو برج ہے اُسکے نیچے ایک حجرہ بناکر مشغول بحق ہوئے۔ وہاں سے ہر دو ہفتے کے بعد خواجہ قطب الاسلام کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ خواجہ صاحب نے آپ سے طے کے روزے رکھوائے اور فرمایا کہ تین روز کے بعد جو غیب سے بہم پہونچ جائے اُس سے افطار کرو۔ تیسرے روز ایک شخص کے یہاں سے کھانا آیا جو شرابی تھا۔ آپ کے معدہ نے قبول نہیں کیا۔ خواجہ صاحب کو اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ دو تین روز اور طے کرو۔ چھٹے روز اس قدر ضعف ہوا اور ایک گھڑی رات گذرنے کے بعد بھوک کی اس قدر حرارت معلوم ہوئی کہ چند سنگریزے زمین پر پڑے ہوئے تھے حالت اضطرار میں اُن پر ہاتھ ڈالا۔ جس وقت وہ دہن مبارک میں پہونچے شکر ہوگئے۔ آپ نے فوراً تھوک دیا کہ کہیں مکر نہ ہو۔ کئی بار اس کی نوبت آئی اور سنگریزے شکر ہوگئے۔ یکایک حضرت خواجہ قطب الاسلام کا یہ ارشاد یاد پڑا کہ جو کچھ غیب سے

لے افطار کر لو۔ اس خیال کے آتے ہی آپ نے مواہب الٰہی خیال کر کے چند سنگریزے منہ میں ڈال لئے جو شکر ہو گئے۔ خواجہ سنائی نے اسی مضمون کو نظم فرمایا ہے۔

سنگ در دست تو گوہر گردد　　　زہر در کام تو شکر گردد

صبح ہوتے ہی خواجہ قطب الاسلام سے اس واقعہ کو عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ اچھا کیا کہ اس سے افطار کیا۔ غیب سے جو شئے پہونچی وہ اچھی ہی ہے۔ انشاء اللہ شکر کے مانند تم شیریں رہو گے اس کے بعد جو آپ کو دیکھتا تھا گنج شکر کے نام سے خطاب کرتا تھا۔ لیکن سفینۃ الاولیا میں گنجشکر کی وجہ تسمیہ دوسری ہی لکھی ہے۔ صاحب سفینۃ الاولیا لکھتے ہیں کہ سات روز گذر گئے کہ آپ نے افطار نہیں کیا تھا ضعف غالب تھا اسی حالت میں اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں روانہ ہوئے اثنائے راہ میں ضعف سے پیر لڑکھڑایا اور آپ زمین پر گر پڑے۔ دہن مبارک میں کچھ مٹی چلی گئی جو تمام شکر ہو گئی۔ وہاں سے اُٹھ کر حضرت پیر و مرشد کی خدمت میں پہونچے۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔

"فرید گلے کہ بدہنت رسیدہ شکر شدہ حق تعالیٰ وجود ترا گنج شکر گردانیدہ است ہموارہ شیریں خواہی بود"

پیر کی خدمت سے جب باہر آئے دیکھا کہ جو شخص دیکھتا ہے گنج شکر کے لقب سے آپ کو یاد کرتا ہے۔ صاحب سیر العارفین لکھتے ہیں کہ "روزے وے بخدمت خواجہ می آمد از ضعف ریاضت پایش بلغزید بر زمین افتاد پارۂ گل بہ دہن رسید شکر شد از اں وقت گنج شکر گویند" مولانا عبدالحق محدث دہلوی اخبار الاخیار میں ایک دوسری حکایت لکھتے ہیں کہ ایک سوداگر چند گاؤ شکر بار کر کے کہیں جا رہا تھا۔ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر نے اُس سے تھوڑی شکر مانگی اس نے جواب دیا کہ یہ نمک ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ نمک ہی ہوگا۔ چنانچہ سوداگر نے جب بوجھ کھولے تو تمام نمک نظر آیا۔ متردد ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور نہایت عاجزی کی۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا شکر ہوگی اس کے بعد جو دیکھا تو تمام شکر تھی۔ ایک عزیز نے اس مضمون میں چند شعر خوب لکھے ہیں۔

کان نمک جہاں شکر شیخ بحر و بر　　　کز شکر نمک کند و از نمک شکر

اس کے بعد حضرت خواجہ قطب الاسلام قدس سرہٗ العزیز نے چلۂ معکوس کے لئے آپ کو حکم فرمایا کہ ایسے مقام پر جاؤ جہاں مسجد ہو اور اس مسجد میں ایک کنواں ہو اور اس کنوئیں کے منہ پر ایک درخت ہو اور اس مسجد میں ایک ایسا موذن ہو جو متدین لایق اور درویشوں کی صحبت کے قابل ہو۔ وہاں چالیس شب اپنے پاؤں کو رسی سے باندھ کر سرنگوں کوئیں میں لٹکو اور یادِ الٰہی میں مصروف رہو۔ حضرت گنج شکر نے کوشش فرمائی تو ایسا مقام خطۂ اُوچہ میں ملا جہاں اسی طرح کی ایک مسجد۔ کنواں اور درخت تھا۔ اور خواجہ رشید الدین مینائی موذن تھے۔ آپ نے اس ارادہ کا اُن سے ذکر کیا اور اخفائے راز کی تاکید کی عشاء کی نماز پڑھ کر آپ وہاں جاتے اور رات بھر اسی حالت میں لٹکے رہتے۔ صبح کو خواجہ رشید الدین آتے اور آپ کو کوئیں سے باہر نکالتے۔ آپ نماز فجر ادا کر کے اُسی مسجد میں مراقب رہتے۔ اسی طرح چالیس راتیں گزر گئیں اور چلہ ختم ہوا۔

خواجہ نظامی:

دارد و دسر ایں رشتہ یکے عجز و گر ناز ... زیں سو ہمہ عجز آمد وزاں سو ہمہ ناز

امیر حسن دہلوی:

ہر دل کہ در دِ مہر تو آویختہ شد ... آویختہ شد عاقبت از کنگرۂ عشق

اس طرح نماز معکوس حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ نے اور سلسلۂ چشتیہ میں خواجہ ابو محمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت ادا فرمائی ہے۔

حضرت سلطان المشائخ قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ خواجہ بزرگ معین الحق والدین قدس سرہٗ العزیز دہلی تشریف لائے اور خواجہ قطب الاسلام قدس سرہٗ العزیز کے مکان پر ٹھیرے۔ حضرت گنج شکرؒ اس وقت وہیں قیام فرما تھے۔ خواجہ بزرگ نے انہیں دیکھ کر فرمایا "بابا بختیار ایں جواں را چند در مجاہدہ خواہی سوخت۔ چیزے بخشش کن" خواجہ قطب الاسلام نے عرض کی کہ "مرا چہ مجال کہ در نظر آں حضرت عطائے تو اثر کرد" آپ نے فرمایا تمہیں سے اس کا تعلق ہے۔ اس کے بعد خواجہ بزرگؒ قبلہ رو حجرہ میں کھڑے ہو گئے۔ خواجہ قطب الاسلام

نے بھی موافقت فرمائی اور حضرت گنج شکرؒ کو بلایا۔ خواجہ بزرگؒ نے انہیں اپنے اور خواجہ قطب الاسلام کے درمیان کھڑا کیا۔ پھر دونوں بزرگوار حضرت گنج شکر کے حق میں بہت دیر تک دعائیں مانگتے رہے اور اتنی نوازش فرمائی کہ بیان سے باہر ہے۔ اور یہ ارشاد فرمایا کہ "فرید شمعے ست کہ خانوادۂ درویشاں روشن خواہد کرد" سیر سید محمد کرمانی نے سیر الاولیا میں خوب کہا ہے۔

بخششِ کونین ازیں نہج شد در بابِ تو ۔۔۔ بادشاہی یافتی زیں بادشاہانِ جہاں
مملکت دنیا و دیں گشتہ مسلّم مر ترا ۔۔۔ عالم کن گشت اقطاع توائے شاہ جہاں

سفینۃ الاولیا میں ہے کہ "ایشاں بخدمت حضرت خواجہ معین الدین چشتی نیز رسیدہ بودند و حضرت خواجہ معین الدین در باب ایشاں می فرمودند کہ بختیار عظیم شاہبازے را بقید آوردہ است کہ جز بہ سدرۃ المنتہیٰ آشیاں نگیرد ایں شمعیست کہ خانۂ درویشاں روشن و منور سازد" آپ اپنے زمانہ کے قطب وقت و غوث زماں ہوئے اور اتنے خوارق عالیہ آپ سے ظاہر ہوئے ہیں کہ اس سلسلہ میں بہ مشکل کسی سے ظہور میں آئے ہوں گے۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ خواجہ قطب الاسلام کے وصال کا وقت جب قریب پہونچا اُس وقت حضرت گنج شکرؒ قصبہ ہانسی میں تھے۔ قاضی حمید الدینؒ ناگوری اور بدر الدینؒ غزنوی کے دلوں میں خطرہ گذرا کہ خرقہ و سجادہ ہمیں عطا ہو گا۔ لیکن خواجہ صاحب نے فرمایا کہ میں اپنا خرقہ و عصا اور چوبی نعلین فرید الدین مسعود کو دوں گا، وہی میرے خلیفہ اور جانشین ہوں گے۔ یہ امانت قاضی حمید الدینؒ کے حوالہ کرکے جاں بحق تسلیم ہوئے۔ ہانسی میں یہ امر حضرت گنج شکرؒ کو معلوم ہوا۔ آپ دہلی کی طرف روانہ ہوئے اور خواجہ قطب الاسلامؒ کی وفات کے چوتھے روز آپ حضرت کے مزار پاک پر پہونچ کر شرف زیارت سے مشرف ہوئے۔ قاضی صاحب نے وہ تمام نعمتیں آپ کے سپرد کیں۔ حضرت گنج شکرؒ نے بہ تعظیم خرقہ پہنا اور جس گھر میں خواجہ قطب الاسلام رہتے تھے اُسی میں قیام فرمایا۔

خواجہ قطب الاسلامؒ از دہام خلائق کے خیال سے ایک دربان رکھا

کرتے تھے۔ حضرت گنج شکرؒ نے اپنے پیر کی سنت سمجھکر اس دربان کو برقرار رکھا۔ اتفاقاً ایک دن ایک مجذوب سرہنگا نام جو ہانسی میں حضرت گنج شکرؒ کی خدمت میں بہت آیا جایا کرتا تھا اور بہت خلوص و محبت رکھتا تھا آیا۔ دربان نے روکا اور اندر نہیں جانے دیا۔ دستور کے موافق حضرت گنجشکرؒ جب جمعہ کے روز باہر تشریف لائے تو سرہنگا مجذوب روتا ہوا پیروں پر گر پڑا اور کہنے لگا کہ ہانسی میں روز آپ کو دیکھتا تھا یہاں تین روز سے آیا ہوا ہوں اور بار نہیں ملتا۔ حضرت گنج شکرؒ نے فرمایا کہ یہاں میں نہ رہوں گا۔ حاضرین نے کہا بھی کہ خواجہ قطب الاسلام نے یہ مقام آپ کو عطا کیا ہے مناسب نہیں کہ کہیں اور تشریف لے جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ جو نعمت خواجہ صاحب نے مجھے مرحمت فرمائی ہے وہ کیا شہر کیا بیابان سب جگہ میرے پاس ہے۔ اس کے بعد دہلی سے روانہ ہو کر ہانسی تشریف لائے۔ یہیں شیخ جمال الدین ہانسوی کو شرف ارادت حاصل ہوا۔ یہ آپ کے محبوب ترین مُرید تھے ہانسی میں بھی جب بہت بھیڑ بھاڑ ہوئی تو وہاں سے بھی روانہ ہوئے اور قصبہ کھتوال میں جو آپ کے آباؤ اجداد کا وطن تھا قیام اختیار کیا۔ یہ مقام ملتان سے قریب تھا اور دہلی اور ہانسی کی طرح یہاں بھی ہجوم ہونے لگا تو آپ نے لاہور جانے کا ارادہ کیا۔ اس زمانہ میں لاہور چنگیزی مغلوں کی تاخت و تاراج کی وجہ سے بہت خراب اور ویران ہو گیا تھا۔ مگر آخر کار آپ نے اجودھن میں جو اب پاک پٹن کہلاتا ہے قیام فرمایا۔ بعض کہتے ہیں کہ اٹھارہ سال اور بعض کہتے ہیں کہ چوبیس سال آپ اجودھن میں رہے۔ یہ آپ کی عمر کا آخری زمانہ تھا۔ صاحب مراۃ الاسرار فرماتے ہیں کہ "آں مقام بوجود مبارک وے قبلۂ ہندوستان و خراسان گشت و تا روز قیامت خواہد ماند

بر زمینے کہ نشان کف پائے تو بود سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود"

حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ فرماتے ہیں کہ اجودھن میں آپ نے کئی شادیاں کیں۔ اور بچے ہوئے۔ جامع مسجد کے پاس آپ کا مکان تھا وہیں سب اہل و عیال رہا کرتے تھے اور خود کبھی مسجد میں مشغول رہا کرتے تھے اور کبھی جنگل میں درختوں کے تلے بسر کرتے تھے اور قناعت پر نہایت عسرت کے ساتھ بسر ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ ایک نوکر

ایک دانگ کا نمک قرض لایا۔ جب افطار کے وقت آپ کے سامنے کھانا آیا تو آپ نے فرمایا اس میں اسراف کی بو آتی ہے۔ اس کھانے کو میں نہیں کھاؤں گا۔ ایک مرتبہ آپ کے ایک صاحبزادے گرسنگی سے ہلاک ہو گئے۔ آپ کی بیوی صاحبہ نے عرض کی تو آپ نے فرمایا کہ مسعود بندہ کیا کر سکتا ہے اگر خدا کی یہی مرضی ہے اور وہ مر گیا ہے تو ایک پیر میں رسی باندھ کر باہر پھینک دو سبحان اللہ۔ یہ کس قدر استغراق، فنا، قناعت، استقامت اور بلندی ہمت تھی۔ یہ زمانہ جب گزر گیا اور فراغت کا زمانہ آیا اور آپ کی عظمت کی شہرت تمام عالم میں ہوئی اور ہر طرف سے فتوحات آنے لگیں اس وقت بھی یہی حال تھا۔ یہ تمام فتوحات مجاورین و مسافروں کے کام آتی تھیں۔ حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ صبح سے ایک گھڑی رات تک جو کوئی آتا طرح طرح کے کھانے آپ کے باورچی خانہ سے کھاتا۔ اور ہر چاند رات کو آپ کے پاس مٹھائیاں آتیں اور ان کے انبار لگائے جاتے اور نقد بھی موجود رہتا۔ جو کوئی ماہِ نو کی مبارکباد کو آپ کے پاس حاضر ہوتا اُس میں سے ضرور کچھ نہ کچھ اُسے عطا ہوتا۔ کسی کو شیرینی اور کسی کو نقد روپیہ۔ کسی کو دونوں۔ جس کا جو حال ہوتا اُسی کے مناسب اُسے عطا ہوتا۔

حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ آپ اکثر صائم رہتے اور شربت سے افطار فرمایا کرتے۔ ایک پیالہ میں چند مویز بھگو دیے جاتے اُسی کا شربت بن جاتا۔ نصف یا ثلث حاضرین پر تقسیم ہوتا باقی خود نوش فرماتے بلکہ اس میں سے بھی بچا کر کسی کو مرحمت فرماتے۔ بعد ازاں نماز کے پہلے دو گھی چپڑی روٹیاں لائی جاتیں۔ ایک حاضرین کو تقسیم فرماتے اور ایک خود تناول فرماتے بلکہ اُس میں سے بھی کسی کو دیدیتے۔ اس کے بعد سُرخ دسترخوان بچھایا جاتا اور طرح طرح کے کھانے چنے جاتے اور لوگ کھاتے۔ خود بہت کم شاذ ہی کبھی ارادہ فرماتے بلکہ اُسی ایک روٹی میں سے کچھ بچا کر دوسرے روز کے افطار کے لیئے رکھ دیتے سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ اکثر آپ زنبیل کی روٹی کھایا کرتے تھے۔ افطار

کے وقت اُسی نان زنبیل کے دو ایک ٹکڑے سامنے لائے جاتے۔ کبھی مکان میں دونوں دفعہ زنبیل کی روٹی تقسیم ہوتی لیکن احباب کو اکثر دن کے وقت نان زنبیل اور رات کے وقت دسترخوان پر کھانا ملتا تھا۔ مصرعہ

ہر تنک حوصلہ شائستہ رسوائی نیست

صاحب مراۃ الاسرار سیر الاولیا کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ جب سلطان ناصر الدین بن سلطان شمس الدین التمش نے اچھ اور ملتان کی طرف لشکرکشی کی تو حضرت گنج شکرؒ کی ملاقات کو بھی اجودھن آیا ملازمت کے بعد کچھ زر نقد اور چار گاؤں کا فرمان الف خاں کے ہاتھ خدمت مبارک میں پیش کیا۔ زر نقد تو آپ نے لیکر اُسی وقت درویشوں کو تقسیم کر دیا اور فرمان واپس کر دیا کہ یہ گاؤں کسی مستحق کو دے جائیں۔ مجھے ضرورت نہیں۔ الف خاں کے دل میں یہ خیال آیا کہ سلطان کے کوئی لڑکا نہیں ہے کیا اچھا ہو اگر حضرت کی توجہ سے دہلی کی سلطنت اس کے بعد مجھے مل جائے۔ اس خیال پر مطلع ہو کر آپ نے دو بیت زبان فیض ترجمان سے ارشاد فرمائے۔

فریدوں فرخ فرشتہ نہ بود	زعود و زعنبر سرشتہ نہ بود
زداد و دہش یافتہ نیکوئی	تو داد و دہش کن فریدوں توئی

سلطان ناصر الدین کی وفات کے بعد ہی الف خاں بادشاہ ہوا اور سلطان غیاث الدین بلبن کے نام سے مشہور ہوا۔

حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ کی محاسن مبارک سے ایک بال اُڑ کر نیچے گرا۔ فدوی نے عرض کیا اگر اجازت ہو تو میں یہ لے لوں اور تعویذ بنا کر رکھوں۔ فرمایا اچھا۔ جب میں دہلی گیا تو یہ تعویذ اپنے ساتھ لیتا گیا۔ جب کسی کو کوئی حاجت ہوتی اور مجھ سے تعویذ مانگتا تو میں یہ دیتا اور شرط کر لیتا کہ جب کام نکل جائے تو مجھے واپس کر دینا۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا کہ کام نکلنے والا نہ ہوتا تو ہرچند تلاش کرتا تعویذ نہ ملتا۔ سبحان اللہ جب ایک موئے مبارک میں یہ عظمت

وکرامت تھی تو دیگر خوارق عادات کا کیا ذکر ہے۔

آپ کے چند اقوال سیر الاولیا، راحت القلوب، اسرار الاولیا۔ مرأۃ الاسرار و اخبار الاخیار سے انتخاب کرکے ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں:۔

آپ فرماتے ہیں کہ خدائے بزرگ و برتر کے ساتھ معاملہ رکھو۔ سب لیتے ہیں اور وہ دیتا ہے اور جو وہ دیتا ہے اُسے کوئی نہیں لے سکتا۔ اپنے سے بھاگنا (یعنے اپنے نفس کے مکر سے بچنا) خدا سے ملنا ہے۔ ہر شخص کا کھانا مت کھاؤ لیکن ہر شخص کو کھلاؤ۔ مستحقین کو کبھی فراموش مت کرو۔ قیاس پر باتیں نہ کیا کرو اور دل کو شیطان کا کھلونا نہ بناؤ۔ جسقدر تم اپنے ظاہر سے واقفیت رکھتے ہو اُس سے زیادہ باطن سے واقفیت رکھو۔ ظاہری آرائش کے پیچھے مت پڑو۔ پرانے گھرانوں کی عزت کرو۔ جنگ کی جگہ صلح سے کام لیا کرو اور کسی دشمن سے گو وہ تم سے خوش نظر آئے بے خوف مت رہو۔ جو تم سے ڈرے اُس سے تم بھی ڈرو اور اپنے زور بازو پر خدا کو چھوڑ کر بھروسہ مت کرو۔ شہوت نفسانی کے وقت تمام اوقات سے زیادہ ہوشیاری سے کام لینا چاہیئے۔ جب اہل دولت کے پاس بیٹھو تو اپنے دین کو مت بھول جاؤ۔ عزت و حشمت عدالت و انصاف میں سمجھو۔ تونگری کے وقت ہمت بلند رکھو۔ دیتے وقت اپنی ذات کو درمیان سے اُٹھا لو۔ اُس پر نظر نہ پڑے۔ دشمن کو نیک مشورہ سے شکست دو اور دوست کو تواضع سے غلام بناؤ۔ اپنے عیبوں پر نظر رکھو۔ دشمنوں کی سخت کلامی سے برانگیختہ مت ہو۔ اگر آسودگی چاہتے ہو تو حسد سے بچتے رہو۔ اور ہمیشہ یہ کوشش کرتے رہو کہ موت کے بعد زندگی نصیب ہو۔ زندہ دل وہی ہے جس میں محبت اور اشتیاق ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ درویشی پردہ پوشی کا نام ہے۔ درویش کو لازم ہے کہ ان چار چیزوں سے دور رہے۔ یعنی لوگوں کے عیب نہ دیکھے۔ نہ سننے کے لایق باتیں نہ سُنے۔ نہ کہنے کی باتیں زبان سے نہ کہے اور جہاں جانا مناسب نہو وہاں نہ جائے۔ نیز درویشی قناعت کا نام ہے۔ جو کچھ تجھے ملے اُس پر قناعت کر

اور یہ نہ کہے کہ ایسا ملنا چاہیئے تھا۔ اسراف اُسے کہتے ہیں کہ جو دے بے نیت دے اور اللہ تعالیٰ کے نام پر نہ دے۔

آپ فرماتے ہیں کہ جو کوئی میرے پاس آئے اور کوئی چیز نہ لائے تو مجھ پر واجب ہے کہ اُسے کچھ دوں۔ درویشی کا کوئی مقام خوف و امید سے خالی نہیں ہر مقام کی مصیبت اُس کی آزمائش کے واسطے ہوتی ہے۔ اگر ذرا بھی چوں وچرا کی تو پھر کبھی وہ مرتبہ حاصل نہیں ہوتا۔ درویش مصیبتوں میں صابر اور خوش رہتا ہے اور اٹھارہ ہزار عالم کی پروا نہیں کرتا۔ دنیا بندہ اور مولا کے درمیان سب سے بڑا حجاب ہے (یعنی دنیا سے مراد یہ ہے کہ خدا سے غفلت اختیار کرے اس لئے یہ سب سے بڑا حجاب ہے) حب الدنیا رأس کل خطیئة قال اهل المعرفة من ترک الدنیا ملک ومن اخذها هلك دل مردہ بھی ہوتا ہے اور زندہ بھی۔ پس مردہ دل کو ذکر الٰہی سے زندہ کرو۔ جب دل دنیاوی لذتوں شہوتوں ماکولات اور مشروبات میں مشغول ہو جاتا ہے تو غفلت طاری ہو جاتی ہے اور خواہشات نفسانی غالب آجاتی ہیں اور دل میں ہر طرف سے خطرات آنا شروع ہوتے ہیں جو اُسے سیاہ کر دیتے ہیں اور جب دل سیاہ ہو جاتا ہے تو گویا مردہ ہو جاتا ہے۔ اُسے اندیشہ الٰہی سے زندہ کرو۔

آپ فرماتے ہیں کہ جو درویش دنیا کے کاموں میں مصروف ہوا اور مال و مرتبہ و ترقی جاہ کا طلبگار ہوا وہ درویش نہیں بلکہ مرتد طریقت ہے۔ اس راہ میں بڑا اصول حضوری دل ہے جو بغیر لقمہ حلال کھائے اور دنیا سے پرہیز کئے حاصل نہیں ہوتی۔ جب تک دوست کی شناخت حاصل نہو ہزار سال بھی عبادت کی جائے تو بھی ذوق حاصل نہیں ہوتا۔ وہ جانتا ہی نہیں کہ طاعت کس کے لئے کر رہا ہے۔ اہل سلوک نے فرمایا ہے کہ جو پیر اہل سنت وجماعت کے طریق پر کاربند نہیں اور اُس کے اقوال و افعال۔ حرکات وسکنات حدیث و قرآن مجید کے مطابق نہیں وہ اس راہ میں رہزن ہے۔ بارگاہ الٰہی میں مومن کے دل کی بڑی قدر و منزلت ہے

لیکن لوگ دل کی اصلاح سے غافل ہیں۔ اسی واسطے گمراہی میں پڑتے ہیں۔ سلوک کا اصل اصول یہی دل ہے۔

آپ کا ارشاد ہے کہ فقیر کے لئے دولتمند کی صحبت سے بڑھ کر کوئی چیز مضر نہیں۔ جب فقیر گوشہ نشینی اختیار کرتا ہے تو اُس کے دینی و دنیوی کام اپنے آپ بنتے چلے جاتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کا شیخ کامل نہ ہو تو اہل سلوک کی کتابوں کو پیش نظر رکھے اور ان کی متابعت کرے۔

آپ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو کوئی زحمت یا تکلیف ہو سمجھے کہ اُسے گناہ سے پاک کر رہے ہیں۔ بندہ کو سمجھنا چاہیئے کہ سب درد و محبت اللہ تعالےٰ کی طرف سے آتے ہیں آدمی کو اپنے نفس کا طبیب خود بننا چاہیئے۔

اے بسا ورد کاں ترا دارو ست　　اے بسا شیر کاں ترا آہو ست

آپ نے فرمایا کہ آدمی کو درویشوں کے حق میں ہمیشہ نیک گمان رکھنا چاہیئے تاکہ اُن کی حمایت نصیب ہو۔ جو بندہ اللہ تعالیٰ کے کام میں ہوتا ہے۔ اللہ جل شانہٗ اُس کے کام میں ہوتا ہے۔ جو شخص دوست کی رضا کا طلبگار رہتا ہے تو دوست بھی اُس کی رضا کا جویندہ ہوتا ہے۔ طالب کو ہر حالت میں مطلوب کے عشق و محبت اور اُس کی یاد میں رہنا چاہیئے تاکہ متقدمین کے مانند ہو جائے۔ طریقت کی راہ رضا و تسلیم ہے۔ اگر کوئی گردن پر تلوار مارے تو اُسی پر راضی رہے۔ جس کی یہ حالت ہو وہ درویش ہے۔

آپ نے فرمایا کہ اگر عابد سے کوئی ورد یا طاعت فوت ہو جائے تو اُسی کو اُس کی موت کہا جاتا ہے۔ صاحب ورد کو چاہیئے کہ جو وظیفہ ہے۔ اگر دن کو پورا نہ کر سکے تو رات کو پورا کرے۔ بہرحال ترک نہ کرے۔

آپ نے فرمایا کہ اپنے تئیں کسی کے پلّہ باندھ لینا اچھا ہے اور یہ شعر پڑھا جو حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہٗ کی زبان مبارک سے سنا تھا ؎

گر نیک و گر بدم مرا زانیشاں گیرند　＊　ور بد باشم مرا بدیشاں بخشند

آپ نے فرمایا کہ جب لوگ کھانا کھائیں تو چاہیئے کہ طاعت بھی کر دکھائیں کیونکہ طاعت کے لئے کھانا بھی طاعت ہے۔ ہوائے نفس کے لئے کھانا نہیں کھانا چاہیئے۔ سعدی۔

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است | تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

آپ نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو علم کا درجہ معلوم ہو جائے تو تمام کام چھوڑ کر علم ہی کی تحصیل کیا کریں۔ علم ایک ایسا بادل ہے جس میں رحمت ہی رحمت کی بارش ہوتی ہے۔ افسوس علمائے ظاہر علم سے غافل ہیں کیونکہ اُنھوں نے دنیا کو اپنا بت بنا رکھا ہے اور شریعت کو کھیل سمجھ رکھا ہے۔ قیامت کے دن ان علما کے لئے جو دنیا اور اہل دنیا کے ساتھ انہماک رکھتے ہیں اور علم سے جو مقصود ہے اُس پر عمل نہیں کرتے حکم ہوگا کہ انھیں آگ کے طوق پہنا کر دوزخ میں لیجائیں پھر فرمایا کہ حق تعالیٰ کی ذات سب سے بزرگتر ہے۔ پھر لوگ کیوں ایسی نعمت سے محروم رہتے ہیں اور اپنی ساری عمر اُس کے ذکر و فکر میں صرف نہیں کرتے۔ کوئی ذکر کلام الٰہی سے بڑھ کر نہیں۔ اُسی کو پڑھنا چاہیئے۔ اس کا پھل تمام طاعتوں سے بڑھ کر ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ انوار و اسرار کے لئے وسیع حوصلہ چاہیئے۔ اسرار و انوار الٰہی جو عاشق پر متجلی ہوتے ہیں اگر اُن کے نور کا ذرہ بھر باہر نظر آجائے تو تمام جہان منور ہو جائے۔ اس راہ میں صدق کی ضرورت ہے تاکہ دوست کے تمام اسرار سے واقفیت حاصل ہو جائے۔ راہ خدا میں ایسے مرد بھی ہیں کہ ایک ساعت میں دوست کے اسرار کے لاکھ دریا پی جاتے ہیں اور ذرہ بھر اثر ظاہر نہیں ہوتا۔

آپ فرماتے ہیں کہ فقرا اہل عشق ہیں اور علما اہل عقل۔ لیکن واقف کار وہی لوگ ہیں جن میں یہ دونوں چیزیں پائی جائیں۔

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق | ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

شریعت عاشقاں را در طاقت نہانی | پوشیدہ راز خود تا آنجا خجل نمانی

جہاں محبت آتی ہے وہاں دوئی اُٹھ جاتی ہے۔ محبت کے معاملہ میں یگانہ ہونا چاہیئے۔ تاکہ خانۂ وصال محبت میں بار حاصل ہو سکے ؎

تا نفس من زعشق دوست زدم   خاست از مابسے دوئی جز دوست

عشق کی آگ ایسی ہوتی ہے کہ درویش کے دل کے سوا کہیں اور قرار نہیں پکڑ سکتی۔ درویشوں کو عشق کی خاک اور انوار تجلی سے پیدا کیا گیا ہے۔ عشق کی یہ بے بہا نعمت کسی فرشتہ کو بھی نہیں ملی۔ صرف آدمی کو ملی ہے۔ جیسا کہ خود فرمایا ہے۔ ولقد کرّمنا بنی آدم۔

جس وقت عشق پیدا کیا گیا تو اُسے حکم ہوا کہ جا اور اندوہناک آدمیوں کے دل میں قرار پکڑ۔ وہی مقام تیرے رہنے کے قابل ہے۔

گفتم صنما مگر تو جانانِ منی   اکنوں کہ نگاہ می کنم جانِ منی

مرتد گردم اگر زمن بر گذری   اے جانِ جہاں تو کفر و ایمانِ منی

اے درویش تجھے قدر ہی نہیں معلوم کہ تیرے دل کے اندر ایسی خوبصورت نعمت مقام کئے ہوئے ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ عابد اُن لوگوں کو کہا جاتا ہے جن کا ظاہر و باطن حق سے آراستہ ہو اور کسی قسم کی ریا۔ حسد بغض اور کھوٹ ظاہر و باطن میں نہ ہو۔ جو طاعت کریں خالصۃً لوجہ اللہ کریں۔ پھر فرمایا کہ درویشوں نے دنیا ہی میں بحالت زندگی اپنے تئیں مردہ بنا لیا ہے اور تمام خواہشات نفسانی سے اپنے تئیں باز رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مومنوں کے دل پاکیزہ زمین کے مانند ہیں۔ اگر محبت کا بیج اس میں بویا جائے تو رنگ برنگ کی نعمتیں پیدا ہوں گی۔ پھر فرمایا کہ جب تک تو سانپ کی طرح کینچلی نہ اُتارے گا کبھی محبت حق کے دعوے میں صادق نہیں ہو سکتا۔ کامل حال وہ درویش ہے جو کسی اور کی حاجت نہیں رکھتا اور اسرار کی نعمت سے آنے والوں کو اُن کا حصہ دیتا اور اُن کا مدعا پورا کر کے رخصت کرتا ہے۔ مرد خدا وہی لوگ ہیں۔ جو ذرہ برابر راہ خدا سے باہر نہ ہوئے

اور رزق کی خاطر کبھی متوحش نہ ہوئے۔

آپ کا ارشاد ہے کہ توبہ کی چھ قسمیں ہیں۔ دل و زبان سے توبہ کرنا۔ آنکھ کان۔ ہاتھ۔ پانوں اور نفس کی توبہ۔ اس کی تشریح یوں بیان فرمائی کہ جب تک دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار نہ ہو توبہ درست نہیں ہو سکتی۔ ایسی چیزوں کے دیکھنے سے توبہ کرے جو دیکھنے اور سننے کے قابل نہیں ہیں۔ ایسی چیزوں کے چھونے اور مدد کرنے سے یعنی ہاتھ سے مدد اور پاؤں سے قصد کرنے سے توبہ کرے۔ جو اس قابل نہیں کہ اُن کی مدد یا اُن کا قصد ہاتھ یا پانوں سے کیا جائے اور نفس کو تمام خواہشات ماکولات و شہوات سے باز رکھا جائے اور ان سب سے توبہ کی جائے اور نفس کی خواہش کے مطابق کام نہ کیا جائے۔

توبہ کی بحالت زمانہ اور تین قسمیں بیان فرمائیں۔ حال ماضی و استقبال۔ حال ...... یعنی کئے ہوئے گناہ سے ندامت حاصل ہو۔ ماضی یہ کہ تلافی گناہان کرے۔ مثلاً دشمن کو راضی کرنا۔ کسی سے اگر کوئی شئے لی ہے تو اُسے واپس کرنا اور استقبال یہ کہ آیندہ گناہ سے بچنے کا مصمم ارادہ کرنا۔

آپ فرماتے ہیں کہ اے درویش جس نے سعادت حاصل کی ہے بزرگوں کی خدمت سے حاصل کی ہے۔ جو کچھ انسان کرے اُسے یہی سمجھنا چاہیئے کہ سب خدا کی مرضی سے ظہور میں آرہا ہے اور خود وہ درمیان میں نہیں ہے۔

تلاوت قرآن کی آپ بہت تاکید فرماتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ سے کلام کرنا چاہے وہ کلام الٰہی پڑھا کرے۔ نیک بخت بندہ وہ ہے جو اپنے دوست اور مولا سے ہمکلام ہو۔ اس ہمکلامی کی سعادت تلاوت قرآن مجید سے حاصل ہوتی ہے۔ عاشق و معشوق میں اُلفت باہم گفتگو سے بڑھتی ہے۔ پس راہ سلوک میں تلاوت قرآن سے بڑھ کر کوئی شئے نہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں خلوت میں یاد الٰہی میں مشغول تھا۔ جب سورۂ اخلاص پر پہونچا تو مجھ پر عالم تجلی سے اسرار و انوار نازل ہونا شروع ہوئے۔ ان انوار نے عشق و محبت کے صحرا

میں مجھے جا پھینکا جب وہاں سے نکلا تو اللہ جل شانہٗ کے عشق و محبت کے دریا میں غرق ہوا۔ سات دن رات میری یہی حالت رہی پھر عالم صحو میں آیا۔

آپ فرماتے ہیں کہ اے درویش خرقہ پہن لینا تو آسان ہے مگر اس کا حق ادا کرنا بہت مشکل ہے اور صرف خرقہ پہن لینے سے نجات ہوتی تو تمام لوگ خرقہ پہن لیتے اور نجات حاصل کر لیتے۔

درکوہ و دشت ہر سبعی صوفیے بدے   گر ہیچ سود مند بُدے صوف بصفا

خرقہ خرقہ پوش کی وجہ سے قابل اعتبار ہوتا ہے۔ اس کا بطور خود کوئی اعتبار نہیں جب درویش صوف پہن لے تو اُس پر واجب ہے کہ گوشہ نشینی اور تنہائی اختیار کرے اور دولت مندوں سے ملنا جلنا چھوڑ دے۔

پھر فرمایا کلام مجید میں ہے۔ الم یان للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم بذکر اللہ یعنی اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے۔ کہ اے میرے بندو کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ میرے خوف سے تمہارے دل نرم ہوں یا کوئی تم میں سے ایسا ہے جو ہم سے صُلح کرے یعنی توبہ کرے اور ہم اُس کی توبہ قبول کریں پھر فرمایا کہ خائف اُس شخص کو کہتے ہیں جس میں یہ تین باتیں پائی جائیں۔ اول روزہ کی خاطر کم کھانا دوم نماز کی خاطر کم بولنا۔ سوم ذکر کی خاطر کم سونا۔ اور جس طرح یہ تین باتیں درویش کے لئے ضروری ہیں اُسی طرح خوف۔ امید اور محبت بھی ضروری ہے۔

آپ نے فرمایا کہ عقلمند وہ شخص ہے جو سب کاموں میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرے اور کسی سے کسی طرح کی اُمید نہ رکھے۔ پھر فرمایا کہ اہل توکل پر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ اگر اُس وقت اُنھیں آگ میں پھینک دیا جائے یا زخمی کیا جائے تو اُنھیں مطلق خبر نہ ہو۔ نیز فرمایا کہ جو شخص عالم توکل میں حق تعالیٰ کے کرم پر بھروسہ کرتا ہے اُسے عالم غیب سے روزی پہونچتی ہے اور جو کچھ وہ طلب کرتا ہے اُسے مل جاتا ہے

آپ نے فرمایا کہ اے درویش لوگوں کی تین قسمیں ہیں۔ بعض ایسے ہیں جو دنیا سے محبت کرتے ہیں اور ہر وقت اُسی کی یاد و طلب میں رہتے ہیں۔ ایسے بہت

ہیں بعض اسے دشمن سمجھتے ہیں اور محبت نہیں کرتے۔ بعض نہ اُسے دوست سمجھتے ہیں نہ دشمن۔ یہ تیسری قسم کے لوگ پہلی دو قسموں سے اچھے ہیں۔ پھر فرمایا کہ جو شخص جس قدر اللہ تعالیٰ سے غافل ہے اُسی قدر دنیا میں مبتلا ہے۔

پھر فرمایا کہ میں نے خواجہ بختیار اوشیؒ سے سُنا ہے کہ دنیا میں تین کام سب کاموں سے افضل ہیں۔ اول دنیا کو پہچاننا اور اُس سے بچنا۔ دوسرے حق تعالےٰ کی طاعت کرنا اور ادب ملحوظ رکھنا۔ تیسرے آخرت کی آرزو رکھنا اور اُس کی طلب میں کوشش کرنا۔ اس راہ میں مرد وہی ہے جو ان تین باتوں پر عمل کرے۔ یعنی (۱) دنیا سے بچا رہے (۲) مرنے سے پہلے گور کے لئے تیاری کرے۔ (۳) حق تعالیٰ کو دیکھنے سے پہلے اُسے خوش کرے۔ پھر فرمایا جو شخص جس قدر زیادہ موت سے غافل ہوگا اُسی قدر دنیا کا ذکر اُس کے دل میں محکم ہوگا۔ سلوک کے بارے میں لکھا ہے۔ اکثروا ذکرھادم النفس وھادم اللذات جو شخص ہمیشہ موت کو یاد رکھتا ہے۔ اللہ جل شانہ اُس سے خوش ہوتا ہے۔

آپ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کا اپنے پیر کے حق میں نیک عقیدہ نہیں وہ مُرید نہیں۔ پیر میں اتنی قوت ہونی چاہیئے کہ جب کوئی مُرید ہونے کی نیت سے آئے تو اُس کے حُسن عقیدت کو دیکھے۔ اگر اُسے فرمان حق میں راسخ نہ پائے تو کہدے واپس جاؤ ابھی تمہارا وقت نہیں آیا۔

آپ نے فرمایا کہ مذہب۔ تصوف وسلوک کے مطابق وہ شخص صوفی وسالک نہیں ہے جو یاد حق میں نہیں۔ کیونکہ جس دم وہ یاد الٰہی سے غافل ہوتا ہے اُسے نہیں معلوم اُس وقت کن کن نعمتوں سے محروم رہتا ہے۔ اس لئے جہاں تک ہو سکے یاد الٰہی سے غافل نہیں رہنا چاہیئے۔ اہل تصوف صرف اُسی دل کو زندہ سمجھتے ہیں جو یاد حق میں مستغرق ہو اور ایک دم بھی یاد الٰہی سے غافل نہو جو یاد الٰہی سے غافل ہیں وہ مردے ہیں۔

آپ کا ارشاد ہے کہ ہمارے خواجگان نے سلوک کے پندرہ مراتب مقرر کئے ہیں جن میں سے پانچواں مرتبہ کشف وکرامات کا ہے۔ اگر سالک اس

مرتبہ میں کشف وکرامت ظاہر کردے تو اچھا نہیں۔ پورے پندرہ مراتب طے کرکے کشف کا اظہار کرنا چاہیئے۔

آپ کا ارشاد ہے مرید کو چاہیے کہ پیر کا فرمان دل وجان سے بجا لائے۔ فرمایا کہ جب انسان پر رنج ومصیبت نازل ہو تو اُس کے سبب پر غور کرنا چاہیئے۔ اور تنبیہہ حاصل کرنا چاہیئے جو شخص ہر وقت طاعت میں رہتا ہے اُسے کسی قسم کی تکلیف نہیں پہونچتی۔ اے درویش جو لوگ مصیبت میں صبر کرتے ہیں اللہ جل شانہٗ اُن کے گناہوں کو ملیا میٹ کردیتا ہے۔ یہ سعادت ہے جو گناہوں کا کفارہ ہوجاتی ہے۔ اے درویش اس راہ میں عاشقوں نے درد وبلا کو اپنی خوراک بنایا ہے۔ جس دن اُن پر بلا نازل نہیں ہوتی وہ ماتم کرتے ہیں کہ آج ہمیں دوست نے یاد نہیں فرمایا اور جب کبھی درد وبلا میں مبتلا ہوتے ہیں تو یاد آوری کے شکرانے بجا لاتے ہیں۔ اے درویش راہ محبت میں صادق وہی شخص ہے جو بڑی خواہش سے درد وبلا کی تمنا کرے۔ پھر فرمایا کہ اے درویش ہم مسافر ہیں بلا کے سر پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ بلا دینا ہے۔ ہماری عمر کی بساط یکایک لپیٹ دی جائے گی اور قبر ہمارا مقام ومنزل ہوگی۔

جہاں چیست بگذر ز نیرنگ او | رہائی بجنگ آر از چنگ او
سفینے نہ بینی دریں باغ کس | تماشا کند ہر یکے ہر نفس
دریں چار سو ہیچ بیگانہ نیست | کہ کیسہ بر مرد خود کامہ نیست
در و ہر دمے نوبرے می رسد | یکے می رود دیگرے می رسد
جہاں گرچہ آرام گاہ خوش است | شتابندہ را نعل در آتش است
دو در دار دایں باغ آراستہ | در و بند ایں ہر دو برخاستہ
درا از درے باغ بنگر تمام | ز دیگر درے باغ بیروں خرام
اگر زیرکی باگلے خو مگیر | کہ باشد سجا ماندنش ناگزیر
دریں دم کہ دادی بہ شادی بسیچ | کہ آئندہ در زیر پیچ است و پیچ

یکے را در آرد بہ ہنگامہ تیز | دگر را زہنگامہ گوید کہ خیز
نظامی سبک باش یاراں شدند | تو ماندی بہ غم غمگساراں شدند

آپ کا ارشاد ہے کہ فقیر جب جامہ پہنے تو یہ سمجھے کہ جامہ نہیں بلکہ کفن پہنا ہے
صاحب سیر الاولیا لکھتے ہیں کہ آپ کے پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں ہوئیں
پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں بہت ہوئیں۔ آپ کے سب سے بڑے
صاحبزادہ کا نام شیخ نصیر الدین قدس سرہٗ ہے۔ صاحب مراۃ الاسرار سیر الاولیا
سے نقل کرتے ہیں کہ "بہ اوصاف سنیۃ و اخلاق مرضیہ موصوف بود۔ روزگار بعبادت
باری تعالیٰ و بہ کسب زراعت جہت لقمہ حلال گزرانید و عمر عزیز در رضائے
حق تعالیٰ بسر بردہ رحمۃ اللہ علیہ۔" آپ کے دوسرے صاحبزادہ کا نام شیخ شہاب الدین
قدس سرہٗ ہے۔ آپ وفور علم و فضائل سے آراستہ تھے اور اکثر اوقات اپنے والد
ماجد کی خدمت مبارک میں رہا کرتے تھے۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ مجھ میں اور
شیخ شہاب الدین میں باہم محبت تھی۔ ایک مرتبہ بلا قصد مجھ سے کوئی خطا سرزد ہو گئی
تھی انھوں نے درمیان میں پڑ کر معافی دلوائی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ آپ کے
تیسرے صاحبزادے کا نام بدر الدین سلیمان بن گنجشکر تھا۔ قدس سرہٗ العزیز یہ بھی علم
و تقویٰ میں مشہور اور اوصاف مشائخ کبار سے موصوف تھے۔ حضرت گنجشکرؒ کے
وصال کے بعد انھیں کو تمام بھائیوں اور اہل ارادت کے اتفاق رائے سے
سجادہ پر بٹھایا گیا تھا صاحب مراۃ الاسرار فرماتے ہیں کہ "آں مقام را بنور حضور بر سجادۂ
طریقت منور گردانید و پیرا گنج شکرؒ مرید خلفائے چشت گردانیدہ بودند۔" چوتھے
صاحبزادے کا نام نظام الدین تھا۔ حضرت گنجشکرؒ کو تمام لڑکوں سے زیادہ انھیں
سے محبت تھی۔ آپ نے فوج کی نوکری کی اور والد ماجد کے بعد حملہ کفار میں
لڑ کر شہید ہوئے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ کی نعش مبارک نہیں ملی اور بعض کہتے
ہیں علاء الدین خلجی کے زمانہ میں قلعہ سیہور کی تسخیر میں آپ شہید ہوئے اور
وہیں آپ کا مزار ہے۔ پانچویں صاحبزادہ شیخ یعقوب بن گنجشکرؒ تھے۔ قدس سرہٗ العزیز

آپ سب سے چھوٹے تھے اور بذل و ایثار میں شہرت تمام رکھتے تھے ....
.... آپ کا طریقہ ملامتیہ تھا اور کرامات ظاہر ظاہر تھیں آپ اکثر سفر میں رہتے۔ اثنائے سفر میں قصبہ امروہہ میں کہتے ہیں کہ آپ مردان غیب کے ساتھ شامل ہو گئے۔

صاحب مرأۃ الاسرار سیر الاولیا سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت گنج شکرؒ کی بڑی صاحبزادی کا نام بی بی مستورہ تھا۔ دوسری کا نام بی بی شریفہ تھا۔ بی بی شریفہ نہایت عابدہ زاہدہ تھیں اور عنفوان شباب ہی میں بیوہ ہو گئی تھیں۔ پھر عمر بھر شادی نہیں کی اور عبادت الٰہی میں بسر کی۔ حضرت گنجشکرؒ نے بارہا فرمایا ہے کہ اگر عورت کو خلافت وسجادۂ مشائخ دینا روا ہوتا تو میں شریفہ کو دیتا۔ تیسری صاحبزادی کا نام فاطمہ تھا۔ ان کا نکاح شیخ بدرالدین اسحاق سے ہوا تھا جن سے دو لڑکے خواجہ محمد اور خواجہ موسیٰ پیدا ہوئے اور حضرت سلطان المشائخ کے زیر تربیت رہ کر مقامات عالی پر پہونچے۔

حضرت گنجشکرؒ کے پوتے شیخ علاء الدین بن شیخ بدرالدین سلیمان بن گنج شکرؒ قدس سرہٗ تمام پوتوں اور نواسوں میں زیادہ ممتاز تھے۔ ایک بار کھیلتے کھیلتے آئے اور اپنے دادا کے سجادہ پر بیٹھ گئے۔ شیخ عیسیٰ ایک درویش نے ہٹانا چاہا مگر حضرت گنج شکرؒ نے فرمایا "بگذار تا نشستہ باشد" ان انفاس متبرکہ کی برکت سے تقریباً دو قرن شیخ علاء الدین اپنے دادا کے سجادے پر متمکن رہے اور چوّن سال حق سجادگی ادا کیا۔ سلطان فیروز شاہ بادشاہ دہلی آپ کے مریدوں میں سے تھا۔ شیخ رکن الدین جو شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے پوتے تھے جب دہلی سے ملتان کی طرف معاودت فرماتے تو شیخ علاء الدین سے ضرور ملتے اور فرماتے کہ حق تعالیٰ نے آپ کو ایسی استقامت بخشی ہے کہ کوئی شخص اس جگہ سے آپ کو جنبش نہیں دے سکتا۔ جب آپ کا وصال ہوا تو حضرت گنجشکرؒ کے جوار میں آپ کو دفن کیا گیا اور سلطان محمد تغلق نے جو آپ کا مرید اور معتقد تھا ایک بڑا

گنبد مزار پر تعمیر کیا یتبرک و یزار۔

مولانا جلال الدین محمد بلخی الرومی قدس سرہٗ

شاہباز بلند پرواز۔ عشق و جوانمردی میں ممتاز۔ موصوف باوصاف معصومی قطب ابدال مولانا جلال الدین محمد بلخی الرومی قدس سرہٗ بڑے صاحب کمال بزرگ تھے۔ آپ کے خوارق عادات بہت مشہور ہیں۔ اولیاء اللہ میں آپ کی شان عظیم اور حال قوی تھا۔ آپ کی صحت احوال پر کسی اہل بصیرت کو اعتراض نہیں آپ[1] بلخ میں بتاریخ ۶ ربیع الاول ۶۰۴ھ (مطابق ۲۸ دسمبر ۱۲۰۷ء) پیدا ہوئے۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ اول کی اولاد میں سے تھے۔ ماں کی طرف سے آپ کا تعلق خوارزم کے شاہی خاندان سے تھا یعنی جلال الدین حسن الخطیبی کی شادی علاء الدین محمد خوارزم شاہ کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ ان سے حضرت بہاء الدین ولدؒ مولانا روم کے والد ماجد تولد ہوئے تھے۔

[1] مولانا روم کے سوانح نہایت تفصیل کے ساتھ مناقب العارفین میں موجود ہیں جو افلاکی کی لکھی ہوئی ہے۔ مولانا شمس الدین افلاکیؒ حضرت زین الدین عبدالمومن فانیؒ کے شاگرد اور چلپی عارف قدس سرہٗ کے مرید خاص تھے۔ یہ کتاب ۷۱۸ھ اور ۷۵۴ھ کے مابین لکھی گئی ہے۔ اس میں حکایتیں بکثرت ہیں جن میں حشو و زاید سب کچھ ہے۔ رڈہاؤس (Redhouse) نے اپنے ترجمہ دفتر اول مثنوی میں اس کے بکثرت اقتباسات دئے ہیں۔ مسٹر نکلسن پروفیسر فارسی کیمبرج یونیورسٹی نے مولانا کے دیوان اور مثنوی کے ترجمہ اور شرح لکھی ہے۔ اس میں بھی اس کتاب سے نیز تذکرہ دولت شاہ سمرقندی اور نفحات الانس سے بہت مدد لی ہے۔ سپہ سالار کا ایک رسالہ ہے جس میں مولانا کے حالات تفصیل سے درج ہیں۔ یہ رسالہ نسبتہ زیادہ معتبر ہے۔ ان دونوں کے علاوہ آپ کے ملفوظات کا ایک مجموعہ ہے جس کا نام فیہ ما فیہ ہے مگر سب سے اچھی سوانح عمری مولوی شبلی نعمانی مرحوم کی لکھی ہوئی اردو زبان میں ہے جو نہایت مستند ہے۔

حضرت بہاء الدین ولدؒ بہت بڑے عالم متبحر اور مقدس بزرگ تھے۔ آپ کا وعظ فصاحت سے پُر اور مکتب درس تدریس میں شہرہ آفاق تھا۔ فیہ ما فیہ میں ہے کہ آپ کے زمانہ میں کوئی آپ کے پایہ کا مفتی نہ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے فلاسفہ اور محققین کی صحبت سے بیزار ہو کر آپ نے فلسفہ اور مذہب حکمائے یونان کے خلاف علانیہ حصہ لینا شروع کیا تھا۔ سپہ سالار لکھتا ہے کہ اکثر مجالس میں آپ خوارزم شاہ اور امام رازی کے مواجہ میں مذہب فلاسفہ کو بُرا کہا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جو لوگ کتب آسمانی کی پروا نہیں کرتے اور فلسفیوں کی تاویلوں پر کان دھرا کرتے ہیں اُن کی نجات کی کیا اُمید ہو سکتی ہے امام رازی نے ان اقوال کا بُرا مانا اور موقع پا کر بادشاہ کو بھی مخالف کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نے بلخ کو خیرباد کہا اور اپنے خاندان اور چند احباب کو ساتھ لیکر نکل کھڑے ہوئے۔ اسی سفر کے دوران میں تقریباً ۶۱۰ھ میں آپ سے اور خواجہ فرید الدین عطار سے نیشاپور میں ملاقات ہوئی۔ مولانا روم اس زمانہ میں کمسن تھے اور اپنے والد ماجد ہی کے ہمراہ تھے۔ باوجود کمسنی کے شیخ فرید الدین عطارؒ نے اپنی کتاب اسرار نامہ کا ایک نسخہ مولانا کو عطا فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ "زود باشد کہ ایں پسر آتش در سوختگان عالم بزند۔" مولانا ہمیشہ اس نسخہ کو اپنے پاس رکھا کرتے تھے اور حقایق و معارف میں اسی کا اقتدا فرماتے تھے۔ نیشاپور سے یہ مسافر بغداد[1] کی طرف روانہ ہوئے۔ جہاں اُنہیں خبر ملی کہ چنگیز خاں نے بلخ کو تباہ و برباد کر دیا

---

[1] بغداد جب یہ قافلہ پہونچا تو کسی نے پوچھا کہ یہ لوگ کہاں سے آئے اور کہاں جا رہے ہیں؟ مولانا بہاء الدین نے فرمایا کہ من اللہ و الی اللہ و لا حول و لا قوۃ الا باللہ۔ جناب حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ نے جب یہ سنا تو فرمایا کہ شیخ بہاء الدین بلخی ہوں گے۔ یہ کہکر آپ کا استقبال فرمایا اور مستنصریہ میں ٹھیرایا ۱۲۔ ماخوذ از نفحات الانس۔

ہے (۶۱۶ھ) یہ سنکر اس چھوٹے سے قافلہ نے مکہ معظمہ کا رُخ کیا۔ ۱۰ میں چار سال آرزنجان (ارمینا) میں اور سات سال لارندہ میں گزارے۔ یہاں مولانا جلال الدین کی شادی ۶۲۲ھ میں لالا شرف الدین سمرقندی کی صاحبزادی جوہر خاتون سے ہوئی حج کے بعد آپ نے قونیہ میں مستقل طور پر قیام اختیار کیا۔ پہلی بیوی کی وفات کے بعد یہیں مولانا روم نے کرا خاتون سے دوسری شادی کی۔

قونیہ اس زمانہ میں علاء الدین کیقباد سلجوقی کا دارالسلطنت تھا جو مولانا بہاء الدین ولد کا بہت معتقد تھا۔ یہاں مولانا کی بہت عزت و حرمت ہوئی اور آپ نے سلسلہ درس تدریس یہاں پھر جاری فرمایا۔

مولانا جلال الدین رومیؒ کی تعلیم پہلے خود آپ کے والد ماجد نے فرمائی ان کی وفات کے بعد حضرت سید بہاء الدین محقق ترمذی جو بلخ میں شیخ بہاء الدین ولد کے شاگرد رشید تھے ان کے سپرد آپ کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ سید صاحب نے (۹) سال اس خدمت کو انجام دیا اور تعلیم ظاہری کے علاوہ تربیت و تعلیم باطنی بھی آپ ہی نے دی۔ بعض کہتے ہیں کہ مولانا کی تکمیل حضرت خواجہ شمس الدین تبریزیؒ کی صحبت میں ہوئی۔ مگر صحیح یہ ہے کہ دونوں کو ایک دوسرے سے فیض پہونچا ہے۔ چنانچہ آپ نے خود فرمایا ہے کہ شمس تبریزی اسرار رسول کے حامل ہیں اور میں انوار رسول کا حامل ہوں۔

والد ماجد کی وفات کے بعد ۶۲۸ھ میں مولانا جلال الدینؒ سجادہ نشین ہوئے۔ آپ کے تبحر علمی و فصاحت کا شہرہ اس قدر ہوا کہ دور دور سے شاگرد آنے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ چار چار سو طلبہ وقت واحد میں آپ کے مدرسہ میں تعلیم پاتے تھے۔ مگر آپ کا نفس زکیہ خدا طلبی و خدا جوئی کے لئے بیقرار تھا اور علوم معقولیہ اس کی پیاس نہیں بجھا سکتے تھے۔ بالآخر وہ زمانہ آیا کہ مولانا جس چیز کے جویا تھے انھیں ملی۔ ۲۶ جمادی الآخر ۶۴۲ھ (۲۸ نومبر ۱۲۴۴ء) کو حضرت شمس تبریزؒ

ل۔ یہ بیان افلاکی اور جامی کے مطابق ہے مگر رضا قلی کہتا ہے کہ مولانا رومؒ کی عمر (۶۲)

سفر کرتے ہوئے قونیہ پہونچے اور مولانا رومؒ سے ملاقات ہوئی۔ یہاں سے حضرت شمس تبریزؒ اور مولانا روم کی صحبت کا زمانہ شروع ہوا۔ چنانچہ باہم عشق اور تعلقات اتنے بڑھ گئے کہ بغیر حضرت شمس تبریزؒ کے مولانا کو چین ہی نہیں آتا تھا۔ تمام درس تدریس کا سلسلہ موقوف ہوگیا۔ افلاکی کہتا ہے کہ جس طرح ایک ادنیٰ غلام بادشاہ کی اطاعت کرتا ہے اسی طرح مولانا روم حضرت شمس تبریزؒ کی اطاعت کرتے تھے۔ رضا قلی کا بیان ہے کہ مولانا روم اُن کی صحبت میں ایک عرصہ تک ایسے وارفتہ اور مجذوب وار رہے کہ لوگ کہتے تھے کہ آپ پاگل ہو گئے ہیں۔ سب جگہ آنا جانا موقوف کردیا اور اُن کے ساتھ خلوت نشیں ہو کر تنہائی میں بسر کرنے لگے۔ مولانا روم کے تلامذہ و مرید اس صحبت سے نہایت درجہ برہم ہوئے اور اس برہمی میں انہوں نے حضرت کو گالیاں دینی شروع کیں اور مارنے کا ارادہ کیا۔ حضرت شمس الدین یہ دیکھکر تبریز چلے گئے۔ لیکن مولانا رومؒ اُن کے پیچھے گئے اور منت سماجت کرکے واپس لائے۔ لوگوں نے مولانا کا شغف دیکھکر پھر ایک بار ہنگامہ برپا کیا جس کی وجہ سے حضرت شمس تبریزؒ دمشق چلے گئے اور دو سال تک وہیں رہے۔ مولانا کو اس جدائی کا نہایت صدمہ تھا اور قوالوں سے عشقیہ غزلیں گواتے اور رات دن سماع میں رہتے تھے۔ آپ کے دیوان کی بہت سی غزلیں اسی زمانہ فراق کی لکھی ہوئی ہیں۔ بالآخر اس فراق کے اُٹھانے کی طاقت باقی نہ رہی۔ اتنے میں آپ کو خبر ملی کہ حضرت شمس الدین دمشق میں ہیں تو آپ نے یہ غزل کہی جس کا ایک

بقیہ حاشیہ ص ۳۲۹۔ سال کی تھی جس وقت حضرت شمس الدین تبریز قونیہ میں آئے اس تاریخ یعنی (۶۶۲ھ) کی بظاہر تصدیق دیوان کے اس شعر سے بھی ہوتی ہے۔

باندیشہ فرو بردم اعقل چہل سال ... بشصت و دو شدم صید و زتدبیر بجستم

بخلاف اس کے مثنوی کے پہلے دفتر میں حضرت شمس تبریزؒ سے خطاب کیا گیا ہے اور یہ بھی بتحقیق معلوم ہے کہ مثنوی شریف کے دوسرے دفتر کا آغاز ۶۶۲ھ میں ہوا تھا۔ ۱۲۔

شعر یہ ہے۔

رسید مژدہ بہ شام است شمس تبریزی | چہ صبحہا کہ نماید اگر بہ شام بود

چنانچہ آپ نے اپنے صاحبزادے سلطان ولد کو بھیجا کہ دمشق سے حضرت شمس الدین کو قونیہ لائیں اور یہ نامہ منظوم دیا کہ حضرت شمس کو دیدیں ؎

بخدائے کہ در ازل بودست | حی و دانا و قادر و قیوم
نور او شمع ہائے عشق افروخت | تا بہ شد صد ہزار سر معلوم
از یکے حکم او جہاں پُر شد | عاشق و عشق و حاکم و محکوم
در طلسمات شمس تبریزی رح | گشت گنج عجائبش مکتوم
کہ ازاں دم کہ تو سفر کردی | از حلاوت جدا شدیم چو موم
ہمہ شب ہمچو موم می سوزد | ز آتشے جفت و از انگبیں محروم
در فراق جمال تو ما را | جسم ویران و جان ہمچو بوم
آں عناں را بدیں طرف برتاب | زفت کن پیل عیش را خرطوم
بی حضورت سماع نیست حلال | ہمچو شیطان طرف شدہ مرجوم
یک غزل بے تو ہیچ گفتہ نہ شد | تا رسد آں بشارتہ مفہوم
پس بذوق سماع نامۂ تو | غزل پنج و شش بشد منظوم
شام از نور صبح روشن باد | اے بتو فخر شام و ارمن و روم

اس خط کے علاوہ پندرہ شعر کی ایک غزل لکھی تھی جس کا مطلع یہ ہے

بروید اے حریفاں بکشید یار ما را | بمن آورید حالا صنم گریز پا را
اگر او بوعدہ گوید کہ دم دگر بیاید | مخورید مکر او را بفریبد او شما را

غرض کہ نامہ مذکور لیکر حضرت سلطان ولد دمشق گئے اور وہاں سے حضرت شمس تبریز کو قونیہ لائے۔ اس مرتبہ حضرت شمس الدین تبریزی اور مولانا رومؒ میں ۶۴۵ھ تک یکجائی رہی بعض مورخین یہ لکھتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت شمس الدینؒ قتل کردیے گئے۔ چنانچہ مولانا جامیؒ نفحات الانس

میں اس واقعہ کو اس طرح لکھتے ہیں۔

ایک شب شیخ شمس الدینؒ اور مولاناؒ باہم خلوت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے باہر سے آکر شیخ سے اشارہ کیا کہ ذرا باہر تشریف لائیے آپ فوراً اُٹھ کھڑے ہوگئے۔ اور مولانا سے کہا کہ لوگ مجھے قتل کرنے کے لئے بلا رہے ہیں۔ مولانا نے بہت توقف کے بعد ارشاد فرمایا۔ الالہ الخلق والامر تبارک اللّٰہ رب العالمین۔

سات آدمی ہاتھ میں ہاتھ ڈالے کمین گاہ میں کھڑے تھے۔ انھوں نے شیخ پر چھری کا وار کیا۔ شیخ نے ایک نعرہ مارا جس سے وہ جماعت بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ ان ہی میں علاء الدین محمد مولاناؒ کے فرزند بھی شامل تھے۔ جن پر انہ لیس من اھلک کا داغ تھا۔ وہ لوگ جو بیہوش تھے ہوش میں آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ صرف چند قطرے خون کے زمین پر پڑے ہوئے ہیں اور کچھ نہیں۔ اس روز سے آج تک اس سلطان معانی کا پتہ نہ لگا۔ یہ واقعہ ۶۴۵ھ کا ہے۔" ان ناکسوں میں سے ہر ایک تھوڑے ہی دنوں بعد ایک نہ ایک بلا میں گرفتار ہو کر ہلاک ہو گیا۔ علاء الدین محمد کو بھی عجیب طرح کی بیماری لاحق ہوئی اور ان ہی ایام میں انتقال کر گئے۔ مولاناؒ ان کے جنازے پر تشریف نہیں لائے۔ بعض کہتے ہیں کہ مولانا بہاء الدین ولد کے پہلو میں شیخ شمس الدینؒ دفن ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ان ناکسوں نے آپ کے جسم مبارک کو ایک کنوئیں میں ڈالدیا تھا۔ سلطان ولد نے

نوٹ حاشیہ صفحہ ۳۴۱۔ افلاکی کہتا ہے کہ حضرت شمس الدین تبریزیؒ قتل کردے گئے۔ سلطان کی پولیس نے بلا تحقیقات و مقدمہ قتل کر دیا۔ لیکن جو وجہ بیان کی جاتی ہے وہ نہایت لغو ہے۔ دولت شاہ ایک دوسرا ہی قصہ بیان کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مولانا رومؒ کے فرزندوں میں سے ایک فرزند نے ان پر ایک دیوار گرادی لیکن اس روایت کی کسی قابل اعتبار ذریعہ سے تصدیق نہیں ہوتی ہے غالباً صحیح یہی ہے کہ آپ کہیں چلدئے اور پھر پتہ نہ ملا۔ ۱۲

نے خواب میں دیکھا کہ شمس الدینؒ اشارہ کر رہے ہیں کہ فلاں کنوئیں میں سو رہا ہوں۔ چنانچہ آپ نے آدھی رات کو یاران محرم کو جمع کر کے آپ کی نعش نکالی اور مولانا کے مدرسہ میں بانی مدرسہ امیر بدر الدین کے پہلو میں دفن کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔" مگر بعض یہ کہتے ہیں اور غالباً یہی صحیح ہے کہ حضرت شمس الدینؒ کہیں چلے گئے اور پھر آپ کا پتہ نہ چلا۔

کہا جاتا ہے کہ خواجہ شمس الدین تبریزیؒ کی یادگار میں مولاناؒ نے سلسلۂ مولویہ کی بنیاد ڈالی۔ یہ لوگ ابتک نظر آتے ہیں۔ ایک خاص قسم کا لباس پہنا کرتے ہیں اور خوب سماع سنتے اور رقص کیا کرتے ہیں۔ رضا قلی کا بیان ہے کہ مولانا کا دیوان صرف حضرت شمس الدین تبریزیؒ کی یادگار میں[1] لکھا گیا ہے۔ مگر خود مولانا روم کہتے ہیں کہ میں لوگوں کا دل رکھنے کے لئے شعر کہدیا کرتا ہوں ورنہ کہاں شعر کہاں میں" واللہ کہ من از شعر بیزارم کہ ازیں دوں ترچیزے نیست۔"

مثنوی کا آغاز اس کے بعد چلپی حسام الدینؒ کے اصرار پر ہوا۔ اس دیوان اور مثنوی کے متعلق صاحب مراۃ الاسرار لکھتے ہیں" وے در دیوان سخن بسیار بے پردہ می گوید و از کمال عشق مستانہ نالیدہ است و یک کلمہ خلاف اصطلاحات ایں طایفہ واقع نہ شدہ مثنوی مولوی جمیع عارفاں را حجت است۔" مولاناؒ کے ملفوظات بھی ایک رسالہ کی شکل میں جمع ہیں جن کا نام فیہ مافیہ ہے۔ اسے مولوی عبد الماجد دریا بادی نے بہت تصحیح و محنت کے ساتھ طبع کرایا ہے۔

نفحات الانس میں ہے کہ مولانا سراج الدینؒ قونیوی اپنے زمانہ کے بزرگ و صاحب صدر تھے۔ ان سے اور مولانا سے صفائی نہ تھی۔ ان کے سامنے کسی نے

---

[1] یہ نتیجہ غالباً اس واقعہ سے نکالا گیا ہے کہ دیوان کا بعض حصہ اس وقت لکھا گیا ہے جب کہ مولانا شمس الدین تبریزیؒ بقید حیات تھے اور اکثر حصہ بعد وفات لکھا گیا ہے۔ دولت شاہ سمرقندی کا یہ لکھنا صحیح نہیں کہ کل دیوان ان دو سالوں میں لکھا گیا ہوگا جب شیخ شمس الدین تبریزیؒ دمشق میں مقیم تھے۔ ۱۲

کہا کہ مولانا فرماتے ہیں کہ مجھے مذہب میں تہتروں فرقوں سے موافقت ہے۔ مولانا سراج الدین نے مولانا کو رنج دینے اور بے حرمتی کرنے کے خیال سے اپنے ہمراہیوں میں سے ایک ذی علم شخص کو بھیجا کہ مولاناؒ سے دریافت کرے کہ آیا یہ صحیح ہے؟ اگر وہ اقرار کریں تو انھیں خوب دشنام سنائے۔ چنانچہ وہ صاحب مولاناؒ کی خدمت میں پہونچے اور سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں صحیح ہے۔ یہ سنکر اُنھوں نے زبان درازی شروع کی اور مولانا کو بہت سخت سست کہا۔ آپ سنتے جاتے اور مسکراتے جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھے اس سے بھی اتفاق ہے۔ حتیٰ کہ وہ شخص خود ہی شرمندہ ہوکر چلا گیا۔

مولانا ہمیشہ خادم سے پوچھتے رہتے تھے کہ آج گھر میں کچھ ہے یا نہیں؟ اگر وہ کہتا کہ کچھ نہیں ہے تو خوش ہوتے اور خدائے عزوجل کا شکریہ ادا فرماتے کہ آج ہمارا گھر پیغمبروں کے گھر کی طرح ہے اور اگر نوکر کہتا کہ باورچی خانہ میں احتیاج موجود ہے تو منفعل ہوتے اور کہتے کہ اس گھر سے خانۂ فرعون کی بو آتی ہے۔ آپ کی مجلس میں شمع کم روشن کی جاتی تھی اور فرمایا کرتے تھے کہ ھذا اللوک وھذا للصعلوک ایک روز آپ کی مجلس میں شیخ اوحدالدین کرمانیؒ کا ذکر آیا کہ مرد شاہد باز تھے لیکن پاک باز تھے۔ آپ نے فرمایا "کاش کہ کردے ودر گذشتے"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک توبہ کرنے والے کا مرتبہ کتنا بلند تھا۔ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ جب تک خود کوئی اہل صفا نہو اسرار اہل صفا کو نوائے نے میں سمجھنا اور ذوق حاصل کرنا ممکن نہیں۔ الایمان کلمۃ ذوق ؎

آہ دردے راند ارم محرمے ‏ ‏ چوں علی آہے کنم در قعر چاہ

چہ بجوشد نے بروید از لبش ‏ ‏ نے بنالد سازمن گرد و تباہ

سلطان ولدؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز بادشاہ وقت نے ایک کیسہ زر جناب والد ماجد کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے یاروں سے پوچھا کہ اسم اعظم کیا ہے۔ سب نے کہا کہ حضور ارشاد فرمائیں۔ آپ نے اشارہ کرکے فرمایا کہ "اسم اعظم

ایں زر وسیم است کہ ہم سخی میر ساند وہم باطل راہی آراید۔ چہ بے وجود ایں نہ دنیا معمور است ونہ اہل آخرت مغرور ومسرور ؎

نشاط مرداں از زر وسیم است   خوشی ہائے جہاں از زر وسیم است

آپ نے ارشاد فرمایا کہ خداوند شمس الدین تبریزیؒ فرماتے ہیں کہ "مرید قبول یافتہ کی علامت یہ ہے کہ بیگانہ آدمیوں کی صحبت میں بالکل نہ بیٹھ سکے اور اگر اتفاقاً ایسی نوبت آجائے تو اس طرح بیٹھے جیسے کہ منافق مسجد میں یا لڑکے مکتب میں یا قیدی محبس میں بیٹھا کرتے ہیں۔"

صاحب نفحات فرماتے ہیں کہ مولاناؒ فرماتے تھے کہ "من ایں جسم نیستم کہ در نظر مردم منظورم بلکہ آں ذوقم کہ در باطن مریداں از کلامم سر بیزند۔ اللہ اللہ چوں آں دم رایابی وآں ذوق را بچشی غنیمت میدار وشکر ہا میگذار کہ من آنم۔" یہ ارشاد فرما کر حضرت چلپی حسام الدین کی طرف رُخ کیا اور فرمایا کہ اللہ اللہ اولیائے حق کے ساتھ زانو سے زانو ملا کر بیٹھنا چاہئے کیونکہ اس قرب میں بڑے بڑے اثر ہیں۔

یکے لحظہ ازاں دوری نہ شاید   کہ از دوری خرابی ہا فزاید

بہر حالے کہ باشی پیش او باش   کہ از نزدیک بودن مہر زاید

یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی مُرغ ادھر کی طرف اُڑے تو اگر آسمان تک نہ بھی پہونچ سکے تاہم جال سے بہت دور ہوتا جائیگا۔ یہی حال فقیر کا ہے کہ اگر کمال درویشی نہ بھی نصیب ہوتا ہم اُس کو یہاں تک تو حاصل ہو جائیگا کہ عامۃ الناس کے زمرہ سے ممتاز ہو جائے گا اور دنیا کی زحمتوں سے سبکسار اور ہلکا ہو جائے گا۔

آپ فرماتے ہیں کہ آزاد مرد وہ ہے جو کسی کے رنج پہونچانے سے رنجیدہ نہ ہو اور جوانمرد وہ ہے جو اُس شخص کو بھی دُکھ نہ دے جسے ضرور دکھ دینا چاہیئے۔

سپہ سالار لکھتے ہیں کہ میں نے کبھی آپ کو شب خوابی کے لباس میں نہیں دیکھا۔ آپ رات بھر ذکر ومراقبہ میں مشغول رہتے اور جب نیند کا غلبہ ہوتا تو بے اختیار ہو کر کسی طرف گر جاتے تھے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

همه خفتند و من دل شده را خواب نبرد همه شب دیده من بر فلک استاره شمرد
خوابم از دیده چنان رفت که هرگز ناید خواب من زهر فراق تو بنوشید و بمرد

اسی مضمون کو ایک غزل میں آپ نے بیان فرمایا ہے۔

دیده خوں گشت و خوں نمی خسپد دل من از جنوں نمی خسپد
مرغ و ماهی ز من شده حیراں کایں شب در و ز چوں نمی خسپد
پیش ازیں در عجب همی بودم کاسمان نگوں نمی خسپد
آسماں خود کنوں ز من خیره است که چرا ایں زبوں نمی خسپد
عشق بر من فسون اعظم خواند دل شنید ایں فسوں نمی خسپد

مولانا پر اکثر بے خودی طاری رہتی تھی کبھی کبھی اسی حالت میں یکایک کھڑے ہو کر رقص کرنے لگتے۔ کبھی جنگل کو نکل جاتے اور کئی کئی ہفتہ بے پتہ رہتے۔ لوگ ہر طرف تلاش کرتے تو کہیں کسی ویرانہ میں سراغ ملتا۔ بعض وقت سماع میں ایسی بے خودی طاری ہوتی کہ اپنے بدن کا لباس بھی قوالوں کو دے دیا کرتے تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کو خاص روحانیت پاک حضرت سرور کائنات علیہ التحیۃ والسلام و حضرت مرتضوی سے فیض تھا۔ چنانچہ غلبات شوق و حال میں یہ فرماتے ہیں۔

ز خلق احمد مختار مستیم ز مهر حیدر کرار مستیم
نسیمی یافتم از صبح توفیق ز طیب روضهٔ اشجار مستیم
چوں من مستم ز صهبائے الٰهی نه از صهبا که از دیدار مستیم
ز مشک و عود و عنبر گشته فارغ ز بوئے طرهٔ دلدار مستیم
سحرگه هاتفے در داد پیغام ازاں پیغام بوئے یار مستیم
بیا اے زاهد شوریده احوال که من از عطر آں خمار مستیم
تو از اسلام می لافی و طاعت من از احسان آں غفار مستیم
چو منصورم دریں انوار توحید انا الحق گفته و بر دار مستیم
من از یکبار زلفش بوئے بردم ازاں بوئے خوش تاتار مستیم

فسیمے یافتم از شمس تبریزؒ — کہ من زاں سالک اسرار ستیم
نمش گردم نخواہم گفت دیگر — کہ در انوار و در اطوار ستیم

جب مرض الموت لاحق ہوا تو اپنے اصحاب سے آپ فرماتے تھے کہ میرے مر جانے سے غمناک مت ہونا جس حال میں تم ہو گے میرے ہمراہ ہو گے۔ جب حق تعالیٰ کی عنایت سے فرد و مجرد ہو جاؤنگا اور عالم تجرید و تفرید ظاہر ہوگا تو اس تعلق کے باوجود بھی میں تمہارے ساتھ رہوں گا۔ حضرت صدر الدین قونوی آپ کے عیادت کو تشریف لائے اور فرمایا کہ "شفاک اللہ امید است کہ صحت باشد خدمت مولانا جانِ عالمیان است۔" فرمایا شفا تمہیں مبارک ہو۔ جبکہ عاشق و معشوق میں اس ایک

سطر (۱۱) صفحہ (۳۴۷)، مولانا روم کے ایک خلیفہ حضرت احمد رومی بیجاپور (دکن) آئے تھے اور یہیں یاقوت محل میں (جواب مسافر بنگلہ ہے) پھاٹک کے پاس دفن ہیں اور رومی صاحب کے نام سے مشہور ہیں۔ ۱۲

قوم اجابت لبیند و پاس دارید آں پس ساکہ بجانب حق میخوانند۔" اصحاب نے آپ سے التماس کیا کہ خلافت کے لئے کسے حکم ہوتا ہے؟ فرمایا چلپی حسام الدین تین بار یہی سوال کیا اور یہی جواب پایا۔ چوتھی مرتبہ پوچھا کہ سلطان ولد کے لئے کیا ارشاد ہوتا ہے فرمایا وہ پہلوان ہے اُسے کچھ وصیت کی حاجت نہیں۔ چلپی حسام الدین نے پوچھا کہ آپ کی نماز کون پڑھائے؟ فرمایا صدر الدین قونویؒ مولانا مؤید الدین سے بعض لوگوں نے پوچھا کہ حضرت شیخ صدر الدینؒ مولاناؒ کی شان میں کیا فرماتے تھے؟ فرمایا سبحان اللہ۔ ایک مرتبہ حضرت شیخ خاص خاص لوگوں کے ساتھ یعنی مولانا شمس الدین مکیؒ و شیخ فرید الدین عراقی و شیخ شرف الدین موصلی و شیخ سعید فرغانی وغیرہ کے ہمراہ تشریف فرما تھے کہ مولانا کی سیرت و صورت کا ذکر ہوا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ "اگر بایزیدؒ و جنیدؒ اس عہد میں ہوتے تو وہ بھی اس مرد مردانہ کی غاشیہ برداری

کرتے اور اپنی جان پر احسان سمجھتے۔ وہ فقر محمدی صلعم کا خان سالار تھا ہم سب اُسی کے طفیل میں ذوق حاصل کرتے ہیں"۔ سب نے داد انصاف دی اور آفرین کہی بعد ازاں شیخ سویدالدینؒ نے فرمایا میں بھی اس سلطان کے نیازمندوں میں سے ہوں۔ مولانا کی وفات ۵ جمادی الثانی سنہ ۶۷۲ھ (مطابق ۱۶ دسمبر ۱۲۷۳ء) یا بقول بعض سنہ ۶۷۰ھ میں بزمانہ سلطان ابقا خاں بن ہلاکو خاں قونیہ میں واقع ہوئی۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کے دیوان اور مثنوی شریف کا بھی مختصراً یہاں ذکر کیا جائے۔

مثنوی شریف کا آغاز سنہ ۶۶۲ھ میں ہوا چنانچہ خود مولانا فرماتے ہیں ؎

مطلع تاریخ آں سودا و سود سال اندر ششصد و شصت و دو بود

وجہ تصنیف یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک شب خواجہ چلپی حسام الدینؒ کو یہ خیال ہوا کہ منطق الطیر کے مانند ایک مثنوی لکھنے کی مولانا سے درخواست کیجائے صبح کو حسب عادت جب حاضر خدمت ہو کر عرض کی تو مولانا نے مثنوی کے ابتدائی ۲۲ شعر جو اس مصرعہ پر ختم ہوتے ہیں۔ مع "پس سخن کوتاہ باشد والسلام" سنائے اور فرمایا کہ یہ میں نے رات کہے ہیں۔ غرض کہ اسی طرح مولانا اول شب میں تصنیف فرماتے اور آخر شب میں صاف کر کے صبح کو حاضرین مجلس کو سناتے۔ اس مثنوی میں مولانا نے مباحث ذات حضرت باری عزاسمہٗ۔ علم توحید۔ وحدت۔ وجود۔ فنا و بقا و دیگر مقامات و حالات سلوک۔ کیفیت روح۔ تجدد امثال وغیرہ علم کلام۔ مناظرہ۔ حکمت و فلسفہ تجاذب اجسام۔ کشش ذرات۔ مسئلہ ارتقاء پر عجیب و غریب مضامین بیان فرمائے ہیں ان مختلف مضمونوں پر ایک ایک دو دو مثالیں بھی اگر دیجائیں تو یہ مضمون حد سے زیادہ طویل ہو جائے گا۔ اس لئے اس کام کو کسی دوسرے موقع کے لئے اٹھا رکھا جاتا ہے۔

ناقدین یورپ میں سے مسٹر نکلسن پروفیسر کیمبرج یونیورسٹی کہتے ہیں کہ دیوان شمس تبریزؒ کی ایک عجیب و غریب شان ہے۔ یہ سچ ہے کہ حسد و حرص کی وجہ سے بعض کتابیں ایسے لوگوں کے نام منسوب ہوگئی ہیں جنھیں ان کی تصنیف و تالیف میں

کوئی دخل نہ تھا اگر دیوان مذکور حضرت شمس الدین تبریزیؒ کے نام سے کبھی منسوب نہیں ہوا بلکہ حضرت شمس الدینؒ کا انتقال غالباً اُس کی تکمیل سے پہلے ہو گیا تھا۔ ایک مقام پر صاحب موصوف کہتے ہیں کہ افلاطون اور مولانا روم کے فلسفہ میں بہت مشابہت پائی جاتی ہے۔ جس مسئلہ کو افلاطون (یا فلاطینوس) مختصر طور پر صاف صاف الفاظ میں بیان کرتا ہے جلال الدین۔ وہی مثالوں کے پردے میں بیان کرتے ہیں۔ ان کا مقصود جن اشیاء سے جو ہوتا ہے وہ صاف معلوم ہوتا ہے مگر زبان سے وہ صاف صاف نام نہیں لیتے۔ ناقدین یورپ کا قول ہے کہ مولاناؒ اپنے مضمون کو اخلاقی رنگ میں دکھاتے ہیں اور منطق اور استدلال سے کام لینے کا بالکل دعویٰ نہیں کرتے اور ما بعد الطبیعات پر جو خیالات ظاہر کرتے ہیں از رہ نہایت مبہم۔ عجیب اور اشارات کے پردے میں نظر آتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم صحیح طور پر نہیں کہہ سکتے کہ فلسفہ یونان و اہل عرب میں انھیں کس حد تک تبحر حاصل تھا۔ بایں ہمہ اگر ان مبہم اشارات و بیانات کو صوفی مصنفوں اور شارحوں کی تعبیرات کی روشنی میں دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ جدید فلسفہ افلاطون میں کوئی شئے ایسی نہیں ہے جسے مولانا جلال الدین رومیؒ نے اپنے خاص طریقہ پر دیوان و مثنوی میں نہ بیان کیا ہو۔ افلاطون کا مقصد یہ ہے کہ خدا کے ساتھ وصل تام حاصل کیا جائے۔ یہ فرض کر کے کہ اس مادی دنیا سے بالاتر ایک اور دنیا ہے جو ایک حقیقی شئے ہے۔ وہ کہتا ہے کہ

(الف) دونوں میں باہمی تعلق کیا ہے؟

(ب) اور کونسے ذرائع ہیں جن سے عروج حاصل کرنا چاہیئے؟

(الف) جدید فلسفہ افلاطون میں "تسلسل"[1] ایک ایسا لفظ ہے جو سب کی زبان پر ہے خدا اور انسان، روح اور مادہ کے درمیان میں کوئی ایسی خلیج نہیں ہے جسے عبور نہ کیا جاسکے ایک ہی سلسلہ کی یہ پہلی اور دوسری آخری کڑی ہے۔ پس مولانا اور افلاطون

---

[1] دیکھو بل (Bussell) کی کتاب مدرسہ افلاطون (The School of Plato

دونوں کے فلسفہ میں ہمیں حسب ذیل اشیا نظر آتی ہیں۔

(۱) وحدت[1] محض جو ہر موجود کی اصل۔ سب سے بالاتر خیال۔ سب سے عظیم تر نیکی اور سب سے فائق تر حسن ہے۔ یہی نہیں بلکہ ان سب سے بالاتر ہے۔ یہ وہم و خیال میں نہیں سما سکتی۔ اس لحاظ سے اثباتاً بیان میں نہیں آسکتی اور صرف نفی[2] سے بیان ہو سکتی ہے۔

(۲) عقل کل[3]۔ ذات واحد کی سب سے پہلی پیدا کردہ شے ہے۔ یہ ہمیشہ ذات کے دھیان میں رہتی ہے۔ اس کا درجہ احدیت سے نیچے ہے۔ یہ شئی تصورات

---

[1] صوفی اسے قدم کہتے ہیں مگر مولاناؒ کے دیوان و مثنوی میں اس کے بجائے سمندر۔ نور یا روشنی۔ محبت۔ سراب حسن۔ حق کے استعارات میں واجب الوجود کے مفہوم کو ادا کیا گیا ہے

[2] یعنی نفی ذات کرنے سے اس بات کے احساس کا راستہ پیدا ہوتا ہے کہ سوائے ایک کے کوئی اور نہیں ہے۔ لا الٰہ الا اللہ میں کچھ نہیں ہوں خدا ہی سب کچھ ہے۔ دیوان میں مولانا رومؒ لکھتے ہیں ؎

چہ تدبیر اے مسلماناں کہ من خود را نمی دانم — نہ ترسانے یہودم من نہ گبرم نے مسلمانم
نہ شرقیم نہ غربیم نہ بریم نہ بحریم — نہ از کان طبیعیم نہ از افلاک گردانم
نہ از خاکم نہ از آبم نہ از بادم نہ از آتش — نہ از عرشم نہ از فرشم نہ از کونم نہ از کانم
نہ از ہندم نہ از چینم نہ از بلغار و سقسینم — نہ از ملک عراقینم نہ از خاک خراسانم
نہ از دنیا نہ از عقبیٰ نہ از جنت نہ از دوزخ — نہ از آدم نہ از حوا نہ از فردوس رضوانم
مکانم لامکاں باشد نشانم بے نشاں باشد — نہ تن باشد نہ جاں باشد کہ من از جان جانانم

[3] مولانا جلال الدین رومیؒ عقل کو روح اول کہتے ہیں۔ حضور پر نور محمد الرسول اللہ صلعم کو صوفیہ عقل کل کہتے ہیں اس لئے کہ آپ کا نور منور باری تعالیٰ کے نور سے سب سے پہلے پیدا ہوا۔ کذا فی الدیوان ؎

بخت جواں یار ما داون جان کار ما — قافلہ سالار ما فخر جہاں مصطفیٰ است

کا گھر ہے اور اعیان علمیہ (اعیان ثابتہ) کی اصل صحیحہ ہے۔
(۳) روح کلی[1]۔ جو عقل کل سے پیدا ہوتی ہے اور آخر الذکر اور عالم مدرکات کو باہم ملانے والی زنجیر ہے۔ اس کی دو خاصیتیں ہیں۔ ایک طرف عقل کلی سے فیضیاب ہوتی ہے اور دوسری طرف اس فیض کو عالم سفلی تک پہونچاتی ہے۔ یہ عالم سفلی ایک مادی دنیا ہے۔ ھیولا میں صورت[2] معدوم ہے۔ اسے محض نقص و عدم کہتے ہیں۔ یعنی خود کوئی شئے نہیں ہے تاہم تمام اشیاء کا آئینہ ہے[3]۔ نیز شر محض بھی عالم سفلی ہے اس لئے کہ اس میں خیر بالکل نہیں ہے[4]۔
فلسفہ افلاطون یہ صدا دیتا ہے کہ ہر کامل شئی کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ایک دوسری شئی کو پیدا کرے[5]۔ واحد محض اثر پذیری اور نقصان و کمی سے منزہ ہے۔

---

[1]۔ مولانا روم اسے نفس کل یا جان کل کہتے ہیں۔

[2]۔ صورت جو مظہر روح ہے۔ کذا فی الدیوان ؎

لیلی و مجنوں عجب ہر دو بیک پوست درون   آئینہ ہر دو توئی لیک درون نمدی
چہ جائے صورت اگر خود نمد شود صد تو   شعاع آئینہ جاں عالم آورد بظہور

[3]۔ دیوان میں ہے ؎

آئینہ کردم عیاں رویش دل پشتش جہاں   پشتش شود بہتر ز رو گر تو ندانی روئے را

[4]۔ شر کے متعلق افلاطون کی رائے بالکل مولانا روم کی رائے کے مطابق ہے۔ ۱۲

[5]۔ جدید افلاطونیوں کی طرح صوفی بھی خدا کو کنز مخفی کہتا ہے تاکہ سر تخلیق سمجھ میں آسکے۔ مولانا دیوان میں لکھتے ہیں ؎

حق گفتش اے مرد زباں گنجی بدم من نہاں   جستم کہ تا پیدا شود آں گنج احسان و عطا

ایک دوسرے مقام پر مولانا فرماتے ہیں ؎

چوں روح در نظارہ فنا گشت این بگفت   نظارہ جمال خدا جز خدا نہ کرد
این چشم و آں چراغ دو نور اند ہر یکے   چوں ایں بہم رسید کسے شاں جدا نکرد
ہر یک ازیں مثال بیان ست و مغلطہ   حق جز بر شک نور رخش و الضحیٰ نہ کرد

وہ اس سورج کے کرن کے مشابہ ہے جو فضا کو منور کرتی ہے۔ ہر چیز اس نسبت سے جو اُسے قربت الٰہی کے ساتھ حاصل ہے خدا کا جلوہ اپنے میں رکھتی ہے۔ ہر شئے کی یہ کوشش ہے کہ اعلیٰ کی طرف ترقی کرکے اُس ذات واحد کی طرف جائے جس کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتی۔ اسی جد وجہد کے لئے دنیا پیدا ہوئی ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴۱

کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لکی اعرف۔

لہ۔ مولانا اپنے دیوان میں فرماتے ہیں ؎

خورشید رخت چو گشت پیدا — ذرات دو کون شد ہویدا
مہر رخ تو چو سایہ افگند — زاں سایہ پدید گشت اشیاء

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر دیوان میں مولانا فرماتے ہیں ؎

ما بفلک بودہ ایم یار ملک بودہ ایم — باز ہما بخار دیم خواجہ کہ آں شہر ماست
خود ز فلک برتریم وز ملک افزوں تریم — زیں دو چرا نگذریم منزل ما کبریاست

لہ۔ اس خیال کی طرف مولانا کے دیوان میں حسب ذیل اشارہ نظر آتا ہے:۔

من خانہ تہی کردم کز رخت بہ پردازم — می کاہم تا عشقت افزاید و افزوید
از بہر چنیں عمرے جان باختن اولیٰ تر — خامش کہ بجان از دل خواجہ کہ می جوید
جانم ز پئے عشقت شمس الحق تبریزی — بے پائے چو کشتیہا در بحر ہمی پوید

لہ۔ ہر چار عنصر دریں دیگ ہم بہ جوش — نے خاک بر قرار و نہ نار و نم و ہوا
گہ خاک در لباس گیا رفتہ از ہوس — گہ آب خود ہوا شدہ و از بہر ایں ولا
از راہ اتحاد شدہ آب آتشے — آتش شدہ ز عشق ہوا ہم دریں فضا
ارکان بخانہ خانہ بگشتہ چو بیدقی — از بہر عشق شاہ نہ از لہو چوں شما
اے بے خبر برو کہ ترا آب روشنی ست — بادر اہد ز آب و گلیت صفوت و صفا
زیرا کہ طالب صفت صفوت ست آب — واں نیست جز وصال تو با قلزم ضیا (دیوان)

(ب) اپنی ابتدائی حالت میں روح عالم قدم سے تعلق[1] رکھتی ہے۔ وہاں سے روانہ ہو کر اور معقولات کے حدود سے گذرتی ہوئی وہ مادہ کے ملک میں داخل ہوتی لیکن اس کا یہ فعل تقاضائے طبعی[2] سے ہوتا ہے۔ اس کے دو رخ ہیں۔ جسم کے اندر وہ

---

[1] مولانا فرماتے ہیں ؎

من آں روز بودم کہ اسمانہ بود — نشاں از وجود مسمّٰی نہ بود
بہ عمداً شدم بر سر کوہ قاف — دراں جائے جز جائے عنقانہ بود
سوئے منظر قاب قوسین شدم — درآں بارگاہ معلّٰی نہ بود
بجز شمس تبریزؒ پاکیزہ جاں — کسی مست و مخمور شیدانہ بود

ایضاً

پیش ازاں کاندر جہاں باغ و رز انگور بود — از شراب لایزالی جانِ ما مخمور بود
ما بہ بغداد ازل لاف انا الحق می زدیم — پیش ازاں کیں دار و گیر و نکتۂ منصور بود
پیش ازاں کایں نقش دل بر آب و گل معمار شد — در خرابات حقایق عیش ما معمور بود

[2] افلاطون اور مولانا جلال الدین رومیؒ دونوں متفق ہیں کہ انسان کچھ نہ کچھ مختار ہے گو اس کا اختیار قوانین ازلی و ابدی کے ماتحت ہے۔ یعنی جہاں تک اس کا تعلق نفس کی اطاعت سے ہے وہ آزاد و مختار نہیں ہے اسے اختیار اس میں حاصل ہے کہ بجائے جذبات کے عقل کا اتباع کرے۔ وہ مجبور ہو کر گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ لیکن اس مجبوری کے ہاتھ میں اپنے آپ کو دے دینا اطاعت نفس ہے اور اس جبر کے سامنے سر اطاعت جھکا دینا اور عقل کے مشورہ پر نہ چلنا پہلا گناہ ہے۔ لہٰذا ترک اختیار ہی کا نام اختیار سمجھنا چاہیئے۔ مولانا رومؒ دیوان میں فرماتے ہیں ؎

گویند عشق چیست بگو ترک اختیار — ہر کو ز اختیار نہ رست اختیار نیست

ولہ

ہر کس کہ بے مراد شد او چوں مرید نیست — بے صورت مراد مرادش میسر است

فطرت کا ایک جزو ہے۔ روحانی حالت میں وہ عالم مثال میں مضبوط قدم جمائے ہوئے ہے۔ اُس نے نیچے کی طرف بے شک ہبوط کیا ہے۔ مگر اس طرح نہیں کہ مایوس العلاج ہو اگر وہ چلنا چاہے تو راہ قدم اُس کے لئے کھلی ہوئی ہے۔ یہ مراجعت انسان کے تمام فرائض کا خلاصہ ہے۔

روح میں کثافت ونقصان صرف جسم کے خراب کن اثر کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جب یہ تعلق باقی نہیں رہتا تو وہ پھر کامل ہو جاتی ہے۔ اپنے آپ کو خواہشات وجذبات سے پاک اور تصورات وتخیلات دنیاوی سے نجات حاصل کر کے ماسوی اللہ سے منزہ ومبرٰی ہو کر وہ پھر مقر اصلی کی طرف رجوع کرتی ہے۔

بقیہ حاشیہ صـ۳۴۳۔ مثنوی شریف میں اسی مضمون کو اس طرح لکھا ہے ؎

گفت بہلول آں یکے درویش را | چونی اے درویش واقف کن مرا
گفت چوں باشد کسے کہ جاوداں | بر مراد او رود کار جہاں
سیل جوہا بر مراد او روند | اختراں زاں ساں کہ او خواہد شوند
زندگی ومرگ سرہنگان او | بر مراد او روانہ کو بکو
بے رضائے او نیفتد ہیچ برگ | بے قضائے او نیاید ہیچ مرگ
گفت اے شہ راست گفتی ہمچنیں | در فر وسیمائے تو پیداست ایں
ایں وصد چندینی اے صادق ولیک | شرح گوایں را بیاں کن نیک نیک
گفت ایں بارے یقیں شد پیش عام | کہ جہاں در سر بیزواں است رام
سیل رغبت کاں زمام آدمی است | جنبش آں رام امراں غنی ست
ایں قدر بشنو کہ چوں کلی کار | می نہ گردد جز بامر کردگار
چوں قضائے حق رضائے بندہ شد | حکم او را بندہ خواہندہ شد
بے تکلف نے پے مزد وثواب | بلکہ طبع او چناں شد مستطاب

لیکن المجاز قنطرۃ الحقیقۃ مجازی حسن کی محبت ایک نہایت پاک شعلہ کو بھڑکا دیتی ہے۔ جو اس شوق و اضطراب کا نام ہے جو خیر و جمیل کے منبع تک پہونچنے کیلئے اندر ہی اندر لہریں مارتا ہے۔ اس عشق کی مدد سے روح مدارج ترقی کو ایک ایک کرکے طے کرتی اور اپنے وطن اصلی کی طرف سفر کرتی ہے جہاں عشق و عاشق و معشوق تینوں ایک ہی نظر آتے ہیں۔ جہاں دیکھنے والا اور وہ شئی جو دیکھی جاتی ہے الگ الگ نہیں رہتیں تلاش کرنے والا اور وہ شئے جس کی تلاش کی جاتی ہے باہم متحد ہوتے ہیں۔ عاشق و معشوق میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ دونوں واحد ہو جاتے ہیں ؎

جملہ معشوق است و عاشق پردہٗ زندہ معشوق است و عاشق مردہٗ (مثنوی)

مولانا رومؒ سنائی و عمر خیام سے اچھی طرح واقف معلوم ہوتے ہیں اور رضا قلی اور افلاکی کا بیان ہے کہ شیخ سعدیؒ سے بھی آپ نے ملاقات کی تھی۔ جب حکیم سنائی کا انتقال ہوا تو آپ نے یہ قطعہ لکھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سنائی کا مرتبہ آپ کی نظر میں کس قدر بلند تھا ؎

لہ ۔ دیوان میں مولانا فرماتے ہیں۔

صورت گر نقاشم ہر لحظہ بتے سازم	وانگہ ہمہ بتہا را در پیش تو بگدازم
صد نقش بر انگیزم با روح در آمیزم	چوں نقش ترا بینم در آتشش اندازم
تو ساقی و خماری یا دشمن ہشیاری	یا آنکہ کنی ویراں ہر خانہ کہ بر سازم
جاں ریختہ شد با تو آمیختہ شد با تو	چوں بوئے تو دارد جان جاں را ہلہ بنوازم
ہر خوں کہ ز من روید با خاک تو می گوید	با مہر تو ہم رنگم با عشق تو انبازم
در خانۂ آب و گل بے تست خراب ایں دل	یا خانہ در آ اے جاں تا خانہ بپردازم

یعنی طبیعت انسانی اپنی فطرت کے تقاضے سے ایسی مجبور ہے کہ سوائے اس کے کہ اشاروں و تشبیہات و منقوشات سے کام لے کسی قسم کا تصور و خیال ہی نہیں کر سکتی۔ یہ تمام اشارات وغیرہ خواہ حسی ہوں یا روحانی نور ربانی کو پردہ ڈالے ہوئے چھپائے رہتے ہیں۔ ۱۲

گفت کسے خواجہ سنائی بمرد | مرگ چنیں خواجہ نہ کاریست خُرد
کاہ نہ بود او کہ بہ بادے پرید | آب نہ بود اُو کہ بہ سرما فسُرد
شانہ نہ بود او کہ بموئے شکست | دانہ نہ بود اوکہ زمینش فشرد
گنج زرے بود دریں خاکداں | کو دو جہاں را بجوے می شمرد
قالب خاکی سوئے خاکی فگند | جان وخرد سوئے سمٰوات بُرد

سنائیؒ اور عطارؒ سے مولانا کا دل ملا ہوا تھا بلکہ ممکن ہے کہ تصوف کی طرف پہلا رجحان انھیں دونوں کی مشہور نظموں منطق الطیر اور حدیقہ کو پڑھ کر پیدا ہوا ہو۔ یہ دونوں ہمیشہ مولانا کے رہنما اور تصوف کے چشم و روح نظر آتے ہیں۔ مولاناؒ خود کہتے ہیں ؎

عطار روح بود و سنائی دو چشم ما | ما از پے سنائی و عطار آمدیم

مثنوی و دیوان گویا دو نہریں ہیں۔ جو الگ الگ جاری ہیں۔ ایک کی شان ایک بے پایاں دریا کی طرح ہے جو ساکت و عمیق۔ نہایت زرخیز و گوناگوں مرغزاروں سے گزرتا ہوا اس سمندر میں گر جاتا ہے جس کی کوئی حد نہیں ہے۔ دوسری نہر گویا ایک جوش لاتی ہوئی طوفان خیز موج ہے جو اُچھلتی کودتی آبادی سے دور کوہساروں میں جا کر جن کی لطافت عالم بالا سے چشمک زنی کرتی ہے غائب ہو جاتی ہے۔ مگر دیوان میں مولانا اپنے نغموں اور ترانوں کے لباس میں ملبوس نظر آتے ہیں۔ اس صورت میں انھیں پہچاننے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔

مولانا رومؒ کی غزلوں میں ایک قسم کی یکجائی نظر آتی ہے اور یہ لابدی ہے ایک صوفی کی نگاہ میں جس قدر ظاہری فرق و امتیاز کی باتیں ہیں وہ سب ایک ذات واحد کی صفات یا مظاہر ہیں یا یوں کہا جائے کہ گویا وہ خود سب واحد ہیں ؎

آں موج چہ بود عین دریا | آں بعد چہ بود عین آں موج

مولانا کے نزدیک دنیا کا کوئی وجود حقیقی نہیں ہے اور وہ ایسی غیر موجود اور رکیک شئے کے مطالعہ میں اپنا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتے۔ بیکار کی طرح

وہ صرف ایک ہی نقطہ کے گرد چکر مارتے رہتے ہیں۔ جس پر اُن کے خیالات۔ اُن کے افعال بلکہ خود ان کا وجود دارومدار رکھتا ہے۔ جس طرح ستارہ اپنے دائرہ کو نہیں چھوڑتا اُسی طرح مولانا بھی اپنی راہ سے بے راہ نہیں ہو سکتے۔

رضا قلی کہتا ہے کہ دیوان میں اکثر غزلیں ایسی ہیں جن کے مضامین کا القا مولاناؒ پر مختلف حالتوں میں ہوا ہے۔ کبھی جب ان پر عقل کا غلبہ ہوتا تو وہ اسی غلبہ سے متاثر ہو کر لکھتے اور جب کبھی ان پر عشق وحال مستی وفنا وکیفیت رقص کا اثر ہوتا تو اسی قسم کے اشعار اُن کے قلم سے نکلتے تھے۔ گویا دیوان ان کے مختلف حالات وواردات کی تصویر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہر فرقہ کے لوگوں میں مقبول نہیں ہو سکتا اور نہ ہر کان اُسے سُنا پسند کرے گا۔ ایک مشہور شخص کا قول ہے کہ "ہمارے مانند ہی لوگ ہمیں جانتے ہیں مگر دوسرے لوگ ہم سے انکار کرتے ہیں۔ دولت شاہ کہتا ہے کہ "مولانا کے گھر میں ایک ستون تھا۔ جب یہ عشق کے سمندر میں غوطہ لگاتے تو اُسی ستون کو پکڑ لیتے ور اُس کے گرد گردش کرتے رہتے۔ اس حالت میں اُن کی زبان سے اشعار نکلتے اور لوگ اُنہیں لکھتے جاتے" ؎

مولانا رومؒ کے حسن بیان ولطافت کلام پر ہم تفصیل سے کچھ لکھنا بے ضرورت سمجھتے ہیں۔ صرف بعض مقام سے یہاں چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔ جو اپنی طرز کے بہترین نمونے ہیں ؎

ای خواجہ ادر کوئے ما در گل فرو رفت ست پا   با تو بگویم حال او بر خواں اذا جاء القضا
جبار وار ورفت او دامن کشاں می رفت او   تسخر کناں بر عاشقاں بازیچہ دیدہ عشق را
اے خواجہ سرکش شدی بر عاشقاں خنبک زدی   مست خداوند خودی کشتی گرفتی با خدا
پس مرغ پراں در ہوا از دامہا فرد جدا   می آید از چرخ قضا بر سینہ اش تیر بلا

مولاناؒ کی طرز تحریر سادہ اور صاف۔ تصنع سے پاک ہے۔ ایسے مقامات جن کی مثال ذیل میں دیجاتی ہے اُن کی تشبیہ واستعارات کے نمونے ہیں ؎

بیجا شود در وحدت در عین بقا جا کن   ہر سر کہ دوئی دارد در گردن ترسا کن

اندر قفس ہستی ایں طوطی قدسی را زاں پیش کہ بر پرد شکرانہ شکر خا کن
چوں ہست ابد گشتی شیر ازل بستاں ہندوی یک ہستی را ترکانہ تو یغما کن

ان جوش سے بھرے ہوئے اشعار پر ایک نظر ڈالتے ہی پڑھنے والے کو معلوم ہو جاتا ہے کہ شاعر کے ہاتھ سے تشبیہ و استعارہ کا ہتھیار بہت کم چھوٹتا ہے۔ لیکن مولانا روم اپنے اشعار کے ظاہری اور باطنی معانی اس طرح نہیں ادا کرتے ہیں کہ کسی کو سمجھنے میں دقت ہو اور دھوکہ پیدا ہو۔ اُن کے الفاظ کے ہمیشہ صاف سچے واضح معنی لئے جا سکتے ہیں وہ اسرار الٰہی کے ساتھ کسی شعبدہ بازی کو روا نہیں رکھتے۔ گو اُن کے استعارات فطرت اور صنعت انسانی کے ہر میدان سے ماخوذ ہیں لیکن نہ تو وہ ان سے فطرت کے کسی مضمون کی آرائش میں کام لیتے ہیں اور نہ کسی صنعت انسانی کو ان سے زیب و زینت دیتے ہیں۔ مثلاً ؎

می و ساقی چہ باشد نیست جز حق خدا داند کہ ایں عشق از چہ بالست

روح کو وہ ایک آئینہ تاباں کہتے ہیں جس میں خدا اپنے حسن کو ظاہر کرتا ہے۔ فراق کے زمانہ میں عشق و محبت کا ایک عجب سوز اس میں ہوا کرتا ہے۔ اس کی مثال کبھی باز کی طرح ہوتی ہے جسے چڑیمار سیٹی بجا کر اپنی کلائی پر بٹھانے کے لئے بلاتا ہے[۱]۔ کبھی وہ اپنے یار سے بچھڑی ہوئی فاختہ کے مانند ہوتی ہے جو اپنے جوڑے کی تلاش میں نالہ و فریاد کرتی ہے[۲]۔ شاعر کبھی اُسے ایک رباب سے تشبیہ دیتا ہے جو نوازندہ[۳] کے

---

[۱] فی الدیوان ؎

بشنیدم از ہوائے تو آواز طبل باز باز آمدم کہ ساعد سلطانم آرزو است

[۲] دیوان میں مولانا فرماتے ہیں۔ یہ اشعار عین نغمہ ہیں ؎

اے سطرب خوش قاقا تو قی قی و من قوقو تو دق دق و من حق حق تو ہی ہی و من ہو ہو
اے شاخ درخت گل لئے ناطق اہل تو کبک صفت بو بو من فاختہ ساں کو کو (دیوان)

[۳] من خود رباب عشقم و عشقم ربابی است دست و کنار نغمۂ عثمانم آرزوست

وزا سے اشارے پر بجنا لگتا ہے یا اُس آواز سے مثال دیتا ہے۔ جو کوہساروں میں گونجتی پھرتی ہے۔ سارنگی کی آواز اُسے خدا کے خیال کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ خدا ہی کا ملک ہے اور اُسی کے لئے حمد ہے (لہ الملک ولہ الحمد) جب موسم خزاں آتا ہے تو انگور کے زرد زرد پتے اپنے محبوب کے فراق میں نالہ و فریاد کرتے ہیں۔

لطافت خیال و شکوہ ادا میں وہ بڑے سے بڑے استاد کو مقابلہ کا پیغام دیتے ہیں۔ وقتاً فوقتاً وہ بلا سعی و کوشش بڑے سے بڑا نغمہ چھیڑتے ہیں۔ ان کی بصیرت بے حجاب سے نظموں میں ایک حیرت انگیز عروج و بلند آہنگی نظر آتی ہے جو کہ آسمان کے پرے جا کر ٹکر کھاتی ہے۔ اُن کی غزلیں وجد انگیز و عشق آمیز ہوتی ہیں اور اُن کا انداز بیان سادہ اور تصنع سے پاک ہوتا ہے۔ اور اکثر تشبیہات ایسی ہوتی ہیں کہ اُن میں اعلیٰ درجہ کا تخیل نظر آتا ہے۔

ذیل میں مولاناؒ کے فلسفہ کے بعض مسائل کی اُن کے کلام سے مثالیں بیان کی جاتی ہیں۔

وصل

چوں باز کہ برباید مرغ نگہ صید | بربود مرا آں مہ و بر چرخ رواں شد
در خود چو نظر کردم خود را بہ ندیدم | زیرا کہ دراں مہ تنم از لطف چو جاں شد

---

۱ فی الدیوان ؎

اصل ندا از دل بود در کوہ تن افتد صدا | خاموش رو در اصل کن ای در صدا آویختہ

۲ و لہ فی الدیوان ؎

عارفِ مرغانست لک لک لکلکش دانی کہ چیست
الملک لک والامر لک والحمد لک یا مستعان

۳ ایضاً فی الدیوان ؎

رفتم ہنگام خزاں سوئے رزاں دست گزاں | نوحہ گر ہجر تو شد ہر ورق زرد مرا

نہ چرخ فلک جلوہ دراں ماہ فرو شد | کشتی وجودم ہمہ در بحر نہاں شد
آں بحر کفے کرد بہر پارہ ازاں کف | نقشے زفلاں آمد وجسمے زفلاں شد
ہر پارہ کفے کہ ازاں بحر نشاں یافت | درحال گداز ید و دریں بحر دراں شد

(دیوان)

ولہ

تو چشم خویش نگہ دار تا غلط نہ کنی | کہ تا یکی نہ بود عین ناظر و منظور

(دیوان)

ولہ

یکچند ناپید ابدم یا او بہم یکجا بدم | درملک اُں حیراں بدم دیدم ہر آنچہ دیدام

ولہ

اتصالے بے تکیف بے قیاس | ہست رب الناس را با جان ناس
اتصالے کہ نگنجد در کلام | گفتنش تکلیف باشد والسلام

(مثنوی)

ولہ

پیش من آواز ت آواز خدا ست | عاشق از معشوق حاشا کے جدا ست
چونکہ با حق متصل گردید جاں | ذکر آں اینست وذکر اینست آں

(مثنوی)

عقل کلی و عقل جزوی

زجان تا تن بسے راہ ست و در تن می نماید جاں | چنیں داں جان عالم را کز و عالم جوان استے
زمین و آسماں ہا را مدد از عالم عقل ست | کہ عقل اقلیم نورانی و پاک و درفشان استے
جہاں عقل روشن را مدد ہا از صفت آمد | صفات ذات خلاقی کہ شاہ کن فکان استے

(دیوان)

ولہ

عقل جزوی را وزیر خود مگیر | عقل کل را ساز اے سلطان وزیر
عقل جزوی عقل را بد نام کرد | کام دنیا مرد را بے کام کرد
عقل کل را گفت مازاغ البصر | عقل جزوی می کند ہر سو نظر
عقل مازاغ ست نور خاصگاں | عقل زاغ استاد گور مردگاں

(مثنوی)

ولہ

ہست عقلی ہمچو قرص آفتاب
ہست عقلی کمتر از زہرہ و شہاب

ہست عقلی چوں چراغ سرخوشی
ہست عقلی چوں ستارہ آتشی۔

عقل کل و نفس کل مرد خداست
عرش و کرسی را مداں کز وے جداست

عقل جزوی عقل را بدنام کرد۔
کام دنیا مرد را بے کام کرد

عقل باید نور دہ چوں آفتاب
تا زند تیغی کہ نبود جز صواب

(مثنوی)

مظاہر الٰہی و وحدت وجود

یک گوہرے چو بیضا جوشید گشت دریا
کف کرد و کف زمیں شد و ز دود او سما شد

الحق نہاں سپاہی پوشیدہ بادشاہی
ہر لحظہ حملہ آور دانگہ باصل وا شد

گرچہ ز ما نہاں شد در عالمے رواں شد
تا نیستش نخوانی گر از نظر جدا شد

ہر حالتے چو تیرست اندر کمان قالب
زود ر نشانہ خویش گر از کماں رہا شد

گرچہ صدف ز ساحل قطرہ ربود گم شد
در بحر جوید او را غواص کاشنا شد

آنگہ بعالم جاں آمد سپاہ انسان
علمش وزیر گشت و دل رفت و پادشا شد

تا بعد چندگاہے دل یاد شہر جاں کرد
واگشت جملہ لشکر و رعالم فنا شد

(دیوان)

ولہ

دو مگو و دو مداں و دو مخواں
بندہ را در خواجہ خود محو داں

(مثنوی)

ولہ

پیش من آوازت آواز خداست
عاشق از معشوق حاشا کے جداست

(مثنوی)

دنیا ایک خواب غفلت ہے

بہ جنب بر خور آخر کہ جا شتنگاہ رسید
ازاں کہ خفتہ چو جنید خواب شد مہجور

مگو کہ خفتہ نیم ناظرم بہ صنع خدا
نظر بہ صنع حجابست ازچناں منظور

رواں خفتہ اگر داندے کہ در خوابست
ازانچہ دیدی نے خوش شدی و نے رنجور

(دیوان)

ولہ

گرچہ خفتہ گشت و ناشی شد ز پیش — کے گذارندش وراں نسیان خویش

باز آں خوابش بہ بیداری کشند — کہ کند بر حالت خود ریش خند

گرچہ غم بود آنکہ می خوردم بخواب — چوں فراموشم شد احوال صواب

چوں ندانستم کہ آں غم و اعتلال — فصل خوابست و فریبست و خیال

ہمچنیں دنیا کہ حلم نائم است — خفتہ پندارم کہ ایں خود قائم است

تا برآمد ناگہاں صبح اجل — وارہد از ظلمت ظن و دغل

(مثنوی)

خیال و اندیشہ کی قوت

زادہ از اندیشہ ہائے خوب تو دریا و خور — زادہ از اندیشہ ہائے زشت تو دیو کلاں

سر و اندیشہ ہندسیں بیں شدہ قصر و سرا — سر تقدیر ازل را بیں شدہ چندیں جہاں

(دیوان)

ولہ

ہر خیالے کہ کند در دل وطن — روز محشر صورتے خواہد شدن

فکر آں باشد کہ بکشاید رہے — راہ آں باشد کہ پیش آید شہے

شاہ آں باشد کہ از خود شہ بود — نے بہ مخزنہا و لشکر شہ شود

تا بماند شاہی او سرمدی — ہمچو عز ملک دین احمدی (مثنوی)

ولہ

فکرت بد ناخن پر زہر داں — می خراشد در تعمق روئے جاں (مثنوی)

سعی عناصر بہ وحدت

ہر چہار عنصر دریں دیگ ہم بجوش — نہ خاک برقرار نہ نار و نم و ہوا

گہ خاک در لباس گیا رفتہ از ہوس — گہ آب خود ہوا شدہ از بہر ایں ولا

از راہ اتحاد شدہ آب آتشی — آتش شدہ ز عشق ہوا ہم دریں فضا

ارکان بہ خانہ خانہ بگشتہ چو بیدقے — از بہر عشق شاہ نہ از لہو چوں شما

اے بیخبر برو کہ ترا آب روشنی است — تا وارہد ز آب و گلت صفوت صفا

زیرا کہ طالب صفت صفوت ست آب — واں نیست جز وصال تو با قلزم ضیا (دیوان)

تجاذب ذرات

میل ہر جزوے بہ جزوے می نہد — ز اتحاد ہر دو تولیدے جہد
ہر یکے خواہاں دگر را ہمچو خویش — از پئے تکمیل فعل و کار خویش
دور گردوں را ز موج عشق داں — گر نبودے عشق بفسردے جہاں
کے جمادی محو گشتے در نبات — کے فدائے روح گشتے نامیات
ہر یکے برجا فسردے ہمچو یخ — کے بدے طیران و جویاں چوں ملخ (مثنوی)

ارتقائے انسانی

تو گل بودی و دل شدی جاہل بدی عاقل شدی — آں کو کشیدت ایں چنیں آں کہ کشاند آں چناں

ولہ

تو ہمہ طمع برآں نہ کہ بر آں نیست امیدت — کہ ز نومیدی اول تو بدیں سو برسیدی

ولہ

ہر دل کہ او نخفت شبے در ہوائے تو — چوں روز روشن است ہوا ز و منور است
ہر کس کہ بے مراد شد او چوں مرید تست — بے صورت مراد مرادش میسر ست
ہر دو زخے کہ سوخت دریں عشق و در فتاو — در کوثر او فتاد کہ عشق تو کوثر ست
با بیم نمی رسد بتریں از امید وصل — ہر چند در فراق تو ام دست بر سرست (دیوان)

ولہ

از جمادی مردم و نامی شدم — وز نما مردم بہ حیواں سر زدم
مردم از حیوانی و آدم شدم — پس چہ ترسم کے ز مردن کم شدم
حملہ دیگر بمیرم از بشر — تا برآرم از ملائک بال و پر
وز ملک ہم بایدم جستن ز جو — کل شیء ہالک الا وجہہ
بار دیگر از ملک قرباں شوم — آنچہ اندر وہم ناید آں شوم
پس عدم گردم عدم چوں ارغنون — گویدم کانا الیہ راجعون (مثنوی)

شیخ نجیب الدین علی بن برغش شیرازی قدس سرہ

محتشم ارباب ولایت۔ گنجینۂ علوم ہدایت۔ کاشف رازِ مستقبل و ماضی یعنی مقتدائے قوم شیخ نجیب الدین علی بن برغش شیرازی قدس سرہٗ اپنے زمانے کے بڑے بزرگوں میں سے تھے۔ صاحب نفحات الانس کہتے کہ "وے عالم بود و عارف و سرچشمۂ علوم معارف"۔ آپ کے والد ماجد بہت بڑے تاجر اور دولت مند تھے۔ انھوں نے ملک شام سے شیراز میں آکر وطن اختیار کیا اور یہیں شادی کی۔ ایک شب حضرت امیرالمومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو خواب میں دیکھا کہ آپ کے سامنے طعام لائے۔ ساتھ بٹھاکر کھانا کھلایا اور یہ بشارت دی کہ حق تعالیٰ تجھے ایک نجیب و صالح لڑکا عطا کرے گا پس جب لڑکا پیدا ہوا تو باپ نے حضرت مولائے کائنات کے نام پر علی نام اور نجیب الدین لقب رکھا۔ شیخ نجیب الدین علی بن برغش خود فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ بچپن میں جمعہ کے روز شیراز کی جامع عتیق میں بیٹھا ہوا تھا کہ ناگاہ بہت سے لوگ ایک محافے کو اُٹھاکر لائے۔ اس محافہ میں حضرت شیخ المشائخ روزبہان بقلی الشیرازی جمعہ کی نماز کے واسطے تشریف لائے تھے۔ میں نے قصد کیا کہ جاکر شیخ کی زیارت کروں لیکن کثرت انبوہ خلائق سے پہونچ نہ سکا مگر شیخ کی نظر مجھ پر پڑی۔ فرمایا کہ اس لڑکے کو آنے دو۔ میں نے پہونچکر ہاتھوں کو بوسہ دیا آپ نے مجھے دعا دی۔

نفحات الانس میں ہے کہ ابتدائے حال میں آپ فقیروں کی صحبت میں بیٹھا کرتے تھے اور لوگ ان کے واسطے عمدہ عمدہ لباس اور اچھے اچھے کھانے تیار کرکے لاتے لیکن اصلا التفات نہیں فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ میں نہ عورتوں کے کپڑے پہنوں گا اور نہ نازک لوگوں کا سا کھانا کھاؤں گا۔ بالوں کے کپڑے اور معمولی کھانا تناول کرتے۔ اسی حالت میں آپ بڑے ہوئے اور طلب کا شوق طبیعت میں پیدا ہوا اور گھر میں تنہا رہنے لگے۔ ایک شب آپ نے خواب میں دیکھا کہ ایک پیر روضۂ شیخ کبیر سے باہر تشریف لائے اور اُن کے پیچھے چھ پیر اور ہیں اور ہر ایک

سیدھے راستے پر ایک کے پیچھے ایک جا رہا ہے۔ شیخ کبیرؒ نے ان کو دیکھ کر تبسم کیا اور اُس بیر کے ہاتھ میں اُن کا ہاتھ دے دیا جو سب سے اخیر میں تھے۔ جب خواب سے بیدار ہوئے تو آپ نے اس کا تذکرہ اپنے والد ماجد سے کیا۔ انھوں نے کہا میں اس کی تعبیر نہیں دے سکتا۔ شیخ ابراہیمؒ کے پاس جاؤ۔ شیخ ابراہیمؒ اس زمانہ کے مجانین عقلا میں سے تھے۔ ان کے پاس کسی کو بھیجا کہ اس خواب کی تعبیر پوچھ آئے یہ شیخ ابراہیمؒ نے سنتے ہی جواب دیا کہ سوائے علی بن بزغش کے اور کسی نے اس خواب کو نہیں دیکھا ہوگا۔ پیر اول شیخ کبیر ہیں اور دوسرے پیر وہ بزرگ ہیں جنھوں نے اُن سے طریقت کو سیکھا ہے جن میں سے آخیر پیر جس کے حوالہ علی بن بزغش کو کیا ہے ابھی زندہ ہونگے چاہئے کہ اس بیر کے پاس جاکر طلب راہ کریں تاکہ اپنے مقصود کو پہونچیں۔ چنانچہ اپنے والد ماجد سے اجازت حاصل کر کے آپ حجاز کی جانب روانہ ہوئے۔ جب شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین عمر سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے پاس پہونچے تو انھیں پہچان لیا کہ یہی وہ شخص ہیں جنھیں خواب میں دیکھا ہے۔ خود شیخ کو اپنے حال سے مطلع کیا اور وہ خواب بیان کیا اور انھیں کی خدمت میں رہنے لگے۔ اسی طرح سالہا سال گزر گئے اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔ اور شیخ کی تصنیفات وغیرہ خود شیخ کے سامنے پڑھیں اور اجازت حاصل کر کے شیراز کی جانب مراجعت فرمائی۔ یہاں شادی کی اور خانقاہ تیار کی اور طالبان حق کو تعلیم دینے لگے۔ آپ کے حالات کا شہرہ لوگوں میں بہت ہوا اور آپ کی کرامتیں مشہور ہوئیں۔ آپ کے کلمات لطیف کتابوں اور رسالوں میں موجود ہیں۔ ایک مرتبہ کسی نے آکر آپ سے کہا کہ سر توحید کو کسی عمدہ واضح مثال کے ساتھ بیان کیجئے۔ آپ نے فرمایا "سیب و دو آئینہ" اس مضمون کو ایک فاضل نے جو اس موقع پر حاضر تھا کیا خوب نظم کیا ہے ؎

شیخ کامل نجیب دیں پیر کہن ایں حرف نو آور د بصحرائے سخن
گفتا کہ اگر وحدت از مثالے خواہی دو آئینہ سیبے تصور می کن

شیخ شمس الدین صفیؒ ایک بہت بڑے بزرگ تھے۔ جس وقت شیخ نجیب الدینؒ

نے حضرت شیخ الشیوخ کی خدمت میں جانے کا قصد فرمایا تو یہ بھی ساتھ ہوئے اور بغداد میں بھی ساتھ ہی ساتھ رہتے تھے شیخ نجیب الدینؒ فرماتے ہیں کہ جب ہم شیراز کی طرف لوٹے تو حضرت شیخ الشیوخ نے میرے لئے ایک خرقہ کی اجازت تحریر فرمائی اور شیخ شمس الدین کے لئے بھی لکھی اور چالیس عدد ٹوپیاں عطا فرمائیں بیس میرے لئے اور بیس اُن کے لئے اور ایک ایک ٹوپی پر شیراز کے ایک ایک بزرگ کا نام لکھا اور فرمایا کہ جب شیراز پہونچنا تو اول ہماری طرف سے یہ ٹوپیاں ان لوگوں کو پہنا دینا جن کے نام ان پر تحریر ہیں اس کے بعد خرقہ پہنا چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا۔

ان دونوں بزرگوں سے ایک عالم نے ہدایت پائی۔ شیخ نجیب الدین علی بزغش کے ایک صاحبزادے تھے شیخ ظہیر الدین عبد الرحمان نام جو اپنے باپ کے بالکل قدم بقدم تھے صاحب نفحات فرماتے ہیں کہ جب ان کی ماں حاملہ ہوئیں تھیں تو شیخ الشیوخ نے اپنے خرقہ مبارک میں سے ایک ٹکڑا اُن کے لئے رکھا تھا جب وہ پیدا ہوئے تو انھیں اسی میں لپیٹا۔ یہ گویا پہلا خرقہ تھا جو سب سے پہلے دنیا میں آپ نے پہنا جب آپ بڑے ہوئے تو اپنے والد ماجد کی خدمت میں رہنے لگے اور تربیت حاصل کی حتیٰ کہ مرتبہ کمال تک پہونچے۔ صاحب نفحات فرماتے ہیں کہ آپ حضرت شیخ الشیوخ کے یہ اشعار بہت پڑھا کرتے تھے ؎

وقد کنت لا ارضی من الوصل بالرضی	واخذنا من فوق الرضی متبرما
فلما تفرقنا رشط ما لنا	قنعت لطیف منک باتی مسلما

یعنی گذشتہ زمانہ میں میری حالت یہ تھی کہ وصل کے مقابلہ میں صرف رضائے بلا وصل سے راضی نہیں ہوتا تھا اور جب بلند مرتبہ پر قانع نہ رہتا اور ملول ہوتا تو اس سے زیادہ کی خواہش کرتا لیکن اب جب کہ فراق ہوگیا اور دوری نصیب ہوگئی تو صرف خواب ہی میں خیال کے آجانے پر قانع ہوں کہ یہی غنیمت ہے۔

آپ کی بھی بہت کرامتیں مشہور ہیں اور تصنیفات بھی بکثرت ہیں۔ ایک کتاب وہ ہے جس میں آپ نے عوارف کا ترجمہ کیا ہے اور کشف والہام کی

حقیقت بیان کی ہے۔

شیخ نور الدین عبد الصمدؒ بھی حضرت شیخ نجیب الدین بزغش کے مرید تھے یہ صاحب علوم ظاہری و باطنی دونوں میں کامل تھے۔ اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ شیخ عزیز الدین محمود کاشیؒ اور شیخ کمال الدین عبد الرزاق کاشیؒ کے مانند عارف و کامل آپ کے مرید ہوئے ہیں۔ شیخ محمود کاشیؒ نے عوارف کا ایک بے نظیر ترجمہ کیا ہے اور شیخ کمال الدین عبد الرزاق کاشیؒ نے شیخ صدر الدین قونیویؒ سے بھی خرقہ پہنا ہے۔ ان میں اور شیخ علاء الدولہ سمنانیؒ میں مسئلہ وحدت وجود پر بہت کچھ خط و کتابت ہوئی تھی۔ غرض کہ شیخ نجیب الدینؒ کے سلسلہ میں بہت سے شاہباز مسلک ہیں جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں۔ شیخ نجیب الدین علیؒ نے بروز جمعہ ماہ شعبان ۶۷۸ھ میں بزمانہ سلطنت ابقاخان بن ہلاکو خاں وفات پائی اور شیراز میں دفن ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

شیخ صدر الدین محمدؒ بن اسحاق قونیوی رحمۃ اللہ علیہ

سلطان ارباب حقائق۔ کاشف اسرار و دقائق۔ ممتاز بکمالات صوری و معنوی قطب ارشاد شیخ صدر الدین محمدؒ بن اسحاق قونیوی قدس سرہٗ العزیز قونیہ (ایشیائے کوچک) کے رہنے والے تھے۔

ابو المعالی آپ کی کنیت تھی۔ آپ علوم ظاہری و باطنی و عقلی و نقلی کے جامع تھے۔ صاحب مراۃ الاسرار کہتے ہیں کہ "نزدیک ایں طائفہ دے را شانے عظیم است و اکثر مشایخ در حقائق و معارف اقتدار بروے دارند۔" آپ شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہٗ کے خلیفہ اعظم تھے۔ اور شیخ کے بعد مسند رشد و ارشاد پر متمکن ہو کر ایک عالم کو ہدایت فرماتے رہے۔ چنانچہ شیخ موید الدین جندی و شیخ شمس الدین مکی و شیخ فخر الدین عراقی و شیخ سعید الدین فرغانی وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین آپ کی خدمت بابرکت سے تربیت حاصل کر کے مرتبہ ارشاد پر پہونچے ہیں۔

صاحب نفحات فرماتے ہیں کہ مولانا قطب الدین علامۂ شیرازیؒ حدیث میں آپ کے شاگرد تھے اور کمال جامع الاصول کو خود اپنے قلم سے لکھ کر آپ سے پڑھا تھا اور اس پر فخر کرتے تھے۔

نفحات الانس میں ہے کہ شیخ بزرگ محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جس زمانہ میں بلاد مغرب سے روم کی جانب متوجہ ہوئے شیخ صدر الدین کے والد ماجد سے بھی ملاقات کا اتفاق ہوا۔ انہیں ایام میں شیخ صدر الدینؒ پیدا ہوئے تو اون کی ولادت ہی کے وقت اُن کی استعداد علوم و تجلیات احوال و مقامات اور جو کچھ کہ مدت عمر میں اور بعد ازاں مقامات برزخ میں نیز بعد برزخ آپ پر گزرنے والا تھا بذریعہ کشف دریافت فرمایا۔ بل شهد احوال اولادہ الالٰهیین ومشاهدهم وعلومهم وتجلیاتهم واسمائهم عند الله وحلیة کل واحد منهم واحوالهم واخلاقهم وکل مایجری لهم وعلیهم الی آخر اعمارهم وبعد المفارقة فی برازخهم ومابعدها

فرزندان الٰہیہ سے وہ لوگ مراد ہیں جو نبوت ولایت مادر طبیعت پر اپنے احوال کی وجہ سے متصرف ہوں اور مضیق رحم طبیعت سے باہر آکر ولادت ثانیہ حاصل کریں اور اس طرح احکام طبیعت سے مخلصی حاصل کرلیں۔

جب شیخ صدر الدین قونویؒ کے والد ماجد کا انتقال ہوا اور اس عالم رنگ و بو سے عالم بیرنگی کیطرف توجہ فرمائی تو آپ کی والدۂ ماجدہ کو شیخ بزرگ محی الدین ابن العربیؒ اپنے عقد نکاح میں لائے اس طرح پر شیخ صدر الدین نے بچپنے سے شیخ بزرگ قدس سرہٗ کی صحبت بابرکت میں پرورش پائی اور بعد و فیضان صحبت آپ شیخ بزرگ کے کلام کی کلید واقع ہوئے۔

صاحب نفحات الانس و صاحب مراۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ اس سلطان ارباب حقائق اور کاشف اسرار دقائق کو شیخ اکبر کی صحبت کی برکت سے یہ مرتبہ نصیب تھا کہ مسئلہ وحدۃ وجود میں شیخ موصوف کے مقصود کو اس طریقہ پر کہ عقل اور

شرع کی مطابقت باقی رہے سوائے شیخ صدر الدین کی سعی اور تحقیقات سے کماینبغیٗ سمجھنا میسر نہیں ہو سکتا ہے۔ خود آپ کے بہت سے تصانیف ہیں۔ مثلاً تفسیر فاتحہ و مفتاح الغیب و فصوص و فکوک و شرح حدیث و کتاب نفحات الٰہیہ جس میں آپ کی بہت سی واردات قدسیہ مذکور ہیں اگر کوئی شخص چاہتا ہے کہ آپ کے کمالات پر مطلع ہو تو اُن کا مطالعہ کرے۔ ان کے مطالعہ سے بہت سے احوال و اذواق و مکاشفات و مقامات شیخ صدر الدین پر اطلاع پائے گا۔ اُسی کتاب نفحات الٰہیہ میں مذکور ہے کہ ۱۷ شوال ۶۵۲ھ کو میں نے ایک دفعہ طویل میں شیخ بزرگ محی الدین ابن العربی قدس سرہٗ کو دیکھا مجھ میں اور اُن میں بہت باتیں ہوئیں اور آثار و احکام اسمائے الٰہی میں میں نے چند کلمات بیان کئے جو شیخ بزرگ کو پسند آئے۔ اور آپ کا روئے مبارک بشاشت سے تمتمانے لگا اور سر مبارک کو ذوق کی حالت میں جنبش دیتے اور اُن میں سے بعض باتوں کا اعادہ فرماتے اور کہتے "ملیح ملیح" میں نے کہا یا سیدی ملیح تو آپ ہیں کہ خدا نے آپ کو وہ قدرت دی ہے کہ آدمی کی تربیت کر کے ایسے مرتبہ پر پہونچا دیں کہ یہ سب چیزیں اُسے حاصل ہو جائیں اور اگر آپ انسان ہیں تو تمام ماسوا الاشئے ہے۔ یہ کہکر میں آپ کے قریب گیا اور دست مبارک کو چوم کر عرض کی کہ آپ سے ایک اور حاجت رکھتا ہوں فرمایا طلب کرو میں نے کہا کہ کیف شہود ابدی و تجلی ذاتی جو حضور کو حاصل ہے اُس کی حقیقت مجھ پر منکشف ہو جائے۔ فرمایا اچھا آؤ۔ میری عرض کو قبول فرمایا اور کہا کہ جو کچھ تم چاہتے ہو عطا کیا گیا اور تم خود جانتے ہو کہ میرے اولاد و اصحاب بہت تھے جن میں سے بہت سوں کو میں نے مارا اور زندہ کیا یعنے حصول مقام فنا کے بعد بقا تک پہونچایا لیکن کسی کو یہ بات میسر نہیں ہوئی۔ میں نے عرض کیا یا سیدی میرے ساتھ جو حضور نے یہ خصوصیت فرمائی اور یہ فضیلت عطا کی اس کے لئے میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں اور جانتا ہوں کہ آپ جلا بھی سکتے ہیں اور مار بھی سکتے ہیں یعنی آپ کے تصدق حیات ابدی بھی عطا ہو سکتی ہے۔ اور بے تقاضا طبع

کی جانب سے موت بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ میں نے اور بھی بہت
سی باتیں کہیں جن کا افشا مناسب نہیں ہے۔ پھر اس واقعہ سے اصلی حالت میں آیا۔
المنۃ للہ علی ذالک۔

روایت ہے کہ شیخ شرف الدین تونیوی نے شیخ صدر الدین قدس سرہما سے
پوچھا من این الی این وما الحاصل فی البین۔ یعنی مبدا حرکت کہاں ہے
اور منتہا کہاں ہے اور اُن کے درمیان کیا چیز حاصل ہوتی ہے؟ آپ نے فوراً جواب
دیا من العلم الی العین والحاصل بین تجدد نسبۃ جامعۃ بین
الطرفین ظاہرۃ ناظرۃ بالحکمین۔ یعنی مبدا جنبش علم ہے منتہا وجود
خارجی ہے اور حاصل ومقصود درمیان حدوث نسبت ہیئت اعتدالی ہے جو
مرتبہ الوہیت وناسوتیت کے درمیان سلک مسلسل کا حکم رکھتی ہے اور دونوں حکم
بطریق اعتدال ظاہر ہوتے ہیں یعنے نہ تو روحانیہ کی طرف غالب ہوتے ہیں کیوں کہ
حالت ملکوتی یہیں سے شروع ہوتی ہے۔ جیسے کہ مجذوب ہیں اور نہ طبیعت کا
حکم غلبہ پاتا ہے جیسے ان لوگوں کی حالت ہے جو احکام طبیعت میں متمکن ہوتے ہیں

نفحات الانس میں ہے کہ شیخ صدر الدین قونیویؒ کو شیخ سعد الدین حمویؒ
کی صحبت بہت رہی ہے اور اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر اکثر سوالات کیے ہیں[1]
آپ میں اور مولانا روم میں بہت خصوصیت اور محبت تھی اور بہت صحبت رہی

---

[1] شیخ موید الدین الجندی شرح فصوص الحکم میں بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ شیخ صدر الدین
مجلس سماع میں شیخ سعد الدین حمویؒ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ شیخ سعد الدینؒ نے اثنائے
سماع میں اس صفہ کی طرف نظر کی جو اس منزل میں واقع تھا سعد الدینؒ ایک عرصہ تک اسی
حالت میں کھڑے رہے بعدہٗ آنکھیں بند کر کے فرمانے لگے "اے صدر الدین" جب شیخ
صدر الدینؒ سامنے آئے تو اُن کے منہ کے سامنے آنکھیں کھولیں اور فرمایا کہ "چشمے بمشاہدہ
جمال آنحضرت صلعم مشرف شدہ است اول بر روئے تو کشادم" ۱۲

ہے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ ایک بڑی مجلس منعقد تھی اور قونیہ کے اکابر جمع تھے۔ اور شیخ صدرالدین صدر صفہ پر بالائے سجادہ تشریف فرما تھے کہ حضرت مولانا رومؒ تشریف لائے شیخ نے مولانا کے واسطے سجادہ خالی کر دیا لیکن مولانا وہاں نہ بیٹھے اور کہنے لگے کہ قیامت میں کیا جواب دونگا کہ شیخ کے سجادہ پر کیوں بیٹھا تھا۔ شیخ نے فرمایا اچھا ایک کنارہ پر آپ تشریف فرمائیے ایک کنارہ پر میں بیٹھا جاتا ہوں۔ مولاؒ نہایت تعظیم کر کے بیٹھ گئے۔ شیخ نے فرمایا کہ جو سجادہ تمہارے بیٹھنے کے لائق نہیں ہے وہ میرے بیٹھنے کے لائق بھی نہیں ہے۔ یہ کہکر سجادہ کو دور پھینکدیا۔

مولانا رومؒ نے شیخ سے پہلے انتقال فرمایا اور وصیت کی تھی کہ میرے جنازہ کی نماز شیخ صدرالدین قونیوی پڑھائیں۔ شیخ صدرالدین قونیویؒ اور خواجہ نصیر طوسی میں جو علمائے اسلام میں بڑے مرتبہ کے حکیم تھے اکثر بعض مقدمات میں باہم سوال وجواب ہوئے ہیں۔ خواجہ نصیر طوسی کو ہلاکو خاں نے حکم دیا تھا کہ موضع مراغہ میں ایک رصدگاہ تیار کریں جس کام کو ختم کر کے خواجہ نے بروز شنبہ ۱۵ جمادی الاول ۶۷۲ھ کو بمقام بغداد انتقال فرمایا لیکن شیخ صدرالدینؒ کی تاریخ وفات کسی مستند کتاب میں نظر سے نہیں گذری کتاب حبیب السیر کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابقاخان بن ہلاکو خاں کی سلطنت کے زمانہ تک شیخ بقید حیات رہے اور ابقاخان کا انتقال ہمدان میں بروز چہار شنبہ بتاریخ بستم ذی الحجہ ۶۸۰ھ وقوع میں آیا ہے۔

حضرت فخرالدین عراقی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ

گنجینۂ شوق واشتیاق۔ یگانہ آفاق مست توحید بے شراب وساقی غریق وصال شیخ فخرالدین ابن ابراہیم العراقی قدس سرہٗ العزیز اپنے زمانہ کے اولیا، اور طائفہ اہل صدق وصفا میں سے تھے۔ آپ کا اسم مبارک فخرالدین اور عراق وطن مالوف تھا والد ماجد کا نام ابراہیم تھا۔ صاحب سیر العارفین کے نزدیک آپ شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے خواہرزادے تھے۔ صاحب مراۃ الاسرار

آپ کے حالات کے آغاز میں لکھتے ہیں کہ "شیخ فخر الدین بن ابراہیم العراقی قدس سرہٗ از بزرگان ایں طائفہ وانبیے پاکانِ روزگار بود ومشرب عشق برحال وے غلبہ داشت وکمالات وے در تصانیفش ظاہر است خصوصاً درلمعات" حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہند حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے آپ مرید وخلیفہ تھے۔

نفحات الانس ولطائف اشرفی میں آپ کے حالات شرح وبسط سے درج ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نواحِ ہمدان کو آپ کے عہد طفلی ہونے کا شرف حاصل تھا صغیر سنی ہی میں آپ نے قرآن پاک حفظ کیا اور نہایت عمدہ قرأت کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ آپ کے لحن داؤدی کا شہرہ دور دور تھا "چنانکہ جمیع ہمدانیاں شیفتہ آواز وے بود" حفظ قرآن کے بعد آپ نے تحصیل علوم کی طرف توجہ فرمائی۔

سن مبارک ابھی سترہ سال کا تھا اور ہمدان کے ایک مدرسہ میں پڑھ رہے تھے کہ ایک روز فقرائے قلندریہ کی ایک جماعت شہر ہمدان میں داخل ہوئی۔ ان قلندروں کے ساتھ ایک لڑکا نہایت صاحب جمال غلبہ عشق میں مغلوب ہمراہ تھا۔ چونکہ بچپن ہی سے آپ کی طبیعت ایک گونہ قدرت کے دلکش مناظر کی جانب راغب اور ربودگی کی طرف مائل تھی۔ اس آتش خرمن سوز پر نظر پڑتے ہی بے اختیار ہوگئے۔ جب تک قلندروں کا قیام ہمدان میں رہا انھیں کے ساتھ بسر اوقات کرتے تھے لیکن جوں ہی وہ دوسری طرف روانہ ہوئے جذب حسن محبوب کی مقاومت سے مغلوب ہو کر آپ نے بھی ان کے عقب میں قدم اٹھائے۔ صحبت کے لئے موافقت شرط تھی۔ پس اس شرط کی پابندی میں بسر وچشم چار ابرو کا صفایا کر کے صورت قلندرانہ اختیار کی اور ساتھ ساتھ ہندوستان پہونچے۔ اتفاقاً ملتان میں حضرت شیخ بہاء الدینؒ کی صحبت نصیب ہوئی۔ ایک طرف کی آرزو اور دوسری جانب کے تصرف نے قلندروں کی صحبت سے نکال کر حضرت شیخ کی صحبت میں متمکن کر دیا۔ حضرت شیخ نے ارادت کے بعد خلوت کی تعلیم دی اور چلہ میں بٹھایا۔ چلے میں بیٹھے ہوئے ابھی دس دن گذرے

تھے کہ آپ پر کیفیت وجد طاری ہوئی اور اسی حال میں یہ غزل تصنیف فرمائی ؎

نخستین بادہ کاندر جام کردند | زچشم مست ساقی وام کردند
چو گوئے حسن در میدان نہادند | بیک چوگان دو عالم رام کردند
برائے صید مرغ جانِ عاشق | ز زلفِ فتنہ جویاں دام کردند
بہ عالم ہر کجا رنج و بلا است | بہم بردند و عشقش نام کردند
زبہر نقلِ مستان از لب و چشم | مہیا شکر و بادام کردند
(مقطع) چو خود کردند راز خویشتن فاش | عراقی را چرا بدنام کردند

اس غزل کو نہایت خوش الحانی کے ساتھ زور زور سے پڑھتے اور روتے تھے۔ لوگوں نے سنکر سخت اعتراض کیا اور شکایتاً حضرت شیخ کے سمع مبارک تک پہونچایا کہ خاندانی طریقہ کے خلاف فخر الدین غزلیات پڑھتا اور نعرے مارتا ہے۔ حضرت نے فرمایا تمہارے لئے یہ بے شک منع ہے لیکن اس کے لئے منع نہیں ہے۔ اسی طرح حالت وجد و بے خودی اور گریہ و زاری بڑھتی گئی۔ تھوڑا زمانہ گزرنے پایا تھا کہ حضرت شیخ رحمتہ اللہ علیہ کے مقربین میں سے ایک بزرگ کا گزر خرابات کی طرف ہوا وہاں تمام خراباتیوں کو چنگ و بربط پر اسی غزل کو گاتے اور شور کرتے دیکھا۔ حضرت شیخ کی خدمت میں انھوں نے تمام واقعہ بیان کیا کہ یہ طریقہ ہمارے خاندان کے خلاف ہے آگے حضرت مختار ہیں کسے دم مارنے کی مجال ہو سکتی ہے۔ حضرت نے فرمایا وہ غزل کیا ہے سناؤ۔ انھوں نے وہ غزل تمام و کمال سنائی اور جب اس مقطع پر پہونچے ؎

چو خود کردند راز خویشتن فاش | عراقی را چرا بدنام کردند

حضرت نے فرمایا "کار او تمام شد" اور وہاں سے اٹھکر فخر الدین کے خلوت خانہ میں تشریف لائے اور فرمایا بابا عراقی خرابات میں جاکر مناجات کیا کرتے ہو۔ باہر آؤ۔ عراقی باہر آئے اور شیخ کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ آپ نے دست مبارک سے سر اٹھا کر سینہ سے لگایا اور پھر خلوت میں نہ بٹھایا اور تن مبارک سے خرقہ

اُتار کر اُسی وقت پہنایا اور اپنی صاحبزادی سے نکاح کر دیا۔ چنانچہ اُنھیں صاحبزادی کے بطن سے حضرت فخر الدین عراقیؒ کے ایک لڑکے کبیر الدین تولد ہوئے۔

صاحب مرآۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ "عراقی بست و پنج سال در خدمت شیخ بود۔ چوں شیخ را وفات نزدیک رسید وے را بخواند و خلیفہ خود ساخت و بجوار رحمت حق پیوست"۔ حضرت شیخ کا چونکہ التفات آپ کی جانب بہت تھا۔ اس سے بہت لوگوں کو رشک و حسد پیدا ہوا اور بادشاہ سے شکایت کی کہ عراقی اکثر اوقات شعر شاعری میں بسر کرتا ہے۔ خوبان صاحب جمال سے صحبت ہے۔ شیخ کی خلافت کا اُسے استحقاق نہیں ہو سکتا۔ حضرت فخر الدینؒ نے یہ تمام حالات سُنکر سب کو خیر باد کہا اور حرمین شریفین کا رُخ کیا اور زیارت کے بعد روم کی جانب متوجہ ہوئے اور حضرت صدر الدین قونوی قدس سرہ سے ملاقات کی اور کچھ تربیت بھی حاصل کی۔ حضرت صدر الدین قونوی کے درس میں اس وقت ایک جماعت فصوص الحکم پڑھتی تھی اس کے ساتھ شریک ہو گئے اور اثنائے استماع میں کتاب لمعات تصنیف فرمائی اور تمام کرنے کے بعد شیخ صدر الدینؒ کی خدمت میں پیش کی۔ شیخ نے بہت پسند کی اور تحسین و آفریں فرمائی۔

معین الدین پروانہ جو امرائے روم میں سے تھا آپ کا نہایت معتقد تھا۔ آپ کے لئے ایک خانقاہ اُس نے تعمیر کرائی تھی اور ہر روز خدمت عالی میں حاضر ہوتا تھا ایک روز ہزار اشرفیوں کی تھیلی ہمراہ لایا اور نہایت نیازمندی سے عرض کیا کہ حضرت مجھے کسی کام کا حکم نہیں فرماتے۔ یہ میری خدمت قبول ہو۔ یہ سُنکر آپ مسکرائے اور فرمایا کہ ہمیں روپیہ کا لالچ دینا چاہتے ہو۔؟ کسی کو بھیجکر حسن قوال کو بلاؤ۔ معین الدین پروانہ نے حضرت کے تعلق خاطر کو اس طرف مائل دیکھکر فوراً حسن کو جو حُسن صوت و حُسن صورت دونوں میں نظیر نہیں رکھتا تھا بلایا۔ شیخ نے جب اُس کے آنے کی خبر سُنی تو تمام اکابر اور خود معین الدین کے ہمراہ استقبال کو روانہ ہوئے۔ جب قریب پہونچے تو جھک کر سلام کیا اور معانقہ کیا۔ پھر حضرت

سنگایا اور خود اپنے ہاتھ سے اُسے اور اُس کے تمام یار دوستوں کو بلایا اور ان سب کے ہمراہ خانقاہ کی طرف مراجعت فرمائی۔ یہاں اکثر سماع کی صحبتیں رہیں۔ اسی اثنا میں حضرت نے یہ غزل تصنیف فرمائی۔

ساز طرب عشق کہ داند کہ چہ ساز است
کز زخمہ اُو نہ فلک اندر تگ و تاز است

ایک مدت کے بعد حسن قوال اجازت حاصل کر کے واپس ہوا۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ معین الدین پروانہ میدان کی طرف جارہا تھا کہ حضرت کو دیکھا ہاتھ میں چوگان لئے لڑکوں کے درمیان میں کھڑے ہیں۔ اس نے بھی حضرت کے پاس پہونچکر عرض کیا مجھے کس طرف کا حکم ہوتا ہے۔ آپ نے راست کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس طرف امیر یہ حکم سنکر چلا گیا۔

معین الدین پروانہ کی وفات کے بعد آپ نے روم سے مصر کی طرف کا رُخ کیا اور سلطان مصر سے ملاقات کی۔ وہ بھی آپ کا معتقد ہو گیا۔ اور مصر کا شیخ الشیوخ آپ کو مقرر کیا۔ باوجود اس مرتبہ کے آپ اسی طرح بے تکلفانہ کوچہ و بازار میں پھرا کرتے۔ ایک مرتبہ کفشگروں کے بازار میں گزر ہوا اور ایک کفشگر کے لڑکے پر نظر پڑی جو حسن وجمال میں بے عدیل تھا فوراً بے خود ہو گئے اور نزدیک پہونچکر سلام کیا۔ کفشگر سے پوچھا کہ یہ بیٹا کس کا ہے؟ اس نے کہا میرا ہے۔ اُس کے لبوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ ظلم نہیں ہے کہ ایسے لب و دندان چرم خر کے ساتھ آلودہ ہوں کفشگر نے کہا ہم لوگ غریب ہیں ہمارا پیشہ یہی ہے۔ یہ نہ کریں تو کھائیں کہاں سے؟ آپ نے سوال کیا کہ روز کسقدر کام کرتے ہو؟ اس نے کہا روز چار درم کا کام کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں آٹھ درم روز دیا کروں گا اگر تم یہ کام کرنا چھوڑ دو۔ چنانچہ آپ نے آٹھ درم روز اس کفشگر کے مقرر کر دئے اور ہر روز اپنے اصحاب کے ساتھ اس کی دوکان پر جاتے اور لڑکے کی صورت کی طرف تھوڑی دیر تک دیکھتے رہتے اور اشعار پڑھتے اور برابر روتے رہتے تھے۔ دشمنوں نے یہ خبر بادشاہ کے کان تک پہونچائی۔ سلطان نے پوچھا کہ شیخ کبھی اس لڑکے کو دن کے یا رات کے وقت اپنے ہمراہ لیجاتے

ہیں"۔ لوگوں نے کہا نہیں۔ پھر پوچھا کہ دکان میں کبھی اس کے ساتھ تنہائی میں بیٹھتے ہیں؟ کہا نہیں۔ یہ سُن کر قلم اور دوات منگائی اور لکھا کہ آج سے ہر روز پانچ اشرفیاں خادمان شیخ کے وظیفہ میں زیادہ کردو۔ دوسرے دن شیخ سے بادشاہ کی ملاقات ہوئی تو اس نے فرمایا میں نے سنا تھا کہ حضرت کی نظر ایک کفشگر کے لڑکے پر پڑی ہے اس لئے ایک حقیر رقم خرچ کی مقرر کی گئی ہے۔ اگر حضرت کا منشا مبارک ہو تو اُسے خانقاہ میں لے جائیں۔ فرمایا مجھے اس کی اطاعت اور فرمانبرداری لازم ہے حکومت نہیں کر سکتا۔ اس کے کچھ عرصے بعد شیخ نے شام کا قصد فرمایا۔

بادشاہ مصر نے والی شام کو لکھا کہ تمام علماء و مشائخ و اکابر کے ساتھ حضرت کا استقبال کیا جائے۔ جب یہ لوگ استقبال کے لئے حاضر ہوئے اُن میں والی شام کا ایک لڑکا بھی تھا جو حسن و جمال میں نظیر نہ رکھتا تھا۔ جوں ہی شیخ کی نظر اس پر پڑی بے اختیار اُس کے قدموں پر گر پڑے۔ باپ بیٹے دونوں نے اپنا سر حضرت کے قدموں پر رکھ دیا۔ لوگوں نے حضرت کی یہ حرکت دیکھکر اعتراض کیا لیکن کچھ کہنے کی مجال نہ تھی۔

حضرت شیخ نے دمشق میں قیام فرمایا آپ کے صاحبزادے شیخ کبیر الدین بھی ملتان سے یہاں تشریف لائے اور ایک مدت تک اپنے والد ماجد کی خدمت میں رہے۔ ایک دن شیخ کو معلوم ہوا کہ وقت رحلت اب قریب آگیا ہے۔ لڑکے کو اور تمام اصحاب کو بلا کر وصیت فرمائی اور یہ رباعی پڑھی ؎

در سابقہ چوں قرار عالم دادند | مانا نہ جز مراد آدم دادند
زاں قاعدہ و قرار کاں روز افتاد | نے بیش بکس وعدہ نے کم دادند

بستم ماہ ذیقعدہ ۶۸۸ھ کو ملک الظاہر المشہور بہ بندقدار[1] کے ایام سلطنت میں بیاسی سال کی عمر میں وفات فرمائی اور شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ کبیر الدین قدس سرہٗ کی قبر بھی

---

[1] حضرت موسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کا روضہ مبارک اسی کے زمانہ میں تعمیر ہوا تھا۔ ۱۲

آپ کے پہلو میں ہے۔ آپ کے کلام معجز نظام سے کسی قدر انتخاب کر کے اس مقام پہ درج کیا جاتا ہے ؎

ملامتم مکنید ار بدیر درد کشم — کہ حال ہجر ز ظلمت ترین حالات است
باز ہجر یار دامانم گرفت — باز دست غم گریبانم گرفت
چنگ در دامان وصلش می زنم — ہجرش اندر تاختت دامانم گرفت
در جہاں یکدم نبودم شادماں — زاں زباں کاندوہ جانانم گرفت
آتش سودائش ناگہ شعلہ زد — در دل غمگین حیرانم گرفت

آخر ایں تیرہ شب ہجر بپایاں آید — آخر ایں دردِ مرا نوبت درماں آید
بلبل آسا ہمہ شب تا بسحر نعرہ زنم — بو کہ بوئے بمشامم ز گلستاں آید

چہ کردہ ام کہ دلم از فراق خوں کردی — چہ او فتاد کہ دردِ دلم فزوں کردی
ہمہ حدیث وفا و وصال می گفتی — چو عاشق تو شدم قصہ باژگوں کردی
بسوختی دل و جانم گداختی جگرم — بہ آتش غمت از بسکہ آزموں کردی
سیاہ روئے دو عالم شدم کہ در خم فقر — گلیم بخت عراقی سیاہ گوں کردی

چہ خوش باشد دلا گر عشق یار مہرباں میری — شراب شوق او در کام نامش بر زباں میری
بمعنی زیستن باشد کہ نزد دوست جاں بازی — حقیقت مردن آں باشد کہ دور از دوستاں میری
درآں نقطہ کہ بنماید جمال خود عجب نبود — کہ از حسرت سر انگشت تعجب در دہاں میری

از وصل تو باز آرزو می کندم — گفتن بہ تو راز آرزو می کندم
خفتن بسرت بناز تا روز سپید — شبہائے دراز آرزو می کندم

وقت ست که بر لاله خرد شیے بزنیم ‌‌ ‌ ‌ بر سبزه و گل خانه فروشے بزنیم
دفتر بخرابات فروشیم بمے ‌ ‌ ‌ ‌ بر مدرسه بگذریم دو دوستی بزنیم

اے دیده بدار ماتم دل ‌ ‌ ‌ ‌ کو در خطرے فتاد مشکل
خوں شد ز فراق یار و از یار ‌ ‌ ‌ ‌ ایں خسته جگر چو مرغ بسمل
چوں دید بعاقبت که دلدار ‌ ‌ ‌ ‌ در خانه او نه کرد منزل
دل در پئے وصل یار جاں داد ‌ ‌ ‌ ‌ واں یار نه شد هنوز واصل
عمرے به طپید بر در یار ‌ ‌ ‌ ‌ جز خون جگر و گر چه حاصل
بر خاک درش فتاد و جاں داد ‌ ‌ ‌ ‌ آں قطرۂ خوں که خوانیش دل
اے کاش که بود ما نبودے ‌ ‌ ‌ ‌ کز بودن ماست کار باطل

اے عشق بمن کجا فتادی ‌ ‌ ‌ ‌ وے درد بمن چه رو نهادی
اے هجر بجاں رسیدم از تو ‌ ‌ ‌ ‌ بس زحمت و درد سر که دادی
از یار خودم جدا فگندی ‌ ‌ ‌ ‌ آخر بمن از کجا فتادی
هرگز نه کنم ترا فراموش ‌ ‌ ‌ ‌ اے آنکه مرا همیشه یادی
خرم بغم تو چوں نباشم ‌ ‌ ‌ ‌ چوں تو بغم همیشه شادی
تا چند خوری دلا غم جاں ‌ ‌ ‌ ‌ با غم همه وقت در جهادی

به شرارۂ قلندر بزن ار حریف مائی ‌ ‌ ‌ ‌ که نماند بیش ما را سر زهد و پارسائی
قدمے می مغانه بمن آر تا بنوشم ‌ ‌ ‌ ‌ که دگر نماند ما را سر توبه ریائی
می ناب اگر نباشد بمن آر درد تیره ‌ ‌ ‌ ‌ که ز درد تیره یابد دل و دیدۂ روشنائی
نه زر و نه سیم دارم نه دل و نه دین و دنیا ‌ ‌ ‌ ‌ منم و حریف کنجے و نوائے بے نوائی
نیم اهل زهد و تقوی بمن آر ساغر می ‌ ‌ ‌ ‌ که بصدق توبه کردم ز عبادت ریائی

تو مرا شراب دردہ کہ زتوبہ توبہ کردم | زصلاح خود بدیدم ہمہ لاف خودنمائی
چو زبادہ مست گشتم چہ کلیسیا چہ کعبہ | چو ترک خود گرفتم چہ وصال چہ جدائی
بقمار خانہ رفتم ہمہ پاکباز دیدم | چو بصومعہ گذشتم ہمہ یافتم دغائی
بطواف کعبہ رفتم بہ حرم رہم نہ دادند | کہ بردن درچہ کردی کہ درون خانہ آئی
در دیر می زدم سر ز درون ندا بر آمد | کہ بیا بیا عراقی تو ز خاصگان مائی

شیخ صدر الدین عارف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

واقف رموز ولایت۔ وارث علوم نبوت۔ عارف کامل۔ عالم وعامل سر حلقۂ اولیاء شیخ صدر الدین ابن شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے والد بزرگوار کے خلف الصدق تھے۔ صاحب اخبار الاخیار فرماتے ہیں کہ "بعد از پدر بر مسند ارشاد و تربیت نشست وبسیارے از اولیاء در سلک ارادت او منسلک گشتند" آپ کی شان عظیم اور ہمت بلند تھی۔ صاحب سیر الاولیا فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے سات لڑکے تھے۔ چنانچہ آپ کی وفات کے بعد جس قدر مال واسباب تھا اس کے سات حصے کئے گئے اور حضرت شیخ صدر الدین عارف کے حصہ میں بھی کثیر نقد وجنس آئی۔ پہلے ہی روز آپ نے یہ سب مال درویشوں کو تقسیم کردیا اور اپنے لئے کچھ نہ رکھا اور فارغ البال ہو کر حق تعالیٰ کی طرف مشغول ہوئے اور ایک عالم کو ہدایت بخشی مثلاً شیخ جمال خندانؒ جو اگرچہ شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے مرید تھے مگر تربیت آپ سے پائی جن کا مزار مبارک اوچھ میں ہے۔ آپ کے مریدوں میں سے ایک بزرگ شیخ محمد معشوق تھے جنھیں احمد بن محمد قندہاری بھی کہا کرتے ہیں اور گھوڑوں کی تجارت کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ اور مختلف قسم کا سامان بھی تجارت کیلئے قندھار سے ملتان لاتے اور نفع کماتے اور خوب عیش وکامرانی کی داد دیا کرتے تھے۔ آخر حضرت شیخ صدر الدینؒ کی توجہ سے راہ راست پر آئے اور علائق دنیوی سے مجرد ہو کر آپ کی خدمت اختیار کی اور کاملین روزگار سے ہوئے۔ آپ کے

ایک اور مرید مولانا علاء الدین خجندیؒ تھے جو چودہ سال حضرت شیخ صدر الدینؒ کی خدمت میں رہے۔ شیخ آپ کو محبوب اللہ کہا کرتے تھے۔ آپ کے ایک مریدوں میں سے مولانا حسام الدین ملتانی تھے جن کا مرقد پاک بدایون میں ہے۔ یہ بھی اپنے وقت کے بڑے بزرگوں میں سے تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی آپ کے بہت سے خلفا اور مریدین بڑے صاحب کمال ہوئے ہیں جن کا حال بنظر طوالت یہاں درج نہیں کیا جاتا ہے۔

شیخ صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ کی کرامتیں اور خوارق عادات بہت مذکور ہیں آپ کی طبیعت میں بذل و ایثار بہت تھا اور عطا و بخشش اور کھانا کھلانے میں بہت اہتمام فرماتے تھے۔ شیخ رکن الدین فردوسی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں دہلی سے ملتان آیا اور شیخ سے ملاقات کی شیخ نے کھانا طلب کیا۔ آپ کی خدمت میں علماء فقرا کی ایک جماعت حاضر تھی میں نے دیکھا کہ ایسا پر تکلف دسترخوان بچھایا گیا جیسا بادشاہوں کے یہاں ہوا کرتا ہے۔ اور طرح طرح کے کھانے چنے گئے میں دسترخوان پر شیخ صدر الدینؒ کے قریب ہی بیٹھا۔ شیخ کے سامنے الوان الوان کے طعام اور حلوے رکھے گئے آپ نے میری طرف اشارہ فرمایا اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہکر کھانا شروع کیا۔ باوجودیکہ میں ایام بیض کے روزے سے تھا مگر اس کا خیال نہ کیا اور تبرکاً تیمناً افطار روزہ کرکے میں نے بھی کھانا شروع کیا۔ میں نے دیکھا کہ شیخ برغبت تمام ہر جنس کا کھانا نوش جان فرما رہے ہیں۔ میرے دل میں خیال آیا کہ مہمان کی خاطر روزہ کا افطار کر لینا اچھا ہے۔ مگر کھانا کم کھانا بہتر ہے۔ جیسے ہی یہ خطرہ دل میں گزرا آپ نے فرمایا کہ درویش رکن الدین جو شخص کہ حرارت باطن سے طعام کو نور بنا کر حق تک پہونچا سکے اسے تقلیل طعام کی پابندی لازم نہیں۔

چونکہ لقمہ می شود بر تو گہن ‎ ‎ تن مزن ہر چند بتوانی بخور

مہمانوں کی خاطرداری آپ کو بہت منظور تھی اور خیال فرماتے تھے کہ کہیں میرے کم کھانے یا ہاتھ روک لینے سے مہمان بھی تکلف نہ کریں اور بھوکے نہ اٹھ

جائیں۔ دوسروں کو پیٹ بھر کر کھلانا اپنے کم کھانے یا بالکل نہ کھانے سے بہتر ہے خاصکر ان لوگوں کے لئے جن پر نفس کو غلبہ نہیں ہے اور جو کچھ وہ کرتے ہیں سب خدائے عزوجل کے لئے کرتے ہیں اور جن کی شان خود شیخ علیہ الرحمہ نے اوپر بیان فرمائی ہے۔

اخبار الاخیار میں ہے کہ میر حسینی سادات نے جو آپ کے مرید تھے کنز الرموز میں آپ کے اور آپ کے والد ماجدؒ اور حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ کی مدح فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں ؎

آں بلند آوازۂ عالم پناہ — سرور دیں افتخار صدرگاہ
صدر دین و دولت آں مقبول حق — نہ فلک از خوان جودش یک طبق
آب حیواں قطرہ بحر دلش — چوں خضر علم لدنی حاصلش
معتبر چوں قول او افعال او — ہم بیان او گواہ حال او
مقتدائے دیں قبول خاص و عام — دولتش گفتہ توئی خیر الانام
ملک معنی جملہ در فرمان او — ہم بکسب و ہم بمیراث آن او

آپ کے مریدوں میں سے ایک صاحب نے جن کا نام خواجہ ضیاء الدینؒ تھا آپ کے ملفوظات جمع کئے ہیں اور کنوز الفوائد نام رکھا ہے۔ اس میں آپ کی چند وصیتیں بھی درج کی ہیں جو آپ نے بعض مریدوں کو فرمائی تھیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ حدیث قدسی میں ہے کہ لا الٰہ الا اللہ حصنی فمن دخلہ امن من عذابی۔ یعنی اللہ جل شانہ فرماتا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ میرا قلعہ ہے جو کوئی اس میں داخل ہوا وہ میرے عذاب سے مامون رہا۔ اس کی توضیح میں آپ فرماتے ہیں کہ حصن کی تین قسمیں ہیں ظاہر و باطن و حقیقت۔ حصن ظاہر یہ ہے کہ سوائے خدائے عزوجل کے کسی سے خوف و رجا نہ رکھے۔ اگر تمام عالم دشمن ہو جائے یا دوست اس کے حکم کے بغیر کوئی نفع و ضرر اور خیر و شر نہیں پہونچا سکتے۔ قولہ تعالیٰ وان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف لہ الا ھو وان یردک بخیر فلا راد لفضلہ۔ حصن باطن یہ ہے کہ اس سرائے فانی میں موت کے پہلے جو کچھ پیش آتا ہے بالکل ہنگامی اور عارضی ہے جاودانی نہیں ہے

اور عدم کا قلم اس پر چل چکا ہے۔ قولہ تعالیٰ کل من علیہا فان جو کچھ یہاں نظر آتا ہے اس میں سے کسی کو کبھی ثبات نہیں۔ اس لئے اُن کی ہستی و نیستی کی طرف بالکل التفات نہ کرنا چاہیئے اور باطن میں ماسوی اللہ سے بے تعلق رہنا چاہیئے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ بہشت کی آرزو اور دوزخ کا خوف بھی دل میں نہ لائے اور سوائے حق تعالیٰ کے کسی شئے کی طرف قرار نہ پکڑے۔ فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر جب اس مقام پر پہونچ جائے گا تو بہشت خود اس کے پیچھے پیچھے آئے گی اور دوزخ اس سے بھاگے گی

بعض وصیتوں میں آپ نے فرمایا ہے کہ حضور سرور کائنات صلعم کی پیروی میں سب سے پہلا قدم یہ ہے کہ جس پر آپ ایمان لائے ہیں اس پر ایمان لائے اور اس پر ثابت قدم رہے اور یہ اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک کہ بندہ دل سے بلاشک و شبہ کی گنجائش کے یہ اعتقاد نہ رکھے اور رجوع و رغبت اور محبت و معرفت کے ساتھ زبان سے یہ اقرار نہ کرے کہ خداوند جل و علیٰ ایک ہے اور اس کی ذات واحد ہے جیسی اس کی صفتیں ہیں ویسی کسی کی نہیں۔ کمال کی صفتوں سے وہ ہمیشہ متصف اور تمام اسماء و صفات و افعال کے لحاظ سے قدیم ہے۔ اوہام و افہام کے ادراک سے منزہ اور حدوث و عوارض و اجسام کی علامتوں سے پاک ہے۔ تمام اسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اس کی ذات و صفات کے لئے چونی و چگونی درست نہیں وہ کسی نہج پر کسی شئے کے مانند نہیں ہے۔ اور کوئی شئے کسی نہج پر اس کے مانند نہیں ہے۔ لیس کمثلہ شئی فی الارض ولا فی السماء وھو السمیع العلیم تمام پیغامبر صلوٰت اللہ علیہم اُسی کے بھیجے ہوئے ہیں اور جناب محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام پیغمبروں سے فاضلتر ہیں۔ جو کچھ حضور نے فرمایا ہے راست و درست ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں۔ خواہ عقل میں وہ بات آئے یا نہ آئے۔ جو کچھ عقل میں نہ آئے اُسے برابر ماننا چاہیئے تاکہ اعتقاد کی درستی نصیب ہو۔

آپ نے فرمایا کہ صحت ایمان کی علامت یہ ہے کہ اگر اس سے کوئی نیکی سرزد ہو تو وہ خوش ہو اور اگر بدی ہو تو وہ برائی معلوم ہو۔ ایمان میں استقامت کی

علامت اس بات پر یقین رکھنا ہے کہ خدا ورسول اس کے نزدیک از روئے ذوق وحال نہ از روئے علم وایمان ماسوا سے زیادہ عزیز ہیں۔

آپ نے بعض مریدوں کو وصیت فرمائی تھی کہ کوئی سانس بغیر ذکر کے باہر نہ نکلنے پائے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ جو کوئی اللہ جل شانہٗ کے ذکر کے بغیر ایک سانس چھوڑتا اور دوسری لیتا ہے وہ اپنا حال ضائع کرتا ہے اور ذکر کرتے وقت وسوسہ اور حدیث نفس سے بھاگتا رہے۔ جب اس صفت پر برابر ذکر کرتا رہے گا تو وسوسہ اور حدیث نفس خود ذکر کے نور سے حل جائیں گے اور ذکر کا نور دل کے اندر اتر جائیگا اور ذکر کی حقیقت دل میں بیٹھ جائے گی اور ذکر مذکور کے مشاہدہ کے ساتھ ہوگا اور دل نور کے یقین سے منور ہو جائے گا۔ یہی طالبوں کا مطلوب اور سالکوں کا مقصود ہے۔ ع۔

ایں کار دولت ست کنوں تا کرا رسد

بعض وصیتوں میں آپ نے فرمایا ہے کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے کہ یاایھا الذین آمنو اذکروا اللہ ذکراً کثیرا۔ جب اللہ جل شانہ اپنے کسی بندہ کے ساتھ نیکی کا ارادہ فرماتا ہے اور اس بندہ کو سعید لکھتا ہے تو اسے زبان سے ہمراہی قلب ہمیشہ ذکر کرنے کی توفیق عطا فرماتا ہے اور زبان کے ذکر سے قلب کے ذکر پر ترقی عطا فرماتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر زبان خاموش ہو جائے تب بھی دل خاموش نہیں ہوتا۔ اسی کو ذکر کثیر کہتے ہیں اور اس مرتبہ تک بندہ نہیں پہونچتا جب تک کہ نفاق خفی سے نجات نہ حاصل کرے اور نفاق خفی وہ ہے جس کے بارے میں رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے۔ منافقی اکثر امتی قراؤ اس سے آپ نے نفاق مرادلی ہے۔ نیز وقوف مع غیر اللہ سے پرہیز کرے اور باطن کو اس کے سوا دوسرے سے نہ لگائے۔ پس جس وقت بندہ کو تجرید ظاہری کی توفیق حاصل ہو اور برے خیالات اور بری عادتوں سے اس کا باطن صاف ہو جائے تو ذکر کا نور اس کے باطن میں تجلی فرمائے گا اور وساوس شیطانی اور ہواجس نفسانی سب دور ہو جائیں گے اور ذکر کا نور اس کے باطن میں پیدا ہو جائے گا۔

حتیٰ کہ اس کا ذکر مذکور کے مشاہدہ سے متجلی و منور ہوگا اور یہ وہ بڑا مرتبہ اور عظیم درجہ ہے جس کے لئے بڑے بڑے ہمت والے ذی اختیار و صاحب بصیرت لوگ ترستے ہیں واللہ الموفق والمعین۔

صاحب لطائف اشرفی فرماتے ہیں کہ شب جمعہ ۶۱۱ھ چھ سو گیارہ ہجری کو آپکی ولادت مبارک واقع ہوئی۔ تہتر سال (یا بقول صاحب مراۃ الاسرار (۶۹) انہتر سال) کی عمر پائی اور ظہر و عصر کے درمیان تیسری ماہ ذی الحجہ ۶۸۴ھ چھ سو چوراسی ہجری کو بمقام ملتان رہگرائے عالم جاودانی ہوئے اور اپنی والد ماجد کے پہلو میں دفن ہوئے رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ۔

حضرت شیخ علی احمد صابر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ

گنجینۂ اسرار ولایت۔ منبع انوار ہدایت۔ خوگرفتہ بمقام توحید متمکن بمقام تفرید موصوف باوصاف اسم قادر۔ قطب ابدال شیخ علاء الدین علی احمد صابر قدس سرہ العزیز انبیائے بنی اسرائیل علیہم السلام کی اولاد پاک نہاد میں سے تھے۔ آپ سترھویں شعبان ۵۹۲ھ پانسو بارہ ہجری کو جمعرات کے دن مغرب و عشا کے درمیان بمقام گنجہ تولد ہوئے صاحب مرأۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ آپ کا نسب شریف حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہونچتا ہے۔ بعض لوگوں نے آپ کو سید حسنی اور بعض نے حسینی سید لکھا ہے اور پورا نسب نامہ درج کیا ہے لیکن کوئی وثیقہ اس بیان کی تائید میں کاتب حروف کی نظر سے نہیں گزرا۔

حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے آپ محبوب ترین خلیفہ تھے اور ارادت میں اکثر مریدوں پر سبقت رکھتے تھے۔ صاحب اخبار الاخیار فرماتے ہیں کہ آپ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر کے داماد اور خلیفہ تھے۔ بعض کہتے ہیں آپ حضرات کے بھانجے بھی تھے واللہ اعلم بالصواب۔

آپ ان بزرگوں میں سے تھے جو مرتبہ فردانیت پر فائز ہوتے ہیں۔

مراۃ الاسرار میں ہے کہ صوفیا اہل صفا میں آپ کی شان بزرگ۔ حال بلند اور ہمت قوی تھی اور ذات مطلق میں اتنا استغراق تھا کہ نہ کبھی آپ نے دنیا کی طرف توجہ کی اور نہ عقبیٰ کی طرف ؎

می صرف وحدت کسی نوش کرد — کہ دنیا و عقبیٰ فراموش کرد

آپ اکثر اوقات تنہا رہا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ کسی کو آپ کی صحبت میں رہنے کی طاقت نہ تھی اور ترک و تجرید کا اس قدر آپ کی حالت پر غلبہ تھا کہ بسا اوقات تنہا و منفرد رہا کرتے تھے۔ مولانا عبدالرحمٰن چشتیؒ فرماتے ہیں کہ جو کچھ آپ کی زبان مبارک سے نکلتا وہی عالم وجود میں آتا تھا۔ لطف و قہر کے بارش سے آپ کا نفس ماسوی اللہ سے بالکل منقطع ہوگیا تھا اور اس قدر غلبات شوق اور حیرت کی حالت تھی کہ آپ کے حالات حضرت نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ سے بہت مشابہ معلوم ہوتے ہیں۔ اہل تصوف کے نزدیک ہر اک ولی کسی نہ کسی نبی کی ولایت کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے۔ العلماء ورثۃ الانبیاء۔ کہا جاتا ہے کہ جس طرح حضرت نجم الدین کبریٰ کو ولایت عیسوی حاصل تھی۔ یہی آپ کو بھی حاصل تھی اور اسی وجہ سے آپ کے حالات میں اس قدر جلال نظر آتا ہے۔ صاحب مراۃ الاسرار فرماتے ہیں کہ "آنقدر تصرفات جلال کہ از شیخ علی احمد صابر ظاہر شد در خاندان چشتیہ کمتر از کسے بوجود آمدہ باشد۔ او یگانہ روزگار و بے نظیر وقت بود۔"

اس سلسلہ پاک کے بزرگوں سے تواتر کے طور پر منقول ہے کہ حضرت گنجشکرؒ نے خلافت عطا فرما کر حضرت سلطان المشائخؒ سے پہلے آپ کو دہلی کی طرف روانہ فرمایا تھا کہ وہاں سکونت اختیار فرمائیں۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ کو اختیار دیا تھا کہ جس مقام پر چاہو قیام کرو۔ شیخ علی احمد صابرؒ نے عرض کی کہ اجازت ہو تو دہلی میں قیام کروں۔ یہ سنکر بابا صاحبؒ نے اجازت نامہ لکھکر آپ کو دیا اور فرمایا کہ پہلے ہانسی جانا۔ وہاں شیخ جمال الدین ہانسویؒ کو یہ مثال دکھانا اس کے بعد دہلی جانا۔ چنانچہ آپ پہلے ہانسی تشریف لے گئے اور شیخ جمال الدین ہانسوی سے ملاقات کی جو بابا

صاحبؒ کے محبوب ترین خلیفہ تھے۔ اور اجازت نامہ آپ کے ہاتھ میں دیکر اُسی وقت رخصت کی درخواست کی۔ شیخ جمالؒ نے فرمایا کہ آخر اتنی جلدی کیوں ہے۔ دہلی کے صاحب ولایت کو بہت کچھ بردباری چاہیئے اور تم ہو کہ ایک ساعت بھی بیٹھنے کی طاقت نہیں رکھتے تم سے یہ کام کیونکر ہوگا۔ شیخ علی صابرؒ نے علیہ استغنا سے ایک بے نیازانہ جواب دیا۔ شیخ جمال الدینؒ باوجود اس جمال و کمال کے جو خدائے عزوجل نے انھیں عطا فرمایا تھا یہ جواب سن نہ سکے اور اجازت نامہ کو پارہ پارہ کر دیا۔ شیخ علی صابرؒ جو عین مظہر جلال تھے بھلا کہاں تاب لا سکتے تھے۔ جذبہ حال میں ان کی زبان سے نکل گیا کہ میں نے تمہارا سلسلہ قطع کر دیا۔ تم سے مشائخ کا کوئی سلسلہ جاری نہ ہوگا۔ آخر وہی ہوا شیخ جمال الدین کے بڑے لڑکے عالم و فاضل اور سجادگی کے لائق تھے وہ انھیں ایام میں دیوانہ ہو گئے اور چھوٹے لڑکے جن کا نام شیخ برہان الدین تھا آخر وقت میں جب اپنے والد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو شیخ جمال نے انھیں مرید کر کے تلقین کرنا اور اجازت بیعت دینی چاہی لیکن زبان نے کسی طرح یاری نہ دی اور گو اور باتیں کرتے رہے مگر شیخ برہان الدینؒ کے حق میں کوئی وصیت نہ کر سکے۔ شیخ برہان الدین آخر کار بابا صاحبؒ کے مرید ہوئے اور اُن کے صاحبزادے شیخ قطب الدین منور حضرت سلطان المشائخ کے مرید ہوئے۔

شیخ علی احمد صابرؒ ہانسی سے لوٹکر حضرت گنجشکر کی خدمت میں آئے اور یہ کل واقعہ بیان کیا۔ آپ نے تسلی فرمائی اور کہا کہ جس کاغذ کو شیخ جمالؒ نے پارہ پارہ کر دیا ہے۔ اُسے تو میں جوڑ نہیں سکتا مگر خاطر جمع رکھو اس سے بہتر اجازت نامہ لکھکر تمھیں دونگا۔ چند روز بعد خود اپنے دست مبارک سے اجازت نامہ لکھکر عنایت فرمایا اور ارشاد ہوا کہ موضع کلیر میں جاکر قیام کرو۔ وہاں کی ہوا معتدل ہے۔ غرض کہ بابا صاحبؒ سے آپ اجازت لیکر قصبہ کلیر پہونچے۔ اور ۶۵۰ھ میں وہیں سکونت اختیار فرمائی۔ آپ کا مشرب چونکہ قلندرانہ تھا اور ہر وقت آراستگی باطن میں مصروف رہتے اور ظاہری رسوم کی طرف التفات کم فرماتے تھے اس لئے بعض علمائے ظاہر

نامناسب کلمات سے آپ کو یاد کرنے لگے اور بہت بے باکی اور گستاخی سے پیش
آئے۔ جو لوگ کہ اولیاء اللہ کی شان کو نہیں جانتے اور قلوب کی جاسوسی کرنے کی قوت
نہیں رکھتے ان کی نظر ظاہر احوال ہی پر پڑا کرتی ہے اور باطن کو بھی ظاہر حالت پر قیاس
کرتے ہیں اور یہیں غلطی کرتے ہیں۔ انسان ظاہر احوال سے انسان نہیں ہوا کرتا ہے
خلق کی طرف سے جب بے پروائی پیدا ہو جاتی ہے تو آدمی سے رعایت خلق کی کوئی بات
نہیں ہوتی اور ظاہری احوال رندانہ بے باکانہ یا آزادانہ نظر آتے ہیں اور علمائے
ظاہر و مشائخ دنیا حسد کرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ یہی حال کلیر میں ہوا۔ جب حضرت شیخ علی صابر
کا شہرہ ہوا تو چہار طرف سے لوگ جوق جوق آنے لگے۔ علماء و مشائخ قصبہ کو حسد ہوا۔
اور باہم اتفاق کر کے آپ کو آزار پہونچانے کا ارادہ کیا لیکن آپ کا دبدبہ۔ شکوہ عظمت
حال کی یہ کیفیت تھی کہ صراحتاً کوئی فعل کرنے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ ایک روز
کا ذکر ہے کہ حضرت شیخ علیہ الرحمہ اپنے اصحاب کے ساتھ جمعہ کے روز کسی قدر قبل
از وقت تشریف لیجا کر مسجد میں منبر کے قریب بیٹھ گئے۔ جہاں علماء و مشائخ بیٹھا کرتے
تھے۔ جب وہ لوگ آئے تو معترض ہوئے اور کہا کہ یہاں سے اُٹھ جاؤ۔ حضرت
شیخ کے اصحاب نے بہت تواضع کے ساتھ عذر معذرت کی اور کہا کہ جگہ خالی تھی ہم
لوگ آئے اور بیٹھ گئے اب اپنے مکارم اخلاق سے معذور رکھو مگر انھوں نے اور
زیادہ سختی شروع کی کہ یہ ہمارے آبا و اجداد کے بیٹھنے کی جگہ ہے تمہیں یہاں ہم
بیٹھنے نہ دیں گے۔ حضرت شیخ کو غیرت معلوم ہوئی اور فرمایا کہ یہاں کے صاحب ولایت
کا اس جگہ بیٹھنا تم سے زیادہ سزاوار ہے۔ ان ناعاقبت اندیشوں نے کہا کہ بھلا
کیسے معلوم ہو کہ تم صاحب ولایت ہو۔ یہ سُنکر آپ کی حالت متغیر ہو گئی اور مسجد سے باہر
آکر فرمایا کہ تم سب کے سب اسی وقت مرجاؤ۔ یہ کلمہ مُنہ سے نکلنا تھا کہ مسجد گر پڑی
اور جتنے تھے سب ہلاک ہو گئے۔ تمام موضع میں آہ و فغاں کا شور بلند ہوا اور لوگوں
نے آپ سے عاجزی کرنی شروع کی۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے اب کچھ حاصل نہیں
میں نے حق تعالیٰ سے دعا کی اور اُس نے اجابت فرمائی ہے کہ یہ قصبہ ویران ہو جائے

اور ہرگز آباد نہ ہو میرے نزدیک یہاں کی ویرانی آبادی سے بہتر ہے۔ چنانچہ اس زمانہ میں یہ موضع نہایت آباد و معمور تھا۔ اس واقعہ کے بعد سے ویرانی شروع ہوئی اور اب بالکل ویران ہے ؎

منزلِ غمہائے تو شد سینۂ ویران من　　لاجرم باشد ہمیشہ گنج در ویرانہ

بعض روایتوں میں ہے کہ موضع کلیر کا قاضی آپ کا مخالف ہو گیا تھا۔ آپ نے بہت سمجھایا نہ مانا۔ بابا صاحب کو خط لکھا۔ وہاں سے والی شہر کو ہدایت ہوئی اس نے بھی نہ مانا۔ آخر دسویں محرم ۶۵۰ھ کو آپ مسجد جامع میں نماز پڑھنے آئے وہاں بھی لوگوں نے بیٹھنے نہ دیا اور آپ کو ساحر کہا۔ آخر آپ مسجد سے نکل آئے اور بد دعا کی چنانچہ مسجد گر پڑی اور تمام مصلی دب کر مر گئے۔

منقول ہے کہ آپ کے زمانہ حیات ہی میں اس قدر لوگوں کی رجوعات تھی کہ بیان سے باہر ہے۔ خدائے عزوجل نے آپ کو بے اندازہ تصرف عطا فرمایا تھا۔ اس وقت سے اب تک تیرھویں ربیع الاول کو آپ کا عرس ہوا کرتا ہے اور بعید اژدہام ہوتا ہے اور آپ کے مرقد پاک کی زیارت کو لاکھوں آدمی آتے ہیں ؎

زندہ نہ آنست کہ جانے ہست در دست　　اوست کہ از عشق نشانے در دست

سیر الاولیا میں جو بزرگان چشت کے حالات میں ایک نہایت معتبر کتاب ہے ایک بزرگ شیخ صابرؒ کا حال لکھا ہے کہ "درویشے بود ثابت قدم و صاحب نعمت مرید شیخ فرید الدینؒ است و شیخ فرید الدینؒ وقتے کہ باو اجازت بیعت می کرد فرمود صابر زندگانی خوش خواہی گزرانید و ہمچناں بود تا زندہ بود بہ عیش خوش می گزرانید و امردے خوش و کشادہ رو بود۔" شیخ عبد الحق صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ غالباً یہ شیخ صابرؒ شیخ علی احمد صابرؒ کے علاوہ کوئی اور بزرگ تھے لیکن پھر سیر الاولیا میں کسی اور شیخ علی صابرؒ کا بیان مذکور نہ ہونے سے شبہ میں پڑ جاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ممکن ہے انھیں شیخ صابرؒ سے شیخ علی احمد صابرؒ مراد ہوں لیکن صاحب مراۃ الاسرار دونوں کو ایک سمجھتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ سیر الاولیا کی

یہ عبارت مجھے پسند آئی۔ اس ایک جامع کلمہ میں حضرت گنج شکرؒ نے اتنی نعمتیں آپ کو ایثار فرمائیں کہ بیان نہیں ہو سکتا یعنی زندگانی خوش خواہی گزرانید۔ اس مضمون کو حضرت بابا صاحب نے ہندی زبان میں ادا فرمایا تھا کہ "بھوکہا خواہی کرو"۔ مولانا عبد الرحمن چشتیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے اگر مراد دنیا و آخرت کی راحتیں لی جائیں تب بھی درست ہے۔ اگر اس سے تجلیات جلال و جمال مراد لی جائے تب بھی درست ہے۔ اس سے گوناگوں تجلیات کے مظاہر مراد ہیں جو سالک پر وارد ہوا کرتے ہیں۔ اگر اس سے مراد راحتہائے قرب و بعدِ حق مراد لیجائیں جو عین مشاہدہ حضور میں عارف پر عتاب و خطاب ایسے ہوتی ہیں کہ کبھی تو وہ لذت عتاب میں غرق ہو جاتا ہے اور کبھی شوق خطاب میں بجلی کی طرح چمکنے لگتا ہے تو یہ بھی درست ہے ؎

گہ ناز و گہ کرشمہ گہ لطف و گہ عتاب
مسکین دلم چرا نشود زیں ہمہ خراب

صاحب مرأۃ الاسرار اسی سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ اس طائفہ کے نزدیک سب سے بہتر راحت تحیر کی راحت ہے۔ جس سے عارف کامل کو توحید میں فنائیت حاصل ہوتی ہے۔ یعنی ذات مطلق میں وہ اس قدر محو ہو جاتا ہے کہ ہر چند اپنے آپ کو تلاش کرتا ہے مگر نہیں پاتا ؎

منم تا سر و پا جملہ تحیر
تحیر ہم تحیر در تحیر

حضرت علی احمد صابرؒ کے مرتبہ کو اس مقام سے قیاس کرنا چاہئے کہ حضرت گنجشکرؒ نے اپنے تمام کامل خلفا کو حتیٰ کہ حضرت سلطان المشائخ کو بھی وقت رخصت ہدایت فرمائی کہ جب دہلی پہونچنا تو مجاہدہ کرتے رہنا مگر آپ سے صرف یہ کہا کہ "زندگانی خوش خواہی گزرانید"۔ اہل تصوف کے نزدیک جب مرید پیر کے سامنے ہی مرتبہ تکمیل حاصل کر لیتا ہے اور مشاہدہ حقیقی جس سے مراد قرب حق ہے اس پر اسے ایمان حاصل ہو جاتا ہے تو پھر کوئی وصیت نہیں کرتے اس لئے کہ وہ حالات سے آشنا ہو گیا ہے۔ اور فنائے احدیت نے اس پر جلوہ کیا ہے ایسے مرید کو

وصیت کرنا فضول ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ علیؒ احمد صابرؒ کو عالم تحیر میں ایک عرصہ گزر گیا تھا۔ باباصاحب کو جب خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا کون ہے جو میرے صابرؒ کو عالم بیداری میں لائے۔ حضرت خواجہ شمس الدین ترکؒ وہاں موجود تھے۔ عرض کی کہ غلام حاضر ہے۔ آپ نے کہا اچھا جاؤ۔ خواجہ شمس الدین ترکؒ لحن داودی رکھتے تھے اور بہت شیریں آواز تھے۔ آپ نے کلیر شریف پہونچکر حضرت شیخ کے قریب گنگنانا شروع کیا اور پھر ایک تان لگائی۔ اس نغمہ کے اثر سے تھوڑی دیر میں حضرت چونک پڑے اور عالم تحیر سے صحو و بیداری کے عالم میں مراجعت فرمائی حضرت شمس الدین ترک آداب بجالائے۔ حضرت شیخؒ نے باباصاحب اور دوسرے پیر بھائیوں کا حال دریافت فرمایا اور نوازشات فرماکر رخصت کردیا۔ خواجہ صاحب نے حضرت گنج شکرؒ کو اطلاع دی اور انعام کے خواستگار ہوئے۔ حضرت نے فرمایا مانگو کیا مانگتے ہو۔ آپ نے حضرت شیخ علی احمد صابرؒ کی خدمت گزاری کی عزت طلب کی۔ حضرت نے قبول فرماکر روانہ کیا۔ چنانچہ خواجہ شمس الدین ترکؒ عرصہ تک حضرت شیخ علی احمد صابرؒ کی خدمت میں رہے اور آپ ہی سے خلافت حاصل کی اور پانی پت تشریف لیجاکر وہیں سکونت اختیار فرمائی۔

صاحب مراۃ الاسرار فرماتے ہیں کہ حضرت سلطان المشائخ اور شیخ علی احمد صابرؒ میں باہم کمال محبت و الفت تھی۔ حضرت سلطان المشائخ سے پینتیس ۳۵ سال قبل تیرھویں ربیع الاول ۶۹۰ھ چھ سو نوے ہجری کو آپ نے رحلت فرمائی اور قصبہ کلیر میں دفن ہوئے جو اب پیران کلیر شریف کے نام سے مشہور ہے۔ اور رڑکی کے قریب واقع ہے۔ پہلے آپ کا مزار مبارک خام تھا لیکن حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ نے پختہ مزار بنوایا اور جہانگیر کے زمانہ میں مقبرہ تیار ہوا۔ مزار مبارک گنبد کے اندر واقع ہے اور دور دور سے خلقت آکر فیض حاصل کرتی ہے اور طالبان حق و مریدان صادق کو آپ کی روحانیت پاک سے برابر فیض پہونچتا رہتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ آپ میانہ قد نحیف البدن تھے کان بڑے بڑے پیشانی بلند ابرو کشادہ و سیاہ چشم تھی گردن دراز اور سینہ کشادہ تھا اور محاسن مبارک باریک و نرم تھی۔ آپ کی پوشاک گل ارمنی سے رنگا ہوا صرف ایک تہ بند اور خرقہ ہوتا تھا۔ سر مبارک پر کلاہ یا عمامہ رہتا تھا اور برہنہ پا رہا کرتے تھے۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے بعد خاندان چشت کے صرف دو سلسلے منشعب ہوئے ہیں ایک حضرت سلطان نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے جن کے سجادہ نشین حضرت نصیر الدین چراغ دہلی ہوئے اور دوسرا حضرت شیخ علی احمد صابر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے جن کے خلیفہ خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی ہوئے۔ اصلہا ثابت وفرعہا فی السماء ان دونوں سے شاخیں پھوٹیں اور اتنی مہک اٹھی کہ تمام ہندوستان خوشبو سے مہک اٹھا۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

خواجہ علی رامتنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سر دفتر اہل تصوف۔ بحر اسرار۔ متوجہ بحق۔ رو گردان از دنیائے دنی۔ خواجہ عزیزان علی رامیتنی قدس سرہٗ العزیز شریعت و طریقت میں کامل حنفی المذہب اور صاحب تصرفات باہرہ تھے۔ جو شخص ایک روز آپ کی صحبت مبارک میں رہتا مشغول بحق ہو جاتا اور آپ سے جدا ہونا نہ چاہتا۔ آپ شیخ محمود انجیر فغنوی کے خلیفہ اعظم اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے رکن رکین تھے۔ آپ کا لقب مبارک عزیزان تھا۔ آپ موضع رامیتن ولایت بخارا میں پیدا ہوئے۔ آپ شیخ علاء الدولہ سمنانی قدس سرہٗ کے ہمعصر تھے اور دونوں بزرگوں میں خط و کتابت بھی رہی۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ شیخ ممدوح قدس سرہٗ نے کسی شخص کے ہاتھ ایک خط آپ کو لکھا جس میں یہ سوالات کئے تھے۔ (۱) آپ اور میں ہم دونوں فقیر کہلاتے ہیں۔ مگر لوگ آپ سے راضی ہیں اور میرا شکوہ کرتے ہیں اس کی وجہ کیا ہے (۲) حضرت خضر علیہ السلام نے آپ کی تربیت کی ہے۔ وہ کس طرح کی ہے؟۔ (۳) ہم سنتے ہیں کہ آپ ذکر جہر کرتے

ہیں۔ اس کا کیا جواب ہے؟ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب دیا کہ (۱) خدمت کر کے احسان جتانے والے بہت ہیں۔ آپ خدمت کر کے احسان ماننے والے بنیں تاکہ کوئی آپ کے غیبت نہ کرے (۲) اللہ تعالیٰ کے بندے اُس کے عاشق ہیں اور خضرؑ ان کے عاشق ہیں (۳) ہم بھی سنتے ہیں کہ آپ ذکر خفی کرتے ہیں بس آپ کا بھی ذکر جہر ہو گیا۔

شیخ بدرالدین ہمدانیؒ ایک بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ واذکروا اللہ ذکراً کثیراً میں جو حکم ہے وہ ذکر جہر کے متعلق ہے یا خفی کے آپ نے فرمایا کہ مبتدی کے لئے ذکر جہر ہے اور منتہی کے ذکر خفی۔ ایک مرتبہ کسی نے آپ سے پوچھا کہ ایمان کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "کندن و پیوستن" یعنی دنیا سے قطع تعلق کرنا اور حق تعالیٰ سے انسیت رکھنا اور اُس کے تصور میں مشغول ہو جانا۔

آپ کے دو لڑکے ہوئے۔ یہ دونوں عالم و عامل و عارف و کامل تھے بڑے کا نام خواجہ محمدؒ اور چھوٹے کا نام خواجہ ابراہیمؒ تھا۔ انھیں چھوٹے صاحبزادے کو وفات کے وقت خلافت عطا فرمائے بڑے صاحبزادے کی عمر زیادہ نہ تھی خواجہ علیہ الرحمہ کے چالیسویں کے روز اُن کا انتقال ہو گیا۔ آپ نے ۷۲۱ھ (سات سو اکیس ہجری) میں بمقام خوارزم ایک سو بیس سال کی عمر میں اس جہان فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائے۔

علی بن حسین الواعظ الکاشفی رشحات عین الحیات میں لکھتے ہیں کہ مولانا سیف الدین نے آپ سے پوچھا کہ آپ کے یہاں ذکر علانیہ (جلی) کس وجہ سے کیا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تمام علما کا اس پر اتفاق ہے کہ آخری دم کلمہ کی تلقین آواز سے کرنی چاہئے۔ درویشوں کے لئے ہر دم دم واپسیں ہے اس لئے ہم اس کی رعایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ آیہ کریمہ توبوا الی اللہ میں اشارت بھی ہے اور بشارت بھی۔ اشارت یہ کہ توبہ کرو بشارت یہ کہ تمہاری توبہ قبول ہو گئی یعنی اگر قبول فرمانا مقصود نہ ہوتا تو اس کے کرنے کا حکم کیوں فرماتا

آپ نے فرمایا کہ آدمی کو چاہیئے کہ عمل کرے اور سمجھے کہ میں نے کچھ نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا کہ دو موقعوں پر خوب احتیاط وحفاظت سے کام لیا کرو۔ ایک بات کرتے وقت کہ کیا کہتے ہو اور ایک کھانا کھاتے وقت کہ کیا کھاتے ہو۔ آپ نے فرمایا کہ مرد کو چاہیئے کہ چڑیاں پالنے والے کی طرح ہو جو ہر پرند کا حوصلہ (پوٹا) دیکھکر غذا دیتا ہے۔ مرشد کو بھی طالبان حق کے تربیت اسی طرح ان کی استعداد دیکھکر کرنی چاہیئے۔ آپ نے فرمایا کہ اس طرح کے چلنے والوں کو حصول مقصود کے لئے بہت مجاہدوں کی ضرورت پڑتی ہے لیکن ایک راستہ بہت نزدیک کا ہے اور آسانی ہے۔ یعنی سالک کو چاہیئے کہ کسی صاحب دل کے دل میں اپنی جگہ بنائے۔ اس لئے کہ یہ دل حق تعالیٰ جل جلالہ کے نظر کا مورد ہوتا ہے اس کے بہانے سے اسے بھی کچھ حصہ مل جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا اس زبان سے دعا کیا کرو جس سے کوئی گناہ سرزد نہ ہوا ہو۔ آپ سے پوچھا کہ حضرت وہ کونسی زبان ہے آپ نے فرمایا کہ دوستان خدا کے سامنے تواضع ونیاز مندی ظاہر کرو تاکہ وہ تمہارے لئے دعا کریں۔ آپ کے طرف یہ پانچ رباعیاں منسوب ہیں جو درج ذیل کی جاتی ہیں۔

نفس مرغ مقید درون است — نگہدارش کہ خوش مرغے است دمساز
زبانش بند نگسل تا نہ پرد — کہ نتوانی گرفتن بعد پرواز

دیگر

با ہر کہ نشینی و نشد جمع دلت — ور تو نہ رسید زحمت آب وگلت
از صحبت وے کے تبرا بہ کنی — ہرگز نہ کند روح عزیزاں بحلت

دیگر

بیچارہ دلم کہ عاشق روئے تو بود — تا وقت صبوح دوش در کوئی تو بود
چو گان سر زلف تو از حال بحال — مے بروش ہمچناں یکے گوئے تو بود

دیگر

چون ذکر بدل رسد دولت دور کند — آں ذکر تراز نیستن فرد کند
ہر چند کہ خاصیت آتش دارد — لیکن دو جہاں بر دل تو سرد کند

دیگر

خواہی کہ بحق رسی بیارام اے تن — واندر طلب دوست بیارام اے تن
خواہی کہ مدد از روح عزیزاں خواہی — یا از سر خود ساز و بیارام اے تن

حضرت محبوب الٰہی محمد نظام الدین بدایونی رحمۃ اللہ علیہ

ارباب مشاہدہ کے سردار۔ اصحاب مجاہدہ کے سالار۔ خواجہ راستان ملک الفقرا والمساکین سلطان المشائخ والمحبوبین۔ قطب وقت۔ مجمع اسناد وارشاد۔ حجۃ اللہ علی العباد مبین فرع و اصول و جامع معقول و منقول۔ وارث انبیا و مرسلین۔ شیخ نظام الحق والشرع والدین قدس سرہٗ العزیز۔ آپ کا اسم مبارک محمد بن احمد بن علی البدایونی البخاری ہے۔ صاحب نفحات الانس نے آپ کو خالدی لکھا ہے لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت خالد کون تھے جن کی طرف آپ کی نسبت کی ہے۔ صاحب سفینۃ الاولیا آپ کا نسب نامہ یوں لکھتے ہیں "نام ایشاں محمد بن احمد بن دانیال بدایونی ست" سیر العارفین میں بھی آپ کو احمد بن دانیال لکھا ہے۔ صاحب مراۃ الاسرار نے بجائے دانیال کے علی لکھا ہے۔ دانیال ممکن ہے کہ آگے چل کر اس سلسلہ میں کسی کا نام ہو مگر آپ کے دادا کا نام علی صحیح ہے۔ آپ کے اجداد دراصل بخاری تھے لیکن ہندوستان تشریف لا کر بدایون (روہیلکھنڈ) میں سکونت اختیار کی اور یہیں آپ تولد ہوئے اس لئے بدایونی کہے جاتے ہیں۔

شیخ عبد الرحمٰن چشتی رحمۃ اللہ علیہ مراۃ الاسرار میں آپ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ "وہ محبوب خدا سر حلقہ اولیا اہل صفا تھے اور عشق کامل، شوق وافر، وجد صادق، قوی حال اور بلند ہمت رکھتے تھے۔ انبیا علیہم السلام کے بعد اس قسم کے صوری و معنوی تصرفات اس طائفہ میں کسی کو میسر کم ہوئے۔ آپ تمام مقامات غوثی و قطبی و فردانیت سے گزر کر مرتبہ محبوبی پر پہونچے۔ آپ کے اقوال و افعال جمیع مشائخ کے لئے حجت قاطع ہیں اور اس فن میں اولی یو مناسب آپ کی پیروی کرتے ہیں اور جب تک عالم ہے کئے جائیں گے۔ اس چار وانگ وسعت آباد ہندوستان کو نور ولایت سے آپ نے منور فرمایا اور ایک عالم کیلئے سبب ہدایت ہو حق تعالیٰ نے آپ کو سلطان المشائخ کے خطاب سے ممتاز فرمایا اور کرامت کا تاج آپ کے اور آپ کے پیروؤں کے سر پر رکھا۔ آپ کے تصرفات اظہر من الشمس ہیں اور کوئی اُن سے انکار نہیں

کر سکتا۔"

سیر العارفین میں ہے کہ "پدر بزرگوارش احمد ابن دانیال از غزنی بہ ہندوستان رسیدہ بود و در خطۂ بدایون متوطن گشتہ۔" لیکن مراۃ الاسرار اور دیگر کتب معتبرہ میں ہے کہ آپ کے اجداد نے بخارا سے تشریف لا کر پہلے لاہور میں سکونت اختیار فرمائی مگر بعدہٗ آپ کے دادا خواجہ علی اور نانا خواجہ عرب مع اہل وعیال بدایون تشریف فرما ہو کر سکونت پذیر ہوئے۔ ان دونوں بزرگوں میں باہم قرابت واقع ہوئی۔ خواجہ عرب کی ایک صاحبزادی بی بی زلیخا تھیں وہ خواجہ احمد بن علی کے نکاح میں آئیں۔ خواجہ احمد زیور دیانت وصلاح سے بدرجہ کمال آراستہ تھے۔ اس لئے سلطان عہد نے بدایون کی قضاۃ آپ کے تفویض فرمائی۔ آپ کا مزار پاک بدایون میں اس وقت تک زیارتگاہ خاص وعام ہے۔ صاحب مراۃ الاسرار فرماتے ہیں کہ حق سبحانہ تعالیٰ از اں دو صدف پاک در کان کرامت و سرمایہ عشق ومحبت سلطان المشائخ را بوجود آورد۔

آپ کی ولادت مبارک ۲۷ صفر ۶۳۶ھ (چھ سو چھتیس ہجری) کو بمقام بدایون واقع ہوئی۔ ابھی آپ پانچ سال کے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔

آفریں از خدائے بر پدرے　　　کہ از و ماند ایں چنیں پسرے

غرض کہ اس دریتیم نے اپنی ماں کی گود میں پرورش پانی شروع کی۔ جب کسی قدر بڑے ہوئے تو مکتب میں بٹھایا گیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں آپ نے قرآن پاک ختم کر لیا اور کتب متداولہ شروع کیں۔ بارہ سال کی عمر میں علم لغت پڑھتے تھے۔ مولانا شمس الملک جو اس زمانہ میں یکتائے روزگار سمجھے جاتے تھے اُن سے مقامات حریری پڑھی اور سند حاصل کی۔ حدیث میں مشارق الانوار حفظ فرمائی اور مولانا احمد تبریزی سے سند حدیث حاصل کی اور اس قدر استعداد بہم پہونچائی کہ محدثین وقت سے گوئے سبقت لے گئے۔ علم تفسیر، ہیئت، ہندسہ، فقہ اور اصول بھی اپنے زمانہ کے مشاہیر سے حاصل کیا۔ احمد بن فضل اللہ راجی (مولف سیر العارفین) لکھتے ہیں کہ بدایون میں آپ نے علم ظاہر مولانا علاء الدین اصولی سے حاصل کیا تھا

اور خواجہ شمس الدین خوارزمی المعروف بہ شمس الملک سے بھی دہلی آنے کے بعد علوم تحصیل کئے۔ یہ غیاث الدین بلبن کا زمانہ تھا۔ اور دہلی میں گو بہت سے علما و مشائخ تھے مگر خواجہ شمس الملک مرجع خاص و عام تھے اور جمیع علوم اصول و فروع اور معقول و منقول میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ اپنے حجرہ خاص میں آپ سوائے حضرت سلطان المشائخ اور دو ایک اور خاص طلبہ کے کسی اور کو آنے نہیں دیتے تھے اور حضرت سلطان المشائخ کی باوجودیکہ ابھی آپ نے لباس درویشی اختیار نہیں فرمایا تھا، بہت تعظیم کرتے تھے۔ حضرت سلطان المشائخ بھی کبھی آپ کے درس سے غیر حاضر نہیں ہوتے اور کبھی ناغہ نہیں کرتے تھے۔ سیر الاولیا میں ہے کہ آپ علما اور فضلائے وقت کی صحبت میں ہمیشہ رہتے تھے اور نظام الدین بحاث کہلائے جاتے تھے لیکن باوجود اس کے آپ کا دل حق منزل ہمیشہ علوم باطن کی تحصیل کی طرف جھکا رہتا تھا اور چاہتے تھے کہ اس صحبت سے نکل کر نور حقیقی کا نظارہ کریں۔

حضرت سلطان المشائخ خود فرماتے ہیں کہ میں ابھی چھوٹا ہی تھا۔ کم و بیش اندازاً بارہ ۱۲ سال کی عمر ہوگی کہ علم لغت پڑھتا تھا۔ ابوبکر خراط (جنھیں ابوبکر قوال بھی کہتے ہیں) ملتان سے میرے اُستاد کی خدمت میں آئے اور پہلے شیخ بہاء الدین زکریا کے کمالات بیان کئے مگر میرے دل پر کچھ جمے نہیں۔ اس کے بعد حضرت گنج شکرؒ کی بزرگی بیان کی۔ آپ کا نام پاک سنتے ہی میں بے اختیار ہوگیا اور آپ کی محبت میرے قلب پر مستولی ہوگئی۔ حتیٰ کہ ہر نماز کے بعد آپ کے نام کی تسبیح پڑھتا تھا۔ اور دس بار شیخ فرید اور دس بار مولانا فرید نام لیکر سوتا تھا۔ جب سولہ سال کی میری عمر ہوئی تو اپنی والدہ اور چھوٹے بھائی کے ساتھ دہلی کا ارادہ کیا۔ جب شہر میں داخل ہوا تو اتفاقاً شیخ نجیب الدین متوکلؒ جو حضرت گنج شکرؒ کے بھائی تھے ان کے پڑوس میں مکان لیا اور ان کی محبت کی وجہ سے روز بروز حضرت گنجشکرؒ کی پابوسی کا اشتیاق بڑھتا جاتا تھا مگر میرا چار سال اور شہر میں رہنا ہوا اور بڑی کوشش

سے میں نے تعلیم حاصل کی اور علم حدیث کی سند لی۔"

سیر العارفین میں ہے کہ دہلی میں آپ ہلال طشت وار کی مسجد کے نیچے ایک حجرہ میں رہا کرتے تھے۔ یہ مسجد حضرت شیخ المشائیخ نجیب الدین متوکل کے جوار میں تھی۔ جب آپ کی والدہ ماجدہ فوت ہوگئیں تو حضرت کی خدمت میں آپ بہت آنے جانے لگے اور اکثر اوقات آپ ہی کی خدمت میں بسر کرنے لگے۔ انھیں ایام میں ایک روز شیخ نجیب الدین متوکل کے پاس تشریف لے گئے اور التماس فاتحہ کر کے عرض کی کہ دعا فرمائیے میں کسی جگہ کا قاضی ہو جاؤں اور خلق کو نفع پہونچاؤں۔ آپ نے کچھ جواب نہ دیا اس خیال سے کہ شائد حضرت نے سنا نہیں آپ نے دوبارہ زور سے کہا۔ شیخ نے سنکر فرمایا "انشاء اللہ تعالیٰ تو ہرگز قاضی نہ شوی اما چیزے شوی کہ من می دانم"۔ غرض کہ اس کے چند روز کے بعد حضرت گنجشکر کی پابوسی کا شوق اور غالب ہونے لگا۔

منقول ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ کا جب اخیر وقت قریب آیا تو آپ رونے لگے اور فرمانے لگے کہ مجھے آپ کس کے سپرد کئے جاتی ہیں۔ آپ خاموش رہیں۔ دوسرے روز علی الصباح آپ کو بلایا اور ہاتھ پکڑ کر کہا۔ اے اللہ میں تیرے سپرد کرتی ہوں ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ ان اللہ بالغ امرہ قد جعل اللہ لکل شیئ قدرا۔

صاحب نفحات الانس فرماتے ہیں کہ آپ تحصیل و تکمیل علوم دینی سے فارغ ہونے کے بعد ایک شب جامع مسجد دہلی میں مقیم تھے کہ نماز صبح کے وقت موذن نے منارہ پر چڑھ کر یہ آیت پڑھی الم یان اللذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ کلام الٰہی کی یہ آیہ پاک سنکر آپ کی حالت متغیر ہوگئی جب صبح ہوئی تو بے زاد و راحلہ حضرت شیخ فریدالدین گنجشکر کی ملازمت کی نیت سے چل کھڑے ہوئے اس وقت آپ کا سن مبارک تقریباً بیس سال کا تھا۔ عین جوش جوانی و عروج شباب کا زمانہ تھا کہ تمام مرادات سے ہاتھ اٹھا کر اس راہ میں قدم ڈالا۔

راحت القلوب میں خود فرماتے ہیں کہ چہارشنبہ[1] کے روز رجب کی دسویں تاریخ اور چھ سو پچپن ہجری (۶۵۵ھ) بہ ہذا دعاگوے مسلمانان سلطان الطریقۃ فی الارض کا ایک غلام نظام احمد بداؤنی جو اس مجموعہ کا جمع کرنے والا ہے سید العابدین حضرت شیخ فریدالدین گنجشکر مسعود اجودھنی قدس سرہٗ العزیز کے شرف قدم بوسی سے بہرہ مند ہوا۔ اسی وقت آپ نے کلاہ چہار ترکی جو سر مبارک پر تھی دعاگو کے سر پر رکھدی اور خرقہ خاص و نعلین چوبیں عطا فرمائیں۔ الحمد اللہ علیٰ ذٰلک۔ اور یہ بھی فرمایا کہ میں چاہتا تھا کہ نعمت سجادہ اور ولایت ہندوستان کسی دوسرے کو دوں لیکن تو راہ میں تھا اُس وقت میرے سر میں (ہاتف) نے ندا کی کہ ٹھیر و نظام بداؤنی آتا ہے یہ ولایت اُسے دینا۔ دعاگو نے چاہا کہ پابوسی کا اشتیاق جو حد سے زیادہ تھا کچھ اس کا حال عرض کرے مگر دہشت حضوری اس قدر غالب ہوئی کہ کچھ عرض نہ کرسکا۔ یہ دیکھکر حضرت نے فرمایا کہ تمہارا اشتیاق جتنا کہ کہتے ہو اس سے زیادہ ہے اور دعاگو کے مناسب حال یہ بیت زبان مبارک سے فرمائی ؎

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ　　سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

حضرت سلطان المشائخ اس دفعہ اپنے پیر دستگیر کی خدمت میں ۱۵ رجب ۶۵۵ھ ہجری سے ۳ ربیع الاول ۶۵۶ھ ہجری تک یعنی سات مہینے اور سترہ اٹھارہ دن رہے اس کل مدت میں حضرت گنجشکرؒ نے جو پند و نصائح فرمائیں وہ سب راحت القلوب میں موجود ہیں جو حضرت باباصاحبؒ کے ملفوظات ہیں اور حضرت سلطان المشائخ نے خود مرتب فرمائے ہیں

ایک مرتبہ آپ اپنے پیرومرشدؒ کی خدمت میں تنہا تھے خود فرماتے ہیں کہ دعاگو نشستہ مگس می راند گنجشکرؒ بیدار شد فرمودیاراں کجا اند گفتم قیلولہ کردہ اند فرمود بیا تا تراچیزے بگویم۔ آغاز کردچو در دہلی بروی در مجاہدہ باشی بیکار بودن ہیچ نیست

---

[1] ۔ سیر العارفین میں روز پنجشنبہ ہے۔

روزہ داشتن نیمے راہ است و اعمال دگر چوں نماز و حج نیمے راہ"۔ ایک مرتبہ کا اور ذکر فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ نے فرمایا کہ "من از حق تعالیٰ خواستہ ام ہر چہ تو از حق بخواہی بیابی" ایک وقت کا حال بیان کرتے ہیں کہ حضرت گنجشکرؒ سر برہنہ بشرہ مبارک مستنیر حجرہ خاص میں یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

خواہم کہ ہمیشہ در وفائے تو زیم — خاکے شوم و بزیر پائے تو زیم
مقصود من بندہ ز کونین توئی — از بہر تو میرم و از برائے تو زیم

یہ ابیات پڑھتے اور سر مبارک سجدہ میں لیجاتے۔ میں نے یہ دیکھکر سر قدموں پر رکھدیا آپ نے کمال مہربانی سے فرمایا "مانگو کیا مانگتے" میں نے استقامت طلب کی شیخ نے عطا فرمائی۔

ایک مرتبہ کا اور ذکر فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ نے میرے دہن میں اپنا لعاب مبارک دیکر حفظ کی وصیت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ نظام اللہ نے دین و دنیا دونوں دئے ہیں یہاں سب موجود ہے۔ جاؤ ہندوستان کا ملک لو اور خلافت دیکر فرمایا کہ حق تعالیٰ نے تجھے علم و عقل و عشق عطا فرمایا ہے جس کسی میں یہ تین صفتیں ہوں وہی شایان خلافت ہے۔

غرض کہ ۶۶۹ھ (چھ سو انہتر ہجری) تیرھویں رمضان المبارک کو بقول سیر الاولیا آپ شرف خلافت سے مشرف ہوئے لیکن راحت القلوب میں ۶۵۵ھ (چھ سو چھپن ہجری) ہے اسی طرح درج ہے کہ دوسری ربیع الاول ۶۵۶ھ کو دولت قدمبوسی حاصل ہوئی۔ اس بندہ کو خلعت خاص مرحمت فرمایا۔ دوسرے اور عزیز اہل صفا بھی حاضر تھے۔ زبان مبارک سے فرمایا نظام الدین کو ہم نے ہندوستان کی ولایت دی اور صاحب سجادہ کیا۔ آپ کے ارشاد پر میں نے دوبارہ سر جھکایا اور زمین بوسی کی۔ حکم ہوا اے جہانگیر عالم سر اٹھا۔ آپ کے فرق مبارک کی حضرت شیخ قطب الدینؒ کی دستار تھی وہ عطا فرمائی۔ عصا دیا۔ خرقہ اپنے ہاتھ سے پہنایا۔ پھر فرمایا کہ دوگانہ ادا کر۔ جب میں رو بقبلہ ہوا تو ہاتھ پکڑ کر آسمان کی طرف اشارہ کرکے فرمایا تجھے خدا کو سونپا"۔

اس کے دوسرے روز آپ کو رخصت کیا اور فرمایا کہ پہلے ہانسی جانا اور مثال خلافت شیخ جمال الدین کو دکھلانا۔ اس کے بعد دہلی جانا۔ وہاں قاضی منتخب کو بھی دکھلانا سیر العارفین میں ہے کہ چوں از حضرت ایشاں بجانب دہلی رخصت یافتم در حین وداع نصیحتے ارزانی داشتند کہ البتہ خصماں را بہر حیلہ کہ دانی خوشنود گردانی و از کسے کہ قرض گرفتہ باشی باد ائی آں روئے نمائی حق تبارک تعالیٰ آسان گرداند۔ غرض کہ حضرت کی خدمت سے رخصت ہو کر پہلے آپ ہانسی گئے اور شیخ جمال الدین ہانسوی کو خلافت نامہ دکھلایا۔ آپ نے بہت بشاشت و ملاطفت کا اظہار فرمایا اور یہ اشعار پڑھے۔

خدائے جہاں را ہزاراں سپاس   کہ گوہر سپارد بہ گوہر شناس

جب آپ دہلی پہونچے تو حضرت شیخ المشائخ نجیب الدین متوکلؒ سے ملاقات کی اور کل ماجرا بیان کیا۔ اس کے بعد جن جن سے قرض لیا تھا اس کی ادائی کی فکر کی۔ ایک شخص سے ایک کتاب لی تھی اس نے معاف کر دی۔ ایک سے کچھ کپڑا خریدا تھا اُسنے معاف کر دیا۔ اسی طرح جن جن لوگوں کے دل میں آپ کی طرف سے میل تھا انھیں راضی کیا۔ اس بعد تقریباً تیرہ سال حضرت گنجشکرؒ اور بقید حیات رہے لیکن خود حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ میں اپنے شیخ کی خدمت میں دہلی سے جا کر تین مرتبہ عالم حیات میں قدمبوس ہوا ہوں اور سات مرتبہ بعد وفات مزار مبارک کی زیارت کی ہے۔

نقل ہے کہ حضرت سلطان المشائخ تربیت حاصل کرنے کے بعد جب سلوک و ریاضت میں مشغول ہوئے تو ابھی علم کا شوق باقی تھا۔ اس لئے ایک دن حضرت شیخ علیہ الرحمتہ سے التماس کیا کہ اگر حکم ہو تو ترک تعلیم کر دوں۔ آپ نے فرمایا میں کسی کو تعلیم سے منع نہیں کرتا دونوں کام کئے جاؤ۔ ان میں سے جو غالب ہوگا وہ رہ جائیگا اس کے چند روز بعد شغل باطن میں آپ کو اس قدر استغراق ہونے لگا کہ تعلیم و تعلم کا سلسلہ خود جاتا رہا۔

جائے کہ سلطان خیمہ زد غوغا نہ ماند عام را

سیر الاولیا میں ہے کہ جب آپ حضرت شیخ کی خدمت سے واپس ہو کر دہلی پہونچے تو چند روز کے بعد ہی اس قدر خلائق کا ہجوم ہوا کہ تنگ آ گئے۔ خیال ہوا کہ کسی گوشۂ صحرا میں جا رہیں لیکن اجازت نہ ملی اور اشارۂ غیبی سے موضع غیاث پور میں جو دریائے جمنا کے کنارے ہے چند جھوپڑیاں ڈال کر قیام فرمایا اور وہیں ساری عمر گزار دی۔ نواب عماد الملک کے وکیل ضیاء الدین نے آپ کے لئے ایک بڑی خانقاہ تیار کی اور آپ کے متعلقین کے لئے ایک حویلی تعمیر کرائی لیکن اس سے پہلے آپ پر سخت فقر و فاقہ کا زمانہ گزرا ہے۔ چنانچہ خود ایک مرتبہ کا حال بیان فرماتے ہیں کہ غیاث الدین بلبن کے زمانے میں ایک من خربوزے دو جیتل کو ملتے تھے۔ ساری فصل گزر گئی اور میں نے ایک پھل بھی نہ چکھا۔ اتفاقاً ایک روز ایک آدمی کئی خربوزے اور روٹیاں میرے پاس لایا جسے میں نے فرستادۂ خدا سمجھ کر لے لیا۔" لیکن پھر ایک زمانہ ایسا آیا کہ فتوحات کے دروازے کھل گئے اور بکثرت تحفہ و تحائف خدمت مبارک میں آنے لگے لیکن جو کچھ آتا آپ شام تک سب صرف فرما دیتے اور جو لوگ کوئی چیز لاتے اُس سے بہتر انھیں خود عطا فرماتے۔

سلطان معز الدین کیقباد کا جب زمانہ آیا تو اُس نے بھی اتفاق سے کیلوکھڑی کو پسند کیا اور اُس کے قریب سکونت اختیار کی اور ایک شہر آباد کیا اور مسجد جامع تیار کرائی اس وجہ سے امیر امرا اور خلائق کا ہجوم اور بڑھ گیا۔ چونکہ ایسے ہجوموں سے آپ کو سخت نفرت تھی اس لئے ارادہ کیا کہ کہیں چلا جانا چاہئے۔ اتفاقاً اسی اثنا میں مولانا احمد محدث تبریزی کا جن سے آپ نے سند حدیث حاصل کی تھی دہلی میں انتقال ہو گیا۔ آپ نے ارادہ کیا کہ استاد بزرگوار کی زیارت کو کل جب جاؤں گا تو وہیں شہر میں جہاں خلائق کا ہجوم نسبتاً کم ہے رہ جاؤں گا۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں اس اندیشہ میں تھا کہ ایک حسین جوان دُبلا پتلا اسی روز میرے پاس آیا اور مجھ سے کہنے لگا۔

آں روز کہ مہ شدی نمی دانستی | کانگشت نمائے عالمے خواہی بود
امروز کہ زلفت دل خلقے بر بود | در گوشہ نشستنت نمی دارد سود

پھر کہا کہ پہلے تو مشہور ہی نہ ہونا چاہیئے لیکن اگر مشہور ہو گئے تو اس کا خیال رکھنا چاہیئے کہ کل قیامت کے روز رسول خدا صلعم سے شرمندگی نہ ہو۔ یہ بھی فرمایا کہ یہ بھی کوئی حوصلہ ہے کہ خلق اللہ سے کنارہ کر کے گوشہ گیری اختیار کی جائے۔ قوت و حوصلہ اس کا نام ہے کہ باوجود اژدہام خلائق کے مشغول بحق رہیں۔ یہ نصیحت سن کر پھر میں نے جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

آپ فرماتے ہیں کہ تیسری مرتبہ میں رمضان المبارک ۶۶۹ھ (یا ۶۶۸ھ) میں اجودھن گیا۔ حضرت گنجشکر سے وہ آخری ملاقات تھی۔ جب واپس ہونے لگا تو میری طرف منہ کر کے فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے نیک بخت کرے۔ اسعدک اللّٰہ فی الدارین ورزقک اللہ علماً نافعاً وعملاً مقبولاً اور فرمایا کہ تم ایسے درخت ہو گے جس کے سایہ میں ایک خلق آرام پائے گی۔ حصول استعداد کے لئے برابر مجاہدہ کرتے رہنا۔

دہلی میں آپ کا ایک گھر غیاث پور میں تھا اور ایک کیلو کھڑی میں۔ غیاث پور اور کیلو کھڑی قریب ہی قریب تھے۔ کوئی آدھ کوس کا فاصلہ تھا۔ جمعرات کے دن کیلو کھڑی آتے اور اپنے مکان میں جو جامع مسجد کے نزدیک تھا قیام فرماتے۔ جمعہ کی نماز وہیں ادا فرماتے۔ اس کے بعد غیاث پور جاتے۔ صاحب مراۃ الاسرار بحوالہ کنز الاولیا لکھتے ہیں کہ سلطان المشائخ نے آغاز جوانی میں تیس۳۰ سال تک سخت مجاہدے کئے ہیں۔ اس کے بعد بھی اخیر عمر تک مجاہدوں کا سلسلہ رہا۔ شروع زمانہ میں جب آپ غیاث پور میں تھے تو وجہ معاش کی بہت تنگی تھی۔ اس وقت آپ کے مریدوں میں حضرت برہان الدین غریب جو خلد آباد (دکن) میں آسودہ ہیں اور حضرت کمال الدین جو شہر پٹن (گجرات) میں مدفون ہیں۔ یہی دو بزرگ آپ کی ملازمت میں تھے اس کے بعد وہ زمانہ آیا کہ فتوحات کی اتنی کثرت شروع ہوئی کہ بیان سے باہر ہے اس زمانہ میں باوجودیکہ فتوحات بکثرت آتی تھیں اور دنیاوی مال ومتاع بے اندازہ تھا لیکن آپ کی ذات پاک ان سب آلائشوں سے منزہ تھی بڑھاپے میں گو اسّی برس سے سن مبارک گذر چکا تھا لیکن نماز جماعت کے لئے بالائے بام سے نیچے تشریف

لاتے اور صوم دوام رکھتے اور افطار کے وقت ایک روٹی یا آدھی روٹی کچھ ترکاری یا کسی قدر چاول تناول فرماتے پھر بڑے دسترخوان پر تشریف لاتے اور ہر شخص کو دست مبارک سے کچھ نہ کچھ مرحمت فرماتے۔

افطار کے بعد جب آپ بالائے بام تشریف لیجاتے تو جو لوگ قدمبوس ہونا چاہتے یا شہر داطراف سے حاضر ہوتے مغرب وعشا کی نماز کے وقت موقع پاتے اور چند ساعت اس گنجینۂ عشق وہدایت کے شرف جمال وسعادت مجالست سے بہرہ اندوز ہوتے اس کے بعد طرح طرح کے میوہ جات تر وخشک لطیف ولذیذ سامنے لائے جاتے اور ان لوگوں کو تقسیم ہوتے۔ ہر ایک کی آپ دلداری فرماتے اور بعض اوقات اُن کا ساتھ دینے کے لئے کچھ آپ بھی تناول فرمالیتے اور خود ہر ایک کا حال پوچھتے اس کے بعد نماز عشاء کے لئے نیچے جماعت خانہ میں تشریف لاتے اور بعد فراغ پھر اوپر تشریف لیجاتے اور ایک عرصہ تک مشغول بحق رہتے۔ پھر جب استراحت کے لئے چارپائی پر قدم رکھتے تو آپ کے خادم خواجہ اقبال جنھیں پیار میں لالا کہا کرتے تھے تسبیح دست مبارک میں دیتے اس وقت سوائے امیر خسرو کے کسی کو سامنے جانے کی مجال نہ ہوتی حضرت امیر خسرو طرح طرح کی باتیں کرتے اور آپ اُن کی خاطر سے سر مبارک ہلاتے جاتے اور کبھی کبھی خود پوچھتے کہ اے ترک یہ کیا چیزیں ہیں خسرو اس قدر ہمت پاکر خوب گل فشانی کرتے۔ اسی وقت خُرد وقرابت دار اور مولازادے جو محل میں ہوتے قدمبوسی کے لئے حاضر ہوتے۔

نخفت خسرو مسکیں ازیں ہوس شبہا   کہ دیدہ برکف پایت نہد بخواب شود

پس جب امیر خسرو اور تمام خرد وقرابت دار باہر آجاتے تو خواجہ اقبال وضو کے لئے آفتابہ حاضر کرتے اور خود باہر چلے جاتے۔ صاحب مراۃ الاسرار فرماتے ہیں کہ دراں محل جز بہ مشاہدہ جمال حق کسے دیگر نہ بودے۔ تمام شب چہ نازہا وچہ نیازہا وچہ ذوقہا با حق داشتے چنانکہ ایں بیت بہ زبان مبارک راندے۔

عشقے کہ زتو دارم اے شمع چگل   دل داند ومن دانم و داند دل۔

جب سحری کا وقت ہوتا تو خواجہ عبدالکریم حاضر ہو کر دستک دیتے سلطان المشائخ دروازہ کھول دیتے اور کسی قدر سحری تناول فرماتے، باقی بچوں کے لئے رہنے دیتے اور اکثر ایسا ہوتا کہ کچھ نہیں تناول فرماتے۔ اور تہجد ادا فرما کر شغل باطن میں مصروف ہو جاتے جب صبح ہوتی تو ادائے نماز فجر کے لئے نیچے اُترتے اور اشراق و چاشت کے بعد جماعت خانہ میں تشریف رکھتے اُس غایت استغراق شغل باطن سے چشمہائے مبارک بہت سُرخ ہوتیں اور جو کوئی دیکھتا یہ سمجھتا کہ گویا شراب سے مست ہیں۔

من مست خراباتم کانجا قدح دمے نے　　　صد شور سماع آنجا لیکن زدف ونئے نے

کسی شخص سے یہ روایت نہیں پہونچی کہ آپ رات کو چار سو یا پانچ سو رکعت نماز پڑھتے ہونگے یا اس قدر ورد فرماتے ہونگے۔ مگر خلا و ملا میں شغل باطن سے ہمیشہ الفت رہتی تھی۔ جب سجادہ مبارک خواجگان چشت پر جلوہ فرماتے تو ہر قسم کے لوگ کیا اُمرا کیا بادشاہ کیا علما و شعرا، کیا درویش و فقرا اور کیا قلندر غرض کے ہر طرح کے لوگ آکر قدمبوس ہوتے آپ ہر ایک کی دلداری فرماتے اور احوال پوچھتے اور کسی کو اپنی شفقت سے محروم نہ رکھتے۔ محتاجوں کو زر و لباس و طعام دیتے اور جس قدر تحفہ و ہدایا آتے سب دے ڈالتے اس کے بعد قیلولہ فرماتے۔

ظہر کی نماز کے بعد پھر جو عزیز حاضر ہوتے انھیں طلب فرماتے اور راہ سلوک و محبت حق جل و علا کا تذکرہ فرماتے رہتے اور طرح طرح کے حقائق و معارف و کلمات توحید زبان مبارک سے ارشاد فرماتے۔ آپ کے دبدبہ سے کسی شخص کی یہ مجال نہ ہوتی کہ منہ سے کوئی لفظ نکالتا۔

خوباں چو بادہ خوارند من جرعہ خوار ایشاں　　　ہر جرعہ کہ خوردہ سر بر زمین نہادہ

حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ فرماتے ہیں کہ جب یاران محرم حاضر ہوتے اور حضرت سلطان المشائخ سماع کی طرف میل فرماتے تو پہلے امیر خسرو حاضر ہو کر سامنے بیٹھتے۔ حضرت امیر خسرو غزل شروع کرتے اور جس بیت پر حضرت سر ہلاتے اس کی تکرار کرتے۔ سماع شروع ہوتا اور آپ وجد فرماتے۔

آپ بلبن کے زمانہ میں دہلی میں تشریف لائے تھے۔ اس کے بعد آٹھ بادشاہ
اور آپ کے سامنے گذرے۔ معزالدین کیقباد۔ جلال الدین خلجی۔ خضر خاں۔ قطب الدین
خسرو خاں۔ غیاث الدین تغلق۔ سلطان محمد تغلق۔ آخرالذکر کے شروع زمانہ میں آپ نے
وصال فرمایا۔ تمام بادشاہ آپ کے حد درجہ معتقد تھے، الا قطب الدین و غیاث الدین
تغلق۔ قطب الدین نے علاء الدین کے تینوں بیٹوں خضر خاں۔ شادی خاں اور شہاب الدین
کو قتل کرایا تھا جو حضرت سلطان المشائخ کے مرید تھے۔ اور آپ سے بھی یہ عناد
پیش آتا تھا۔ پہلے آپ پر چند الزامات لگائے۔ جب وہ لغو ثابت ہوئے تو مشائخ
شہر کو حکم دیا کہ ہر شب ماہ کو سب میرے پاس آیا کریں آپ کو بھی دھمکایا کہ اگر تعمیل
حکم نہ کروگے تو بجبر طلب کئے جاؤگے۔ ابھی اس کی نوبت نہیں آئی تھی کہ اس کے
غلام نے جس کا نام خسرو خاں تھا اُسے قتل کردیا اور تخت شاہی پر بیٹھ گیا۔ اور حضرت
کی خدمت میں بہت کچھ زر نقد و تحائف بھجوائے۔ جب خسرو خاں کو قتل کر کے
غیاث الدین تغلق سریر آرا ہوا تو اُس نے اس تمام زر نقد کا مطالبہ کیا۔ آپ نے
فرمایا بیت المال کا تھا۔ مستحقین کو تقسیم کردیا گیا"۔ اس جواب سے بادشاہ ناخوش ہو گیا
اور آپ کے درپئے آزار ہوا۔ چونکہ آپ کو سماع کا بہت شوق تھا اس لئے
علماء سے جواز سماع کی بابت فتویٰ لیا۔ آپ سے جواب طلب کیا۔ آپ نے
حدیث نبوی پیش کی۔ علمائے ظاہر نے ابو حنیفہؒ کا قول طلب کیا آپ نے فرمایا
سبحان اللہ میں قول نبوی پیش کرتا ہوں یہ لوگ قول ابو حنیفہ کوئی طلب کرتے
ہیں۔ پھر آپ نے ایک علمی دلیل سے اُن عالموں کو ساکت فرمایا۔ لیکن سلطان
کے دل سے غبار نہ نکلا۔ اتفاقاً لکھنوتے میں کچھ فساد کی خبر سنکر اس طرف گیا۔ جب
وہاں سے واپس ہوا تو کہنے لگا کہ دہلی پہونچکر حضرت شیخ کو باہر نکال دونگا۔ حضرت
سلطان المشائخ کو جب اطلاع ہوئی تو فرمایا ہنوز دلی دور است۔ قضائے الٰہی
سے واقعہ بھی ایسا ہی ہوا یعنی ابھی دہلی میں قدم نہیں رکھا تھا کہ مکان پر بجلی گری اور اوسکے
اثر سے بادشاہ کی ہلاکت واقع ہوئی مولانا ضیاء الدین سنامی سے منقول ہے کہ

ایک مرتبہ علاء الدین خلجی نے پانچ سو دینار سرخ آپکی خدمت میں بھیجے اس وقت ایک قلندر اسفندیار نام جو خراسان سے آیا تھا بیٹھا ہوا تھا۔ اشرفیوں کو دیکھکر التماس کرنے لگا کہ ایہا الشیخ الہدایا مشترک اپنے فرمایا بلکہ تنہا خوشترک۔ قلندر سمجھا کہ کچھ اور مطلب ہے لیکن آپ نے کل کی کل رقم اُسی کو دیدی۔

حضرت شیخ نصیر الدین قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ شیخ شرف الدین جو حضرت بابا فرید الدین گنجشکر کے نواسے تھے شیخ المشائخ حضرت بدر الدین سمرقندی کے عرس میں دعوت طعام میں تشریف لے گئے وہاں صوفیوں کی جماعت میں سے ایک شخص نے حضرت سلطان المشائخ کے بارے میں کہا کہ عجب فارغ البال آپکا باطن ہے نہ اہل وعیال کا غم اور نہ اطفال کا اور دنیا کے طرف سے فراغت کلی حاصل ہے تمام خلق خدا کو بخشش وعطا فرماتے ہیں اور کسی طرح کا غم ورنج نہیں شیخ شرف الدین نے اس مجلس سے واپس ہو کر حضرت سلطان المشائخ سے یہ سب ماجرا عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ بابا شرف الدین جو غم ودرد والم کہ گھڑی گھڑی مجھ پر وارد ہوتا رہتا ہے میں نہیں کہہ سکتا کہ کسی اور پر ہوتا ہوگا۔ جو شخص میرے پاس آتا ہے اور اپنا حال بیان کرتا ہے مجھے اوس کا حال غم سنکر دو چندان درد والم ہوتا ہے وہ شخص بھی کتنا سخت دل ہوگا جس کے دل پر اپنی برادر دینی کا درد اثر نہ کرے۔

شیخ نصیر الدین چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے حسن اخلاق کے ذکر میں یہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ خواجہ عطار اللہ کے ایک بھائی جو شیخ المشائخ حضرت نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے تھے۔ اور ایک لاا بالی اور بے باک طبیعت آدمی تھے آپ کے پاس آئے اور دوات قلم وکاغذ سامنے رکھکر کہنے لگے کہ فلاں بادشاہ کے نام میرے واسطے ایک رقعہ لکھدیجئے تا کہ مجھے کچھ اس سے ملجائے آپ نے فرمایا کہ میری اور اوس شخص کی کہیں کی ملاقات نہیں ہے اور نہ وہ میرے پاس آیا ہے۔ ایسی صورت میں کیسے رقعہ لکھوں۔ انہوں نے یہ سنتے ہی کلمات زشت اور بہلات نا سزا بکنا شروع کئے اور کہا کہ تو ہمارے جد کا مرید ہے اور ہمارے ہی

خاندان کے صدقہ میں یہ نعمت تجھے ملی ہے اور اب اس قدر کفران نعمت کرتا ہے کہ
ایک رقعہ بھی ہمارے لئے نہیں لکھ سکتا۔ یہ کون سی شیخی اور بزرگی ہے جس کے ٹھاٹھ
ہونے جائے ہیں اور مکر و فریب کا جال بچھا رکھا ہے۔ یہ کہکر انہوں نے دوات زمین
پر دے ماری ہے اور کھڑا ہو گیا۔ حضرت نے یہ دیکھتے ہی ان کا دامن پکڑ لیا اور
فرمایا کہ بیٹھ جائے۔ جاتے کیوں ہیں میرے آپ کی صفائی تو ہو جائے۔ اس کے بعد
ایک کثیر رقم طلب فرمائے اور ان کے سامنے رکھی اور جب تک خوش نہیں کر لیا جانے
نہیں دیا۔

ایک دوسری نقل ہے کہ اندرپرست کے حصار میں موضع غیاث پور کے
قریب ایک شخص چھجو نام رہتا تھا۔ اسے حضرت سلطان المشائخ سے بے وجہ کی عداوت
تھی۔ ہمیشہ آپ کو برا کہتا تھا۔ اور ایذا پہونچانیکی تدبیریں کرتا رہتا تھا جب اوس کا انتقال
ہوا تو آپ کو خبر ہوئی۔ آپ اوس کے جنازہ پر تشریف لائے اور دفن کے بعد سرہانے
بیٹھکر دوگانہ نماز ادا فرمائی اور اوس کے حق میں دعا کی اور فرمایا اے اللہ جو کچھ اُس
شخص نے میرے حق میں کہا اور کیا ہے میں نے سب بخشدیا۔ میری وجہ سے اس پر عقوبت
مت فرما۔ حضرت امیر خسرو آپ کے مدح میں کیا خوب فرماتے ہیں۔

سیرت میمونش بدیں پروری	نسخۂ دیباچہ پیغمبری
چوں دم الہام زدہ کام او	نائب وحی آمدہ الہام او
زیر فلک قطب زمانہ ہموست	قطب دو گویند یگانہ ہموست
بر در او ہر کہ ارادت نمود	زندہ جاوید شد ار مردہ بود
در تن ہر کہ زدم او جاں شدہ	نفس کہ دیو است سلماں شدہ
زافسر شاہاں کلہ او فرہ	بر کلہ اش ہائے ہو اللہ گرہ

ضیاء الدین برنی تاریخ فیروزشاہی میں لکھتے ہیں کہ عہد علائی کے آخری دس
سال کا زمانہ بھی عجیب زمانہ تھا۔ سلطان نے جمیع مسکرات و مناہی و اسباب فسق
و فجور کو روک دیا تھا تمام معاصی بند ہو گئے تھے۔ اس زمانہ میں حضرت سلطان المشائخ

نے عالم کی بیعت کے لئے دست مبارک کشادہ فرما دیا تھا۔ گنہگار و ہوا پرست آ آکر توبہ کرتے اور عبادت و ریاضت میں مشغول ہوتے عامۂ خلائق بھی بہ تقلید و اعتقاد عبادت کی طرف راغب ہونے لگے۔ مرد و زن پسر و جوان و امراء و ارکان دولت چاکر و غلام بازاری و عامی حتیٰ کہ کودک خورد سال سب حضرت سلطان المشائخ کے ہاتھ پر توبہ کر کے نفل نمازیں اور صوم دوام شروع کرتے اور شہر دہلی سے غیاث پور تک صوفیان اہل صفا کے سوا کوئی دوسرا فرقہ نظر نہ آتا مسلمان ایک دوسرے سے شرم کرتے اور اصلا دینا اور عیش دنیا کا ذکر نہ کرتے تھے۔

زین فن مطلب بلند نامی کان ختم شدہ است بر نظامی

صاحب مراۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ حضرت سلطان المشائخ نے اپنی وفات سے تین چار ماہ قبل دس بزرگوں کو مثال اجازت و خرقہ خلافت عطا فرمایا۔ اور میر حسن کرمانی کو حکم دیا کہ فرامین خلافت پر اپنی مہریں ثبت کریں۔ اور تمام خلفاء میں سے حضرت شیخ نصیر الدین محمود اودھی کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ اور ارشاد فرمایا کہ تم دہلی کی غمخواری کرو۔ بقول صاحب سیر العارفین جب آپکا سن مبارک چورانوے سال اور آٹھ ماہ کا ہوا تو بیمار پڑے۔ چند ماہ بیمار رہے۔ مگر سید محمد کرمانی سیر الاولیا میں لکھتے ہیں کہ حضرت کی علالت چالیس روز سے زیادہ نہیں رہی اور وہ بھی کل زمانہ تحیر و مشاہدہ ذات مطلق میں گذرا۔ علالت کا آغاز یوں ہوا کہ جمعہ کے روز آپ بر حالت وجد طاری ہوئی نمازیں پڑھتے اور سجدہ پر سجدہ فرماتے۔ اسی عالم تحیر میں بخار آگیا اور رقت طاری ہوئی اور ہر روز چند مرتبہ بے خبری سی پیدا ہونے لگی جب ہوش آتا تو استفسار فرماتے کہ کیا آج جمعہ ہے ؟ میں نے نماز پڑھ لی ہے ؟ لوگ کہتے کہ پڑھ لی ہے۔ آپ فرماتے کہ پھر پڑھ لوں۔ ایک ایک نماز مکرر ادا فرماتے اور یہ مصرعہ زبان مبارک پر لاتے۔

میرویم و میرویم و میرویم۔

حضرت امیر خسرو اُس وقت دہلی میں نہ تھے۔ بادشاہ کے لشکر کے ساتھ

کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ اگر وہ ہوتے تو نہ معلوم یہ واقعہ اُن پر کس قدر شاق گذرتا
اسی عالم میں حضرت المشائخ نے تمام اقربا و خدمتگارا اور مریدوں کو طلب فرمایا اور
خواجہ اقبال کو حکم دیا کہ جو کچھ نقد و جنس ہو سب تقسیم کر دو۔ ایک پیسہ بھی باقی نہ رہے
الغرض چالیسویں روز بعد طلوع آفتاب روز چارشنبہ اٹھارویں ماہ ربیع الآخر ۷۲۵ھ سنہ
سات سو پچیس ہجری کو مشاہدہ حق میں جان تسلیم کی شاہ رکن الدین رکن عالم نبیرہ حضرت
بہاء الدین زکریا ملتانی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور دہلی میں مدفون ہوئے۔ انا للہ
و انا الیہ راجعون۔

نظام دو گیتی شہ ما و طین — سراج دو عالم شدہ بالیقین
چو تاریخ فوتش بجستم زغیب — ندا داد ہاتف شہنشاہ دین

سفینۃ الاولیاء میں ہے کہ گو آپ کے خلفا سب ہی ممتاز تھے لیکن ان
چار کو سب پر فوقیت حاصل تھی حضرت امیر خسروؒ و حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ (چراغ دہلی)
حضرت برہان الدین غریبؒ اور امیر حسن علاء سنجریؒ۔

آپ نے چونکہ عقد نہیں فرمایا تھا اس لئے کوئی اولاد ظاہری نہیں
چھوڑی۔ مولانا عبد الرحمن چشتی مراۃ الاسرار میں فرماتے ہیں کہ آپ کے روضہ
متبرک کی خدمت چار فرقوں کے ذمہ ہے ایک خواجہ محمد اور خواجہ موسیٰ بن حضرت
شیخ بدر الدین اسحاق قدس سرہٗ کی اولاد دوم فرزندان خواجہ رفیع الدین ہارون
اور خواجہ تقی الدین نوح جو آپ کے خواہر زادہ تھے۔ سوم خواجہ ابوبکر مصلہ دار
کی اولاد جنھیں قرابت قریبہ بھی حاصل تھی۔ چہارم فرزندان خواجہ مبشر جو آپ کے
خدمت گار و محرم اسرار تھے۔

اب آپ کے چند کلمات طیبات افضل الفوائد اور فوائد الفواد
سے تبرکاً و تیمناً ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

لفظ مبین خواجہ راحبل متین گرفتہ ام — کس نہ رسد بہ چاہ غم جز بہ ستی ایں رسن
گفتۂ شیخ کردہ شد جمع امید آنکہ حق — درگذراند از کرم گفتہ و گردہ حسن
(حسن سنجریؒ)

آپ کا ارشاد ہے کہ صوفی کے لئے چار چیزوں سے بچنا ضروری ہے اول دنیا و صحبت اغنیا دوم ما سوی اللہ کی یاد اور اُس کا تذکرہ سوم غیر کی طرف نظر کرنا۔ چہارم دل کا میل یعنی حب دنیا سے دل کو پاک وصاف رکھنا چاہیئے۔ پھر آب دیدہ ہو کر فرمایا کیا ہی اچھا ہو اگر حجاب درمیان سے اٹھا دیں۔ بھید ظاہر کر دیں اور غیریت دور ہو جائے اور یہ آواز دیں کہ بی یبصر و بی یسمع و بی ینطق۔

ایک مرتبہ آپ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ جب بندہ اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس سے تعلق پیدا کرتا ہے اور اوس کی قربت میں مست ہو جاتا ہے تو اپنے نفس کو اور ما سوی اللہ کو بھول جاتا ہے۔ اوس وقت اگر اُس سے پوچھا جائے کہ تو کیا چاہتا ہے۔ اور کہاں جا رہا ہے تو وہ اس سے زیادہ جواب نہیں دے سکتا۔ کہ اللہ۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ گناہ سے ایکمرتبہ توبہ کی جاتی ہے۔ مگر طاعت سے ہزار مرتبہ یعنی جس طاعت میں ریا کا میل ہو وہ گناہ سے بھی بدتر ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ جو شخص کسی شیخ یا عالم (دین) کی بے عزتی کریگا وہ دنیا و آخرت میں منافق و لعنتی ہو گا۔ نعوذ باللہ۔

ایک مرتبہ اعانت حقوق ہمسایہ کا ذکر تھا آپ نے فرمایا کہ جب ہمسایہ قرض مانگے تو اُسے دو اگر اوسے کوئی ضرورت ہو تو پوری کرو۔ بیماری میں اسکی عیادت کرو مصیبت میں غمخواری کرو۔ اور جب مر جائے تو اس کے جنازہ کی نماز پڑھو اور میت کے ساتھ جاؤ۔

آپ نے فرمایا شرط عیادت یہ ہے کہ تین دن بعد بیمار پرسی کو جائے اور بیٹھ کر نصیحت کرے کہ بیماری کفارہ گناہاں ہے جس سے اللہ جل شانہ محبت نہیں کرتا اُسے بیمار نہیں ڈالتا۔ بیمار کو صدقہ دینے کی ترغیب دینی چاہیئے یہ بھی کفارہ گناہاں ہے۔

ایک مرتبہ عشق کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی تو زبان مبارک سے یہ شعر فرمایا ؎

فلولاکم ما عرفنا الهوی ولولا الهوی ما عرفناکم

یعنی اگر تم نہ ہوتے تو ہم عشق و محبت کو پہچانتے ہی نہیں۔ اور اگر عشق و محبت نہ ہوتی تو تمہیں بھی نہ پہچان سکتے۔ پھر غلبات شوق میں یہ رباعی زبان مبارک سے ارشاد فرمائی۔

گر عشق نہ بودے و غم عشق نہ بودے چندیں سخن نغز کہ گفتے کہ شنیدی
ور بادنہ بودے سر زلفش کہ ربودے رخسارۂ معشوق بہ عاشق کہ نمودے

پھر آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ عشق کا سرمہ ایسا ہے کہ جس آنکھ میں لگایا جاتا ہے وہ عرش سے فرش تک سب کچھ دیکھتی ہے۔

عشق آئینہ است کاندر زنگے نیست نامراداں را ازیں گل رنگے نیست

ایک مرتبہ شیخ برہان الدین غریبؒ نے پوچھا کہ محبت کی اصلیت کیا ہے فرمایا کہ دوستی کی صفائی محبان حق دنیا و آخرت کے حاصل کرنے میں اپنا شرف نہیں جانتے بلکہ وصول حق کو اپنا شرف سمجھتے ہیں۔

حضرت امیر خسروؒ نے پوچھا کہ محبت میں مصیبت کیوں ہوتی ہے۔ فرمایا اس لئے کہ ہر ایک کمینہ اس کا دعویٰ نہ کرے۔ پھر فرمایا کہ عشق میں صبر اس بات کا نام ہے کہ رنج و راحت دونوں حالتوں میں اسے آرام رہے۔ صوفی صادق وہی ہے جو صفا دہوا دونوں میں صوف پہنے۔ جفائے دنیا کا مزہ چکھے۔ تارک دنیا رہے۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ تمام چیزوں کی کنجی صبر ہے۔ ارادت میں صبر سے کام بنتا ہے۔ جب ارادت درست ہو جاتی ہے تو برکتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

ایک مرتبہ آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ اہل محبت ایسے لوگ ہیں کہ ان کے اور حق کے مابین کوئی حجاب نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ کیسے اچھے ہیں جو پہلے ہی روز باخبر ہو جاتے ہیں اور دوسرے تیسرے دن ان کا نشان بھی نہیں رہتا۔ مگر کامل وہ ہے جو آغاز و انجام عشق میں قائم رہے اور ہل من مزید پکارتا رہے۔ جو شخص راہ محبت و معرفت میں کامل ہے اس سے ظاہر و باطن میں کوئی چیز پوشیدہ

نہیں رہتی آپ سے پوچھا گیا کہ لوگ اس مرتبہ پر کس طرح پہونچتے ہیں۔ فرمایا جب سب سے قطع تعلق کر لیتے ہیں اور صرف اللہ جل شانہ کے ہو رہتے ہیں آپ نے فرمایا کہ اگر محبوں کے دل میں نماز کے وقت دنیا کا خیال آئے تو از سر نو نماز پڑھتے ہیں۔ اور اگر عاقبت کا خیال آجائے تو سجدۂ سہو بجا لاتے ہیں۔

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ جو لوگ دوست کے عشق میں مستغرق ہیں وہ صبح سے شام تک بڑی آرزو سے بلا کے خواستگار رہتے ہیں کیونکہ جو مصیبت دوست کی طرف سے ہوتی ہے وہ مصیبت نہیں ہوتی بلکہ عین نعمت ہوتی ہے۔

ہر جا کہ بلائے تست بر جانم باد   چوں در رضائے تست بر جانم باد
گر بر سر عاشقاں بلاہا باشد   آنجملہ بلائے تست بر جانم باد

آپ نے فرمایا کہ اس راہ میں عاشق اوسی کو کہتے ہیں جس کی جو حالت حضوری میں ہو وہی غیبت میں ہو ہر حال میں طالب وصال رہے جو لوگ مرد کامل ہیں وہ خلقت میں رہ کر دوست کے ساتھ مشغول رہتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اس راہ میں خواجگی اور غلامی کی کوئی تمیز نہیں۔ جو عالم محبت میں راست آتا ہے۔ اُسی کا کام بن جاتا ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ عشق و عقل ایک دوسرے کی ضد ہیں علما اہل عقل ہیں اور درویش اہل عشق۔ ارشاد ہوا کہ جب تک اللہ جل شانہ کی محبت قلب کے غلاف میں ہوتی ہے تب تک گناہ کا صادر ہونا ممکن ہے لیکن جب قلب کے گرد و نواح میں آجاتی ہے تو پھر ممکن نہیں کہ گناہ صادر ہو۔

ایک مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایک بزرگ نے شیطان سے پوچھا کہ تیرے نزدیک کونسا کام افضل ہے؟ اس نے کہا (۱) جھوٹی قسم (۲) زنا (۳) مومن سے شرارت کرنا۔

آپ نے فرمایا کہ صحبت کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ صحبت اگر رہے تو نیک لوگوں اور اولیاء اللہ کی۔

با بداں کم نشیں کہ صحبت بد   گرچہ پاکی ترا پلید کند

آفتابے بدیں بزرگی را قطرۂ ابر ناپدید کند

آپ نے فرمایا کہ دانا وہی شخص ہے جو پیش آنے والے سفر یعنی موت کے لئے تیاری کرے اور اپنے ساتھ توشہ رکھ لے۔

ایک مرتبہ درویشوں کی دعا کے بارے میں گفتگو ہوئی۔ فرمایا درویشوں کے پاس آگ بھی ہے اور پانی بھی۔ یعنی رحم بھی ہے اور قہر بھی۔

ایک مرتبہ آرزوئے نفس کے بارے میں گفتگو ہوئی آپ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ حق تعالیٰ کے اولیا اور دوستوں نے سالہا سال نفس کی آرزو پوری نہیں کی اور اُسے بُری طرح مارا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ طریقت میں عارف وہ شخص ہے جو ہر لحظہ عالم تفکر میں رہے اور آنے جانے والے لوگوں اور خلق کی اُسے خبر نہ ہو۔ اور عالم غیب سے ہر وقت اس پر ایک خاص حالت طاری ہوتی رہے۔ آپ نے فرمایا کہ توحید کے معنی اللہ جلشانہ کو ایک کہنا ہے اور معرفت سے مراد اسکی شناخت ہے عارف ہمیشہ خاموش رہتا ہے اور صرف حسب ضرورت کلام کرتا ہے۔

فرمایا کہ عارف کے ستر مقام ہیں اُن میں سے ایک اس جہاں کی مراد دل کا نہ ملنا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ جب انسان کو کوئی تکلیف پہونچے تو اسے بد دعا نہ کرنی چاہئے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ لے۔

خرقہ درویشی کے بارے میں ایک مرتبہ گفتگو ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ محض خرقہ قابل اعتبار نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو ساری دنیا خرقہ پہن لیتی۔ اعتبار اُس خرقہ پوش کا ہے جو خرقہ پہنکر اس کا حق ادا کرے۔ پس اگر وہ کام میں کوتاہی کریگا۔ تو ملا خوذ ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت جنید قدس سرہٗ سے کہا گیا کہ اے پیر طریقت کیا ہی اچھا ہو اگر آپ ہماری خاطر سے گدڑی پہن لیں فرمایا اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ صرف گدڑی سے کام چل جاتا ہے تو لوہے اور آگ کے بھی گدڑی پہن لیتا لیکن لیس الاعتبا

بالخرقہ۔

آپ نے فرمایا مریدوں کو جو نعمت حاصل ہوتی ہے وہ سب پیر کی برکت سے حاصل ہوتی ہے۔ پس جو کچھ پیر سے سُنے ہمہ تن گوش ہو کر سُنے اور اُس پر عمل کرے تا کہ نعمت اس سے ضائع نہ ہوجائے ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ سالکوں کے مشغولی کی بنیاد چھ چیزوں پر ہے۔ اول خلوت ہی کہ بواسطہ داعیہ ہوائے نفس اس سے باہر نہ آنا چاہئے۔ دوسرا وضو ہے۔ چاہے کہ ہمیشہ باوضو رہے۔ لیکن جس وقت نیند غلبہ کرے فوراً سو جائے اور جب اُٹھے تو پھر وضو کرے۔ تیسرا صوم دوام ہے چوتھا غیر حق سے ہمیشہ ساکت رہنا۔ پانچواں شیخ کے ساتھ اپنے دل کو ربط دیکر ہمیشہ ذکر میں رہنا۔ ربط سے وہ تعلق مراد ہے جو مرید کے قلب کو شیخ سے ہوتا ہے چھٹی۔ نفی خواطر غیر حق ہے۔

ایک مرتبہ سماع اور اہل سماع کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک شخص نے آکر اطلاع دی کہ آپ کے کچھ یار جمع ہوے ہیں اور بانسریاں بھی لائے ہیں فرمایا میں نے تو منع کیا تھا کہ بانسریاں اور نیز اور حرام چیزیں جو ہیں نہ آنی چاہئیں کیونکہ یہ سب کھیل تماشے ہیں۔ جب تالی بجانے کی ممانعت ہے تو بانسری کی ضرور ہی ہوگی۔ پھر فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی مقام سے گرے تو شرع میں گرے۔ اور اگر یہاں سے بھی گر گیا تو پھر اُس کا ٹھکانا نہیں۔ پھر فرمایا کہ جو اہل سماع اور صاحب درد ہیں اُنھیں قوال کے صرف ایک شعر پر رقت طاری ہو جاتی ہے اور جو لوگ درد و ذوق نہیں رکھتے اُنھیں خواہ کتنی ہی بانسریاں ہوں کچھ اثر نہیں ہوتا۔ پھر فرمایا کہ جب کبھی میں نے سماع سُنا مجھے خرقہ شیخ کی قسم ان سب باتوں کو میں نے حضرت شیخ کے اوصاف پر محمول کیا۔ چنانچہ ایک مرتبہ قوالوں نے جب یہ شعر پڑھا۔

مخرام بدیں صفت مبادا   کز چشم بدت رسد گزندے

یہ سُن کر مجھے حضرت شیخ قدس سرہٗ کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ یاد آگئے اور اسی شعر کی بار بار تکرار کرواتا رہا۔

آں مطرب از کجاست کہ برگفت نامِ دوست ــ تا جان و جامہ پارہ کنم من بنامِ دوست
دل زندہ می شود بہ امید وفائے یار ــ جاں رقص می کند بہ سماعِ کلامِ دوست
تا نفخ صور باز نہ آید بہ خویشتن ــ ہر کو فتادہ مست ز شربت بجامِ دوست

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ مومن کے دل کو ستانا اللہ تعالیٰ کو ستانا ہے۔ پس اے درویش مومن وہ شخص ہے کہ اگر وہ مشرق میں ہے اور مغرب میں ایک مومن کے پانوں میں کانٹا چبھے تو اُس کو یہاں درد محسوس ہو۔

آپ نے فرمایا کہ درویش کو پردہ پوش ہونا چاہیئے۔ پردہ پوشی سب عبادتوں سے افضل ہے۔ اے درویش واضح رہے کہ جہان میں کوئی شخص سعادت سے خالی نہیں۔ جو یہاں آیا ہے اُس میں کچھ نہ کچھ دینی یا دنیوی سعادت ضرور موجود ہے لیکن خوش وقت وہ لوگ ہیں جن میں دونوں ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ انبیاء و اولیاء سے اگر سہواً خدمت بجا لانے میں کوئی تقصیر ہو جاتی ہے تو اس کے کفارہ میں وہ بکثرت گریہ وزاری کرتے ہیں پس اے درویش لوگوں کو ہر حالت میں خوف و اُمید رکھنی چاہیئے اور خوف سے تو کسی حالت میں خالی نہیں رہنا چاہیئے۔ اے درویش راہ سلوک میں کامل وہی مرد ہے کہ دوست کے عالم انوار سے جو کچھ اُس پر ظاہر ہو اِفشا نہ کرے۔ مرد وہی ہے جو ازل و ابد کے دریا پی کر بھی ھَل مِن مزید ہی پکارتا رہے۔

آپ نے فرمایا کہ توبہ کرنے والا شقی کے برابر ہوتا ہے۔ جس نے گناہ اور نافرمانیاں کی ہوں اور اُن نافرمانیوں سے حظ اُٹھایا ہو جب وہ توبہ کر کے طاعت کرے گا تو اُسے طاعت میں بھی حظ آئے گا۔ ممکن ہے کہ راحت طاعت کی ایک چنگاری اُس کے نافرمانیوں کے سارے کھلیاں کو جلا دے۔

ایک مرتبہ تزکیۂ نفس کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی آپ نے فرمایا کہ مرد میں چار چیزوں سے کمال پیدا ہوتا ہے۔ کم کھانا۔ کم بولنا۔ لوگوں سے کم میل جول رکھنا۔ کم سونا۔

آپ نے فرمایا کہ جب تک دل میں دنیا کی محبت رہے گی ورد و وظیفہ کچھ

فائدہ نہ دیں گے اس لئے دنیا ترک کر دینا چاہئے۔ پھر فرمایا کہ ترک دنیا سے یہ مراد نہیں ہے کہ انسان اپنے تئیں ننگا رکھے لنگوٹا باندھ کر بیٹھ جائے۔ بلکہ لباس بھی پہنے اور کھائے بھی لیکن جو کچھ اُسے ملے اُس کی طرف راغب نہ ہو اور اُس سے دل نہ لگائے۔ فرمایا کہ مرد کو ہمت بلند رکھنی چاہئے اور دنیاوی آلائیشوں میں پھنسنا نہ چاہئے حرص و شہوت نفس ترک کر دینی چاہئے۔

ہر لحظہ ز شہوتے کہ داری برخیز تا بنشیند ہزار شاہد در پیش

جب کسی ادنیٰ چیز کو بندہ خدا کے واسطے چھوڑتا ہے تو اُس سے شریف تر چیز ضرور ملتی ہے۔ خدا کے لئے اگر ترک دنیا کریگا تو سمجھ لینا چاہئے کہ کیا کچھ ملیگا آدمی کا حوصلہ وسیع ہونا چاہئے تاکہ اسرار کے برداشت کرنے کی قابلیت اُس میں پیدا ہو۔

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ اصحاب طریقت و ارباب حقیقت کا اتفاق ہے کہ انسان کو پیدا کرنے کا مقصود اور سب سے اہم مطلوب رب العالمین کی محبت ہے۔ اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک محبت ذات اور دوسری محبت صفات اول الذکر موہبت الٰہی ہے اور آخر الذکر کسب سے حاصل ہو سکتی ہے۔ جو موہبت الٰہی ہے۔ بندہ کے عمل کو اُس سے کوئی تعلق نہیں اور جو کسبی ہے اُسے حاصل کرنے کی صورت یہی ہے کہ ماسوائے اللہ سے قلب کو فارغ کر کے دوام ذکر میں مصروف رہے لیکن فراغت قلب بہت ضروری چیز ہے۔ جس کے روکنے والی چار چیزیں ہیں خلق و دنیا و نفس و شیطان دفع خلق کے لئے عزلت ضروری ہے دنیا کے دفع کرنیکا طریقہ قناعت ہے اور نفس و شیطان کے دفع کرنے کا طریقہ یہی کہ اللہ جلشانہ سے التجا کرتا رہے۔ اور اُسی سے فریاد کرے اور اُس کی پناہ ڈھونڈتا اور اُسی کے سامنے رو رو کر التجا کرتا رہے۔ ۱۲

آپ نے فرمایا کہ سالک جب تک سلوک میں ہے حصول کمال کا اُمیدوار رہتا ہے۔ بعد ازاں فرمایا کہ ایک سالک ہوتا ہے ایک واقف اور ایک راجع سالک

کی طاعت میں جب فتور آتا ہے تو وقفہ پڑتا ہے اور ذوق رُک جاتا ہے، اس لئے چاہیئے کہ فوراً توبہ کرلے۔ اگر توبہ نہ کریگا تو رجعت کا اندیشہ ہے۔ پھر فرمایا اس راہ کی لغزش سات قسم کی ہوتی ہے، اعراض، حجاب، تفاصل، سلب مزید، سلب قدیم، تسلی اور عداوت۔ عاشق کو چاہیئے کہ فوراً معافی مانگ لے، ورنہ اعراض حجاب سے بدل جائے گا وقس علی ہذا حتیٰ کہ محبت دشمنی سے بدلجائیگی نعوذ باللہ منہا۔ آپ نے فرمایا، اول خطرہ دل میں پیدا ہوتا ہے۔ پھر عزیمت پھر فعل ہے۔ عوام سے جبتک ارتکاب فعل نہ ہو مواخذہ نہیں کیا جاتا، لیکن خواص سے خطرہ کا بھی مواخذہ کرتے ہیں۔ پس ضرورہے کہ ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع کرے۔ سب اُسی کے بنائے ہوئے ہیں۔ ہر حال میں اُسی کی پناہ ڈھونڈھنی چاہئے۔ آپ نے فرمایا زندگی اس کا نام ہے کہ ہر وقت ذکرِ حق میں مشغول رہے۔ آپ نے فرمایا کہ مردوں کے لئے کشف وکرامات منزلۂ حجاب ہیں۔ اگر کبھی اُن سے کچھ ظاہر ہوجاتا ہے تو سُکر کی وجہ سے۔

ایک روز صبر و رضا کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ صبر اُسکا نام ہے کہ جب بندہ کو کوئی خلاف طبع امر لاحق ہو تو اسکی شکایت نہ کرے اور رضا اس بات کا نام ہے کہ مصیبت سے کسیطرح کی کراہیت نکرے اور ایسا معلوم ہو کہ گویا اُسپر کوئی مصیبت ہی نہیں نازل ہوئی۔ ایکمرتبہ ارشاد ہوا کہ دعا کیوقت نہ گناہونکا خیال دلمیں لانا چاہیئے اور نہ عبادت وطاعت کا۔ گناہ کے خیال سے دعا کے ایقان میں سستی ہوتی ہے۔ اُسوقت صرف اللہ جلشانہٗ کی رحمت پر نظر رکھنی چاہیئے اور یقین رکھنا چاہیئے کہ یہ دعا ضرور قبول ہوجائے گی۔

ایک بار اطوار کے بارے میں گفتگو ہوئی آپ نے فرمایا اطوار تین طرح کے ہوتے ہیں حسی۔ عقلی۔ قدسی۔ حسی جیسے سونگھنا، کھانا وغیرہ۔ عقلی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کسبی دوسرے بدیہی لیکن جو عالم قدس میں پہونچ چکا ہوتا ہے وہ کسبی کو بھی بدیہی جانتا ہے۔ فرمایا کہ روح جب طاقتور ہوتی ہے اور کمال کو پہونچ جاتی ہے تو قلب کو جذب کرلیتی ہے اور قلب جب قوی ہوتا ہے تو قالب کو جذب کرتا ہے۔ پس جو بات دل پر اثر کرتی ہے اُس کا اثر قالب پر بھی ہوتا ہے۔ آپ کا قول ہے کہ میں

کبھی ناپاک نہیں ہوتا۔ فرمایا کہ اصلی کام یاد حق ہے اور اس کے سوا جو کچھ ہے سب یاد حق کا مانع ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا حق تعالی پر بھروسہ کرلینا چاہیئے اور اُس کے سوا کسی سے اُمید نہ رکھنی چاہیئے۔ پھر فرمایا کہ ایمان اُس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک اُس کی نگاہ میں تمام خلقت مجھ سے بھی کم حقیقت نہ معلوم ہو۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ خلقت کی چار قسمیں ہیں۔ ایک وہ جنکا ظاہر آراستہ اور باطن خراب ہوتا ہے۔ دوسرے وہ جنکا ظاہر خراب اور باطن آراستہ ہوتا ہے۔ تیسرے وہ جنکا ظاہر و باطن دونوں خراب ہوتے ہیں۔ چوتھے وہ جنکے ظاہر و باطن دونوں آراستہ ہوتے ہیں جن لوگوں کا ظاہر آراستہ اور باطن خراب ہوتا ہے وہ متعبد ہیں جو طاعت تو بہت کرتے ہیں مگر اُن کے دل دنیا میں مشغول ہوتے ہیں۔ جنکا ظاہر خراب و باطن آراستہ ہوتا ہے وہ مجذوب ہوتے ہیں۔ جنکا ظاہر و باطن دونوں خراب ہوتے ہیں وہ عالم (ظاہر) ہوتے ہیں۔ اور جنکا ظاہر و باطن دونوں آراستہ ہوتے ہیں وہ (سچے) مشائخ ہوتے ہیں

آپ نے فرمایا کہ شعر ایک لطیف چیز ہے۔ لیکن جب تعریف میں کہا جائے اور کہیں پیش کیا جائے تو سخت بے لطف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح علم بھی بہت شریف چیز ہے لیکن اُسے حاصل کر کے در در کا چکر لگایا جائے تو اُس کی عزت جاتی رہتی ہے۔

ایک مرتبہ ارشاد ہوا کہ سعادت کے قفل کی کنجیاں کئی ایک ہیں لیکن یہ کوئی نہیں جانتا کہ کس کنجی سے کھلے گا۔ اگر ایک سے نہ کھلے تو اس اُمید میں کہ دوسری سے کھل جائے گا تمام کنجیوں سے کھولنا چاہیئے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ جو شخص پیر کا ہاتھ پکڑتا ہے وہ گویا خدا سے عہد کرتا ہے اُسے چاہیئے کہ اپنے عہد پر ثابت قدم رہے ورنہ بیعت سے کیا فائدہ؟

ایک مرتبہ ارشاد ہوا کہ ولایت دو طرح کی ہے ایک ولایت ایمان دوسری ولایت احسان۔ ایمان کی ولایت ہر مومن کو حاصل ہے اللہ ولی الذین آمنوا۔ مگر ولایت احسان یہ ہے کہ کسی کو کشف و کرامات یا اور کوئی اعلیٰ

مرتبہ حاصل ہو۔ حضرت امیر خسرو کے ان چند اشعار پر اب ہم آپ کے حالات ختم کرتے ہیں ؎

شیخ امم قطب حقیقت نظام — خضر و مسیح از دم تو محیی العظام
دادہ دل از پردگیانش خلاص — یافتہ از بار خدا بار خاص
نعبد ایاک طرا ز علم — اخلع نعلیک مقام قدم
راہ روے کو بطریق صفا — رفتہ قدم بر قدم مصطفےٰ
نطع فلک ہیچو زمیں خاک او — شیر سپہر آہوی فتراک او
او شدہ از ملک بسامان خویش — دادہ ولایت بغلامان خویش
مفتخر از وے بہ غلامی منم — خواجہ نظام است و نظامی منم

حضرت شیخ ابوالفتح رکن الدین قدس سرہٗ العزیز

جانشین اولیاء صاحب اسرار و سرحلقہ واصلان عالی مقدار غریق مشاہدہ بحر یقین شیخ ابوالفتح رکن الدین قدس سرہٗ العزیز شیخ صدر الدین عارفؒ کے صاحبزادے اور شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے پوتے تھے۔ صاحب مراۃ الاسرار فرماتے ہیں "ویرا دریں طریق بغایت بزرگ شانے بود۔ از جمیع اوصافہائے پسندیدہ آراستہ ریاضاتے سخت و اخلاقے نرم و عشقے وافر وہمتے بلند و حالے قوی و کراماتے مستور داشت۔" آپ علوم ظاہر و باطن دونوں کے جامع اور خود اپنے جد بزرگوار کے نظر یافتہ تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام بی بی راستی تھا۔ جو سلطان جمال الدین فرغانوی کی اولاد سے تھیں۔ اور در ستی در استی میں رابعہ عصر تھیں۔ بی بی راستیؒ کا مزار ابھی تک ملتان میں ریلوے اسٹیشن کے قریب ایک خانقاہ میں موجود ہے۔ جہاں صرف عورتیں زیارت کے لئے جایا کرتی ہیں۔

عبدالصمد نے اپنے تذکرہ (۱۲۵۷ھ) میں حضرت شیخ رکن الدینؒ کا جو نسب نامہ

لکتا ہے وہ یہ ہے۔ شیخ رکن الدین ابن شیخ صدر الدین بن شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ بن شیخ وجیہہ الدین المعروف بہ محمد غوث بن شیخ کمال الدین علی شاہ المعروف بہ ابا بکر بن سلطان جلال الدین بن سلطان علی قاضی بن شمس الدین کرڈی بن سلطان حسین بن سلطان عبداللہ بن سلطان حسین محمد بن سلطان مطرف بن سلطان حذیمہ بن امیر ہاضم (یا ظم ؟) بن تاج الدین بن امیر عبدالرحیم بن امیر عبدالرحمن بن امیر عیار بن اسد بن ہاشم قرشی۔

عبدالصمد کا بیان ہے کہ آپ کی ولادت مبارک بمقام ملتان نویں رمضان المبارک ۶۴۹ھ چھ سو انچاس ہجری کو واقع ہوئی مگر لطائف اشرفی میں ہے کہ شیخ رکن الدینؒ جمعہ کے روز ۶۴۷ھ چھ سو سینتالیس ہجری میں پیدا ہوئے۔

سیر العارفین میں ہے کہ ایکروز شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانیؒ چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے اور دستار مبارک سر سے اُتار کر ایک پایہ پر رکھدی تھی۔ شیخ رکن الدین کی اسوقت چار سال کی عمر تھی۔ آپ چارپائی کے قریب آئے اور پگڑی اُٹھا کر اپنے سر پر رکھ لی۔ باپ نے ڈانٹا کہ یہ کیا بے ادبی ہے۔ پگڑی وہیں رکھ دو لیکن شیخ الاسلام نے فرمایا کہ بابا صدر الدین منع مت کرو۔ اس نے استحقاق سے یہ پگڑی اپنے سر پر رکھی ہے۔ میں یہ دستار اُسی کو عطا کرتا ہوں۔ چنانچہ وہ دستار اسی طرح صندوق میں محفوظ رہے اور جب اپنے والد شیخ صدر الدین عارف کے انتقال کے بعد آپ سجادہ نشین ہوئے تو وہی پگڑی سر پر رکھی۔ اور شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر قدس سرہ العزیز نے جو خرقہ ان کے دادا کو دیا تھا وہ زیب تن فرمایا اور پچاس برس (یا بقول لطائف اشرفی باون برس) اس سجادہ کی نگہبانی کی اور ایک عالم کو فیض صحبت سے بہرہ مند فرمایا۔ آپ کو رکن عالم بھی کہا کرتے تھے۔ عبدالصمد کا بیان ہے کہ آپ میں اتباع شریعت بہت تھا۔ اور کلمات توحید کبھی علانیہ و برملا زبان پر نہیں لاتے تھے۔ اپنے والد ماجد اور جد امجد کے سامنے نہایت درجہ ادب ملحوظ رکھتے تھے۔ نہ کبھی اُن سے آنکھیں چار کرتے اور نہ بلند آواز سے کلام کرتے۔ علما و فضلا و فقرا سے بہت صحبت

رکھتے اور اکثر اوقات ذکر خفی وجلی ومراقبہ ومکاشفہ ومحاسبہ ومعاملہ ومکالمہ معانقہ میں صرف فرماتے یہاں تک کہ آپ کی عمر پچیس سال کی ہوئی اور صوری ومعنوی تمام کمالات حاصل ہوئے اور توحید وتصوف اور اخلاق اہل تصوف وتوحید میں نظیر وقت ہوگئے اور علم وتواضع نصیحت وشفقت تحمل۔ موافقت وبشاشت وجہہ۔ بذل جاہ ومروت وعفو وصفح وحیا۔ وقار وحسن ظن۔ تصغیر نفس وتوقیر اخوان ورحمۃ علی الضعیف یہ صفتیں آپ میں پیدا ہوئیں۔

چھتیس (۳۶) برس کی عمر میں آپ نے باپ دادا کے مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوکر خلق اللہ کو ہدایت اور مریدوں کو تربیت فرمانا شروع کیا۔

جہاں معرفت سلطان معنی ۔ وجودش آیتے درشان یعنی
دلش از طلعت اسرار مسرور ہمیشہ جانش از انوار معمور
بہ باطن در حقیقت رفتہ بیباک بظاہر در شریعت چست وچالاک
بریدہ گردن شیطان وخناس ۔ مریدانش زتیغ پاس انفاس
بملک فقر از کشف وکرامت زدہ برعرش کوس استقامت
کلامش پاک از طامات وازشطح یگانہ شیخ رکن الدین ابو الفتح
بملک فقر جز نعمت نبودش جمالے ریزہ چیں خوان جودش (سیر العارفین)

مریدوں اور طالبان حق کی تربیت میں آپ بے نظیر وقت تھے چنانچہ مخدوم جہانیاں شیخ جلال الدین بخاری کے مانند بزرگ آپ سے تربیت حاصل کرکے مرتبہ رشد وارشاد کو پہونچے۔ آپ کے خلیفوں میں شیخ صدر الدین عرف حاجی چراغ ہند بڑے کامل گذرے ہیں جن کا مزار مبارک جونپور کے قریب قصبہ ظفر آباد میں ہے آپ کے خلفا میں ایک بزرگ شیخ عثمان سیاح ہیں جو قاضی وجیہہ الدین[۱] شامی کے فرزند تھے اور اب دہلی میں آسودہ ہیں۔ آپ کے ایک خلیفہ شیخ مجد الدین طاہر قدس سرہ

---

[۱]۔ سیر العارفین کا جو قلمی نسخہ مولف کے پاس ہے اس میں وحید الدین سامی درج ہے ۱۲

ہیں۔ جن کا مزار سنبھل کے قریب موضع کنور میں ہے۔ ان تمام خلفا کے حالات کسی قدر اختصار کے ساتھ صاحب مراۃ الاسرار نے درج کئے ہیں۔

سیر العارفین میں ہے کہ "حضرت رکن الدین قدس سرہٗ العزیز اثیار عظیم داشت ہر طایفہ کہ بدو رسیدے ہر چہ مدعائے او بودے البتہ باو رسانیدے چنانچہ خلایق دینا ز اقبلہ حاجات می گفتند" نیز سیر العارفین میں شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ شیخ رکن الدین ابو الفتح جب کبھی دہلی تشریف لاتے تو آپ کی ظاہری و باطنی بخششوں سے ہر روز عید اور ہر شب شب قدر رہتی پہلی مرتبہ آپ دہلی میں سلطان قطب الدین ابن علاء الدین خلجی کے زمانے میں تشریف لائے ہیں اس زمانہ میں سلطان نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ مسند رشد و ارشاد پر متمکن تھے۔ شیخ رکن الدینؒ کے استقبال کے لئے آپ اپنے مقام سے حوض علائی تک تشریف لیگئے۔ سلطان قطب الدین کو آپ سے بہت اعتقاد تھا لیکن حضرت سلطان جی سے کسیقدر دل میں کدورت رکھتا تھا۔ اور در اصل آپ کو دہلی بلانیکا مقصد ہی یہ تھا کہ حضرت سلطان جی کے مقابلہ میں کھڑا کرے مگر آپ نے اس کے یہ سب توہمات رفع کر دے۔ جس وقت پہلی مرتبہ سلطان کی مجلس میں آپ تشریف لائے تو اس نے پوچھا کہ اہل شہر میں سے کس نے آپکا سب سے پہلے استقبال کیا۔ آپ نے فرمایا اس شخص نے جو بہترین اہل شہر ہے اس جواب سے گویا بادشاہ کے تمام ارادوں اور توہمات کا جواب دیدیا۔ آپ جب سلطان کے پاس جاتے تو تخت رواں پر بیٹھکر جایا کرتے اور جن جن لوگوں کو درخواستیں دینی مقصود ہوتیں اسی تخت پر ڈالتے جاتے۔ جب آپ سلطان کے پاس پہونچتے تو تمام عرایض اس کے سامنے رکھدیتے اور سلطان ہر ایک کو پڑھکر ان پر حکم تحریر کرتا۔ اور ہر ایک کی مراد پوری کرتا۔ آپ کا وجود باوجود خلق اللہ پر خدائے جل وعلی کی رحمت تہا اور ہر شخص کو اس کی استعداد کے مطابق فیض پہونچتا رہتا تھا۔

سیر الاولیا میں ہے کہ حضرت سلطان جیؒ اور آپ میں دہلی آنیکے بعد

پہلی ملاقات جامع مسجد میں ہوئی۔ اول شیخ نظام الدین اولیاءؒ اپنی جگہ سے اٹھے اور شیخ رکن الدین کے پاس آکر بیٹھے۔ ایک ساعت کے بعد شیخ رکن الدینؒ اپنی جگہ سے اٹھ کر حضرت سلطان الاولیاءؒ کے پاس تشریف لائے۔ حضرت سلطان جیؒ اس زمانہ میں اپنا مقبرہ بنوا رہے تھے۔ دوسرے روز اسی جگہ شیخ رکن الدینؒ تشریف لائے حضرت سلطان جیؒ نے آپ کے تشریف آوری کی خبر سنکر دسترخوان بچھوایا لیکن غالباً حضرت شیخ رکن الدینؒ کے پائے مبارک میں کچھ علالت تھی۔ جو پالکی ہی میں بیٹھے رہے اور باہر تشریف نہ لائے شیخ نظام الدین اولیاءؒ اور دوسرے لوگ باہر پالکی کے سامنے فروکش رہے۔ کچھ دیر صحبت رہی اس کے بعد کھانا آیا۔ کھانے کے بعد حضرت سلطان جی قدس سرہٗ العزیز کے خادم اقبال نے اعلیٰ درجہ کا پارچہ قماش اور سو اشرفیاں ایک باریک کپڑے میں رکھکر شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں پر رکھدیں شیخ نے کچھ تامل فرمایا حضرت سلطان جیؒ نے یہ دیکھکر شیخ رکن الدینؒ کے بھائی شیخ عماد الدین اسمٰعیل کے حوالہ کردیں۔

شیخ رکن الدین قدس سرہٗ العزیز کو حضرت سلطان جیؒ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس قدر محبت تھی کہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں ملتان سے دہلی صرف حضرت سلطان المشائخؒ کے عشق و محبت کی وجہ سے آتا ہوں۔ سیر الاولیاء میں ان دونوں بزرگوں کی صحبتوں کے مفصل واقعات درج ہیں۔

صاحب مراۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ جب سلطان غیاث الدین تغلق بنگال سے فتح حاصل کرکے دہلی آرہا تھا تو سلطان محمد تغلق کے ہمراہ شیخ رکن الدینؒ بھی دو تین کوس استقبال کیلئے گئے۔ واپسی کے وقت آپ سلطان کے ہمراہ لوٹے اور تغلق آباد کے مکان میں فروکش ہوکر کھانا کھانے میں مشغول ہوئے ابھی کھانا لوگ کھا ہی رہے تھے کہ شیخ رکن الدینؒ بلا ہاتھ دھوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور یہ کہتے ہوئے باہر تشریف لائے کہ بہتر ہے جلدی اٹھو۔ شیخ رکن الدین ابھی باہر پہونچے ہی تھے کہ عمارت گر پڑی اور سلطان غیاث الدین تغلق اپنے چند مصاحبوں کے ہمراہ ہلاک ہوگیا

جب سلطان محمد تغلق سریر آرائے دہلی ہوا تو آپ اس سے اجازت لیکر ملتان تشریف لے آئے۔ اخیر بار جب آپ دہلی تشریف لائے تو تین سال برابر رہے اسی اثنار میں حضرت سلطان المشائخ مرض موت میں مبتلا ہوئے آپ عیادت کے لئے تشریف لیگئے اور فرمایا کہ یہ عشرہ ذیحجہ ہے اس میں ہر شخص حج کی سعادت حاصل کرنیکی کوشش کرتاہے میں نے بھی سعی کی کہ حضرت شیخ المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی سعادت حاصل کروں حضرت سلطان المشائخ کی جب رحلت ہوئی تو جنازہ کی نماز آپ ہی نے پڑھائی اور فرمایا کہ مجھے تین سال دہلی میں رکھا اس میں ظاہرا یہی مصلحت معلوم ہوتی ہے کہ یہ نعمت مجھے حاصل ہو۔اس کے تھوڑی ہی مدت بعد آپ وطن تشریف لیگئے۔

خیر المجالس میں حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ سے منقول ہے کہ جس زمانہ میں شیخ الاسلام رکن الحق والدینؒ ملتان سے دہلی تشریف لائے تو قلندروں اور جوالقوں کا گروہ آپ کے پاس آیا۔ قلندر کہنے لگے کہ شیخ ہمیں شربت پلاؤ شیخ نے انہیں کچھ مرحمت فرمایا کہ جوالقوں کا گروہ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ شیخ ہمیں خرچ دو شیخ نے انہیں بھی کچھ دلوایا۔ اور پھر یہ ارشاد فرمایا کہ قوم کے سردار کو تین چیزیں لازم ہیں اول یہ کہ اس کے پاس مال ہو تاکہ لوگ جو مانگیں وہ دے سکے۔ اس زمانہ کے قلندر شربت مانگتے ہیں۔ اگر درویش کے پاس کچھ نہ ہو تو کہاں سے دے۔ اور یہ لوگ ایسے ہیں کہ برا کہتے ہوئے باہر نکلتے ہیں اور قیامت کی عقوبت میں گرفتار ہوتے ہیں دوسری شئے علم ہے جو سردار قوم کو حاصل ہونا چاہئے تاکہ جب علمار کی صحبت ہو تو ان سے ان کے علم کی باتیں کر سکے۔ تیسری شئے یہ ہے کہ حال ہو تاکہ درویشوں کے ساتھ شریک ہو کر حال میں سر رہنے۔

لطیفہ۔ ایک دن جمعہ کے روز حضرت سلطان المشائخؒ اور شیخ رکن الدینؒ دونوں کیلو کھڑی کی مسجد میں تشریف فرما تھے شیخ رکن الدینؒ کے بھائی شیخ عماد الدین اسمٰعیل نے خیال کیا کہ اس وقت گویا قران السعدین ہے کوئی علمی نکتہ جو لطف سے خالی نہ ہو پوچھنا چاہئے یہ خیال کر کے عرض کی کہ جناب پیغمبر خدا صلعم کی مکہ سے مدینہ کی طرف

ہجرت فرمانے میں خدائے عزوجل کی کیا مصلحت تھی شیخ رکن الدینؒ نے فرمایا کہ میرے خیال میں آنحضرت صلعم کے بعض باطنی کمالات اس ہجرت پر موقوف و مقدر تھے حضرت سلطان الاولیاءؒ نے فرمایا کہ میرے خیال میں بعض فقرائے مدینہ ظاہری و باطنی نقصان کی وجہ سے مدینہ سے مکہ تک جانیکی قدرت نہیں رکھتے تھے اللہ عزوجل نے اپنے کرم سے آنحضرت صلعم کو مدینہ بھیجا تاکہ ناقصان مدینہ بھی دولت کمال سے مالامال ہوں۔

سیر العارفین میں ہے کہ آپ کی روش سلطان ابوسعید ابوالخیرؒ کے مانند تھی آپ کی مجلس مبارک میں جو خطرہ کسی کے دل میں پیدا ہوتا آپ پر مکشوف ہو جاتا۔

آپ نے اپنے مریدوں کی تربیت کے لئے بہت سے خطوط دوصایا اور نصیحتیں لکھے ہیں چنانچہ اخبار الاخیار میں سے اقتباس کر کے یہاں ذیل میں کچھ درج کیا جاتا ہے:

آپ ایک مرید کو لکھتے ہیں کہ آدمی سے مراد دو چیزیں ہیں صورت اور صفت ان دونوں میں قابل توجہ و اعتنا صفت ہے نہ کہ صورت۔ ان اللہ لاینظر الی صورکم و اعمالکم ولکن ینظر الی قلوبکم یعنی خدائے عزوجل تمہارے صورتوں اور اعمالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے قلوب کو دیکھتا ہے لیکن تحقیق کے طور پر صفت کا ظہور اسوائے دار آخرت کے اور کہیں نہ ہوگا اس لئے کہ اس جگہ اشیاء کی حقیقتیں ظاہر ہونگی۔ ہر ایک کا حشر اس کے صفات پر ہوگا ؎

درحسن صفت کوش کہ در روز جزا حشر تو بہ صورت صفت خواہد بود

چنانچہ بلعم باعور جس نے اتنی طاعت کی تھی کتے کی صورت میں اٹھایا جائیگا وہ کلبی صفت تھا۔ فمثلہ کمثل الکلب۔ اسی طرح جو لوگ ظلم وجور کے عادی ہوتے ہیں بھیڑیے کی صورت میں اور متکبر پلنگ کی صورت میں اور بخیل و حریص سور کی صورت میں ہونگے۔ فکشفنا عنک غطائک فبصرک الیوم حدید۔ جب تک کہ انسان ان اوصاف ذمیمہ سے تزکیہ حاصل نہ کرلے۔ اس کا شمار بہائم میں ہوا کرتا ہے اولئک کالانعام بل ھم اضل۔ اور تزکیہ نفس اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا۔

جب تک کہ بندہ خدائے عزوجل کے سامنے گڑگڑائے نہیں اور اس سے مدد نہ طلب کرے۔ وما ابری نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء الا مارحم ربی ان ربی غفور الرحیم۔ اور جب تک کہ خود اس کا فضل و رحمت دستگیری نہ کرے ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ ما زکی منکم من احد ابدا۔ اس فضل ورحمت کے ظہور کی علامت یہ ہے کہ خدائے عزوجل بندہ کو اس کے اپنے عیوب پر بینا کردے اور انوار عظمت الٰہی کا ایک پرتو جسکے سامنے تمام کائنات ہیچ ہے اس کے باطن پر پڑے تاکہ تمام دنیا اور اوسکی عظمت اوسکی نظر میں خاک معلوم ہو اور جو لوگ اس دنیا میں پھنسے ہوئے ہیں ان کی کوئی وقعت دل میں نہ رہے جب یہ حالت بندہ کے دل پر مستولی ہوجائیگی تو اوصاف سبعی سے جس میں ارباب دنیا گرفتار ہیں اسے نفرت ہوجائیگی اور ان کے بجائے اخلاق ملکی ظاہر ہونے شروع ہونگے بجائے ظلم کے عفو۔ بجائے غضب کے حلم بجائے کبر کے تواضع۔ بجائے بخل کے سخاوت وربجائے حرص کے ایثار کے صفت اس میں پیدا ہوگی لیکن یہ سب معاملات عقبیٰ کے طلب کرنے والوں کے ہیں۔ طالبان حق کہیں ان سے بالاتر ہیں ان کے لئے تخلقوا باخلاق اللہ کی صفات ہیں اور جہاں ان کی جگہ ہے وہاں تک ہر شخص کی سمجھ کام نہیں دیسکتی ؎

عہد بیست مرمرا کہ نگیرم بجز تو دوست   شرطیست مرمرا کہ نخواہم بجز تو ہیچ

آپ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا کہ میں نے آجتک نہ کسی کے ساتھ نیکی کی ہے اور نہ بدی۔ حاضرین نے تعجب سے پوچھا کہ امیر المومنین بدی تو خیر آپ سے نہیں ہوئی ہوگی مگر نیکی کو آپ کیا فرماتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ من عمل صالحاً فلنفسہ ومن اساء فعلیھا۔ یعنی جس نے اچھے کام کئے تو وہ اپنی نفس کیلئے کئے اور جو برے کام کئے وہ بھی اپنے نفس کے لئے کئے۔ پس جو کچھ نیکی وبدی مجھ سے صادر ہوئی وہ درحقیقت خود میرے نفس کے لئے تھی نہ کہ دوسرے کسی شخص کے لئے یہ حکایت بیان

کر کے آپ فرماتے ہیں کہ عاقل کو اسی قدر نصیحت دنیا و آخرت دونوں کیلئے کافی ہے اپنی وصیتوں میں آپ فرماتے ہیں کہ جوارح کو شرعی ممنوعات سے قولاً وفعلاً باز رکھنا چاہئے اور لایعنی صحبتوں میں نہ بیٹھنا چاہئے۔ مالایعنی اسے کہتے ہیں جو حق تعالےٰ کی طرف سے برگشتہ کر کے اپنے طرف مشغول کرے اور بطالوں سے کبھی نہ صحبت رکھنا چاہئے۔ بطال دراصل اسے کہتے ہیں جو طالب حق نہیں ہے۔ الا کل شیئی ما خلا اللہ باطل۔

مجمع الاخیار میں آپ کے ایک مرید لکھتے ہیں کہ سلطان شہید غیاث الدین تغلق طاب مرقدہ، نے مولانا ظہیر الدین لنگ سے پوچھا کہ شیخ رکن الدین کی تم نے کوئی کرامت دیکھی ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ ایکمرتبہ جمعہ کے روز میں نے دیکھا کہ خلق اللہ آپ کی قدمبوسی کے لئے جمع ہے۔ میں نے دل میں کہا کہ شاید شیخ کے پاس کوئی تسخیر کا عمل ہے میں بھی عالم ہوں میری طرف کوئی توجہ نہیں کرتا۔ دوسرے دن صبح کو شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ مسئلہ پوچھونگا کہ وضو میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا کیوں سنت ہے اس میں کیا حکمت ہے۔ رات کو جب سویا تو خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت شیخ رح مجھے حلوا کھلا رہے ہیں جس کی حلاوت دن تک مجھے محسوس ہوتی رہی۔ میں نے سوچا کہ اگر یہی کرامت ہے تو شیطان بھی عوام کو اسی طرح بہکا سکتا ہے۔ غرضکہ صبح کو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمہارا منتظر ہی تھا۔ اس کے بعد کلام فرمانا شروع کیا کہ جنابت دو طرح کی ہوتی ہے ایک دل کی اور ایک بدن کی۔ بدن کی جنابت عورت کے ساتھ صحبت کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور دل کی جنابت ناہموار آدمی کی صحبت سے پیدا ہوتی ہے۔ تن کو پانی سے پاک کرتے ہیں لیکن دل کی جنابت آب دیدہ سے محو ہوا کرتی ہے اس کے بعد فرمایا کہ پانی میں تین صفتیں ہونی چاہیں جب وہ پاک کرسکیگا یعنی رنگ۔ مزا۔ بو۔ اسی لئے شرع نے بھی وضو میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کو مقدم رکھا ہے۔ کلی سے مزا معلوم ہوتا ہے اور ناک میں پانی ڈالنے سے بو معلوم ہوتی ہے۔ مولانا کہتے ہیں کہ حضرت یہ فرمارہے تھے اور میرے بدن سے پسینہ جاری تھا اس کے بعد آپ نے یہ فرمایا کہ جس طرح نبی کی صورت میں شیطان

ظاہر نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح شیخ حقیقی کی صورت میں بھی نہیں ظاہر ہو سکتا اس لئے کہ واسطے نبی کے متابعت کامل حاصل ہوتی ہے۔

صاحب مراۃ الاسرار فرماتے ہیں کہ اپنی وفات کے تین ماہ قبل آپ نے خلقت سے ملنا جلنا بالکل ترک کردیا تھا اور نماز فریضہ کے علاوہ کسی اور کام کیلئے اپنے حجرہ سے نہیں برآمد ہوتے تھے اور ہر وقت مشاہدہ حق میں مستغرق رہتے تھے جب سولہویں جمادی الاول یا بقول بعض ماہ رجب ۷۳۵ھ سات سو پینتیس کی سولہویں تاریخ اور جمعہ کا دن تھا۔ آپ نے بعد نماز عصر اپنے خادم مولانا ظہیر الدین محمد کو حجرہ کے اندر بلا کر کہا کہ تجہیز و تکفین کا سامان کرو۔ جب مغرب کے نماز کا وقت آیا تو پیش امام کو حجرہ کے اندر ہی بلا لیا اور نماز سے فراغت حاصل کر کے سجدہ میں سر رکھدیا اور جان شیریں جان آفریں کے سپرد کی رحمۃ اللہ علیہ۔

لطایف اشرفی میں ہے کہ شیخ رکن الدینؒ اٹھاسی ۸۸ برس اس عالم میں رہے اور سلطان محمد تغلق کے زمانہ میں شب جمعہ ۷۳۵ھ سات سو پینتیس ہجری کو وفات فرمائی اور ملتان میں اپنے والد ماجد و جد امجد کے پائیں دفن ہوئے۔

لیکن شیخ بہاء الدین ثانی (۱۰۵۷ھ) کے ایک مرید عبد الصمد نے حضرت شیخ رکن الدینؒ کا ایک تذکرہ لکھا ہے جو پیر فتح شاہ صاحب ملتانی کے پاس تھا۔ اور راقم حروف کے نظر سے گذرا ہے۔ اس کے مطابق آپ کی وفات ساتویں جمادی الاول ۷۳۷ھ سات سو سینتیس ہجری کو ملتان میں واقع ہوئی ہے اور اپنے دادا کے پائین میں دفن ہوئے لیکن یہ بھی ایک روایت ہے کہ حضرت شیخ بہاء الحق والدینؒ کے خانقاہ سے ایک تیر کے فاصلہ پر سلطان محمد تغلق نے ایک خانقاہ بنوائی تھی وہاں حضرت شیخ رکن الدینؒ کو لیجا کر دفن کیا گیا مگر سن بعد پھر اول جگہ لے آئے راقم الحروف نے ذیقعدہ ۱۳۴۲ھ میں ان دونوں مزاروں کی زیارت کی ہے۔ اور دیکھا ہے کہ آپ کے جد امجد اور والد ماجد کے پائیں دوسرے قبروں کے برخلاف ایک چبوترہ بنا کر چھوڑ دیا گیا ہے۔ جہاں آپ کا مدفن بیان کیا جاتا ہے۔ پہلے بیان کے مطابق دونوں

کے گنبد الگ الگ ہیں۔ اور دادا سے پوتے کا گنبد پانسو قدم کے فاصلہ پر جانب مغرب ہے۔ یہ دونوں گنبد پرانے قلعہ میں واقع ہیں۔ اور ملتان کا مشہور مینا کا کام ابتک ان پر موجود ہے۔ چونکہ یہ فن ابھی تک ملتان میں باقی ہے۔ اس لئے مرمت کے وقت پھر میناکاری تازہ کردی جاتی ہے۔ شیخ عبدالصمد مولف تذکرۂ مذکور لکھتے ہیں کہ حد کیچ مقران سے ہرات تک اور وہاں سے اودے پور تک تمام ملک اللہ جلشانہٗ نے ان کے حمایت میں رکھا ہے۔ واللہ عالم بالصواب۔

سیر العارفین میں ہے کہ آپ کے کوئی اولاد نہ تھی جو جانشین ہوتی۔ اسی وجہ سے آپ کے بھائی کے اولاد صاحب سجادہ ہوئے اور خاندان میں اس وقت تک وہی سلسلہ باقی ہے۔

خواجہ شمس الدین ترک قدس سرہ العزیز

شاہباز بلند پرواز۔ عارف محرم راز۔ پروردۂ رحمت ذوالجلال۔ فارغ از ماضی وحال۔ گنجینہ معارف الٰہی۔ خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی قدس سرہٗ العزیز۔ حضرت شیخ علاء الدین صابر رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ و جانشین تھے۔ سلسلہ صابری چشتی آپ ہی کے واسطہ سے جاری ہے صاحب مراۃ الاسرار فرماتے ہیں کہ "دریں طریق شانے بزرگ و کراماتے وافر وہمتی بلند و تجردی بر کمال داشت واز غایت تجرد اکثر لباس قلندریہ جرم پوشیدی"۔ رسم خلق وعقبیٰ دونوں سے آپ مستغنی تھے۔ اور ریاضات و مجاہدات ذوق وشوق و تصفیہ باطن واستغراق میں آپ کی نظیر نہ تھی اور اس قدر قوت احوال حاصل تھی کہ تھوڑی سی توجہ میں اس عالم سفلی کے لوگوں کو مدارج علویہ تک پہونچا دیتے تھے۔

صاحب مراۃ الاسرار فرماتے ہیں کہ ہمارے پیروں سے بہ تواتر یہ روایت پہونچی ہے کہ آپ خواجہ احمد یسوی رحمۃ اللہ علیہ کے اولاد میں سے تھے اور سلسلہ نسب حضرت محمد بن حنفیہ تک منتہی ہوتا تھا۔ جو سیدنا حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہ

کے صاحبزادے تھے۔ معارج الولایت میں شیخ غلام معین الدین نے یہیں سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب آپ سن تمیز کو پہونچے تو تحصیل علوم کے طرف رغبت فرمائی اور ایک زمانہ تک دیار ترکستان میں کسب علم فرماتے رہے۔ جب تحصیل علوم سے فارغ ہوئے اور دیکھا کہ اس میں کشود کار نظر نہیں آتا تو تمام تعلقات سے بے تعلقی اختیار کر کے کلیتہ تجرید و تفرید اختیار فرمائی اور راہ طلب میں قدم اٹھایا تمام ترکستان میں آپ پھرے اور ماوراء النہر کے بزرگوں کی زیارت فرمائی لیکن چونکہ حصہ وہاں نہ تھا اس لئے کسی سے دل بستگی نہ ہوئی۔ آخر کار ہندوستان کا ارادہ کیا اور سفر کرتے کرتے کلیر شریف پہونچے اور حضرت شیخ علاء الدین صابر قدس سرہٗ کے آستان بوسی کا فخر حاصل کیا۔ یہاں آنحضرت کے جمال ولایت کو دیکھتے ہی آپ شیفتہ دوالہ ہو گئے اور بے اختیار قدموں پر سر رکھکر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ چند ایام حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر قدس سرہٗ کی خدمت میں بھی رہے ہیں اور حضرت ہی کے سفارش سے خواجہ علاء الدین صابرؒ کے خدمت میں پہونچے ہیں۔ روضتہ الاصفیا میں بحوالہ سیر الاقطاب لکھا ہے کہ آپ کو حضرت گنجشکرؒ سے بھی خرقہ خلافت ملا تھا۔

چو باد صبا در بدر کو بکو۔ طلب گار اوئیم طلب گار او

غرض کہ یہاں آکر آپ نے عظیم مجاہدے شروع کئے۔ اور حضرت پیرومرشد کے نظر کیمیا اثر سے روز بروز کسب سلوک میں ترقی حاصل کرنے لگے۔ حتیٰ کہ سیر تمام ہوئی اور ایسے مرتبہ کمال کو پہونچے کہ دوسروں کو صاحب کمال بنا دیا۔ صاحب مراۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ "اکثر احوالات عجیب و خوارق عادات غریب مثل احیاد اماتت ازوی ظاہر شدن گرفت اما وی از غایت بلند پروازی بریں چیزہا التفات نداشت۔"

حضرت شیخ علاء الدین صابر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا جب اخیر وقت پہونچا تو قریب بلا کر خلافت اور تمام نعمتیں جو حضرت فرید الدین گنجشکر رحمتہ اللہ علیہ سے ملی تھیں۔ انہیں عطا فرمائیں۔ اور اپنے خط مبارک سے لکھکر اجازت نامہ عطا فرمایا

اور وصیت کی کہ میرے انتقال کے بعد تین دن سے زیادہ یہاں مت رہنا حضرت سبحانہ تعالیٰ نے تمہیں دیار پانی پت کا صاحب ولایت مقرر کیا ہے۔ وہاں جاکر قصبہ پانی پت میں سکونت اختیار کرو۔ اور بادیہ ضلالت کے بھٹکے ہوؤں کو ہدایت کی راہ بتاؤ۔ آپ نے التماس فرمایا کہ وہاں حضرت شیخ بوعلی شاہ قلندرؒ ہیں۔ میری گذر کیسے ہوگی آپ نے فرمایا کچھ اندیشہ مت کرو۔ ان کا وقت بھی اخیر آگیا ہے۔ جب تم پانی پت پہونچو گے تو وہ باہر چلے جائینگے۔ اور چند روز کے بعد اس عالم سے انتقال فرمائینگے۔ چنانچہ حضرت شیخ علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد حسب وصیت آپ پانی پت تشریف لیگئے۔ حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ کو جب آپ کا نام معلوم ہوا تو اپنے حجرہ کا دروازہ بند کرکے مسافرت کا قصد فرمایا۔ صاحب مراۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ "شیخ شرف از پانی پت برآمدہ متوجہ موضع بودہ کہرہ (کرنال) شد چوں در موضع رسید چند روز آنجا بودہ برحمت حق پیوست"

غرض کہ حضرت شمس الدین ترکؒ نے پانی پت میں سکونت اختیار فرمائے اور اس دیار کے مخلوق کو بجد فیض پہونچایا۔ لوگ بہ کثرت مرید و معتقد ہوئے اور آخر حیات میں خرقہ خلافت اور دونوں جہاں کی نعمت جو حضرت شیخ علی احمد صابر رحمتہ اللہ علیہ سے ملی تھی شیخ جلال الدین پانی پتی کو ایثار فرماکر اپنا جانشین مقرر فرمایا اور انیسویں ۱۹ ماہ شعبان کو وصال فرمایا۔ صاحب مراۃ الاسرار فرماتے ہیں کہ آپ کا سنہ وفات میری نظر سے نہیں گذرا لیکن شیخ نصیر الدین محمود قدس سرہٗ العزیز آپ کے ہم عصر تھے جنھوں نے سلطان فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں ۷۵۷ھ سات سو ستاون ہجری میں وفات پائی ہے۔ روضتہ الاصفیا میں جو متاخرین میں سے مفتی غلام سرور لاہوری کے لکھی ہوئی ہے سیر الاقطاب و تذکرۃ العاشقین اور معارج الولایت کے حوالہ سے سنہ وفات سات سو پندرہ ہجری (۷۱۵) لکھا ہے بعض شجروں میں سات سو اٹھارہ ہجری بھی ہے لیکن مفتی صاحب مرحوم نے امل الذکر کو صحیح تسلیم کیا ہے اور یہ قرین قیاس بھی ہے اس لئے کہ حضرت

شیخ علی احمد صابرؒ کا وصال بقول صاحب مراۃ الاسرار ۶۹۰؁ھ چھ سو نوے ہجری میں ہوا ہے آپ کے وفات کے بعد تقریباً پچیس سال تک حضرت شمس الدینؒ ترک اور زندہ رہے اور رشد و ارشاد فرماتے رہے روضتہ الاصفیا میں قطعہ تاریخ یہ درج ہے ؎

رفت از عالم چو شمس الدین بخلد | سال؛ وصل آں امام پیشوا
طالب مقبول شمس الدین بگو | نیز شمس الدین ولیٔ باصفا
شمس دین سلطان نامی شد عیاں | باز شمس الدین امیر آمدندا۔
نیز شمس الدین اکبر گفتہ ام | سال وصل آں ولی مقتدا۔

شیخ نصیرالدین محمود اودھی رحمتہ اللہ علیہ

پیشوائے مشائخ کبار۔ مستغرق بحر اسرار۔ زبدہ ابرار۔ مرجع کبار و صغار مقرب حضرت معبود قطب ارشاد شیخ نصیرالدین محمود قدس سرہٗ العزیز حضرت سلطان الاولیا خواجہ نظام الدین بدایونی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے سب سے بزرگ ترین خلیفہ و جانشین تھے ان کے وصال کے بعد دہلی میں آپ ہی مسند ہدایت پر متمکن ہوئے۔ صاحب مراۃ الاسرار فرماتے کہ "او از اکابر اولیا ہند است۔ شانے بزرگ و علمی وافر و احوال مستور داشت" ابتدائے حال سے انتہائے سلوک تک آپ برابر ریاضات و مجاہدات میں مشغول رہے اور مرتبہ رضا و تسلیم میں بے نظیر وقت تھی۔ صاحب سیر العارفین فرماتے ہیں ؎

جہاں معرفت جان مشیخت | دلش شمع شبستان مشیخت
بہ علم ظاہر و باطن صفا سنج | ز اسرار نہانی یافتہ گنج
بذکر آئینۂ دل صاف کردہ | خدایش مخزن الطاف کردہ
ز دست عشق سکین خورد بردل | شہادت باسعادت کرد حاصل
تنش ارباب ظاہر را ادیبے | دلش امراض باطن را طبیبے۔

چراغ مسجد اقصائے مقصود نصیر دینؒ ملت شیخ محمود

لطائف اشرفی میں میر سید اشرف جہانگیرؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے شیخ نصیر الدین محمودؒ کو ایسی ولایت کرامت فرمائی تھی کہ حضرت سلطان جیؒ کے خلفا میں سے کوئی اس رتبہ کو نہیں پہونچا اور جس قدر آثار ولایت و کرامت اور انوار ہدایت پر فخامت حضرت شیخ نصیر الدینؒ سے ظہور میں آئی کسی سے نہیں ظاہر ہوئی۔ بلکہ تمام ہندوستان میں کوئی صاحب ولایت ان کے مقابلہ کا نہیں تھا۔ چنانچہ یہ قطعہ لوگوں میں مشہور و معروف ہے ؎

غلام بخت بلندش ایاز مقصود است کسے کہ ہمت او چوں نصیر محمود است
شب حصول وصول خدا بمعراجش نگینہ منزل دادنی مقام محمود است

آپ کا نام محمود اور آپ کے والد ماجد کا نام یحییٰ اور دادا کا نام عبد اللطیف تھا وہ یزد کے رہنے والے سادات حسنی تھے۔ مراۃ السالکین میں مولوی محمد امام الدین صوفی چشتی ساکن لکھن وال ضلع گجرات لکھتے ہیں کہ آپ نسباً فاروقی تھے اور شیخ کمال الدین علامہ کو ایک مقام پر آپ کا ایک جدی بھائی لکھا ہے اور دوسری جگہ ہمشیر زادہ لکھا ہے۔ شیخ کمال الدین علامہ نسباً فاروقی تھے لیکن مراۃ السالکین کے عدم صراحت و ترک حوالہ سند سے یہ امر کہ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ بھی فاروقی تھے پایۂ تحقیق کو پہونچنے سے قاصر رہتا ہے خراسان سے شیخ عبد اللطیفؒ آکر لاہور میں سکونت پذیر ہوئے تھے۔ چنانچہ شیخ یحییٰؒ کے ولادت لاہور میں ہوئی تھی۔ مگر حضرت نصیر الدین محمودؒ اجودھیا (اودھ) میں پیدا ہوئے تھے۔ بعض کا قول ہے کہ آپ ضلع بارہ بنکی (صوبہ اودھ) میں پیدا ہوئے تھے۔ مراۃ الاسرار میں ہے کہ نو سال کے عمر میں شیخ نصیر الدینؒ کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا۔ آپ کے والدہ ماجدہ نے جو صلاح و تقویٰ میں رابعہ وقت تھیں آپ کی تحصیل علوم ظاہری میں کماحقہ سعی فرمائی پہلے آپ نے شیخ عبد الکریم شروانی سے بزودی و ہدایہ تک تحصیل علم فرمائی۔ ان کی وفات کے بعد مولانا افتخار الدین گیلانیؒ سے مزید تحصیل علوم فرمائی اور اسی زمانہ

سے آپ کی جبین مبارک سے ترک و تجرید و محاسن اخلاق و مجاہدۂ نفس کے آثار نظر آتے تھے۔ جماعت کے نماز کبھی فوت نہیں ہوتی تھی صوم دوام رکھتے تھے۔ اور اکثر اوقات برگ سنبھالو سے افطار فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ آپ کی عمر چالیس سال کی ہوئی۔

سیر العارفین اور مراۃ الاسرار دونوں میں ہے کہ تینتالیس سال کی عمر میں آپ نے حضرت سلطان الاولیا قدس اللہ سرہُ العزیز سے شرف بیعت حاصل فرمایا لیکن سفینۃ الاولیا اور خزینۃ الاصفیا میں ہے کہ "در چہل سالگی بخدمت سلطان المشائخ رسید" بہر حال حضرت سلطان الاولیا قدس سرہُ کے توجہ مبارک نے آپ پر بدرجۂ کمال اثر کیا ایک عرصہ تک آپ حضرت کی خدمت میں رہے اور صرف کبھی کبھی اپنی والدہ ماجدہ اور ہمشیرہ صاحبہ سے ملنے کے لئے اودھ تشریف لیجایا کرتے اور پھر دہلی آجاتے۔ اور حضرت پیرو مرشدؒ رحمۃ اللہ علیہ سے تربیت حاصل کرتے اور ریاضت ہائے شاقہ کرتے دہلی جب تشریف لاتے تو اکثر حضرت برہان الدین غریب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں قیام فرماتے۔ حضرت برہان الدین غریبؒ سے آپ کو بہت محبت تھی چند مدت قیام کرکے پھر اودھ چلے جاتے۔ بالآخر جب والدۂ ماجدہ کا انتقال ہو گیا تو چند ماہ رہکر دہلی تشریف لے آئے۔ آپ کے والدۂ ماجدہ کا مقبرہ اجودھیا (اودھ) میں عیدگاہ کے پس پشت ہے

دہلی میں آکر آپ نے کیلوکھڑی کے جماعت خانہ میں جو دریائے جمنا کے کنارہ ہے قیام فرمایا۔ اسی جماعت خانہ کے کوٹھے پر حضرت سلطان المشائخ قدس سرہٗ کا حجرہ مبارک تھا جہاں آپ مشغول رہا کرتے تھے۔ سیر العارفین میں ہے کہ اسی زمانہ میں چند درویش جو شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ کے تھے ملتان سے آکر اس جماعت خانہ میں قیام پذیر تھے۔ گرمی کا زمانہ تھا۔ ایک رات یہ درویش دریا کے کنارے تہجد کے وضو کے لئے گئے۔ اور کپڑے یہیں جماعت خانہ میں اتار کر رکھ گئے۔ کسی کم بخت نے آکر انمیں سے ایک فقیر کے کپڑے چرالئے جب درویش وضو کرکے واپس آئے اور جس درویش کے کپڑے چوری ہو گئے تھے انہ

نہ ملے تو سب نے یکبارگی شور مچانا شروع کیا۔ شیخ نصیر الدین محمودؒ نے یہ شور سُنا تو اپنے نئے کپڑے اتار کر دیئے اور درویشوں کو سمجھا بجھا کر چپ کیا تاکہ حضرت سلطان المشائخ قدس سرہٗ کے مشغولی میں فرق نہ آئے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت سلطان الاولیاءؒ نے یہ حال معلوم کر کے شیخ نصیر الدین محمود کو بلایا اور نہایت شفقت و مہربانی فرمائی اور تعریف کی اور اپنا ملبوس خاص پہنایا۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ حضرت سلطان المشائخ قدس سرہٗ العزیز بام جماعتخانہ سے نیچے اتر کر تشریف لا رہے تھے کہ شیخ نصیر الدین محمودؒ پر نظر پڑی کہ ایک بڑے درخت کے تلے متحیر کھڑے ہیں۔ اپنے خادم سے کہا کہ انہیں بلا لاؤ۔ جب یہ خلوت میں آئے تو پوچھا تمہارے دل میں کیا ہے۔ اور اس کام سے آخر تمہارا مقصد کیا ہے اور تمہارے والد کیا کام کیا کرتے تھے۔ آپ نے عرض کی کہ اس کام سے میرا مقصد مخدوم عالم و عالمیان کے حیات مزید کے لئے دعا کرنا درویشوں کے جوتیاں سیدھی کرنا اور ان کی خدمت بسر و چشم کرنا ہے اور میرے باپ کے پاس بہت سے غلام تھے جو روئی کا بیوپار کیا کرتے تھے۔ حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا کہ جس زمانہ میں کہ میں حضرت شیخ فرید الحق والدین کی خدمت مبارک میں رہا کرتا تھا اجودھن میں ایک عالم سے جو میرے دوست اور ہم سبق تھے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے میرے پھٹے اور گلے ہوئے کپڑے دیکھ کر فرمایا۔ مولانا نظام الدین یہ کیا حال ہے۔ اگر تم اس شہر میں لڑکے ہی پڑھایا کرتے تو بھی اسباب معیشت سے فارغ رہتے۔ میں نے یہ کلام سنکر کچھ جواب نہیں دیا۔ اور اپنے خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا نظام الدین اگر تمہارا کوئی دوست یہ حال دیکھکر تم سے پوچھے کہ آخر یہ کیا حالت ہے اور تعلیم جس سے فراغت حاصل ہو جاتی تم نے اسے کیوں ترک کر دیا ہے تو کیا جواب دو گے۔ میں نے کہا جو ارشاد ہو۔ فرمایا یہ شعر جواب میں پڑھ دینا ؎

نہ ہمرہی تو مرا راہ خویش گیر و برو   ترا سعادتے باد امرا نگوں ساری

بعدہٗ کھانے کا ایک خوان طلب فرمایا اور کہا کہ نظام الدین اس خوان کو

سر پر رکھکر جہاں تمہارا دوست ٹھیرا ہے وہاں لیجاؤ۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ دوست نے یہ حال دیکھکر کہا کہ تمہیں یہ صحبت اور یہ حالت مبارک ہو۔ شیخ نصیر الدین محمودؒ فرماتے ہیں کہ میرے خواجہ اسی قسم کے حکائتیں میرے سامنے بیان فرماتے اور ریاضت مجاہدہ کے لئے ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ میں تعمیل ارشاد کرتا حتیٰ کہ دس دس دن گذر جاتے ہے۔ اور میں کچھ نہیں کھاتا تھا۔ ایک مرتبہ اسی طرح دس روز میں نے کچھ نہیں کھایا تھا حضرت سلطان المشائخ قدس سرہٗ کو خبر ہوئی تو مجھے بلایا اور اپنے خادم خواجہ اقبال کو حکم دیا کہ روٹی کا ایک گردہ اور حلوا لاؤ۔ یہ مجھے عنایت ہوا۔ اور حکم ہوا کہ اسے کھاؤ میں نے غلبہ ریاضت کی وجہ سے چند روز میں اسے ختم کیا۔ تمام تذکروں کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت سلطان المشائخؒ کے مریدوں میں ظاہری و باطنی متابعت اور فرمانبرداری کے لحاظ سے شیخ نصیر الدین محمودؒ سب سے ممتاز تھے اور خلفاء حضرت سلطان المشائخ آپ پر فخر کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ دوبیت آپ کے شان میں کسی نے کہے ہیں ؎

درویش را چو آئینہ رنگی زخویش نیست   باہر کہ او نہاد برآمد برنگ او۔

صاحب سفینۃ الاولیاء لکھتے ہیں کہ آپ سے اس قدر خوارق و کرامات ظاہر ہوئے ہیں کہ حضرت سلطان الاولیاء کے کسی مرید سے نہیں ظاہر ہوئیں۔ اور باوجودیکہ اس سلسلہ میں سماع و وجد بہت ہے۔ اور آپ کے شیخ بھی بہت وجد و سماع فرمایا کرتے تھے۔ لیکن شیخ نصیر الدین قدس سرہٗ العزیز سماع نہیں فرماتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ یہ خلاف سنت ہے اور حضرت سلطانجیؒ کچھ بُرا نہیں مانتے تھے بلکہ یہ فرماتے کہ سچ کہتا ہے بایں ہم آپ کبھی کبھی کچھ سن لیا کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ ایک قوال کے ان دو بیتوں پر آپ کے حالت متغیر ہوئی اور بہت کیفیت پیدا ہوئی ؎

جفا بر عاشقاں گفتی نہ خواہم کرد وہم کردی   قلم بر بیدلاں گفتی نہ خواہم راند وہم راندی

شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ آپ کا طریقہ فقر و صبر و رضا و

تسلیم کا تھا۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت امیر خسروؒ جو حضرت سلطان جیؒ کے محرم خاص تھے ان کے ذریعہ سے حضرت کی خدمت میں آپ نے یہ گذارش کرائی کہ یہ بندہ اودھ میں رہا کرتا ہے اور مزاحمت خلق کی وجہ سے مشغولی حاصل نہیں ہو سکتی اگر اجازت ہو تو صحرا میں جاکر فراغ خاطر کے ساتھ حق تعالیٰ کی عبادت کرے۔ حضرت امیر خسرو نے جب یہ گذارش پیش کی تو ارشاد ہوا اوس سے کہدو کہ دنیا و خلق ہی کے درمیان میں تمہیں رہنا پڑیگا۔ اور ان کے ظلم اور بھلی بری سب باتیں سہنی اور سہنی ہونگی اور ان کا معاوضہ بذل و ایثار سے کرنا ہوگا۔ چنانچہ حضرت سلطان الاولیا قدس سرہ العزیز نے جب انتقال فرمایا کہ تو آپ کو دہلی ہی میں رہنا پڑا۔ اور اپنے پیر کے احوال کے وارث اور ان کی ولایت دہلی پر فائز ہوئے اور بتیس ۳۲ سال زندہ رہکر حق سجادگی ادا کیا۔

سیر العارفین میں ہے کہ حضرت مخدوم جہانیاں شیخ جلال بخاریؒ جب حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے تو وہاں امام عبد اللہ یافعیؒ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے فرمایا کہ اس کے پہلے تو دہلی میں بہت سے بزرگ تھے لیکن اس زمانہ میں شیخ نصیر الدین محمود چراغ روشن کر رہے ہیں۔ اس قول کے بعد سے لوگ آپ کو چراغ دہلی کہنے لگے۔

آپ کا زمانہ سلطان محمد تغلق کا زمانہ تھا جو بعض لوگوں کے کہنے سے جیسے کہ سمرقندی اور مولانا علی قندزی تھے آپ سے کسی قدر بد دل ہو گیا تہا اور ایذا پہونچانا چاہتا تہا چنانچہ ایک روز آپ کو بلا کر چاندی سونے کے برتنوں میں آپ کے آگے کھانا رکھا۔ مقصد یہ تھا کہ اگر نہ کھائینگے تو برا برتاؤ کرونگا۔ اور اگر کھائینگے تو خلاف سنت عمل کرنیکا الزام دونگا۔ مگر آپ جب دسترخوان پر بیٹھے تو ان برتنوں میں سے کھانا نکالکر اپنے ہاتھ پر رکھا اور اس میں لے لیکر کھایا۔ یہ دیکھ کر آپ سے وہ نصیحت کا خواستگار ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ تمہاری طبیعت میں درندہ جانوروں کے مانند غصہ ہے اسے دور کرنیکی کوشش کرو۔ اور درویشوں کے طرف سے برا خیال دل سے نکالدو۔ ایک مرتبہ آپ کے مجلس میں سماع ہو رہا تھا قوال نے یہ دو شعر پڑھے۔ جن پر آپکو بہت اضطراب و تواجد ہوا ؎

ما طبل مغانہ دوش بے باک زدیم عالی علمش بر سر افلاک زدیم
از بہر یکے سبنچۂ می خوارہ صد بار کلاہ توبہ برخاک زدیم

صاحب سیر العارفین لکھتے ہیں کہ ایک روز آپ ظہر کی نماز ادا فرما کر جماعتخانہ سے حجرۂ خاص میں تشریف لے گئے تھے۔ آپ کے خواہرزادوں میں شیخ زین الدین علی خلوت کے وقت موجود رہا کرتے تھے۔ مگر ہمیشہ نہیں کبھی کبھی چلے بھی جایا کرتے تھے اس روز یہی ہوا کہ شیخ زین الدین موجود نہ تھے کہ ایک شخص قلندر صورت آپ کے خلوت خانہ میں گھس آیا۔ اور ایک چھری نکالکر عین اس وقت جبکہ آپ حالت استغراق میں تھے گیارہ زخم لگائی۔ مگر آپ اسی حالت میں رہے۔ حتیٰ کہ حجرہ کے موری سے خون باہر تک بہہ نکلا اور لوگ دوڑ پڑے۔ حجرہ کے اندر پہونچکر مریدوں نے دیکھا کہ ایک شخص چھریاں مار رہا ہے اور آپ خاموش بیٹھے ہوئے ہیں لوگوں نے اسے پکڑ لیا۔ اور سزا دینی چاہی۔ مگر آپ نے منع فرمایا۔ اور قاضی عبد المقتدر تھانیسری کو جو مرید خاص تھے اور شیخ صدر الدین طبیب اور اپنے بھانجے شیخ زین الدین کو اپنے پاس طلب کر کے قسم دی کہ کوئی شخص قلندر مذکور سے تعرض نکرے۔ اور بیس تنکہ زر اپنے پاس سے اسے دیکر رخصت کر دیا ؎

شنیدم کہ مرداں راہ خدا دل دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام۔ کہ با دوستانت خلاف است و جنگ

ان زخموں کے بعد تین سال تک آپ اور بقید حیات رہے اور اٹھارہ ماہ رمضان المبارک شب جمعہ یا بقول سفینۃ الاولیاء وقت چاشت سنہ سات سو ستاون ہجری میں اس عالم فانی سے عالم بقا کی طرف رحلت فرمائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وانا الیہ راجعون۔

چو از دنیا بہ جنت گشتہ روشن چراغ دہلی آں ماہ پر انوار
ولی مشکل کشا سالش رقم زد دگر ہم شاہِ والا جاہ ابرار ۷۵۷

مولانا مظہر آپ کے مریدوں میں سے ایک خاص شخص تھے جنہوں نے

آپ کا مرثیہ لکھا ہے جو اخبار الاخیار سے بعض اشعار حذف کر کے یہاں درج کیا جاتا ہے۔

زدور محنت ایں نہ سپہر زنگاری	کدام دل کہ نہ خوں گشت از جگر خواری
جہاں بماتم خواجہ نصیر دین محمود	ہزار گونہ فغاں کرد نوحہ و زاری
بقیہ سلف و یادگار اہل کرم	کہ کرد ختم ولایت بملک دینداری
مہینا مدلکا منعما خدا وندا	بحق نعمت قران و دولت قاری
برحمت تو کہ عام است در جہانبانی	بعزت تو کہ خاص است در جہانداری
کہ روح اعظم آں شیخ بیشوائے کریم	کہ مقتدای جہاں بودہ است از اخباری
ندیم قربت خود کن غریق رحمت خویش	مجاور رسل و انبیاء ز مختاری
بساط صحن وہ از حلہای فردوسی	غلاف قبر کن از پردہ ہای غفاری

آپنے بھی شیخ کے بعد تیس سال اس دنیا میں گذارے اور خلق کو ہدایت فرمائی میر سید محمد مکی آپکی ایک جلیل القدر خلیفہ تھے وہ بحر المعانی میں فرماتے ہیں کہ شیخ نصیر الدین محمود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اٹھائیس سال تین ماہ اور دو روز قطب مدار رہے۔ اور یہ مرتبہ آپ کو اس لئے عطا ہوا تھا کہ آپ میں تحمل بہت تھا اس مدت کے بعد چند سال مقام فردانیت میں رہے اس کے بعد رحلت فرمائی۔ مقام فردانیت وہ مقام ہے جہاں تجلی ذات ہوتی ہے اور اختیار و آثار سب محو ہو جاتے ہیں۔ اور کوئی تصرف باقی نہیں رہتا اس لئے کہ انبساط و موانست کا مقام ہوتا اور بندہ کی مراد حق تعالیٰ کے مراد ہو جاتی ہے آپ کے وفات جس زمانہ میں ہوئی وہ فیروز تغلق کا زمانہ تھا۔ جو اس خاندان میں نہایت خدا ترس بادشاہ گذرا ہے۔ حضرت سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو غسل دیا۔ اور دہلی میں دفن کیا۔ جہاں آج تک آپ کا مزار پاک مرجع خاص و عام ہے ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق	ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

آپ کے خلفا میں حسب ذیل بزرگ بہت مشہور ہیں۔ شیخ کمال الدین

علامہ شیخ زین الدین سید محمد گیسو دراز سید محمد بن جعفر مکی شیخ صدر الدین طبیب دلہا قاضی عبد المقتدر مولانا احمد تھانیسری۔

آپ کے ایک پیر بھائی مولانا حمید قلندر تھے جنہوں نے آپ کے ملفوظات خیر المجالس کے نام سے لکھے ہیں یہ صرف ایکسال یعنی ۷۵۵ھ سے ۷۵۶ھ تک کے ملفوظ ہیں مگر خود حضرت نے کوئی کتاب نہیں تصنیف فرمائی۔ جو دیوان آپ کی طرف منسوب ہے وہ بھی آپ کا نہیں معلوم ہوتا۔ نیز آپ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ میں نے اس لئے کوئی کتاب نہیں لکھی کہ شیخ الاسلام فرید الدین گنجشکر رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الاسلام خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ نیز خاندان چشتیہ میں کسی نے کوئی کتاب نہیں تصنیف کی ہے۔ بس ان بزرگوں کے طرف اگر کوئی کتاب منسوب ہو تو اسے صحیح نہیں سمجھنا چاہئے۔ اب اس موقعہ پر شیخ حمید قلندر کے کتاب خیر المجالس سے ذیل میں آپ کا کلام قدسی نظام کسی قدر درج کیا جاتا ہے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ اپنے ایمان کا غم کھانا چاہئے اور کرامت کے پیچھے نہ پڑنا چاہئے۔ فرماتے تھے میں حیران ہوں کہ خلق بغیر مشاہدہ کے کیونکر زندگی بسر کرتی ہے۔

میر سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ کے زمانہ میں دہلی میں امساک باراں ہوا آپ نماز استسقا کے لئے باہر تشریف لائے۔ اور جس تضرع وزاری کے ساتھ سلف صالحین سے نماز استسقا پڑھنا مروی ہے آپ نے بھی ادا فرمائے لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا اور واپس گھر لوٹ آئے۔ اس روز جب میں قدمبوسی کے لئے حاضر ہوا تو ارشاد فرمایا تم کیا وہاں نہ تھے۔ میں نے عرض کی خواجہ کے تصدق میں وہاں موجود تھا۔ فرمایا تم نے دیکھا کہ آج کل لوگ مجھے ایسا اور ایسا کہا کرتے ہیں اور خلق ہمارے پاس پناہ ڈھونڈھتی ہی۔ اور ہمارے پیچھے پھرتی ہم نے بہت کچھ تضرع وزاری کی مگر اوسے کسی شئے کے عیوض نہیں خریدا۔ آخر کار

کیا کرتے خود ہی شرمندہ ہو کر واپس آگئے۔

آپ کا ارشاد ہے کہ مخلوق سے نیکی کرنے والے کو محکمہ دیوانی میں رہنا (یعنی سرکاری ملازمت کرنا) کچھ نقصان نہیں کرتا۔ آپ نے فرمایا کہ تقویٰ کا حق یہ ہے کہ اللہ جلشانہ کے اطاعت کرے اور نافرمانی نہ کرے۔ اس کا شکر کرے اور ناشکری نہ کرے۔ اور اوسے یاد کرتا رہے بھول نہ جاوے۔ آپ نے فرمایا کہ تقویٰ کا ایک حق ہے۔ واتقوا اللہ حق تقاتہ۔ اسی طرح عبادت کا ایک حق ہے۔ ماعبدناک حق عبادتک اسی طرح تلاوت قرآن کا ایک حق ہے۔ یتلون حق تلاوتہ۔ اور اگر معرفت سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو ایک جانے تو اس کا بھی ایک حق ہے یعنی جیسا وُہ ذات وصفات میں یگانہ ہے ویسا ہی اسے سمجھے۔ اور اگر معرفت سے اسرار ابدیت کی پہچان مراد ہے تو یہ دشوار ہے اس لئے کہ اسکی حقیقت کے معرفت دشوار ہے۔ ما قدروا اللہ حق قدرہ یعنی ماعرفوا اللہ حق معرفتہ۔

آپ کا ارشاد ہے کہ تمام کاموں میں نیت خالص درکار ہے یعنی جس کام کی نیت کرے اس میں خدائے بزرگ و برتر کے رضامندی مقدم سمجھے۔ آپ نے فرمایا کہ بندہ میں انابت پیدا ہوتی ہے تو منشار ارادت کبھی ظاہر قلب ہوتا ہے اور کبھی باطن قلب اور کبھی لطیفہ سر۔ اگر انابت خیر و ندامت کے ساتھ ہی تو اُسکا منشار ظاہر قلب ہے۔ اور اگر ذوق و شوق کے ساتھ ہے تو اس کا منشا باطن قلب ہے اور اگر ترک ماسوا اللہ کے ساتھ ہے تو منشار ارادت لطیفہ سر ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابقت قول و فعل و ارادہ میں ہر طرح سے کرنی چاہیئے تاکہ حق تعالیٰ کے محبت دل میں قرار پکڑے۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ علامت محبت بجا آوری احکام اور منکرات و قبائح شرعیہ سے اجتناب کرنا ہے آپ نے فرمایا کہ محبت بھی تین قسم کی ہوتی ہے۔ ایک اسلامی دوسرے دینی۔ تیسری خاص۔ اسلام کے طرف مائل ہونا پہلی قسم کی محبت

ہے۔ پھر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں بجا آوری احکام اور منکرات سے اجتناب کرنا ان اعمال کا نتیجہ محبت وہبی کی شکل میں ظاہر ہوگا تیسری محبت ہمیشہ جذبۂ الٰہی کا نتیجہ ہوا کرتی ہے۔ جذبة من جذبات الرحمن یوازی اعمال الثقلین محبت اسلامی عوام کا حصہ ہے۔ اور محبت وہبی ابرار کا اور محبت خاص مقربان بارگاہ جل وعلی کا۔

آپ نے فرمایا کہ جو خیالات انسان کو بیداری میں لاحق ہوتے ہیں۔ جب وہ سوتا ہے تو وہی خیالات خواب میں پیش آتے ہیں۔ اس طرح جب مرتا ہے تو جو کچھ حیات میں شغل رکھتا تھا اور جس کو چاہتا تھا وہاں بھی وہی پیش آتا ہے۔ کما تحیون تموتون وکما تموتون تبعثون۔ اگر دنیا کا خواستگار تھا تو دنیا آراستہ کرکے پیش کرتے ہیں اور اگر آخرت بہشت وحور وقصور سے محبت رکھتا تھا تو وہ پیش کرتے ہیں اور اگر نہ طالب دنیا تھا اور نہ طالب عقبیٰ بلکہ طالب مولیٰ تھا تو بعد موت مشاہدہ حضرت میں رہتا ہے۔ قل کل یعمل علی شاکلته ؎

دنیا شہ را وقیصر وخاقان را   دوزخ بدر اہشت مزنکیاں را

تسبیح فرشتہ را صفا مر انسان را   جانان مار اوجان ماجانان را

وہ بھی کیا دل ہے جو بغیر حق تعالیٰ کے آرام پائے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب

سلوک کے بارے میں ایک مرتبہ گفتگو تھی۔ آپ نے فرمایا کہ ایک شخص سالک متدارک بہ جذبہ ہوتا ہے۔ اور ایک مجذوب متدارک بسلوک اور تیسرا مجذوب مطلق شیخی کے لائق صرف دونوں اول الذکر ہیں مجذوب مطلق اور سالک نامتدارک بہ جذبہ شیخی واتباع کے لائق نہیں۔ سالک متدارک بہ جذبہ وہ ہوتا ہے کہ جس نے اپنے علم وعمل کے قوت اور ارادت سے منازل سلوک طے کر لئے۔ پھر آخر میں اوسے جذبہ پیدا ہوا۔ اور مجذوب متدارک بہ سلوک وہ ہے کہ اوسے اول جذبہ حاصل ہو۔ بعدہ سلوک طے کرے۔ ان کے علاوہ ایک شخص واقف ہوتا ہے جو کسی لغزش یا فقدان شرط کے وجہ سے راہ چلتے چلتے رک جاتا ہے اور جب تک کہ شیخ اوسے نہ لے جائے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ آپ نے فرمایا کہ سلوک مشروط بہ ارادت ہے۔ کسی مرشد کا ہاتھ ضرور

پکڑنا چاہیئے تاکہ وہ رہبری کرے اور طریقہ ذکر وفکر تعلیم کرے اور جہاں وقفہ عارض ہو دستگیری کرکے نکال لیجائے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک آدمی بغیر کسی شیخ کی تعلیم کے محض عنایت ربانیہ کے مدد سے منزل مقصود تک پہونچ جاتا ہے۔ مگر یہ طریقہ بہت شاذ ہے ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ یہ حال جو درویشوں کو ہوا کرتا ہے کہاں سے آتا ہے اور کس طرح ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حال نتیجہ اعمال ہے اور عمل دو قسم کے ہوتے ہیں ایک عمل جوارح اور دوسرا عمل قلب آخرالذکر کو مراقبہ بھی کہتے ہیں عالم علوی سے پہلے ارواح پر انوار نازل ہوتے ہیں پھر ان کا اثر دلوں پر پڑتا ہے پھر وہ اعضاء جوارح پر اور حال کو مداومت حاصل نہیں ہے اگر دوام حاصل ہوجائے تو پھر اوسے مقام کہینگے۔ ایک مرتبہ آپ سے پوچھا کہ المبتدی صاحب وقت والمتوسط صاحب حال ۔ والمنتہی صاحب انفاس کے کیا معنی ہیں آپ نے فرمایا صاحب حال وہ ہے جس پر وقتاً فوقتاً حال وارد ہوتا رہتا ہے۔ مگر غلبہ نہیں پاتا یہ حالت مبتدی کے ہوتی ہے۔ پھر جب حال غلبہ پالیتا ہے تو اکثر اوقات وارد رہتا ہے یہ متوسط کے حالت ہوتی ہے اسی لئے اِس کو مغلوب الحال کہتے ہیں پھر جب یہ حالت دوامی رہتی ہے تو حال اس کا مقام ہوجاتا ہے اور قائم مقام انفاس ہوجاتا ہے۔ یہ منتہی کی حالت ہوتی ہے اسی لئے اسے صاحب انفاس کہا گیا ہے یہ بیان کرکے پھر آپ نے اک ٹھنڈا سانس کھینچا اور یہ حدیث شریف پڑھی ہے۔ ان لربکم فی ایام دھرکم نفحات الا فتعرضوا لھا۔ پھر فرمایا کہ یہ امور وجدانی ہیں اگر کوئی درویش رات کو بھوکا سوئے اور آخرشب کو عبادت میں صرف کرے اور ایسا مشغول بخدا ہو کہ اس کا باطن کسی شئے سے متعلق نہ رہے تو ارواح پر جو انوار کا نزول ہوگا اوسے مشاہدہ کریگا ؎

نظر در دیدہ ہا ناقص فتادہ ست ۔۔۔ دگرنہ یارمن ازکس نہاں نیست

پھر فرمایا کہ اصل کار محافظت ہے۔ مراقبہ میں صوفی کو اپنا سانس روک کے رکھنا چاہیئے تاکہ جمعیت باطن حاصل ہو پھر فرمایا کہ نظر دل پر رکھو۔ پھر اسے حق کے طرف متوجہ کرو۔

ور غیر حق کے نفی مطلق کر کے مشغول بحق ہو۔ پھر دیکھو کیا کچھ حال ہوتا ہے ایکمرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمام اعضا پر دل حکمرانی کرتا ہے اور دل کا قبلہ ذات پاک حق سبحانہ تعالیٰ ہے اگر دل ہی اپنے قبلہ کے طرف متوجہ نہ ہوگا تو جوارح جو اس کے تابع ہیں کیسے متوجہ ہو سکتے ہیں اسی لئے کہا گیا ہے کہ لاصلوٰۃ الا بحضور القلب۔ ایک مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب کہ مرد سالک کامل ہو جاتا ہے تو اسے قوت طیران حاصل ہو جاتی ہے۔ خواہ عالم علوی میں ہو خواہ سفلی میں انسان کے اعضا تابع قلب ہوتے ہیں اور قلب تابع روح۔ پس جہانتک روح طیران کرتی ہے۔ قلب و اعضاء بھی طیران کرتے ہیں۔

آپ کے بھانجے مولانا کمال الدین علامی نے ایک مرتبہ آپ سے سوال کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ مقام ذکر سے مقام مشاہدہ افضل ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ذکر کے ساتھ سوال لازمی ہے۔ اور اوس کا تعلق صفت سے ہے۔ ذکر سے ذکر لسانی بحضور قلب مراد ہے۔ ذکر میں کبھی قصور ہوتا ہے اور کبھی نہیں اور مشاہدہ میں ہر وقت حضوری ہوتی ہے۔ اس لئے مشاہدہ کو ذکر سے افضل کیا گیا ہے ؎

غبار خاطر عشاق بدعا طلبی است مجلوتے کہ منم یاد دوست بے ادبی است

آپ سے کسی نے پوچھا کہ رضا کا مقام برتر ہے یا تفویض کا آپ نے فرمایا کہ تفویض میں بندہ کا فعل اُسکا اختیاری ہے۔ وافوض امری الی اللہ مگر رضا یہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مقام تھا اسی واسطے ان کے حق میں آیا ہے۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ اس میں طوق شدائد و وصول نعمت دونوں یکساں ہیں۔ لکیلا تاسوا علی مافاتکم ولا تفرحوا بما اتاکم۔

آپ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اس مردار دنیا کے محبت دل میں نہ رکھنا چاہیے۔ اس میں سے جو کچھ ملے اسے خدائے عزوجل کے راہ میں خرچ کر دے ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ مرد کی نہایت کمال یہ ہے کہ نہایت سے بدایت کے طرف بازگشت کرے یعنی جیسے لوگ بدایت میں مرفوع القلم ہوتے ہیں۔ نہایت میں بھی

مرفوع القلم ہوتے ہیں النہایۃ ھوالرجوع الی البدایۃ آپ نے فرمایا کہ ہر امر میں پیغمبر خدا صلعم کے متابعت کرنی چاہیئے۔ یعنی جو کچھ خدا اور رسول نے کہا ہے وہ کرنا چاہیئے۔ اور جس سے منع کیا ہے اوس سے بچنا چاہیئے۔ ایک مرتبہ آپ پر کیفیت طاری تھی اور طبیعت مضمحل تھی اسی عالم درد میں آپ نے فرمایا کہ عین القضاۃ ہمدانی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے ؎

برخاستہ زجان و تن می باید | سر آمد و خویشتن می باید ؎
در ہر قدمے ہزار بند افزون است | زین گرم روی بند شکن می باید

پھر فرمایا کہ ایک بند شرعی ہے۔ دوسرا بند نفسانی۔ بند شرعی زن و فرزند ہیں اور بند نفسانی شہوات و لذات۔ جس دل میں محبت الٰہی نے جگہ کی اس کی نظر میں زن و فرزند کس کی ماں بہن کیسی ؎

یارب تو مرا بروے لیلے | ہر لحظہ بدہ زیادے میلے

جس کو جذبہ الٰہی آلیتا ہے۔ اوس کے اوصاف ذمیمہ دور ہو جاتے ہیں اور شخص مخلص ہو جاتا ہے اور جو کام وہ کرتا ہے قوت جذبہ سے کرتا ہے اس میں شیطان نفس کا دخل نہیں ہوتا۔ قال فبعزتک لاغوینھم اجمعین الا عبادک منھم المخلصین۔

ایک دن قاضی آدم نے آپ سے سوال کیا کہ حجابات کیا ہیں۔ حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ پہلے خلق کا معاملہ سن لو اس سے خود بخود حجابوں کا حال معلوم ہو جائیگا یعنی خلق اللہ تین قسم کے ہیں) عوام۔ خاص۔ و اخص الخاص۔ عوام کے حجاب معاصی ہیں خواص کے حجاب امور مباحیہ۔ اور اخص الخاص کے حجاب حسنات ہیں۔ حسنات الابرار سیئات المقربین۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ نفس و شیطان جسے بہکا کر راہ حق سے پھیر دیتے ہیں تو یہ بربادی سلوک اور وسط راہ میں ہوتی ہے مگر جس نے سلوک تمام کر لیا اور راہ طے کر کے منزل مقصود کو پہونچ گیا نفس و شیطان اسکی راہ نہیں مار سکتے پھر فرمایا کہ صوفی کو چاہیئے کہ اپنے

ستیں سخت مجاہدوں میں رکھے اور قلت طعام قلت منام اور قلت صحبت انام ان کا پابند ہونا بہت ضروری ہے ؎

راہ زنانند رہ دل زنند　　　راہ بہ نزدیکی منزل زنند
ترسم ازیشاں کہ شب خون کنند　　　خوار ازیں دائرہ بیرون کنند

آپ نے فرمایا کہ انسان جس کام میں ہو اسی کو کیا کرے اور چھوڑے نہیں حکومت و شغل دنیا بھی کرے۔ مگر زبان کسی دم ذکر الہٰی سے خالی نہ ہو۔ کھڑے۔ بیٹھے لیٹے۔ ہر حال میں یاد الہٰی میں رہے۔ تب امید ہے کہ انسان کے دل سے غم و فکر دنیا سب دور ہو جائیگا۔ جو ذکر الہٰی کرتا ہے خدائے عزوجل اوس کا جلیس ہوتا ہے آپ نے فرمایا کہ لوگوں نے قرآن و حدیث کو چھوڑ دیا ہے ان پر عمل نہیں کرتے۔ لہذا خراب و پریشان ہیں۔ اگر دنیا ہی مطلوب ہے تو پارسائی اختیار کرنی چاہئے اس لئے کہ تقویٰ کے ساتھ رزق کو متعلق کیا گیا ہے۔ من یتق اللہ یجعل لہ مخرجا و یرزقہ من حیث لا یحتسب ؎

نظامی تا توانی پارسا باش　　　کہ لوز پارسائی شمع دلہاست

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ آدمی جو کام کرتا ہے اس کے لئے سرمایہ ضروری ہوتا ہے چنانچہ فقیری کا سرمایہ وہ مجاہدہ ہے جو صدق دل سے اللہ جل شانہ کے واسطے کیا جائے۔ جب مجاہدہ باخلاص ہوگا۔ تب ثمر و ائد ہوگا۔ اور اللہ جل شانہ آدمی کو منزل مقصود تک پہونچا دیگا۔ پھر فرمایا کہ مجاہدہ سے مراد ہے قلت طعام قلت کلام اور قلت صحبت انام۔ مگر یہ بات یکبارگی نہیں حاصل ہو سکتی۔ بتدریج میسر ہو سکتی ہے۔ جب تک آدمی مجاہدہ نہ کرےگا خدائے تعالیٰ کو نہ پائیگا۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا جاھدو شرط ہے لنھدینھم اسکی جزا ہے۔ پہلے شرط پوری ہونی چاہئے پھر جزا کی صورت آئیگی۔ پہلے مجاہدہ ہے پھر مشاہدہ۔ آپ نے فرمایا کہ لوگ مطلوب کے قدر نہیں جانتے اس لئے سخت دو شوار مجاہدے اختیار نہیں کرتے۔ اگر جانتے ہوتے تو ان پر دشوار سے دشوار مجاہدہ آسان ہو جاتا۔ لوگو اوقات کو غنیمت جانو اور اکثر راتوں

کو بیدار رہو اس لئے کہ نزول انوار راتوں کو ہوا کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر سالک کو عبادت میں ذوق وشوق حاصل ہے تو وہی اس کی غذا ہو جاتا ہے۔ اور اگر نہیں حاصل ہے تو وہی عبادت اس کی اشتہا کے باعث ہوتی ہے۔ جو اپنے آپکو معصیت سے روکتا ہے۔ اسی کو طاعت میں ذوق و لذت حاصل ہوتی ہے۔

ایکمرتبہ آپ نے فرمایا کہ جس قدر سالک کو معرفت حق جل وعلی حاصل ہوتی جاتی ہے اسی قدر تعلقات کم ہوتے جاتے ہیں آپ نے فرمایا کہ مردان خدا دو طرح کے ہوتے ہیں ایک صاحب نیاز دوسرے صاحب ناز۔ اہل نیاز جو حرکت کرینگے سب موافق شریعت ہوگی مگر اہل ناز گستاخ ہوا کرتے ہیں۔ پھر ارشاد ہوا کہ فقرا بہت ہیں۔ مگر چاہیئے کہ ان کا فقر وجہد بخوشی خاطر ہو۔ من استعف احب الدنیا من طلبنار۔

ایک مرتبہ آپ نے یہ حدیث پڑھی رایت ربی لیلۃ المعراج فی احسن صورۃ۔ پھر فرمایا کہ حق تعالی شکل وصورت سے منزہ و پاک ہے۔ یہاں اس حدیث شریف کے دو معنی ہو سکتے ہیں اول تو یہ کہ احسن صورت سے صورت نبی صلعم مراد ہے یعنی میں نے اپنے پروردگار کو دیکھا درحالیکہ میں اچھی صورت میں تھا مثلاً یہ کہتے ہیں کہ رایت اسداً راکباً یعنی کنت راکبا دوسری معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ رایت ربی یعنی سیدی جابرئیل فی احسن صورۃ یعنی حضرت جبرئیل جو میرے تربیت کنندہ اور پیغام وحی لانے والے ہیں انہیں اچھی صورت میں میں نے دیکھا۔

آپ نے فرمایا کہ عمل اگرچہ قلیل ہو مگر خالص نیت اور صدق دل سے ہو تو کافی ہے۔ اگر کوئی شخص صرف پنج وقتہ نماز پڑھے اور کچھ نہ کرے مگر صدق دل سے اور نیت خالص سے پڑھے تو بس ہے۔ خواہ مشغولی نہ ہو۔ نفل نہ ہو۔ اوراد نہ ہوں مگر حضوری قلب ضروری ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جذبہ کے دو قسمیں ہیں ایک عوام کا اور دوسرا خواص کا۔ عوام کا جذبہ یہ ہے کہ اعمال صالحہ کے توفیق حاصل ہو اور خواص کا جذبہ یہ ہے کہ قلب کے توجہ حق کی طرف ہو۔ اور ماسوی اللہ سے انقطاع حاصل ہو۔ اعمال کی قبولیت جذبہ پر ہے یعنی کوئی عمل جب تک جذبۂ الٰہی نہ آئے قبول نہیں ہوتا۔ جب جذبہ

حاصل ہوگا تو جو عمل کریگا قبول ہوگا۔ نیز جذبہ کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں ہے طفلی میں ہو یا جوانی میں اور ہیٹر عمر میں ہو یا بڑھاپے میں۔

ایک شخص نے پوچھا کہ اسکی کیا معنی ہیں۔ التصوف شرک لانہ صیانۃ القلب عن رویۃ الغیر ولا غیر یعنی تصوف شرک ہے اس لئے کہ اوس میں رویت غیر سے قلب کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے درآں حالیکہ کسی غیر کا وجود ہی سرے سے نہیں ہے۔ ہمہ اوست وہمہ ازوست۔ آپ نے فرمایا کہ تصوف مبتدی کا مرتبہ ہے اور اس عبارت میں منتہی کا حال بیان کیا گیا ہے۔ یہ بات کہ غیر موجود نہیں ہے حالت استغراق میں ہوتی ہے۔ جیسے۔ لیس فی جبتی سوی اللہ اس تشریح کے بعد آپ نے یہ حدیث پڑھی۔ حسنات الابرار سیئات المقربین۔

ایک مجلس میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ الصوفی الکائن البائن یعنی الکائن مع الخلق والبائن منھم صوفی کی تعریف یہ ہے کہ خلقت کے ساتھ بھی رہتا ہے۔ اور اوس سے جدا بھی رہتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حالت نماز و مراقبہ میں لازم ہے کہ دل بالکل حق تعالیٰ کے طرف مشغول ہو۔ اور طرفتہ العین بھی حضوری سے غائب نہ ہو۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ درویش یہ دعا نہیں کرتے کہ الٰہی میں تجھ سے جنت کا سوال کرتا ہوں۔ اور دوزخ سے پناہ مانگتا ہوں یہ لوگ خدائے عزوجل سے صرف اوسی کو طلب کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ انسان کے راہ زن خواہشات نفس و شہوات ہیں یہ دیو جب تک ہو سکتا ہے خدا تک نہیں پہونچنے دیتے اس راہ میں مجاہدہ شرط ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی گھر یا راہ میں شب و روز قرآن پڑھتا رہے اور ذکر خدا میں مشغول رہے تو اس کے لئے نوکری حجاب نہیں وہ صوفی ہے پھر حضرت سعدی علیہ الرحمہ کا یہ شعر پڑھا ؎

مراد اہل طریقت لباس ظاہر نیست کمر بخدمت سلطان ببند و صوفی باش

ایک مجلس میں آپ نے یہ آیت شریف پڑھی۔ فلنحیینه حیاۃ طیبہ

اور ارشاد فرمایا کہ اس کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہ کا بیان ہے کہ حیات طیبہ سے قناعت مراد ہے جسے قناعت ملی گویا حیات طیبہ ملی۔ اور اسلام بھی حیات حکمی ہے اور اعتاق بھی حکما حیات ہے پھر فرمایا کہ ایک حیات عوام کے ہوتی ہے اور ایک خواص کے۔ عوام کے حیات قیام نفوس سے ہے۔ اور خواص کے حیات قیام اوقات سے ہے اگر اوقات اور اور اد مشغولی کے ساتھ معمور ہیں وہ زندہ ہے اور اگر اوقات ضائع ہوئی تو گویا موت آگئی۔ اس لئے صوفیہ کرام کے نزدیک یہ ہے کہ جس کا وظیفہ فوت ہو جائے اسکا نام دفتر اموات میں لکھتے ہیں۔

ایک مرتبہ آپکی خدمت میں ایک قلندر سیاح و کامل حاضر ہوا آپ نے بیٹھنے کا حکم دیا اور یہ شعر پڑھا ؎

مرتد نہ شوی قلندری کار تو نیست　　　کافر نہ شوی عشق خریدار تو نیست

پھر اس کی شرح فرمائی کہ ارتداد ایک دین کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرنا ہے۔ یہاں مراد یہ ہے کہ جب تک انسان صفات ضمیمہ ترک کر کے صفات حمیدہ نہ اختیار کریگا قلندر نہیں ہو سکتا۔ صفات ذمیمہ کیا ہیں۔ حقد۔ حسد۔ بخل۔ طلب دنیا خواہش چرب و شیریں وحصول شہوات اور کافر کے معنی چھپانے والے کے ہیں پس دوسرے مصرع سے مراد یہ ہے کہ قلندر کو لازم ہے کہ عاشق مزاج ہو تا کہ اپنی صفات کو پوشیدہ رکھے۔ جس نے شہوات ترک کیں وہ موتوا قبل ان تموتوا۔ کا مصداق ہے۔ قلندر اپنی صورت مردہ کی سی اس لئے بناتے ہیں کہ وہ اپنی لذات وشہوات کو ترک کر چکے ہوتے۔ اور اس حکم کے مصداق بن چکے ہوتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ ترک وتجرید سے مقصود یہ ہے کہ نماز و ذکر میں حضوری پیدا ہو۔ جس کے تعلقات بہت ہوتے ہیں اسکا دل ان تعلقات میں پریشان رہتا ہے۔ ایسی پریشانی میں حضور دل کیسے ہو سکتا ہے۔

ایک مرتبہ ارشاد ہوا کہ علم سے مقصود عمل ہے۔ علم حسن لنفسہ نہیں بلکہ حسن لغیرہ ہے۔ جیسا کہ وضو ہے۔ جس طرح وضو سے مقصود نماز ہے اسی طرح علم سے مقصود عمل

ہوتا ہے اور حصول عمل صلاح دل پر موقوف ہے۔ اصلاح دل کے علامت یہ ہے کہ طاعت میں ذوق وراحت پائے یعنی اگر نماز میں ہی توجی چاہے کہ نماز ہی پڑھتا رہے اور اگر تلاوت کر رہا ہے تو جی چاہے کہ تلاوت ہی کرتا رہے۔ اصلاح دل کی بڑی کوشش کرنا چاہئے ورنہ اگر یہ فاسد ہو جائیگا تو تمام بدن فاسد ہو جائیگا نماز سے مقصود حضور قلب ہے اگر یہ بات حاصل نہیں ہے تو نماز باطل ہو گی بعضوں نے کہا ہے نہیں بلکہ بہتر جب ہی ہو گی جب کہ حضور قلب ہو۔

ایک مرتبہ ارشاد ہوا کہ اگر طلب دنیا میں خیر کی نیت ہے تو وہ فی الحقیقت طلب آخرت ہے پھر یہ حدیث شریف بیان فرمائی کہ من طلب الدنیا حلالا مباحا متکاثرا لقی اللہ وھو علیہ غضبان ومن طلب استعفافا عن المسئلۃ وصیانۃ لنفسہ جاء یوم القیامۃ ووجھہ کالقمر البدر۔

ایک جلسہ میں آپ اس آیہ کریمہ کی تفسیر فرما رہے تھے ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ آپ نے فرمایا کہ اس آیۃ میں چار چیزیں مذکور ہیں۔ مشتری۔ بائع۔ مبیع۔ ثمن۔ مشتری اللہ جلشانہ ہے بیچنے والے مومنین ہیں جو چیز فروخت ہوئی وہ مسلمانوں کے نفوس واموال ہیں اور قیمت جو ملی وہ بہشت ہے۔ پس جس چیز کو کوئی فروخت کرے پہلے چاہے کہ اس کا مالک بن لے اور نفس کا مالک وہی ہو سکتا ہے جو خدائے تعالیٰ اور رسول کا حکم بجالاتا ہو۔ بیع وشری میں یہ شرط ہے کہ جو مال فروخت کیا ہے وہ خریدار کے حوالہ کردے پس مومن کو بھی چاہئے کہ اپنی جان ومال خدائے عزوجل کے سپرد کردے اس کے بعد وہ قیمت کا مستحق ہو گا۔ جس بندہ کا دل خدا اور رسول کے حکم کی تعمیل کے لئے جم گیا اسی کے نسبت کہا جائیگا کہ اس نے اپنے اللہ سے سودا کر لیا ہے۔

ایک دفعہ آپ نے یہ حدیث شریف پڑھی کہ المصلی نیاجی ربہ۔ اور فرمایا مصلی کو چاہئے جب ہاتھ تحریمہ کیلئے اٹھائے اور اللہ اکبر کہے تو سمجھے کہ کس کی تعظیم کرتا ہوں۔ جب سبحانک اللھم کہے تو سمجھے کہ کس کی پاکی کا بیان ہے اور

الحمد للہ کس کو کہتا ہوں اور ایاک نعبد کہتے وقت جان جائے کہ کسکی عبادت کرتا ہوں ایاک نستعین میں خیال کرے کہ کس سے مدد طلب کرتا ہوں پھر جھکتے وقت سمجھے کہ کس کے روبرو جھکتا ہوں اور سجدہ کے وقت خیال کرے کہ کس کے آگے سجدہ کر رہا ہوں اور نماز میں دائیں بائیں نظر نہ کرے۔

ایک مرتبہ پیر کے تصرفات کا ذکر تھا تو خواجہ حمید قلندر نے آپ سے پوچھا کہ کیا حالتِ حیات میں بھی پیر مرید کے سامنے روحانی صورت میں ظاہر ہو سکتا ہے آپ نے فرمایا ہاں۔ مرید کو چاہئے کہ اس پر یقین رکھے کہ پیر کی دو صورتیں ہیں ایک روحانی دوسرے جسمانی۔ جہاں وہ جسمانی صورت سے نہیں جا سکتا روحانی صورت سے وہاں جا سکتا ہے۔ مرید کو چاہئے کہ اپنے پیر پر یہ عقیدہ رکھے کہ اگرچہ اور بھی بہت پیر ہیں مگر مجھے سوائے میرے پیر کے اور کوئی خدا تک نہ پہونچا ئیگا۔ ایک مرتبہ ارشاد ہوا کہ جو شخص خدائے عزوجل کا حکم بجا نہیں لائیگا۔ قیامت میں خدا اس کے مقابلہ میں مدعی ہوگا۔ اسی طرح اگر سنت رسول کو ترک کیا تو رسول مدعی ہونگے اور اور جس نے رضائے پیر کو ترک کیا تو پیر مدعی ہوگا پس لازم ہے کہ وہاں ان تینوں کو اپنا مدعی نہ بنائے۔

آپ کی ایک مرید مولانا مظہر نے آپ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا ہے جس کے چند اشعار اخبار الاخیار سے نقل کر کے درج ذیل کئے جاتے ہیں ؎

دوش آں زماں کہ از افق مغرب شتا	خورشید خواند سورۂ والنجم اذا ہوے
شمع فلک زمانہ فرو برد اندر آب	دور زمین نشانہ برآورد بر سما
فراش صنع از ید قدرت برآورد	قندیل ہائے نور بریں نیلگوں قبا
می جست نرم نرم نسیم از کنار باغ	گوئی پیام دوست ہمیں داد ورخفا
گر کیمیای دولت جاوید ت آرزوست	یا گلشن بہشت ازیں شاخ بے نما
جست خسی نگر نفسی خواجہ نو بہار	جانت سے شمر نظر شیخ کیمیا
والا نصیر ملت و دیں وہ دل کہ ہست	نعم النصیر از پس یزداں بر و سزا

حضرت شیخ برہان الدین غریب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ممتاز بہ درد لا دوائے شوق آراستہ بہ جمیع کمالات وسماع و ذوق کاشف اسرار عجیب۔ قطب وقت شیخ برہان الدین غریب قدس سرہٗ حضرت سلطان الاولیاء کے اجل خلفاء میں سے تھے اور ان ذی اخلاص مریدوں میں سے تھے جو ابتدائے زمانہ میں ارادت لائے تھے۔ سیر العارفین میں۔ ہے کہ جب حضرت سلطان المشائخ اجودھن سے اجازت وخلافت حاصل کرکے دہلی واپس آئے تو آپ کے ہمراہ شیخ برہان الدین غریبؒ اور شیخ حسام الدین ملتانی بھی آئے تھے۔ شیخ برہان الدین کو آپ سے اس قدر محبت واعتقاد تھا کہ تادم مرگ غیاث پور کے طرف پشت نہ کی۔ صاحب سیر الاولیاء لکھتے ہیں کہ ایں معنی از یاران اعلیٰ ہیچ کس را میسر نہ شد۔ آپ کی طبیعت میں عام طور پر محبت وخلوص کا مادہ تھا۔ اور اکثر پیر بھائیوں خصوصاً شیخ نصیر الدین محمودؒ۔ امیر خسرو۔ اور امیر حسنؒ علا سنجری سے بہت تعلقات الفت ویگانگت تھے۔ حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ۔ جب اپنے وطن سے دہلی آتے تو آپ ہی کے یہاں قیام فرمایا کرتے تھے۔

حضرت شیخ برہان الدین غریبؒ کو سماع سے بہت شوق تھا۔ صاحب مراۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ اورا و یاران او در رقص طرز علحدہ بود چنانکہ اصحاب ایں بزرگ را میان یاران برہانی میگفتند۔ جو کوئی آپ سے بات کرتا آپ کی کلام عشق آمیز اور حسن بیان کا عمر بھر گرویدہ رہتا۔ مولانا عبدالرحمن چشتیؒ فرماتے ہیں کہ بندگان حق را در اعتقاد و محبت سر راہ نمونے بہتر از وکسے نبود۔ سید محمد کرمانیؒ نے آپ کی شان میں کہا ہے۔؎

حبیب اللہ فی الدنیا غریب ۔۔۔ غریب است ایں محب حق بدنیا

آپ کی عمر جب اسی برس کی ہوئی تو ضعف پیری ومجاہدہ سے بہت کم زور ہوگئے آپ کا جثہ پہلے ہی سے بہت کم زور ونحیف تھا اس سبب سے اپنی گلیم دوہری

ٹہر کے اپنے مقام پر بیٹھا کرتے تھے۔ سلطان علاء الدین خلجی کے عزیزوں میں سے علی زنبیلی اور ملک نصرت نے جو شیخ علاء الدین کے مرید تھے شیخ نظام الدین اولیا سے یہ بیان کیا کہ مولانا برہان الدین نے سجادہ نشینی پر بیٹھنا شروع کیا ہے اور مشائخ کے طریقہ پر کاروبار آغاز کیا ہے۔ حضرت سلطان جی یہ سنکر بہت رنجیدہ ہوئے اور جب مولانا برہان الدین حاضر ہوئے تو کلام نہیں فرمایا۔ جب وہ اُٹھ کر چلے گئے تو اپنے خادم اقبال کو حکم دیا کہ ان سے کہدو کہ اسی وقت ہمارے یہاں سے چلے جائیں شیخ برہان الدین پریشان و سراسیمہ اپنے مکان گئے اور سخت غم زدہ اور مغموم رہنے لگے۔ آخر حضرت امیر خسرو کو شفیع بنایا۔ حضرت امیر خسرو نے یہ کیا کہ اپنی دستار گردن میں ڈالکر حضرت شیخ نظام الدین قدس سرہ کے سامنے کھڑے ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ ترک یہ کیا حال ہے۔ انہوں نے کہا حضرت سے عفو جرم مولانا برہان الدین کے لئے التماس کرنے آیا ہوں آپ نے تبسم فرمایا اور پوچھا وہ کہاں ہیں بلالاؤ امیر خسرو اپنی اور ان کی گردن میں دستار ڈالکر حاضر ہوئے۔ اور زمین بوسی کی حضرت شیخ نے مولانا کے خطا معاف فرمائے۔ اور تجدید بیعت سے مشرف فرمایا۔ اسی اثنا میں بعض مریدان خاص کو خلافت و اجازت عطا ہوئی تھی میر سید حسین اور میر سید خاموش جو حضرت سلطان جیؒ کے بہت محبوب مرید تھے اور خواجہ مبشر خدمت گار قدیم جنہیں حضرت نے بچوں کی طرح پالا تھا ان سب نے ملکر خواجہ اقبال سے کہا کہ مولانا برہان الدین بہت پرانے مرید ہیں اور خلوص و محبت میں اکثروں سے ممتاز ہیں انہیں بھی خلافت و اجازت ملنی چاہئے چنانچہ خواجہ اقبال مولانا کو حضرت کے سامنے لیگئے سید حسین و سید خاموش بھی ہمراہ تھے۔ حضرت سلطانجیؒ اس وقت جماعت خانہ کے اوپر اپنی حجرہ میں چار پائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ اور اس طرح لحاف اوڑھے تھے کہ روئے مبارک کھلا ہوا تھا۔ خواجہ اقبال نے قدمبوس ہوکر عرض کی کہ مولانا برہان الدین غریب بندہ قدیم و امیدوار رحمت ہیں حضرت نے چشم مبارک وا کرکے مولانا کو دیکھا۔ پھر خواجہ

اقبال کے طرف نظر کی۔ مولانا زمین بوس ہوئے۔ پھر خواجہ اقبال نے حضرت کے سواجہہ میں بقچہ خاص کھولکر آپ کے پہنی ہوئی ٹوپی اور کپڑے نکالے اور حضرت سلطان المشائخ کے پاس لیجاکر آپ کا ہاتھ اوس پر رکھا اور آپ کے سامنے ہی مولانا برہان الدین کو پہنا کر کہا کہ تمہیں بھی حضرت نے خلیفہ کیا حضرت شیخ خاموش ملاحظہ فرماتے رہے۔ آپ کے سکوت کو سب نے دلیل رضا سمجھا۔

حضرت سلطانجیؒ قدس سرہٗ کے زمانہ ہی میں محمد تغلق نے دکن میں دیوگری کو آباد کر کے دولت آباد نام رکھا تھا اور تمام علماء و شیخ اور باشندگان دہلی کو یہاں بسانے کے لئے روانہ کیا تھا۔ چنانچہ حضرت سلطانجی قدس سرہٗ کے اشارہ سے مولانا برہان الدین غریبؒ معہ امیر حسن علاء سجزیؒ اور دیگر پیر بھائیوں کے دولت آباد تشریف لائیے ان کے ایک بڑے بھائی قاضی منتجب الدین حضرت گنج شکرؒ کے مریدان کامل میں سے تھے۔ وہ یہیں دیوگیر میں تھے۔ اور اس وقت رحلت فرما چکے تھے۔ ان کی جگہ حضرت سلطانجیؒ نے آپ کو بھیجا تھا۔ تاکہ اس جوار کے لوگوں کے ہدایت کے باعث ہوں۔ صاحب اخبار الاخیار فرماتے ہیں کہ مولانا برہان الدین غریب بعد از نقل شیخ چند سال درحیات بود دست بعیت بخلق خدا می داد۔ صاحب سفینتہ الاولیاء لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ ایشاں را بہ طرف برہان پور و دولت آباد بجہت رواج اسلام و ارشاد ساکنان آں حدود فرستادند۔ شیخ حسن دہلوی را با بعضی از مریدان خود با ایشاں ہمراہ کردند و از برکت قدوم ایشاں اکثرے ازاں جماعت بشرف اسلام مشرف شدہ معتقد و مرید گشتند۔

آپ کی وفات دولت آباد (دیوگیر) میں ہوئی۔ آپ کا مزار مبارک جس مقام پر ہے وہ خلد آباد کے نام سے مشہور ہے اور دولت آباد اب ایک ویران سا قصبہ رہگیا ہے۔ یہ مقام اب نظام حیدر آباد خلد اللہ ملکہ کے زیر نگیں ہے اور اورنگ آباد کے ضلع میں واقع ہے۔

مراۃ الاسرار میں آپ کی تاریخ وفات صفر ۷۳۲ھ سات سو بتیس ہجری

درج ہے لیکن خزینۃ الاصفیاء میں بحوالہ شجریہ چشتیہ سنہ سات سو اکتالیس ہجری
درج ہے۔ بظاہر صاحب مراۃ الاسرار کی تاریخ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اسلئے کہ
حضرت سلطان جیؒ کے بعد مولانا برہان الدین غریب بہت زیادہ مدت
زندہ نہیں رہے۔ شہر برہان پور آپ ہی کے نام مبارک پر آباد کیا گیا ہے۔
خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ "بہ صلاح الدین درویش و شیخ رمضان خلفائے آنجناب
آباد ان شدہ بود"۔ شیخ حمید شاعر قلندرؒ نے جو حضرت سلطان جیؒ کے مرید تھے
مولانا برہان الدین غریبؒ کے ملفوظات قلمبند کی تھی۔ مگر اب وہ دستیاب نہیں
ہوتی۔ قلندر موصوف نے خواجہ نصیر الدین چراغؒ دہلوی کے ملفوظات خیر المجالس
کے شروع میں ان ملفوظ کا ذکر کیا ہے۔

شیخ قطب الدین منور رحمۃ اللہ علیہ

معدن صدق و صفا۔ کان عشق و وفا۔ حاجت روائی بے بال و پر قطب ولایت
شیخ قطب الدین منور قدس سرہٗ العزیز حضرت سلطان الاولیاء قدس سرہٗ کے اکابر
خلفا میں سے تھے اور حضرت برہان الدین ابن شیخ جمال الدینؒ ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ
کے صاحبزادے تھے۔ صاحب مراۃ الاسرار فرماتے ہیں کہ در علم و عقل و عشق و سماع
نظیرے نداشت۔ ابتدا سے انتہائے سلوک تک حضرت سلطان المشائخ کے نظر
کے سامنے تربیت حاصل کی۔ صاحب اخبار الاخیار کہتے ہیں کہ جامع کمالات و مظہر
کرامات بود۔ از شیوہ تکلیف عاری بود۔ سر غوغائی خلق نداشت۔ در مدت عمر خود
از حجرہ باختیار خود بدر نیامد۔ و بدر خانہ امرانہ رفت۔ و بتوکل و قناعت گذرانید۔ ایک
مرتبہ سلطان محمدؒ تغلق نے قاضی کمال الدین صدر جہاں کو آپ کی خدمت میں
چند موضعوں کا فرمان دیکر بھیجا کہ شیخ کے حوالہ یہ گاؤں کر دیں مگر آپ نے انکار
فرمایا کہ ہمارے پیروں نے یہ کام نہیں کیا ہے ہم بھی نہیں کر سکتے۔ ایک بار
سلطان محمدؒ تغلق ہانسی کے طرف سے گذرا اور وہاں سے چودہ میل کے فاصلہ پر

پڑاؤ کیا۔ سب لوگ اس سے آکر ملے مگر شیخ قطب الدین نہ گئے۔ مخلص الملک ایک
بدطینت امیر تھا اس نے بادشاہ کی توجہ ادھر کرائی بادشاہ نے اپنے امرا میں
سے ایک شخص کو جسے حسن سربرہنہ کہتے تھے۔ بھیجا کہ شیخ قطب الدین منور کو لے آئے
حسن سربرہنہ حاضر ہوا۔ آپ نے پوچھا کہ اس طلب میں مجھے بھی کچھ اختیار دیا گیا ہے
یا نہیں۔ اس نے کہا جی نہیں مجھے حکم ہوا ہے کہ آپ کو لاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ
خدا کا شکر ہے کہ میں اپنی اختیار سے نہیں جا رہا ہوں۔ یہ ارشاد فرما کر اہل خانہ کے
طرف دیکھکر فرمایا کہ تمہیں خدا کے سپرد کیا اور جانماز کندھے پر ڈالکر عصا ہاتھ میں
لیا اور پیدل چل کھڑے ہوئے۔ حسن سربرہنہ نے کہا سواری حاضر ہے مگر آپ نے
انکار کیا۔ راہ میں جب آپ اپنے آبا و اجداد کے مزاروں کے طرف سے گذرے
تو اجازت لیکر زیارت کو گئے اور کہا کہ میں اپنی اختیار سے نہیں جا رہا ہوں زبردستی
لیجا رہے ہیں اور گھر میں چند خدا کے بندوں کو بے خرچ چھوڑے جا رہا ہوں
اتنے میں ایک شخص نے آکر کچھ روپیہ نذر گذرانے۔ آپ نے کہا یہ گھر میں دیدو
جب سلطان کے سامنے پیش کئے گئے تو وہ کمان ہاتھ میں لئے گز ڈال رہا تھا
شیخ کو دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا۔ بہت تعظیم کی۔ مصافحہ کیا اور معتقدانہ طریقہ پر کہنے
لگا کہ ہم آپ کی ملک میں آئے مگر آپ نے تشریف لاکر کچھ نصیحت نہ فرمائی
اور اپنی ملاقات سے مشرف نہیں کیا۔ آپ نے کہا اول ہانسی کو دیکھو۔ پھر
درویش بچہ ہانسی کو۔ یہ فقیر اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ بادشاہوں کی ملاقات
کرے۔ ایک گوشہ میں پڑا ہوا بادشاہ اور مسلمانوں کی دعاگوئی میں مشغول ہے۔
اسے معذور رکھا جائے۔ سلطان محمد تغلق نے اس تقریر سے خوش ہو کر فیروز تغلق
سے جو نائب باربک تھا کہا کہ جو حضرت کی حاجت ہو پوری کرو۔ آپ نے کہا
کہ میرا مقصود فقر ہے۔ اور اپنے باپ دادا کے گھر میں پڑا رہنا سلطان نے
حکم دیا کہ ایک لاکھ تنکہ آپ کو دیں۔ شیخ نے کہا نعوذ باللہ ایک لاکھ تنکہ میں
کیا کروں گا۔ بادشاہ سے عرض کیا گیا اس نے کہا اچھا پچاس ہزار دو۔ آپ نے

یہ بھی نہ قبول کیا۔ رفتہ رفتہ دو ہزار تنکہ کے نوبت آئی۔ آپ یہ بھی نہیں قبول کر رہے تھے لیکن امرا نے کہا اب ہم سلطان سے ذکر نہیں کر سکتے۔ آخر آپ نے یہ روپئے لے لئے۔ اس میں سے کچھ فقیروں کو تقسیم کر دے اور کچھ اپنے پیروں کے مقامات پر صرف کئے پھر اس کے چند روز بعد آپ نے ہانسی کی طرف مراجعت فرمائے۔

آپ کو اور حضرت نصیر الدینؒ چراغ دہلوی کو حضرت سلطان جیؒ نے ایک ہی دن خلافت عطا فرمائی تھی۔ اور ارشاد فرمایا تھا کہ تم دونوں بھائی ایک دوسرے سے بغلگیر ہو کر مبارک باد دو۔ حضرت سلطان المشائخ سے آپ کو اس قدر محبت تھی کہ جب نام مبارک آتا تو بے اختیار رو دیتے تھے صاحب مراۃ الاسرار فرماتے ہیں "تا آنکہ مرید را بخدمت پیر خود چنیں عشق و محبت نہ باشد فیض از کجا رسد"

آپ نے سلطان غیاث الدین تغلق کے زمانہ میں غالباً ۷۶۰ھ میں وفات فرمائی اور ہانسی میں اپنے جد بزرگوار کے گنبد میں دفن ہوئے۔

شیخ سراج الدین عثمان قدس سرہٗ العزیز

آئینہ جمال الٰہی۔ کاشف اسرار نامتناہی محبوب حضرت سبحان قطب ولایت شیخ سراج الدین عثمان قدس سرہٗ العزیز حضرت سلطان جی قدس سرہٗ کے بڑے خلفا میں سے تھے اور عام طور پر اخی سراج کے نام سے مشہور تھے۔ ایک دفعہ حضرت سلطان الاولیاء نے فرمایا تھا کہ یہ ہندوستان کے آئینہ ہیں۔ چنانچہ اللہ جلشانہٗ نے آپ کو ایسا ہی بنایا۔ صاحب مراۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ از جمیع کمالات صوری و معنوی آراستہ بود و در عشق و محبت و ذوق و سماع نظیری نداشت و نہایت ترک و تجرید و آزادی وجود قرار دادہ بود۔ بذل و اخلاق نہایت پسندیدہ داشت و در تربیت مریدان میان یاران اعلیٰ امتیاز بود۔ اخبار الاخیار میں ہے کہ ابھی آپ کا عنفوان شباب تھا

اور داڑھی مونچھیں بھی نہیں نکلی تھیں کہ حضرت شیخ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور خدمت گاروں کے زمرہ میں رہکر تربیت حاصل کیا کرتے اور چند سال بعد اپنے والد و والدہ کی ملاقات کے لئے لکھنوتی جایا کرتے اور پھر حاضر خدمت ہو جایا کرتے تھے۔ لطائف اشرفی میں بجائے لکھنوتی کے لکھنو لکھا ہے۔ یہی قرین قیاس معلوم ہوتا ہے چنانچہ اسی نظر سے آپ کو اودھی بھی لکھا ہے۔ صاحب مراۃ الاسرار فرماتے ہیں کہ تمام ہندوستان میں آجتک انہیں دو بزرگوں یعنی شیخ نصیر الدین محمودؒ اور شیخ اخی سراجؒ کے سلسلے جاری ہیں اور قیامت تک انشاء اللہ تعالیٰ جاری رہینگے۔ صاحب اخبار الاخیار کے نزدیک آپ کا اصلی وطن لکھنوتی تھا۔ اس کی تحقیق میں وہ لکھتے ہیں کہ لکھنوتی کہ آلان بہ گور مشہور است۔ مراۃ الاسرار میں ہے کہ ظاہرا اجداد اول در اودھ سکونت داشتہ باشند بعد ازاں پدرش در لکھنوتی متوطن شدہ باشد۔ اودہ سے شاید اجودھیا (فیض آباد) مراد ہے اس زمانہ میں اودہ کا اطلاق آجکل کے صوبہ اودہ پر نہ تھا جسکا صدر مقام لکھنو ہے۔ اسی اودہ کی رعایت سے لطائف اشرفی میں آپ کو اودہی لکھا ہے روضۃ الاصفیا نے آپ کے نام کے ساتھ بدایونی کا لفظ بھی لکھا ہے۔ لطائف اشرفی میں ہے کہ اول کسے کہ از دیار اودھ و ولایت ہندوستان بشرف ارادۃ و خلافت مشرف شدہ بودہ مگر صحیح یہی ہے کہ آپکا وطن لکھنوتی تھا جو بنگالہ میں واقع تھا۔

حضرت سلطان الاولیاء قدس سرہ العزیز کی نظر عنایت آپکی طرف بہت تھی اور آپ کو خلافت دینا چاہئے تھی مگر آپ علم متداولہ میں دستگاہ نہیں رکھتے تھے چونکہ علم باطنی کے لئے علم ظاہری بہت ضروری شئے ہے اس لئے حضرت سلطان جیؒ نے فرمایا اول درجہ ایں کار علم است۔ مولانا فخر الدین زرادی جو خود حضرت سلطان جیؒ کے مریدوں اور خلفا میں سے تھے اور حضرت اخیؒ سراج سے بہت محبت رکھتے تھے فرمانے لگے۔ کہ میں چھ ماہ کی مدت میں انہیں پڑھا دونگا پس آپ نے مولانا فخر الدین سے پڑھنا شروع کیا۔ اخبار الاخیار میں

ہے کہ مولانا فخرالدین زرادیؒ برائے او تصریفی تصنیف کرد و را عثمانی نام نہاد۔ اسکے بعد غیاث پور ہی میں آپ نے مولانا رکن الدین سے کافیہ مفصل و قدوری اور مجمع البحرین پڑہی۔ سید محمد کرمانی مؤلف سیر الاولیا فرماتے ہیں کہ شیخ سراج الدین درکبر سن تعلیم برابر من میزان و تصریف و قواعد و مقدمات آن تحقیق نمود۔ حضرت سلطانجیؒ نے ان کے خلافت نامہ پر خود اپنا نشان مبارک رشاید دستخط یا مہر) ثبت فرمایا تہا آپ نے خلافت نامہ حضرت نصیر الدین اودہیؒ کے واپس اودہ بھیجدیا اور خود حضرت سلطانجیؒ کے خدمت میں رہے اور سلسلہ تعلیم جاری رکھا حتی کہ حضرت شیخؒ کے وصال کے بعد اسی تعلق سے تین سال تک اور غیاث پور میں رہے۔ اس کے بعد حضرت سلطانجیؒ کے کتب خانہ سے جو وقف تہا چند کتابیں لیکر اور تبرکات جامہ ہائے مبارک اپنے ساتھ لیکر وطن کے طرف مراجعت فرمائی۔ اخبار الاخیار میں ہے کہ خود حضرت سلطانجیؒ کی زندگی میں آپ کو لکہنوتی جانیکی اجازت مل گئی تہی۔ چنانچہ مذکور ہے کہ جب آپ کو لکہنوتی (واقع بنگالہ) جانیکا حکم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ وہاں ایک بہت بڑے متبحر عالم شیخ علاء الدین ہیں مجہ سے اور ان سے نہ معلوم کیسی نبہیگی۔ حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ غم مخور را خادم تو خواہد بود۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ شیخ علاء الدینؒ آپکے مرید ہوئے اور یہ سلسلۂ مبارک بنگالہ میں اس طرح رائج ہوا۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ جب آپ کے انتقال کا وقت آیا تو آپ نے وہیں اپنے وطن لکہنوتی (گور) میں اپنی قبر کے لئے ایک جگہ پسند فرمائی اور اپنے پیر مرشد کے تبرکات جامہ ہائے مبارک ایک جگہ دفن کئے اور وصیت کی کہ ان کی پائین مجھے دفن کرنا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ شیخ کا مزار مبارک ابتک مرجع خاص و عام ہے روضۃ الاصفیاء میں آپ کی وفات کی تاریخ ۷۵۸ھ سات سو اٹھاون درج ہے واللہ عالم بالصواب ۔

چوں سراج الدین شد از دنیائے دوں	سال وصل آں شہ والا مکاں
عارف امجد سراج الدین بگیر	سالک محرم سراج الدین بخواں

شیخ احمد بن یحییٰ منیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سید المتکلمین سلطان المحققین برہان العاشقین شیخ الاسلام والمسلمین مخدوم جہاں مخدوم الملک شرف الحق والدین احمد بن یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کاملین روزگار و مقتدائے وقت اولیاء اللہ میں سے تھے۔ آپ منیر کے رہنے والے تھے جو قصبۂ بہار کے پاس اب ایک موضع کی حیثیت رکھتا ہے۔

جہاں آج عظیم آباد واقع ہے اس کے جانب جنوب کسی قدر مشرق کی طرف ستره اٹھارہ کوس پر قصبۂ بہار آباد ہے جسے سنسکرت میں "دیہار" یعنی دار العلوم کہتے تھے۔ یہ مقام نیپا تما گوتم بدھ کے روحانی سلطنت کا جلوہ گاہ اور اس کے مذہب کے پیرو راجہ چکرورتی۔ اشوک کا پائتخت رہا ہے۔ یہیں سے فتون قاہرہ شہنشاہی نے کوچ کر کے تمام ہندوستان کو مسخر بنایا۔ اور بدھ مذہب کو پھیلایا تھا۔ یہ شہر اس زمانہ میں واقعی علوم ظاہری و باطنی دونوں کا دار العلوم تھا۔

اسی پاک و مقدس قصبہ سے تیس کوس کے فاصلہ پر جانب شمال قصبۂ منیر آباد ہے جسے حضرت مخدوم الملک کے ولادت گاہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہ مقام بھی ایک زمانہ میں ہندوؤں کا دار السلطنت رہا ہے اور کہا جاتا ہے کہ ایرانی بادشاہ منوچہر کے ہمعصر فیروز رائے ایک ہندی راجہ نے آباد کیا تھا۔ اسی قصبۂ منیر میں ساتویں صدی ہجری میں جبکہ خاندان التمش کا دوسرا بادشاہ سلطان ناصر الدین محمود دہلی کا بادشاہ تھا شیوخ کے خاندان میں شیخ یحییٰ کے گھر شعبان سنہ ۶۶۱ ہجری میں آخری جمعہ کے روز حضرت مخدوم الملک پیدا ہوئے۔ آپ کا نام باپ نے احمد رکھا باپ کی طرف سے آپکا سلسلۂ نسب حضرت عبد المطلب تک جا کر خاندان نبوت سے ملتا ہے۔ آپ کی والدۂ ماجدہ بی بی رضیہ سیدانی تھیں اور سلسلہ کے لحاظ سے حضرت امام جعفر صادقؓ سے چودھویں پشت میں تھیں ان کے تقدس کی یہ حالت تھی کہ مخدوم شاہ شعیب فرماتے ہیں کہ شیخ شرف الدین کی ماں نے بچپن میں کسی

وقت بغیر وضو کے انہیں دودھ نہیں پلایا۔"

آپ کا خاندان دراصل بیت المقدس سے آکر ہندوستان میں آباد ہوا تھا اور مولانا محمد تاج اس خاندان کے پہلے رکن تھے۔

حضرت مخدوم الملک چار بھائی تھے شیخ جلیل الدین محمد شیخ شرف الدین احمد شیخ خلیل الدین اور شیخ حبیب الدین حضرت مخدوم الملک جب سن رشد کو پہنچے تو حسب معمول آپ کی تعلیم شروع ہوئی۔ چنانچہ معدن المعانی میں خود ارشاد فرماتے ہیں کہ در ایام خوردگی چندیں کتابہا مارا یاد کنانیدند۔ چنانکہ مصادر و مفتاح اللغات و جزو آں در کتابہا...... وہر بار تمام می شنیدند۔ یالیست بجائے آں قرآن یاد می کنانیدند"

بعدہٗ مخدوم الملک نے اپنے والد ماجد سے اجازت طلب کر کے شیخ شرف الدین ابو توامہ (مصنف نام حق) کی خدمت میں تحصیل علوم ظاہری کی طرف توجہ فرمائی۔ اور سنار گاؤں ان کے ہمراہ تشریف لیگئے جسے اب صوبۂ ڈھاکہ میں پنام کہتے ہیں یہاں تفسیر۔ فقہ۔ حدیث۔ اصول۔ کلام۔ منطق۔ فلسفہ و ریاضی اور دیگر علوم متعارفہ میں کامل دستگاہ حاصل کی۔ لیکن جو آگ جذبہ الٰہی کی اندر ہی اندر سلگ رہی تھی وہ اپنا کام کرتی رہی صاحب مناقب الاصفیا لکھتے ہیں کہ

"در تحصیل علم دیں باقصی الغایۃ کوشید۔ شب و روز در علم مشغول می بود و دراں مشغولی ریاضت و مجاہدہ داشت روزہ ہائے طے داشتے۔"

یہ طالب علمی کے زمانہ کی حالت تھی۔ اس کے بعد اہل تصوف کے علوم کی طرف متوجہ ہوئے۔ چنانچہ ایک مکتوب میں خود فرماتے ہیں کہ

احکام مذاہب ایں طائفہ (صوفیہ) در کتب و تصانیف ایشاں سالہا باز مطالعہ کردہ شدہ است۔"

والد ماجد کے انتقال کی خبر سنکر جو بتاریخ یازدہم شعبان ۶۹۰ھ واقع ہوئی۔ آپ سنار گاؤں سے منیر واپس ہوئے۔ سونار گاؤں میں آپ کے استاد نے اپنی صاحبزادی سے آپ کی شادی کردی تھی۔ ان سے ذکی الدین آپ کے ایک صاحبزادے

تھے۔ انہیں بھی والدہ ماجدہ کے پاس لے آئے۔ چند ہی روز یہاں قیام فرمایا تھا۔ کہ آتش طلب الٰہی نے بیقرار کر دیا۔ اور صاحبزادہ کو والدہ کے سپرد کر کے بمصداق آیۂ کریمہ یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ وجاھدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون۔ تلاش پیر میں روانہ ہوئے اور اسی دھن میں رفتہ رفتہ دہلی پہنچے۔ حضرت سلطان الاولیاء کا زمانہ تھا۔ آپ کی مجالس میں حاضر بھی ہوئے تھے۔ لیکن حضرت سلطان جی[1] نے بیعت نہیں لی اور فرمایا کہ۔ حوالہ شما بخانوادۂ فردوسیانست" یہاں سے آپ پانی پت تشریف لائے اور حضرت شرف الدین پانی پتی سے ملے لیکن انہیں مغلوب الحال دیکھکر اپنے بھائی شیخ جلال الدین کے ہمراہ دہلی واپس آئے۔ اور ۶۹۱ھ میں فردوسیہ طریقے کے صاحب سجادہ حضرت نجیب الدین فردوسیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوئے۔ شیخ نے ایک اجازت نامہ لکھکر رخصت کیا اور بہت کچھ وصیت کی اور فرمایا اگر راہ میں کچھ سنا تو لوٹنے کا قصد مت کرنا مخدوم الملک خود فرماتے ہیں کہ "من چوں بخواجہ نجیب الدین فردوسی پیوستم حزنے در دل من نہادہ شد کہ ہر روز آں حزن زیادہ می شود"

غرضکہ محزون ومخمور واپس ہوئے۔ ابھی آپ راستہ میں تھے کہ شیخ کے وصال کی خبر سنی مگر وصیت یاد کر کے واپسی کا قصد نہیں فرمایا۔ مگر جیوں جیوں سفر کٹتا جاتا تھا طبیعت بے اختیار ہوتی جاتی تھی حتیٰ کہ بہیا پہونچ کر جنگل میں مور کی ایک آواز سنی۔ اور دل بے قابو ہو گیا۔ گریباں چاک کر کے جنگل کی طرف نکل گئے۔ ہمراہیوں نے بہت تلاش کیا

---

[1] اخبار الاخیار میں ہے کہ شیخ شرف بشوق بندگی شیخ نظام الدین اولیا بدہلی آمد قضا را پیش از آنکہ بدہلی برسد شیخ نظام الدین بباض رضوان خرامیدہ بود" شیخ ابو الفضل اکبر نامہ میں لکھتے ہیں "بآرزوئے دیدن شیخ نظام الدین اولیا باجمعین برادر خود شیخ جلیل الدین محمد بدہلی آمد شیخ درگذشتہ بود۔ لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا اس لئے کہ حضرت شیخ نجیب الدین فردوسی کا انتقال سلطان غیاث الدین تغلق کے زمانہ میں ہوا ہے۔ اور سلطان جیؒ اس کے بہت دنوں بعد تک بقید حیات رہے ہیں ۱۲

مگر نہ پایا۔ آخر الامر دل شکستہ و دلگیر سب نے گھر کی راہ لی۔

صاحب مناقب الاصفیا جو مخدوم صاحب کے چچازاد بھائی اور سلسلہ بیعت کی رو سے پیر بھائی بھی تھے لکھتے ہیں کہ۔

بارہ برس تک آپ بہیا کے جنگل میں رہے اس کے بعد راجگیر اور دیگر اور جنگلوں میں رہے۔

راجگیر کے جنگل میں ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ کو دیکھا کہ ایک درخت کی ٹہنی پکڑے منہ کھولے محو حیرت کھڑے ہیں"۔

اس جنگل میں ایک گرم چشمہ ہے جسے مخدوم کنڈ کہتے ہیں اس کے متصل ایک حجرہ ہے جس میں بن باس رہنے کے آخر زمانہ میں مخدوم صاحب مشغول رہتے تھے اور کبھی کبھی لوگوں سے مل لیا کرتے تھے اس زمانہ کا کچھ حال مولانا مظفرؒ نے جو آپ کے خاص مرید تھے آپ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ایک دن مجھے بھوک نے تکلیف دی۔ اور اضطرار کی حالت میں کسی مباح چیز کی تلاش میں چلا۔ دامن کوہ میں ایک شخص کو کھانا کھاتے دیکھا۔ میں نے اس کے قریب جاکر کہا کہ التوفیق شئی عزیز۔ وہ اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلانے لگا۔ اس کے نوکر نے جو کھڑا مورچھل جھل رہا تھا میری مبتذل حالت دیکھ کر اپنے آقا کو ملامت کی کہ کس اگھوری کے ساتھ آپ کھانا کھاتے ہیں۔ اس کا یہ کلام سنکر مجھے بہت لطف آیا۔ کوہ راجگیر کے دامن میں گرم چشمہ کے متصل مخدوم کا حجرہ ہے اس مقام پر

ا۔ راجگیر کے حال میں جنرل کننگھم لکھتے ہیں کہ سیاح ہونگ سانگ نے جس کیپوٹیکا پہاڑی کا ذکر کیا ہے وہ بھی راجگیر ہے۔ گرم جھرے یہاں بہت ہیں یہاں ریچھ۔ چیتے اور بھیڑیے اکثر پائے جاتے ہیں۔ شیر بھی کبھی کبھی دکھائی دیتا ہے۔ اور لومڑیاں بھی پائی جاتی ہیں ڈاکٹر ہملٹن کہتے ہیں یہ راجگیر وہی مقام ہے جو گوتم بودھ کا مسکن اور قدیم مگدہ کا پائے تخت تھا۔ یہ مقام ہندو جوگیوں کا عبادت گاہ تھا اور اب بھی یہاں پر بکثرت ہندو مسلمان مشغول بحق نظر آتے ہیں۔ ۱۲

پتھر کچھ اس طرح آگئے ہیں کہ ایک حجرہ کے شکل بنگئی ہے۔ روشنی اندر کافی آتی ہے اندرون حجرہ اسی قدر جگہ ہے کہ ایک آدمی کھڑا ہو کر نماز ادا کرسکتا ہے قریب ہی ایک جگہ ایسی ہے جو مسجد کی طرح ہے اور تین تین چار چار آدمیوں کی اندازاً تین صفیں کھڑی ہو سکتی ہیں یہی حجرہ اور مسجد وہ مقام ہیں جہاں مخدوم صاحبؒ مشغول بحق رہا کرتے تھے گرم چشمہ کو مخدوم کنڈ کہتے ہیں اس کی علاوہ ایک اور جگہ ہی جسے مخدوم چلہ کہتے ہیں۔ ان مقامات میں اہل دل کے لئے ابتک برکات وروحانیت کے اثرات ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور لوگ یہاں زیارت کے لئے آیا کرتے ہیں۔

حضرت مخدوم الملک کو گو خاندان فردوسیہ میں بیعت تھی لیکن جناب رسالتمآب صلعم سے اویسی طریقہ پر فیضان پہونچا تہا اور کہا جاتا ہے کہ جناب نبوی صلعم کی بلاواسطہ تعلیم مخدوم صاحب کی آراستہ و پیراستہ کرنے والی تھی۔

مخدوم صاحب ابھی راجگیر ہی میں تھے کہ حضرت سلطانجیؒ کے بعض مریدوں سے ملاقات کی نوبت آئی ان میں مولانا نظام سغربی کو درجۂ اختصاص حاصل تھا۔ آپ کے اصرار پر حضرت مخدوم جہاں نے بہار کی جامع مسجد میں جمعہ جمعہ آنا شروع کیا آخرالامر احباب نے یہیں ایک دارالاقامہ بنا دیا۔ اور حضرت نے بھی احباب کے خاطر کچھ انکار نہ فرمایا۔ اور اس جگہ اقامت فرمائی۔ ہندوستان کا عجیب و غریب بادشاہ محمد تغلق اس زمانہ میں برسر حکومت تہا اس نے آپ کی تشریف آوری کی خبر پاکر ایک بلغاری جانماز تحفتہً بھیجی اور مجدالملک مقطع بہار کے نام ایک فرمان جاری کیا کہ شیخ شرف الدین منیریؒ کے لئے بہار میں ایک خانقاہ تعمیر کرائی جائے اور پرگنہ راجگیر فقرائی خانقاہ کے لئے جاگیر مقرر کیجائے اور مخدوم الملک قبول نہ کریں تو زبردستی دیجائے۔ مجدالملک نے حضرت کی خدمت میں سب عرض کر دیا۔ آپ نے مجدالملک کی خاطر سے قبول کیا۔ لیکن ارشاد فرمایا کہ یہ خانقاہ اور جو کچھ یہاں ہے سب فقرا پر صدقہ ہی میں تو اسلام ہی کے لائق نہیں چہ جائیکہ مصلے کے لایق ہوں۔ محمد تغلق کے بعد جب فیروزشاہ تغلق کا زمانہ آیا تو خود دہلی

جا کر تمام جاگیر واپس کر دی۔

بہار میں اقامت گزیں ہونے کے بعد مخدوم الملک کی والدۂ ماجدہ صاحبزادے اور اکثر اعزا اور مرید بہار چلے آئے۔ یہاں آپ ساٹھ سال مسند رشد و ارشاد پر متمکن رہے۔ لوگوں کو اپنے سرچشمۂ فیض سے فائدہ پہنچاتے رہے اور جس طرح حضرت کے جد امجد مولانا محمد تاج فقیہ کی ذات بابرکات سے اس نواح میں اشاعت اسلام ہوئی اس سے ہزار چند زیادہ حضرت کا فیض دور دور پہنچا۔

صاحب سیرۃ الشرف لکھتے ہیں کہ آپ کے مجلسیں ایسی تھیں کہ ہر شخص آزادی کے ساتھ کلام کر سکتا تھا۔ درس و تدریس کا چرچا رہتا۔ فقہ۔ حدیث۔ کلام۔ اصول تفسیر منطق فلسفیات۔ ادب و تصوف کے تعلیم ہوتی۔ حاضرین مجلس مخدوم صاحبؒ سے سوالات کرتے اور جوابات پاتے تھے۔ ہر شخص اختلاف و اتفاق کرنیکا حق رکھتا تھا معترضین کی آپ نہایت معقول طریقہ پر تسلی و تشفی فرماتے تھے۔ اور سب کے ساتھ نہایت ادب و توقیر سے پیش آتے تھے۔ حاجتمندوں کے حتی المقدور حاجتیں رفع فرماتے علما و فضلائ سے دینی مذاکرے رہتے۔ بزرگان دین کے تذکرے پند و نصائح اور بندگان اہل ہمت کے کارناموں کا ذکر ہوتا۔ دنیا کا صرف اسی قدر ذکر ہوتا جس قدر کہ شرعاً جائز ہے غرضکہ یہ مجلسیں ایسی تھیں کہ قرون نبی صلعم کی یاد تازہ ہوتی تھی۔ ان مجلسوں میں قاضی صدرالدین مولانا نظام الدین قاضی اشرف۔ ملک معزالدین قاضی خاں وغیرہ حاضر رہتے۔ چنانچہ آپ کے مریدوں میں سب سے زیادہ ممتاز مولانا مظفر بلخی تھے جنکے نام مکتوبات بست و ہشت ہیں۔ یہ مکتوب ان خطوں میں سے بچ کر رہ گئے ہیں۔ جو مولانا کی وصیت کے موافق انکے ہمراہ دفن کر دئے گئے تھے۔ آپ کے دوسرے مکتوبات جو چھپے ہیں وہ مکتوبات صدی کے نام سے مشہور ہیں جو قاضی شمس الدین کے نام ہیں جو حضرت کے مرید اور قصبہ چوسا کے حاکم تھے اور موانع روزگار کے باعث ملازمت خدمت سے محروم

رہتے تھے۔ اس وجہ سے ایکدفعہ درخواست کی کہ اہل سلوک کے مراتب و مقامات اور معاملات۔ توبہ۔ ارادت توحید و معرفت عشق و محبت و گردش و کوشش و بندہ بودن و بندگی کردن و تجرید و تفرید و سلامتی و ملامتی و شیخی و مریدی پر کچھ تحریر فرمایا جائے تاکہ اس ناچیز کے لئے باعث ہدایت ہو۔ غرضکہ اس طریق پر سلسلہ میں یہ مکتوبات لکھے گئے تھے اور زین بدر عربی جو حضرت مخدوم الملک کے کاتب تھے انہوں نے ایک نقل کر کے رکھ لی تھی تاکہ پڑھنے والوں کیلئے باعث ہدایت ہو

قاضی ابسر نشانہ شد و خود جہانیاں ۔۔۔ سرمایہ ہا برند ہمہ زیں نقود غیب

اس کتاب کے کئی مطبوعہ نسخے موجود ہیں ایک مطبع نولکشور میں چھپا ہے جو بےحد غلط ہے ایک اور نسخہ مطبع علوی محمد علی بخش خاں نقش بندی میں چھپا ہے۔ جو ان سب سے بہتر ہے مگر اب کم ملتا ہے۔ ان دو کتابوں کے علاوہ آپ کے تصنیفات میں سے فوائد رکنی اور شرح آداب المریدین۔ اجوبہ و ارشاد الطالبین ارشاد السالکین۔ لطایف المعانی رسالہ کلیہ۔ عقاید شرفی ہیں۔ تحفہ غیبی۔ خوان پُر نعمت معدن المعانی ہیں آپ کے ملفوظات آپ کے مرید زین بدر عربی نے جمع کئے ہیں۔ مخ المعانی بھی آپ کے ملفوظات میں ہے جسے شیخ شہاب الدین عماد حالیفی نے جمع کیا ہے۔

آپ کے رہنے سہنے کا طریقہ نہایت سیدھا سادہ تھا اور گو بہت سے معتقدین نے بڑے بڑے سامان مہیا کر دے تھے اور بادشاہ وقت نے بھی آپ کے لئے جاگیر مقرر کی تہی مگر آپ صرف ایک ہی وقت سوکھی روٹی کھاتے تھے دوسرے وقت گھر میں کوئی کھانا نہیں پکتا تھا۔ حضرت مظفر بلخیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سے پوچھا کہ اولیاء اللہ کھانا کھاتے ہیں یا نہیں آپ نے فرمایا ہاں۔ گرودا کے طور پر۔ ایک مرتبہ آپ کی والدۂ ماجدہ کے ہاں کوئی رشتہ دار آئے تھے۔ انھوں نے روٹی اور مرغ پکوایا تہا مخدوم الملک نے دھواں اٹھتا ہوا دیکھکر بالحاح اپنی والدہ سے عرض کیا کہ میں نے اپنا منہہ کالا کر کے آپ سے شرط کی تھی

اور آپ پھر ایسا کرنے لگیں۔ ماں نے یہ سنکر رشتہ دار سے کہا۔ بھیّا لیجاؤ کہیں اور پکوا لو۔"

دنیا کے متعلق آپ کا ارشاد تھا کہ

"دنیا تین قسم کی ہے۔ ایک مقدار ضرورت۔ دوسرے مقدار حاجت۔ تیسری مقدار فضول۔ مقدار ضرورت وہ ہے کہ قیام نفس اس پر منحصر ہے۔ جیسے صرف اس قدر کھانا اور پہنا کہ گرمی اور سردی میں ہلاکت تک نوبت نہ پہونچے۔۔۔۔ اور مقدار حاجت کی مثال یہ ہے کہ صرف ایک پیرہن رکھے۔۔۔۔ اور مقدار فضول وہ ہے جو ان دونوں سے زائد ہو۔ لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص کے حق میں ایک شئے جو بمقدار حاجت ہوتی ہے۔ مقدار ضرورت کا حکم رکھتی ہے۔ اس کے حق میں ضرورت اسی کو کہتے ہیں جس کے بغیر بسر اوقات ممکن نہ ہو اور اوس کے بغیر کوئی چارہ نظر نہ آئے۔" آپ کا قول ہے کہ۔

"جس نے مشائخوں کا طاقیہ پہنا اس کو چاہیئے کہ رسوم کے بت کو توڑ ڈالے اور زنار عادت کو کاٹ ڈالے۔"

آپ کا طریقۂ تعلیم یہ تھا کہ آپ کی مجلس میں کوئی کتاب فقہ و حدیث یا تصوف کی پڑھی جاتی اور آپ اوس کے نکات بیان فرماتے جاتے تھے۔ تحفۂ غیبی میں مبتدی کی تعلیم کے متعلق آپ فرماتے ہیں کہ:-

"کبھی اوسے نماز پڑھنا چاہیئے اور کبھی روزہ رکھنا چاہیئے۔ اگر نماز سے تنگ آجائے تو ذکر کرنا چاہیئے اور اگر ذکر سے تنگ آجائے تو فکر میں مشغول کرانا چاہیئے اسی طرح اگر ایک شئے سے اس کی طبیعت ملول ہونے لگے تو دوسری چیز کرانا چاہیئے۔۔۔۔ اگر کچھ طاعت و عبادت کرنا چاہے تو اُس وقت کرے کہ طبیعت ملول نہ ہو جس وقت ملول ہو فوراً چھوڑ دے۔"

کلمات مشائخ کی مواظبت کے لئے اصرار فرمایا کرتے اور کہتے۔

"کلمات مشائخ اس زمین پر خدا کے لشکر کے مانند ہیں۔ اگر پڑھنے والا مرد

ہو گا تو اُسے شیر مرد بنا دیں گے۔ اور اگر نامرد ہو گا تو اُسے مرد کر دیں گے۔"

فوائد رکنی میں ایک جگہ آپ فرماتے ہیں کہ

"اول جامہ وتن ولقمہ پاک وحلال ہونا چاہیئے۔ اس کے بعد حواس خمسہ معصیت اور بری باتوں سے پاک صاف رہیں اور دل کو جملہ اوصاف مذمومہ سے مثلاً بغض وحسد سے پاک صاف رکھیں۔

اس مرحلہ کے راستے طے کرنے کے لئے یہ نصیحت فرماتے ہیں کہ۔

"دریں کار اصل استقامت است"!

مرید کے لئے نصیحت فرماتے ہیں۔

"مرید کو اپنے پیر سے کوئی چیز نہیں چھپانا چاہیئے۔ خواہ کتنی ہی بری کیوں نہ ہو

عبادت کے متعلق فرماتے ہیں:۔

نفس کافر کی مخالفت تمام عبادتوں سے بڑھکر ہے۔۔۔۔ بھوک اور پیاس سے اُسے مارنا چاہیئے اس لئے کہ یہ کافر جتنا بھوک پیاس سے نرم ومطیع ہوتا ہے کسی سے نہیں ہوتا۔

مخدوم الملک مریدیں میں جس قسم کی قابلیت دیکھتے اسی رعایت سے تعلیم دیتے تھے۔ چنانچہ مولانا مظفر بلخی کو ہمیشہ لباس فقیری میں دیکھنا پسند کیا اور مولانا نصیر الدین جونپوری کو لباس فاخرہ میں ترک دنیا کے بارے میں مخدوم صاحب فرماتے ہیں۔

"ترک چاہیئے کہ دل سے ہو۔ یعنی دل میں کسی شئے کی طرف میل، محبت اور طلب نہ رہے"۔ وجد وحال کی تعریف اس طرح فرماتے ہیں:۔

"وجد ظاہر گردانیدن حال بود یکے برسر خود چیزے آرامیدہ دارد چوں بروق آں حال باطن خود چیزے بشنود در وے حرکتے پدید آید پس آنچہ در ظاہر پدید آید آں را وجد گویند وانچہ در باطن پدید آید آں راحال گویند"۔

آپ علمارے دنیا سے بیزار رہتے تھے۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

"خود را از علمائے دنیا نگاہ داری چنانکہ از شیطان"

حضرت مخدوم الملک نے اپنی تصنیفات میں علم کی دو قسمیں کی ہیں۔ ایک وہ جو خدائے عزوجل تک پہنچاتا ہے۔ دوسرا وہ جو خدا سے غافل کرتا ہے اور ان دونوں کی تحصیل تمام آدمیوں پر فرض ہے پھر ان دونوں قسموں کی بالاجماع دو قسمیں ہیں ایک وہ جو تعلیم و مطالعہ سے آتا ہے۔ اور دوسرا وہ جو درون سینہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ آخر الذکر کی پھر تین قسمیں آپ نے فرمائی ہیں۔ ایک وہ جو خدائے جل وعلا کی طرف سے پیغمبروں کے دلوں میں اترتا ہے اسے وحی کہتے ہیں۔ دوسرا وہ جو اولیاء اللہ کے دلوں میں اترتا ہے۔ اسے الہام کہتے ہیں تیسرا وہ ہے جو پیغمبروں کے سینوں سے صدیقوں کے سینوں میں اور پیروں کے سینوں سے مریدوں کے سینوں میں اترتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ کے یہی معنی ہیں۔

خلق اللہ کے کام آنے کو آپ بہت بڑی دولت تصور فرماتے تھے چنانچہ آپ کا قول ہے:۔

فراہم آوردن کارہائے مسلمانان و سعی نمودن در امور خلق بزرگ دولتے است ایں کار پیغمبراں است کہ کارہائے مسلمانان کردہ اند و بلاہائے ایشاں کشیدہ اند۔

یہی تعلیم آپ کی دوسروں کے لئے بھی تھی۔ چنانچہ ملک خضر کو ایک مکتوب میں نصیحت فرماتے ہیں:۔

"درمیان ایں ظلمات از قلم و زبان خود و از مال و جاہ خود چنانکہ توانی۔ راحتے بہ محتاج برساں درمقام آں برادر صوم و صلوٰۃ نوافل ہر چند کہ ہست نیک است اما ہیچ کارے سود مند تر از راحت رسانیدن بدلہا نیست"۔

تصوف کا ایک معرکتہ الآرا مسئلہ ہے کہ الشیخ یحیی و یمیت اس کی تشریح

آپ نے کس خوبی سے فرمائی ہے یعنی

اس قول کے تین معنی ہیں۔ ایک کہ یحیی و یمیت سے یہ مراد لیجائے کہ (شیخ) مرید کو طاعت سے زندہ اور معصیت سے مردہ کرتا ہے۔ اس لئے کہ طاعت حیات ہے اور معصیت ممات۔ دوسرے یہ کہ یحیی کے معنی ہوں یحیی بحیات قلبہ اور یمیت کے معنی لئے جائیں یمیت عن حیات نفسہ اور تیسرے یہ کہ اگر خدائے عزوجل فضل فرمائے اور مستجاب الدعوات کرے تو خدائے عزوجل کے حکم سے اور اس مرتبہ ولایت کی بدولت زندہ بھی کرسکتا ہے اور اسی کے حکم سے مردہ بھی کرسکتا ہے۔"

اتباع سنت میں آپ کو نہایت درجہ اہتمام تھا۔ آپ کا ارشاد ہے کہ :۔

باشرع بہوش باش و باخدا دیوانہ　　　باعشق آشنا باش و یا عقل بیگانہ

رہبانیت اور مجاہدات نامشروع کو آپ سخت ناپسند فرماتے تھے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ :۔

اگر کوئی اپنے اعضا میں سے کسی عضو میں سوئی کی نوک چبھو کر یہ کہے کہ میں اپنے نفس پر قہر کرتا ہوں تو درگاہ خدائے عزوجل میں عاصی ہوگا۔

آپ انتہا درجہ کے حلیم۔ پردہ پوش۔ فیاض۔ راست گو۔ مرتاض متواضع منکسر المزاج اور خلق اللہ سے بے حد ہمدردی رکھنے والے تھے اور ہرگز کسی کی دل شکنی نہیں فرماتے تھے۔ حتیٰ کہ اگر روزہ نفل ہوتا اور کوئی دعوت کرتا تو آپ اسکی خاطر فوراً افطار فرما لیتے اور اکثر فرمایا کرتے کہ۔

"روزۂ نفل کی قضا ہے لیکن شکستگی دل کی قضا نہیں۔"

ہمت اس قدر بلند تھی کہ ایک مرتبہ قاضی زاہد نے آپ کے مجاہدوں کے بارے میں پوچھا آپ نے فرمایا کہ اگر پہاڑ ہوتا تو پانی ہوجاتا لیکن افسوس شرف الدین

کچھ نہ ہوا۔ مولانا مظفر بلخیؒ کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ۔

"فی المثل اگر دونوں عالم تہیں حوالہ کردیں اور کہیں کہ جو چاہو ان میں تصرف کرو تو خبردار کہیں اُس شئے سے جو فوق الدنیا والآخرۃ ہے محجوب نہ ہو جانا"

کشف وکرامات کے بارے میں مولانا مظفرؒ کو لکھتے ہیں کہ

"اس راہ کے چلنے والوں کو طرح طرح کے امتحان درپیش آتے ہیں انہیں کشف وکرامات کہتے ہیں۔ ان سے پرہیز کرنا اور اپنی ہمت کے بت وزنار سمجھنا اور ما زاغ البصر وما طغی کو فراموش نہ کرنا"

آپ نے ایک سو اکیس برس کی عمر پائی یعنی ۶۶۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۸۲ھ میں وفات پائی آپ نے غلاموں۔ خلجیوں۔ اور تغلقوں کا جاہ وجلال دیکھا یعنی سلطان ناصر الدین محمود سے لیکر فیروز شاہ تک گیارہ بادشاہ آپ کے زمانہ میں دہلی میں تخت نشیں ہوئے جس شخص نے اتنے انقلابات دیکھے ہوں وہ اگر قلب اثر پذیر رکھتا ہے تو کبھی دنیا کی بے وفائی سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا جس زمانہ میں آپ نے وفات پائی خلیفہ الحاکم بامر اللہ ابو الفتح ابو بکر بن ابی ربیع سلیمان مصر میں خلیفہ تھا شوال کی پانچویں تاریخ چہار شنبہ کے دن نماز صبح کے بعد سے آپ اپنے خلفاء ومریدین سے رخصت ہونے لگے اور بار بار زبان مبارک پر آیہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ لا تقنطوا من رحمۃ اللہ۔ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا اور کلمہ طیبہ اور یہ دعا رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا ومحمد علیہ السلام نبیا وبالقرآن اماما وبالکعبۃ قبلۃ وبالمومنین اخوانا وبالجنۃ ثوابا وبالنار عقابا۔ جاری تھی۔ آخر میں آیہ کریمہ لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین زبان مبارک پر تھی۔ بار بار اعادہ فرماتے تھے اور کلمۂ طیبہ پڑھتے تھے اور نام پاک محمدؐ کو بار بار دُہراتے تھے آخر میں استیان

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعا مانگی۔ دعا مانگتے مانگتے آواز کم ہونے لگی اور صرف یہ آیتہ سنائی دیتی تھی کہ لاخوف علیہم ولا ھم یحزنون۔ لاالہ الا اللہ پھر لا الہ الا اللہ پھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فرمایا اور جان پاک جان آفریں کے سپرد کی انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت مخدوم اشرف جہانگیر رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

معدن الاسرار میں حضرت عبداللہ شطار جو طریقہ شطاریہ کے پیشوا ہیں حضرت مخدوم الملک کی شان میں فرماتے ہیں کہ:۔

بندہ معتقد کسے نیست ہمہ بزرگان یکے اند۔ اما بندہ معتقد سلطان المحققین حضرت شیخ شرف الحق والدین منیری و بندگی حضرت خواجہ فرید عطار ہستم وجائے کہ ایں ہر دو بزرگان رسیدہ اند کسے کم تر رسیدہ است و آنچہ ایں ہر دو بزرگان حقایق و دقایق راہ دین بیان کردہ اند کسے بیان نہ کردہ است؛

ابوالفضل آپ کے ذکر میں لکھتا ہے کہ

آں تشنہ نشاں یافتہ آب کہ جستنش تشنہ گرد اند و نوشیدنش تشنہ تر شرف الدین یحیی منیری"

مگر مخدوم الملک ان تعریفات و توصیفات سے بالاتر تھے۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے۔ جو اگلے زمانوں میں بھی کم ہوئے ہیں اور اب تو صرف شاذ ہوتے ہیں ہمارے پاس ان کا کلام موجود ہے جس سے وہ خوشبو آتی ہے کہ مشام روح تازہ ہو جاتا ہے خدائے بزرگ و برتر ہمیں توفیق فرمائے کہ اسے پڑھیں اور سوچیں سوچیں اور پھر پڑھیں۔ وما توفیقی الا باللہ ذیل میں آپکے چند کلمات طیبات تبرکاً و تیمناً درج کئے جاتے ہیں۔

آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ اہل توحید کے نزدیک ایمان کے چار درجے ہیں ایک یہ کہ زبان سے لا الہ الا اللہ کہے اور دل میں اعتقاد نہ ہو یہ منافقوں کا مذہب ہے۔ دوم یہ کہ زبان سے بھی کہے اور دل میں اعتقاد بھی رکھے اس کا ثمرہ دوزخ

سے نجات اور خلود فی الجنتہ ہے تیسرا درجہ یہ ہے کہ بندہ کے دل میں ایک نور پیدا ہوتا ہے جس کی روشنی میں وہ یہ دیکھتا ہے کہ تمام کاموں کے اصل ایک ہی ہے اور فاعل حقیقی صرف ایک ہی ہے یہ عارفوں کی توحید ہے چوتھا درجہ ہے کہ اس کا باطنی نور اس قدر آشکار اور مستولی ہو جائے کہ اس کی آنکھ کے سامنے تمام ذرات وجود اس نور میں غائب ہو جائیں اسے اہل تصوف فنا فی التوحید کہتے ہیں۔ ان چار درجوں کے بعد بھی ایک فنا عن الفنا کا مرتبہ ہے۔ جس میں کمال استغراق کے وجہ سے سالک کو خود اپنی فنا کے آگاہی نہیں رہتی۔ آپ فرماتے ہیں کہ توحید کا اول درجہ جوز کے اوپر کے پوست کے مانند ہے اور دوسرا درجہ دوسرے پوست کی طرح اور درجۂ سوم بمنزلہ مغز کے ہے اور چوتھا درجہ مغز مغز ہے جسے روغن کہتے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ اس راہ کے پہلی منزل توبہ نصوح ہے۔ توبوا الی اللہ جمیعًا ایہا المومنون لعلکم تفلحون۔ ای برادر ہر چند کہ تو آلودہ گناہ ہے توبہ کا قصد کر اور امید دار رہ کہ سحرہ فرعون سے آلودہ تر اور سگ اصحاب کہف سے زیادہ ملوث تر اور طور سینا سے زیادہ جماد تر اور چوب حنانہ سے زیادہ بے قیمت تر نہیں ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ گناہ تین قسم کے ہوا کرتے ہیں ایک تو جو کچھ تجھ پر واجب ہے اسے ترک کرے۔ مثلاً نماز روزہ وغیرہ۔ دوم خدا اور اس کے بندے کے درمیان کا گناہ مثلاً شراب جوا اور زنا وغیرہ سوم وہ گناہ جو تیرے اور بندگان خدا کے درمیان ہوا کرتے ہیں مثلاً حقوق عباد ان کا کفارہ سب سے زیادہ دشوار ہوا کرتا ہے اور دشمنوں کو خوش کرنا اسی تیسری قسم کے تحت میں آتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ کسی ساعت تجدید توبہ سے غافل نہ رہنا چاہئے۔ اور یہ ہمت رکھنا چاہئے کہ حق تعالیٰ توبہ کے حقیقت نصیب فرمائے۔

آپ فرماتے ہیں کہ راہ طریقت میں دنیا و نفس و شیاطین انس و جن سب راہ زن ہیں بغیر کسی صاحب دل و صاحب ولایت کو ہمراہ لے یہ راہ طے نہیں ہو سکتی۔ فلاسفہ و دہریہ۔ ملاحدہ۔ معتزلہ۔ و اباحتیہ۔ اور دیگر اہل بدعت نے بغیر شیخ کامل و مقتدائے

واصل کے اس راہ میں اپنی سرمایہ عقل کے بھروسہ پر قدم رکھا تھا اس لئے بادیہ گمراہی میں ہلاک ہو گئے۔ جو لوگ کہ صاحب توفیق وسعادت ہیں وہ ایک صاحب دولت کے پناہ میں اس دشوار راستہ کے تمام گھاٹیوں سے گذر جاتے ہیں اور سلامت رہتے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں یہ چند صفات پیر میں ضروری ہیں اول یہ کہ مقام عبدیت رکھتا ہو جب تک کہ ماسوا اللہ سے آزاد نہ ہو گا۔ عبد اللہ نہیں ہو سکتا۔ دوم ان حقایق کے جو حضرت الٰہی سے بیواسطہ آئیں قبول کرنے کے استعداد رکھتا ہو۔ جب تک کہ صفات بشریت سے بالکل باہر نہ آجائیگا یہ استعداد نہیں حاصل ہو سکتی۔ سوم خدائے عزوجل کے پاس سے اس پر خاص رحمت نازل ہونی چاہیئے۔ یہ مقام عبدیت ہے جب تک وہ تخلقوا باخلاق اللہ کا مصداق نہ ہو گا۔ اس مقام عبدیت تک نہیں پہونچ سکتا۔ چہارم حضرت الٰہی سے بیواسطہ علوم حاصل کرتا ہو اور یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ لوح دل علوم عقلی وسمعی وحسی سے پاک وصاف نہ ہو۔ پنجم علم لدنی سے مخصوص ہو۔ اس علم کا تعلق خدائے عزوجل کے ذات وصفات وافعال سے ہوتا ہے جبتک ولادت ثانیہ حاصل نہ ہو شرف علم لدنی سے کوئی مشرف نہیں ہو سکتا۔ ولادت ثانیہ سے مراد اوصاف بشریت سے باہر آنا ہے جن کے بعد دنیا وعقبی دونوں حاضر نظر آئینگی

آپ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں جنہوں نے حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں کل کائنات سے عبور کر کے اُسکی تجلیات صفات جلال وجمال میں اپنی ہستی کو بالکل گم کر دیا ہے اور مقام فاذا اجبتہ کنت لہ سمعًا وبصرًا ویدًا ولسانًا پر فائز ہیں اگر شفقت وہمت کی نظر سے بیگانہ کو دیکھ لیں تو یگانہ ہو جائے گنہگار کو دیکھ لیں تو مطیع ہو جائے۔ اور اگر مطیع پر نظر ڈالیں تو تخت ولایت پر بٹھا دیں اس لئے کہ انکا ارادہ حق تعالیٰ کے ارادہ کے ساتھ متحد ہو گیا ہے۔ من کان للہ کان اللہ لہ۔

آپ فرماتے ہیں کہ جس طرح شریعت میں نیت ضروری ہے اسی طرح

طریقت میں ارادت لازمی ہے اس کے بغیر کوئی کام نہیں ہوسکتا اور ارادت
تین قسم کی ہوتی ہے۔ ایک دنیا کے۔ ایک آخرت کی اور ایک مولیٰ کی۔ منکم من یرید
الدنیا ومنکم من یرید الاخرہ۔ آخرت کا ارادہ دنیا کے ارادہ سے شریف تر
ہے مگر ارادت مولیٰ آدمی کی دیدو بصیرت کو کشادہ کرکے تمام مکتوبات سے اسکی
ہمت کو بلند تر رکھتی ہے من کان یرید العزۃ فللہ العزۃ جمیعًا۔ جس کا یہ
ارادہ ہوتا ہے وہ ماسوا اللہ کو زنار د بُت راہ شمار کرتا ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ حقا ثم
حقا اس درگاہ پر جھوٹ موٹ پڑے رہنا دوسرے کے دروازے پر سچ مچ پڑے
رہنے سے بہتر ہے۔

آپ فرماتے ہیں ولی وہ ہے جس پر خدائے عزوجل پیاپے احسانات
فرماتا رہے اور تمام حالات میں ارتکاب معصیت سے اسکی حفاظت کرے یہ ولایت
خاصہ ہے۔ ولایت عامہ صرف ایمان لانا ہے اللہ ولی الذین آمنوا۔ ایمان
لاتے ہی آدمی کا شمار اولیاء خدائے عزوجل میں ہوجاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ولی
کی کرامت عین معجزہ نبی ہوتی ہے اس لئے کہ ولی صادق وہی کہتا ہے جو نبی کہتا
ہے اور وہی چاہتا ہے جو نبی چاہتا ہے اور باوجود اس کے اقرار کرتا ہے کہ یہ سب کچھ
میں نے اس کی تصدیق سے پایا ہے۔ پس ولی کے ہاتھ سے کرامت کے ظاہر ہونے
سے اس نبی کی تائید ہوتی ہے اس لئے کہ اسکی شریعت باقی ہے۔ آپ فرماتے ہیں
کہ اے بھائی جہاں تک ہوسکے اپنی عمر کسی صاحب کشف کے خدمت میں صرف
کر اور ایک خداوند دین کی دولت کے سایہ میں پناہ لے اور دین میں کسی کو یار بنا
اس لئے کہ دین کا یار سخت عزیز ہوتا ہے اور یہ یقین جان کہ دین کی راہ بغیر یار کے
قطع نہیں ہوسکتی اور اگر کوئی یار دین نہ ملے تو اس نفس کافر کی محبت دل سے دور
کر اور بے دینی میں اس کا یار مت بن۔

آپ فرماتے ہیں کہ تجلی سے مراد ذات وصفات الوہیت کا ظہور ہے۔
روح کی بھی تجلی ہوا کرتی ہے۔ بعض سالکان راہ روح کی تجلی سے دھوکہ میں

آجاتے ہیں۔ اور اسے تجلی حق کہنے لگتے ہیں۔ اور اگر پیر کامل وصاحب تصرف کے امداد نہ ہو تو اس درجہ سے خلاصی حاصل کرنا بہت دشوار ہوتا ہے۔ سالکان راہ میں بعض صاحب دولت ایسے ہوتے ہیں کہ جب ان کا دل صفات بشریت وزنگار طبیعت سے صاف ہو جاتا ہے تو بعض روحانی صفتیں ان کے دل پر تجلی کرنے لگتی ہیں کبھی روح اپنی جملہ صفتوں کے ساتھ تجلی ہوتی ہے اور کبھی ذات روح جو خلیفہ حق ہے تجلی فرماتی ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس تجلی کے بعد سالک بخلاف خود انا الحق کا دعویٰ کرنے لگتا ہے۔ اور بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ جملہ موجودات کو تخت خلافت روح کے سامنے سجدہ میں دیکھکر دھوکہ میں پڑجاتا ہے کہ یہی حضرت حق ہے۔ سوائے خدائے عزوجل کے عنایت اور پیر کی ضمانت کے اس گھاٹی سے نکلنا بہت دشوار ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ تجلی روحانی وتجلی ربانی میں یہ فرق ہے کہ تجلی روحانی میں حدوث کے علامتیں ہوتی ہیں اور صفات بشری کو فنا کرنے کی قوت اس میں نہیں ہوتی ہے۔ ظہور کے وقت صرف عارضی ازالہ اس سے ہوجاتا ہے۔ مگر تجلی ربانی میں یہ باتیں نہیں ہوتیں۔ علاوہ اس کے تجلی روحانی کے حصول سے دل میں تاریکی نظر آتی ہے اور شوائب شک وریب سے خلاصی نہیں ہوتی اور معرفت کا پورا ذوق حاصل نہیں ہوتا۔ مگر تجلی ربانی اس کی برخلاف ہوتی ہی تجلیٔ روحانی سے غرور وپندار پیدا ہوتا ہے اور خوف ونیاز میں کمی آجاتی ہے بخلاف اس کے تجلی ربانی سے یہ سب باتیں دفع ہو جاتی ہیں اور درمیان سے ہستی زائل ہو جاتی ہے اور طلب وتشنگی بڑھتی جاتی ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ انسان جناب باری تعالیٰ کے ذات وصفات کا آئینہ ہے جب آئینہ صاف ہو جائیگا تو جس صفت میں کہ حق جل وعلی چاہیگا تجلی فرمائیگا۔ اگر صفت حیات کے ساتھ تجلی فرمائیگا تو ایسا ہوگا جیسا حضرت خضر وحضرت الیاس علیہما السّلام کے ساتھ ہوا۔ اس کی حیات باقی رہیگی اور اگر صفت کلام کے ساتھ تجلی فرمائیگا تو وہ ہوگا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا۔ وکلّم اللّٰہ موسیٰ

تکلیما۔ اگر صفت رزاقی کے ساتھ تجلی ہوگا تو وہ حال ہوگا جو حضرت مریم علیہا السلام کے ساتھ ہوا وھزی الیک بجذع النخلۃ تساقط علیک رطباً جنیاً اور اگر صفت خلاقی کے ساتھ تجلی فرمائیگا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ساحال ہو جائیگا واذا تخلق من الطین کھیئۃ الطیر باذنی فتنفخ فیھا فیکون طیراً باذنی تجلی سے یہ سمجھنا چاہیئے کہ "ہمہ از حق بیند واز آں حق بیند نہ از خویشتن واز آں خویشتن" جب سامنے سے بشریت اٹھ جاتی ہے تو عالم غیب نظر آنے لگتا ہے۔ اسی کو تجلی کہتے ہیں

آپ فرماتے ہیں کہ "ہر کہ قدمگاہ درست کرو۔ اورا نا خواستہ سید ہند وہر کہ قدمگاہ درست نہ کرد اگرچہ بخواہد ندہند"۔ آپ فرماتے ہیں کہ وصول بحضرت حق کے معنی یہ نہیں ہیں جیسے کہ جسم کو جسم سے اور عرض کو عرض سے وصل ہوتا ہے۔ تعالی اللہ علواً کبیراً۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ ماسوا سے تعلق باقی نہ رہے۔ اتصال مشغول گشتن سر باشد بحق تعالیٰ۔ جس قدر غیر حق سے فراغت ہوگی۔ اسی قدر حق سے مشغولی ہوگی۔

آپ فرماتے ہیں کہ محبت وعداوت حق کسی علت وسبب سے قایم نہیں ہوتین اس لئے کہ یہ دونوں چیزیں ازلی ہیں اور بندہ کا خلاف وموافقت کرنا وقتی ہے پس محبت وعداوت سابق ہوئیں اور خلاف وموافقت لاحق اور ہرگز لاحق سابق کی علت نہیں ہوا کرتی پس خلاف وموافقت سب ہیچ ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ خدائے عزوجل کسی جاہل کو دوست نہیں رکھتا اس لئے کہ جہل ہی تمام لغزشوں کے بنیاد ہوا کرتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ سالکان حق کا مدار بارہ علوم پر ہے۔ علم توحید[۱]۔ علم معاملت[۲] علم معرفت[۳]۔ علم حالت[۴]۔ وعلم مکاشفت[۵]۔ علم مشاہدت[۶]۔ علم خطاب[۷]۔ علم سماع[۸]۔ وعلم وجد[۹] علم معرفت[۱۰]۔ علم روح۔ علم معرفت[۱۱] نفس اور علم معرفت[۱۲] عقل۔ انہیں سے ہراک کی اصول وفروع ہیں جنکا جاننا لابدی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جو شخص اس راہ میں آنا اور اس کام کو اختیار کرنا چاہے اوسے لازم ہے کہ اس طایفہ کے مشایخوں اور پیروں میں جو مشار الیہ ہو اور جس کی مقتدائی پر سب کو اتفاق ہو اور جو مملکت خداوند

میں جائز التصرف ونافذ المشیتہ اور صاحب اشراق ہو اس کی پیروی کرے اور اس کے ساتھ اپنا تعلق پیدا کرے تاکہ اس کے راہ میں جس قدر مزاحمتیں ہوں سب دور کردے اور اس کی نفس کے عیوب اسی دکھائے اور اس راہ کے آفات سے اسے مطلع کرے۔

آپ فرماتے ہیں کہ شریعت وہ راہ ہے جو انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام نے امتیوں کو بتائی ہے اور طریقت وہ راہ ہے جو شریعت سے پیدا ہوتی ہے مثلاً شریعت میں توحید وطہارت نماز وروزہ وحج وجہاد وزکواۃ اور دیگر احکام شرع اور معاملات داخل ہیں۔ مگر ان معاملات کے تحقیق کرنا ان مشروعات کا تفحص کرنا اور اعمال کو صفائی ضمائر وتطہیر اخلاق سے آراستہ کرنا بھی ضروری ہے تاکہ طبعی کدورتیں جیسے کہ ریا وہوا وجفا وشرک اور انہیں کے مانند اور جس قدر ہیں سب دور ہو جائیں یہ طریقت ہے شریعت سے تہذیب وتطہیر ظاہری کا تعلق ہے اور طریقت سے تصفیہ وتزکیہ باطن کا۔ مثلاً کپڑے کو نماز کے لئے گندگی سے پاک کرنا شریعت ہے اور دل کو کدورت بشریت سے پاک کرنا طریقت ہے۔ نماز کے پہلے وضو کرنا شریعت ہے اور ہمیشہ با وضو رہنا طریقت ہے۔ نماز میں قبلہ رو ہونا شریعت ہے اور دل کو حق تعالیٰ کے طرف رجوع کرنا طریقت ہے یعنی وہ تمام چیزیں جن کا تعلق حواس ظاہری سے ہے ان کی رعایت کرنا شریعت سے متعلق ہے اور جو کچھ پردۂ قالب کے اندر ہے اس کی رعایت کرنا طریقت ہے اسی طرح حقیقت سے مراد احوال باطن کے صحت ہے اور چونکہ ظاہر وباطن سب باہم پیوستہ ہیں اور ایک دوسرے سے الگ نہیں ہو سکتے اسی طرح شریعت وطریقت وحقیقت تینوں باہم پیوستہ ہیں اور ایک دوسرے سے الگ نہیں ہو سکتیں۔ یہ کہنا کہ حقیقت حال کشف ہونے کے بعد شریعت اٹھ جاتی ہے غلط اور الحاد ہے۔

توبہ کے حقیقت میں آپ فرماتے ہیں کہ پہلے تن وجامہ پاک ولقمہ حلال ہونا چاہیئے۔ پھر معصیت ومخالفت سے تمام حواس پاک ہونے چاہییں۔ پھر تمام

ذمائم سے جیسے بخل و حقد و حسد ہیں دل پاک و صاف ہونا چاہئے۔ توبہ کرنیکے حقیقت یہی ہے اسی کو گردش کہتے ہیں یعنی ایک طرف سے مُرید کا رخ دوسرے طرف پھر گیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ مرید کے اعمال و افعال کی قدر صرف نیت سے ہوتی ہیں۔ اعمال و افعال کے لئے نیت بہ منزلہ جان کے ہے ؎

تا رہبر تست عادت خویشش شیطان و منافقی نہ درویشش

بعض بزرگ کہتے ہیں کہ دعا سے خاموشی بہتر ہے بعض کہتے ہیں خاموشی سے دعا بہتر ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگر دعا کرتے وقت طبیعت میں بسط معلوم ہو تو دعا کرنا بہتر ہے اور اگر زجر و قبض معلوم ہو تو خاموش رہنا بہتر ہے۔ لیکن اگر حالت مساوی ہو تو اس وقت اگر علم غالب ہو تو دعا کرنا بہتر ہے اور اگر معرفت غالب ہو تو خاموش رہنا بہتر ہے آپ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی عبادت اولیاء اللہ کا سرمایہ۔ اتقیا کا پیرایہ مردان خدا کا حرفہ صاحب ہمتوں کا پیشہ اور فائدہ عمر و ثمرہ علم ہے۔ خداوندان بصیرت کا یہی طریقہ اور سعادت و جنت کی یہی راہ ہے۔ لیکن عقبات بہت مشقتیں بے شمار دشمن و راہزن بہت اور یار و ہمراہی بہت تھوڑے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ فرزند آدم جو خلاصہ آفرینش ہے اسکی سعادت بندگی میں اور عزت سرافگندگی میں ہے۔ اسی بندہ بن کے رہنا چاہئے اور اللہ ہی کی بندگی کرتے رہنا چاہئے۔ اے برادر اس کی عزت کے سامنے سب پست اور اوس کے جلال کے سامنے سب گرو ہیں اسکے کمال کے سامنے تمام کمال نقصان ہیں۔ اور اوسکی ہستی کے سامنے تمام ہستیاں نیست ہیں اسکی الہیت نے تمام عالم کو بندگی و سرافگندگی کا لباس پہنایا ہے ذرا آنکھ کھول اور آدمؑ کے حسرت نوحؑ کے فریاد خلیلؑ کے بے کامی اور یعقوبؑ کے مصیبت ان یوسف سے ماہ رو کو چاہ زندان میں دیکھ اور زکریا کے سر پر آرہ۔ اور یحییٰ کے گردن پر تلوار ذرا دیکھ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوختہ جگر اور کباب شدہ دل پر نظر کر اور یہ کلمہ پڑھ کہ کل شیئی ھالک الا وجھہ۔

آپ فرماتے ہیں کہ مرید کو چاہئے کہ کلمہ لاالہ الا اللہ کو ہمیشہ اپنا حصار بنائے رکھے اور خلا و ملا و ظاہر و باطن میں ایک لمحہ کے لئے بھی کبھی اس حصار سے باہر قدم نہ نکالے اس قلعہ میں قطاع الطریق یعنی نفس و شیطان کے شر سے پناہ رہتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ "راستی ایمان بزرگ داشت خداوندا ست و ثمرہ بزرگ داشت فرم داشتن از خداوندا ست و چوں ایمان بود سر را مشاہدہ بود و چوں مشاہدت درست آید تعظیم بجائے آید۔ چوں باطن را تعظیم آید ظاہر تبع باطن آید و چوں باطن را تعظیم بیند شرم دارند از خلاف کردن" اس کے بعد آپ فرماتے ہیں جس قدر کہ سر کے لئے مشاہدہ حق ہوگا اسی قدر غیر حق ساقط ہو جائیگا۔ پس مرید کو جب کمال تمناء حق کا مشاہدہ ہوگا تو ہر قسم کے طمع اس سے ساقط ہو جائیگی۔ جب حق کے کمال قدرت کا مشاہدہ ہوگا۔ تو ہر قسم کا خوف دور ہو جائیگا۔ جب حق کے کمال لطف کا مشاہدہ ہوگا تو اسی حق سے اس قدر انست پیدا ہوگی کہ غیر حق کا انس جاتا رہیگا۔ جب حق کے کمال فضل کا مشاہدہ ہوگا تو اس سے رویت افعال و احوال ساقط ہو جائیگی اور جب حق کے کمال کرم کا مشاہدہ ہوگا تو اسے حق سے ایسا انبساط پیدا ہوگا کہ تمام موجودات اسکی حاجتمند ہونگی۔ جب کمال قہر حق کا مشاہدہ ہوگا تو اس سے تمام تدبیر و رائے ساقط ہو جائینگی اور جب افعال حق کے کمال بے علتی مشاہدہ کریگا تو اپنے کسی عمل پر اسے اعتماد باقی نہ رہیگا۔ اور جب جلال حق کا مشاہدہ کریگا تو قطعیت کے خوف سے بے قرار و بے آرام رہیگا۔ اس میں یہی بھید ہے جو کسی نے کہا ہے ؎

ہیچ نہ در محمل و چندیں جرس | ہیچ نہ در کاسہ و چندیں مگس
خلوت خود ساز عدم خانہ را | باز گزار ایں دہ ویرانہ را

آپ فرماتے ہیں کہ تمام نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت اسلام ہے جسکا شکر ادا کرنے سے خالی نہیں رہنا چاہئے۔

آپ فرماتے ہیں کہ شرک خفی سے بچتے رہنا چاہئے۔ گو اس سے اصل ایمان کو زیان نہیں پہونچتا ہے مگر ایمان کے حقایق اور اس کے فوائد کو بہت نقصان

پہونچتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایمان سے دراصل توحید مراد ہے اور توحید ضد شرک ہے۔ جبتک کہ شرک دور نہ ہوگا توحید حاصل نہ ہوگی۔ اگر کوئی چاہے کہ اسکا ایمان و توحید حقیقت ہوجائے توجس قدر آلائشیں کہ ایمان کے آلودہ کرنیوالی ہیں سب دور کردینی چاہئیں۔ یہی آلائشیں شرک خفی ہیں۔ اور شرک خفی کے یہ معنی ہیں کہ غیر حق سے مضرت و منفعت و خوف و رجا رکھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ مومنوں کے ارواح کا جوہر معرفت حق ہے۔ جسے یہ نصیب نہیں وہ دراصل وجود ہی میں نہیں آیا۔ معرفت کا پہلا قدم یہ ہے کہ تمام آفرینش کو مقہور و عاجز و اسیر حق سمجھے اور اپنی نسبت کو تمام اشیاء سے منقطع کرکے جانے کہ خدائے عزوجل ایک ہے اس کے ذات و صفات قدیم ہیں لیس کمثلہ شئی وھو السمیع العلیم۔

آپ فرماتے ہیں کہ آدمی کے سوا دیگر مخلوقات کو محبت سے سروکار اس لئے نہ تھا کہ ان کی ہمتیں بلند نہ تھیں۔ ملائکہ کا جو سیدھا سیدھا کام تم دیکھتے ہو اسکی وجہ یہی ہے کہ انہیں محبت سے سابقہ نہیں پڑا ہے اور آدمیوں کے راستہ میں یہ جوزیر وزبر نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ کہ انہیں محبت سے تعلق ہے یحبھم ویحبونہ پس جس کسی کے دماغ میں محبت کا ایک شمہ بھی پہونچا ہے اس سے کہدو کہ سلامتی کا خیال چھوڑ دے اور اپنے آپ سے ہاتھ دہو بیٹھے اس لئے کہ فتوائے محبت یہ ہے کہ لا تبقی ولا تذر ؎

عشق تو مرا چنیں خراباتے کرد ورنہ بہ سلامت و سامان بودم

آپ فرماتے ہیں محبت خداوند عزوجل کی علامت یہ ہے کہ بندہ کو ماسوا سے وحشت ہونے لگتی ہے اور اس کے اور غیر حق کے درمیان میں خود حق حائل ہوجاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں حدیث شریف میں ہے کہ جب حق تعالیٰ کسی بندہ کو دوست رکھتا ہے تو اس کے نفس کو اسکا واعظ بنا دیتا ہے اور دل کے راہ سے اسی زجر و توبیخ کرتا اور امر و نہی فرماتا رہتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ معصیت کمال محبت کے ضد ہے نہ کہ اصل محبت کے اور ایمان جب صمیم دل میں پہونچ جاتا ہے تو محبت

میں کمال ہوتا ہے اور معصیت ترک ہو جاتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں محبت کے معنی یہ ہیں کہ سوائے محبوب کے کسی اور طریقہ پر چین نہ آئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو دراصل ابلیس کے دوست ہوتے ہیں۔ مگر اپنے آپ کو خدائے عزوجل کا دوست سمجھتے ہیں۔ ان کی حرکات وسکنات و اخلاق و اوصاف دوستی حق کی گواہی نہیں دیتے۔

آپ فرماتے ہیں کہ محبت کا دعویٰ کرنا آسان ہے لیکن معنی کے لحاظ سے بہت دشوار ہے۔ اور کمال محبت و انس کی ایک علامت یہ ہے کہ محبوب سے مناجات کرنا اور خلوت میں رہنا زیادہ پسند کرے۔ اے برادر بعضوں کو مناجات میں اسقدر انس کی لذت ملی ہے کہ ان کا گھر جل گیا ہے اور انہیں خبر نہ ہوئی۔ نماز میں پاؤں کاٹ دئے گئے ہیں اور انہیں معلوم نہیں ہوا پس جس وقت محبت و انس کا غلبہ ہوتا ہے تو خلوت و مناجات میں آنکھوں کی ٹھنڈک معلوم ہوتی ہے اور تمام اندیشے اٹھ جاتے ہیں ؎

اگرم ہیچ نباشد نہ بدنیا نہ بعقبیٰ — چوں تو دارم ہمہ دارم وگرم ہیچ نباید

شیخ مظفر بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سرحلقہ درویشان یگانہ امام عارفان زمانہ ثانی معروف کرخیؒ شیخ مظفر بن شمس الدین بلخی قدس سرہ العزیز حضرت مخدوم شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے محبوب ترین خلیفہ تھے۔ مناقب الاصفیا میں ہے کہ حضرت شیخ شرف الدینؒ کے ایک لاکھ سے زیادہ مرید تھے لیکن جو درجہ اختصاص شیخ مظفرؒ کو حاصل تھا اور آتش عشق ان کے اندر شعلہ افگن تھی کسی کو نصیب نہ ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کا نام شیخ شمس الدین تھا جو ابتداءً دہلی میں ملازم تھے لیکن تائید الٰہی شامل حال ہوئی اور ملازمت سے دست بردار ہو کر میدان تجرید میں قدم رکھا۔ لڑکوں میں سے شیخ مظفرؒ و شیخ

مظفر معز الدین نے باپ کا ساتھ دیا۔ یہ شیخ شمس الدین شیخ احمد چرم پوش بہاری کے مرید و خلیفہ تھے۔ لیکن شیخ مظفر دوسرے ہی کے حصہ میں پڑے۔ اوس زمانہ میں بہار میں حضرت شیخ شرف الدین منیری کے جامعیت علوم صوری و معنوی کا بڑا شہرہ تھا۔ پس انہیں کی خدمت میں حاضر ہوئی اور علمی بحث شروع کی۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے کمال اخلاق سے نہایت نرمی کے ساتھ تمام سوالات کا اطمینان بخش جواب دیا حتیٰ کہ آخر مجلس میں یہ اخلاق دیکھکر شیخ مظفر خود پشیمان ہوئے اور بے اختیار مرید ہوگئے۔ پھر سالہا سال ریاضتیں اور محنتیں کیں اور اس درجہ کو پہونچے کہ خود حضرت پیر و مرشد امام مظفر کے لقب سے یاد فرمانے لگے اور برادرم اعز امام مظفر کے لقب سے خطوط تحریر فرمایا کرتے تھے اور اس قدر الفت تھی کہ غایت لطف سے تن مظفر جان شرف الدین و جان مظفر تن شمس الدین کہا کرتے تھے۔ حضرت شیخ نے فقرائے خانقاہ کی خدمت آپ کے سپرد کی تھی۔

اخبار الاخیار میں ہے کہ پچیس سال تک شیخ مظفر اپنے واقعات و معاملات و حالات جو راہ سلوک میں پیش آتے رہے اپنے پیر کو لکھتے رہے ہیں اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان کی عرائض کے جواب میں تمام مشکلات حل فرماتے رہے ہیں۔ چنانچہ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں کہ "مکتوبات من ہمہ حل مشکلات و معاملات آں برادر است۔ باید کہ کسے را نہ نماید کہ موجب افشای سر ربوبیت گردد"۔ اسی وجہ سے آپ نے یہ خطوط کسی کو نہیں دکھائے۔ ان کا اندازہ دو سو کے قریب ہوگا جنہیں بوقت رحلت آپ نے وصیت کی کہ میرے ساتھ دفن کر دئے جائیں چنانچہ وصیت کے بموجب سب آپ کی کفن میں رکھدے گئے۔ مگر صرف ایک خریطہ باقی رہگیا۔ جو خط اوس میں تھے اس وقت تک محفوظ ہیں اور طبع ہو گئے ہیں۔

حضرت شیخ نے بعض مکتوب میں آپ کو لکھا ہے کہ "مارا در وقت خویش بدعا ایمان یاد آرد"۔ اور آپ اپنی عرائض میں استقدر ذوق و شوق و ولولۂ عشق کا اظہار فرمایا کرتے تھے کہ بیان سے باہر ہے اور حضرت شیخ ان سب کو دبانے کی

ہدایت فرماتے۔ چنانچہ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ "مکتوب آں برادر رسید شور و غوغا بسیار بود۔ اے برادر چوں امام شبلی را پرسیدند۔ ما صفت العارف گفت صم بکم عمی پس ما را ایں شور و غوغا چہ سود کند لب باید بست و در اندوہ ایں حدیث باید سوخت"۔

آپ کے بھتیجے اور جانشین شیخ حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ بندگی شیخ مظفرؒ کو حضرت (شیخ شرف الدینؒ) کے حیات ہی میں سفر حجاز کا اتفاق ہوا۔ یہ سفر حضرت شیخ علیہ الرحمہ کے ارشاد مبارک پر وقوع میں آیا تھا چنانچہ آپ عرب تشریف لے گئے اور اس قدر کشود کار ہوئے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ حضرت کا یہ ارشاد ہوا تھا کہ "مولانا (مظفر) صاحب شرب شدہ است و بر اصول قانون کار مطلع شدہ است از ما جدا شدن او را مضرت نیست۔ جب آپ حج کر کے واپس ہونے لگے تو راہ میں حضرت شیخ کی وفات کی خبر ملی۔ یہ سنکر ارادہ فرمایا کہ لوٹ جائیں مگر حضور پُرنور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں کہ اس مرتبہ واپس جاؤ دوسری مرتبہ بال بچوں کو بھی لیکر آنا۔ غرضکہ دوسری مرتبہ جب آپ تشریف لیگئے تو پھر واپس نہ ہوئے اور وہیں مکہ معظمہ میں حضرت شیخ شرف الدینؒ کے وفات کے پانچ چھ سال بعد ۷۸۶ھ یا ۷۸۸ھ میں انتقال فرمایا۔ مناقب الاصفیا میں ہے کہ آپکی وصال کا وقت جب قریب ہوا تو اکیس روز نہ کھانا کھایا اور نہ کسی سے کلام فرمایا صرف شیخ حسین سے اس قدر کہا کہ حضرت شیخ کو دیکھتا ہوں مگر چپ چپ سے نظر آتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ شب کو عجیب معاملہ دیکھا۔ صرف ایک امر تم سے کہتا ہوں من احب لقاء اللّٰہ احب اللہ لقاءہ۔ یہ کہکر مستغرق ہوئے اور پیران عظام کی امانتیں اور نعمت خلافت سب شیخ حسین کو عطا فرما کر اس عالم فانی سے رحلت فرمائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سلطان الاولیاء، برہان الاصفیا۔ قطب عصر، غوث دہر۔ مرکز دائرہ ولایت۔ امام شریعت و طریقت خواجہ خواجگان۔ پیر پیران مرہم دل دردمندان۔ حاجت روائے مستمندان ہادی حق پسند۔ قطب اولیار خواجہ بہار الدین نقشبند قدس سرہٗ العزیز۔ ایہ طائفہ سے ہوئے ہیں۔ آپ کا نام نامی محمد بن محمد البخاری ہے۔ آپ حسینی سید ہیں اور آپکا سلسلہ نسب یہ ہے:۔

خواجہ بہار الدین نقشبند بن امیر سید جلال الدین بن سید برہان الدین بن سید عبد اللہ بن امیر سید زین العابدین بن سید امیر قاسم بن سید شعبان بن سید برہان الدین بن سید محمود بن سید ایلاق بن امیر سید نقیب بن امیر سید خلوتی بن امیر سید محی الدین بن سید محمود بن سید علی اکبر بن امام حسن عسکری رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

صاحب مراۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ "وے شانے بزرگ وہمتے بلند ونفسے قاطع داشت۔ باندک توجہ ساکنان سفلی را بمقام علوی میرسانید وآں قدر مجاہدات شاقہ کہ وے بقدم توکل وتجرید بجا آوردہ کمتر از ینقوم شنیدہ می شود"

صاحب نفحات کہتے ہیں کہ خواجہ محمد بابا سماسی ؒ نے آپ کو اپنا بیٹا بنایا تھا۔

آپ کی ولادت باسعادت قصر عارفان میں محرم ۷۱۸ھ (سات سو اٹھارہ) ہجری میں واقع ہوئی۔ خواجہ محمد بابا سماسیؒ جب کبھی قصر ہندوان کی طرف تشریف لیجاتے تو فرماتے عنقریب یہ قصر ہندوان قصر عارفان بن جائیگا۔ کیونکہ اس مقام سے ایک مرد کی خوشبو آتی ہے۔ جب آپ پیدا ہوئے تو آپ کے جد بزرگوار خواجہ صاحب کے پاس آپ کو لیگئے۔ خواجہ صاحبؒ نے ارشاد فرمایا یہ میرا فرزند ہے۔ اور خواجہ امیر کلال (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کی طرف متوجہ ہوکر ارشاد فرمایا کہ میرے فرزند بہار الدین کی تربیت میں دریغ نہ کرنا۔ ورنہ معاف نکرونگا۔

آپ کی بیعت میر سید کلال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے تھی جو خواجہ محمد بابا سماسیؒ

قدس سرہٗ العزیز کے خلیفہ اعظم تھے۔ اور خواجہ باباؒ کو خواجہ علی رامتنیؒ المعروف بہ حضرت عزیزان قدس سرہٗ سے بیعت تھی۔ حضرت عزیزانؒ خواجہ محمود انجیر فغنوی کے اور وہ خواجہ محمد عارف ریوگریؒ کے اور وہ خواجہ عبد الخالق غجدوانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے خلیفہ تھے۔ مگر خواجہ بہاء الدین کو اویسی طریقہ پر روحانیت مبارک خواجہ عبد الخالق غجدوانیؒ سے فیض و تربیت حاصل ہوئی تھی۔ نفحات الانس میں ہے کہ خود حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ایک شب مبادی احوال اور غلبہ جذبات میں بخارا میں تین مزاروں پر میرا گذر ہوا۔ ہر مزار پر ایک چراغ روشن تہا۔ اور چراغدان میں تیل اور فتیلہ بھی تھا لیکن فتیلہ کو اُکسانے کی ضرورت تھی کہ تیل سے باہر نکلکر روشن ہوجائے۔ ان مزاروں میں جو سب سے آخیر میں تھا وہاں میں بیٹھا۔ میں نے دیکھا کہ قبلہ رخ کی دیوار شق ہوگئی اور ایک عظیم الشان تخت نظر آیا۔ جس کے سامنے ایک سبز پردہ پڑا ہوا تھا۔ اور اس کے گرداگرد ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی جس میں۔ خواجہ محمد باباؒ کو میں پہچانتا تھا۔ میں نے سمجھا کہ یہ لوگ اس عالم کے نہیں ہیں۔ بلکہ وہ ہیں جو گزر گئے ہیں۔ اس جماعت میں سے ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ تخت پر حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانیؒ ہیں اور یہ اُن کے خلفاء کی جماعت ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا نام لے لیکر بتایا۔ جب خواجہ محمد بابا کو بتایا تو کہا تم تو انہیں زندگی میں دیکھ چکے ہو۔ یہ تمہارے شیخ ہیں اور ایک ٹوپی انہوں نے تمہیں دی تھی اور تمہیں یہ کرامت عطا فرمائی گئی تھی کہ نازل شدہ بلا اس کلاہ کی برکت سے دفع ہوجائے۔ پھر اس جماعت نے مجھ سے مخاطب ہوکر کہا کہ خواجہ بزرگؒ راہ سلوک کے کچھ ایسے باتیں تمہیں بتانا چاہتے ہیں جن کے سوا چارہ نہیں ہے۔ کان دہر کے سنو۔ میں نے درخواست کی کہ حضرت خواجہ کو میں سلام کرنا اور جمال مبارک سے مشرف ہونا چاہتا ہوں۔ اس گذارش کے ساتھ سامنے سے پردہ ہٹ گیا اور میں نے ایک نورانی پیرمرد کو دیکھا۔ میں نے سلام کیا۔ آپ نے جواب عطا فرمایا۔ اس کے بعد یہ ایسے کلمات، جو سلوک کی ابتدار، وسط۔ اور انتہا سے

تعلق رکھتے ہیں مجھ سے بیان فرمائے اور کہا کہ یہ چراغ جو تمہیں دکھائے گئے ہیں وہ ایک طرح کا اشارہ ہے اور یہ بشارت بھی ہے کہ تم میں اس راہ کی استعداد اور قابلیت موجود ہے۔ صرف فتیلہ کو اکسانے کی ضرورت ہے کہ بتی تیل سے باہر نکل آئے اور لو پیدا ہو جائے۔ اس کے بعد بہت مبالغہ کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ ہر حال میں اوامر الٰہی پر عمل کرو اور عزیمت کے ساتھ سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پابندی کرو اور شرع نے جن چیزوں کی رخصت دی ہے۔ نیز جو بدعتیں ہیں اُن سے دور رہو اور ہمیشہ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا پیشوا بناؤ اور اخبار رسول اللہ صلعم اور اخبار اصحاب نبی کریم صلعم کے متفحص و متجسس رہو۔ اس کے بعد اس جماعت نے مجھ سے کہا کہ موضع نسف کی طرف جاؤ اور امیر سید کلال کی خدمت میں حاضر ہو۔ ان کے ارشاد کے بموجب میں نسف گیا اور حضرت امیر سید کلال قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے بہت التفات والطاف فرمائے اور مجھے ذکر نفی و اثبات کی تلقین کر کے خفیہ طریق سے مشغول رہنے کیلئے ارشاد فرمایا۔

انیس الطالبین میں ہے کہ خواجہ علاء الدین جو حضرت خواجہ قدس سرہٗ العزیز کے خلیفہ ہیں فرماتے ہیں کہ خود آپ نے اُن سے ذکر کیا کہ جب میری عمر اٹھارہ سال کی ہوئی تو میرے والد کو میری شادی کا خیال ہوا اور مجھے خواجہ محمد بابا سماسی قدس سرہٗ کی خدمت میں بھیجدیا۔ جب میں آپ کے دیدار سے مشرف ہوا اور رات بھر خدمت میں رہا تو اس صحبت کی برکت سے مجھ پر بہت مسکینی و تضرع ظاہر ہوئی۔ پچھلی رات کو میں نے مسجد میں آکر دوگانہ ادا کیا اور سر سجدے میں رکھ کر بڑی عاجزی سے دعا کی کہ اے پروردگار مجھے اپنی مصیبت کا بوجھ اٹھانے کی مزید طاقت عطا فرما۔ صبح کو جب حضرت بابا کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا اے فرزند دعا کے وقت یہ کہنا چاہیئے کہ الٰہی جو کچھ تیری رضا ہو اپنے فضل و کرم سے اس ضعیف بندے کو اسی پر قائم رکھ۔ خدائے عزوجل کی مرضی یہی ہے کہ بندے پر کوئی مصیبت نازل نہ ہو۔ لیکن اگر حکمۃً کوئی مصیبت اپنے دوست پر نازل فرماتا ہے تو اُس کے

اٹھانے کی قوت بھی عطا فرماتا ہے۔ اختیار سے بلا نہیں طلب کرنا چاہیئے۔ یہ گستاخی ہے۔
جب تک حضرت بابا سماسی قدس سرہٗ بقید حیات رہے۔ حضرت خواجہ علیہ الرحمہ نے شادی نہیں کی۔ ان کے بعد آپ کے جد بزرگوار آپ کو سمرقند لیگئے اور وہاں کے اولیاء اللہ کی نظر عنایت حاصل ہوئی۔ پھر آپ کو بخارا لیگئے وہاں شادی کردی اور آپ نے قصر عارفان میں بود وباش اختیار کی۔ اس اثنا رہیں حضرت میر سید کلالؒ تشریف لائے اور آپ نے بیعت کرکے تربیت حاصل کرنی شروع کی۔
حضرت امیر سید کلال قدس سرہٗ نے بعد ختم تربیت آپ سے فرمایا کہ اپنے پیر بزرگوار کی وصیت کے بموجب میں نے تمہاری تربیت کی لیکن تمہاری استعداد بہت اعلیٰ معلوم ہوتی ہے تمہیں اجازت ہے کہ جس سے فیض حاصل ہوسکے حاصل کرو۔ خدائے عزوجل کی یہی مرضی ہے۔ خواجہ صاحبؒ نے اس ارشاد کے بموجب حضرت شیخ قثمؒ اور خلیل آتا قدس اسرارہما کی خدمت میں حاضر ہوکر فیض باطنی حاصل کیا۔ حضرت شیخ قثمؒ سے بہت سی ترقیات آپ نے حاصل کیں۔ حضرت شیخ قثمؒ فرمایا کرتے تھے کہ طلب کی جو آگ اور شوق کا شعلہ بہاء الدین کے سینہ میں بھڑکایا گیا ہے۔ بخارا کی زمین میں شاید ہی کسی کو عطا ہوا ہوگا۔ حضرت خلیل آتا کی خدمت میں آپ بارہ سال رہے اور دو دفعہ آپ کے ہمراہ سفر حجاز کیا۔ حضرت خلیل آتاؒ ترک تھے۔ بخارا کے بازار میں پہلی مرتبہ آپ سے ملاقات ہوئی۔ شام کے وقت حضرت نے آپ کو بلا بھیجا اور اپنی صحبت میں رہنے کی اجازت دی۔ خواجہ صاحب قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کی صحبت میں عجیب وغریب احوال دیکھے۔ اتفاقاً کچھ مدت بعد انہیں ماوراء النہر کی بادشاہت مل گئی اور سلطان خلیل کے نام سے مشہور ہے۔ زمانہ بادشاہت میں بھی آپ سے بڑے بڑے احوال دیکھنے میں آئے جن سے میری محبت آپ کی طرف زیادہ ہوگئی۔ سلطنت کے زمانہ میں چھ سال تک میں آپ کی خدمت میں رہا۔ بڑی مہربانی فرماتے تھے اور کبھی نرمی اور کبھی سختی سے مجھے خدمت کے اداب سکھلاتے تھے۔ سیر وسلوک کے یہ اداب جو میں نے آپ کی تعلیم سے سیکھے

میرے بہت کام آئے۔ اکثر آپ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص خدائے عزوجل کی رضا کے لئے میری خدمت کرتا ہے وہی بزرگ ہوگا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ بادشاہوں کی بزرگی کو انکی ظاہر عظمت کے وجہ سے نہیں تسلیم کرنا چاہیئے بلکہ اس واسطے کہ اللہ جل شانہٗ نے اپنی بزرگی وجلال کا انہیں مظہر بنایا ہے۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب انکی سلطنت کو زوال آیا اور تمام نوکر چاکر اور ملک برگشتہ ہوگیا تو یہ دیکھکر دنیا اور دنیاوی امور کی وقعت میرے دل سے جاتی رہی اور میں بخارا چلا آیا اور زیور توان جو بخارا کا ایک گاؤں ہے وہیں رہنے لگا۔

خواجہ علاء الدینؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے خواجہ حضرت بہاء الدین قدس سرہٗ اپنے اوائل جذبات کا ایک واقعہ بیان فرماتے تھے کہ شروع احوال میں ایک مرتبہ ایک دوست خدا سے میری ملاقات ہوئی۔ اس نے کہا تو آشنا معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ امیدوار ہوں کہ دوستان خدا کی نظر کی برکت سے حق آشنا ہو جاؤں۔ اس نے پوچھا رزق کے ساتھ تمہارا کیا معاملہ ہے۔ میں نے کہا اگر مل جاتا ہے تو شکر خدا بجا لاتا ہوں ورنہ صبر کرتا ہوں۔ اس نے مسکرا کر کہا یہ تو بڑا سہل کام ہے۔ کام یہ ہے کہ نفس کو توبہ کے مقام میں لاؤ تاکہ اگر روٹی و پانی نہ ملے تو سرکشی نہ کرے میں نے عاجزی کی اور مدد کا طلب گار ہو فرمایا کہ جنگل کی طرف جاؤ اور نفس کی امید خلقت سے بالکل منقطع کرو۔ اس قدم پر تین روز چلو۔ چوتھے روز ایک پہاڑ کے دامن میں پہونچوگے جہاں گھوڑی کی ننگی پیٹھ پر ایک شہسوار ملیگا۔ اُسے سلام کرکے آگے چلے جانا جب اس سے تین قدم آگے بڑھ جاؤگے تو وہ پکار کر کہیگا کہ میرے پاس ایک روٹی ہے لے لو۔ تم اس طرف توجہ نہ کرنا۔ غرضکہ اس مرد خدا کے ارشاد کے بموجب میں جنگل میں آیا اور یہ تمام واقعات دیکھے۔ اس کے بعد اس مرد خدا نے فرمایا کہ لوگوں کی دلجوئی عاجزوں۔ کمزوروں شکستہ حالوں اور ایسے لوگوں کی جنکی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا خدمت کرنی چاہیئے اور ان سے عاجزی و نیاز سے پیش آنا چاہیئے۔ میں نے یہی کیا اور مدت تک یہی وطیرہ رکھا۔ پھر اس نے فرمایا کہ حیوانات کے غم خوری اور

خدمت کرو۔ یہ بھی خدائے عزوجل کی مخلوق ہیں اور انکی طرف بھی اسکی ربوبیت کی نظر ہے اور اگر ان کی پہلو یا پیٹھ پر کوئی زخم ہو تو اس کا علاج کرو۔ میں نے اسکی بھی تعمیل کی حتیٰ کہ راہ میں اگر جانور سامنے آجاتا تو جب تک وہ گزر نہ جاتا میں وہیں کھڑا رہتا اور جہاں انکی پیروں کی نشان ہوتے وہاں راتوں کو اپنا مونہہ رگڑتا سات سال میں نے اسی طرح بسر کئے۔ پھر اس نے فرمایا کہ اس درگاہ کے کتوں کی خدمت کمال نیاز سے بجا لاؤ۔ میں نے تعمیل کی اور اس دوران میں ایک کتے کے پاس پہونچا جسے دیکھکر میری حالت دگرگوں ہوگئی اور اس کے آگے میں بہت عاجزی و نیاز سے گیا اور بہت رویا۔ میں نے دیکھا کہ اس جانور نے اپنی پیٹھ زمین پر اور منہ آسمان کی طرف کرکے چاروں ہاتھ پاؤں اٹھا کر زاری و تضرع شروع کی۔ میں بھی اس کے ہمراہ کمال عاجزی سے ہاتھ اٹھا کر آمین کہتا رہا۔ اسی حالت میں ایک مرتبہ قصر عارفان سے نکلکر ایک طرف جا رہا تھا کہ ایک گرگٹ کو میں نے دیکھا کہ آفتاب کی طرف ٹکٹکی جمائے مستغرق نظارہ جمال ہے۔ یہ دیکھکر مجھ پر بھی ایک حالت ذوقیہ طاری ہوئی اور میں نے دل میں کہا کہ اس بارگاہ میں اس سے سفارش کی خواہش کروں۔ میں نے کمال ادب وحرمت سے وہاں کھڑے ہوکر اپنے دونوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے۔ گرگٹ نے استغراق سے باز آکر اپنی پیٹھ زمین پر رکھی اور آسمان کی طرف منہ کرکے گویا میرے لئے دعا کرنے لگا۔ میں بھی دیر تک آمین کہتا رہا۔ اس کے بعد پھر اس مرد خدا نے فرمایا کہ راہ میں اگر کوئی مکروہ چیز پڑے ہوئے دیکھو تو اسے الگ ہٹادو تاکہ لوگوں کو کراہت کی تکلیف نہ ہو۔ میں نے یہ بھی کیا اور سات سال تک میرے آستین اور دامن سے خاک صاف نہ ہوئی اور کانٹے نہ نکلے۔ ان اعمال کے نتیجے میں مشاہدہ کرتا تھا اور ترقی معلوم کرتا تھا۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ ان جذبات و بے خودی کے دنوں میں میں ہر طرف جاتا تھا اور پاؤں کانٹوں سے زخمی ہوتے رہتی تھی اور صرف ایک پرانی پوستین پہنے رہتا تھا۔ اتنے میں جاڑے کا موسم آیا اور نہایت سرد ہوا چلنی شروع ہوئی۔ میں اسی

حال میں ایک شب سید امیر کلال رح کے مکان پر پہونچا۔ آپ اُس وقت چند درویشوں کے ہمراہ ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ جب آپ کی نظر مبارک مجھ پر پڑی تو فرمایا یہ کون ہے۔ کسی نے کہا کہ فلاں شخص ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہاں سے جلد اُسے نکالدو جب میں وہاں سے نکلا تو نفس نے سرکشی کرنی شروع کی لیکن عنایت الٰہی نے میری مدد کی میں نے کہا چونکہ یہ خواری اللہ جلشانہ کی رضامندی کے مطابق ہے اس لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ میں نے دل میں ٹھان لی کہ اس بارگاہ سے سر نہ اٹھاؤنگا خواہ کچھ ہی کیوں نہو۔ اس وقت تھوڑی برف گر رہی تھی اور سخت سرد ہوا چل رہی تھی۔ میں نے تمام رات اسی طرح آستانہ مبارک پر پڑے پڑے بسر کی جب صبح ہوئی تو امیر سید کلال رح مکان سے باہر نکلے اور قدم مبارک میرے سر پر رکھکر دہلیز سے میرا سر اُٹھایا اور مکان میں لے آئے اور فرمایا۔ اے فرزند سعادت کا لباس تیرے ہی قد پر درست ہے۔ پھر دست مبارک سے میرے پاؤں کے کانٹے نکالے۔ زخموں کو صاف کیا اور بڑی مہربانی فرمائی۔

انیس الطالبین میں ہے کہ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ ابتدائے طلب میں ایک روز میں قمار خانہ میں گیا۔ جہاں کچھ لوگ جوا کھیل رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ ان میں سے دو ہمہ تن محو ہیں۔ ان میں سے ایک ہار گیا لیکن باوجود اس کے ہر لحظ بہت کوشش کرتا تھا اور اپنے حریف سے کہتا تھا کہ اے یار اگر سر بھی چلا جائے تو اس کام سے منہ نہ موڑونگا۔ میں نے یہ حالت دیکھی تو مجھے سخت غیرت آئی اور اس دن سے میں نے اس راہ میں اور کوشش بڑھا دی ؎

تا ورنہ زنی بہر چہ داری آتش　　ہرگز نہ شود حقیقت وقت تو خوش

آپ فرماتے ہیں کہ منازل و مقامات کے طے کرنے میں دو دفعہ حسین ابن منصور حلاج کی صفت مجھ میں ظاہر ہوئی مگر بہ عنایت الٰہی اس مقام سے گذر گیا پھر فرمایا کہ اگر ابن منصور کے زمانہ میں خواجہ عبدالخالق قدس سرہ کے فرزندوں میں سے ایک بھی ہوتا تو ابن منصور کبھی سولی پر نہ چڑھتا۔ آپ سے کسی نے

پوچھا کہ بعض مشائخ طریقت نے فرمایا ہے کہ ہم پر ولایت محمدیہ ختم ہو گی۔ اس سے کیا مطلب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ اپنے زمانہ کے ختم ولایت ہوئے ہیں۔

انیس الارواح میں ہے کہ خواجہ علاء الدین جو خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہُ العزیز کے خلیفہ تھے فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ فقیر اور تارک الدنیا تھے آپ کو تجرد و نفی ماسوا اور قطع تعلقات بدرجہ اتم حاصل تھا۔ آپ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ جو کچھ ہم نے پایا فقیروں کی محبت ہی سے پایا۔ آپ حلال کی رعایت اور شبہ کے پرہیز میں بہت مبالغہ کرتے تھے خصوصاً کھانے کے بارے میں۔ آپ میں باوجود کمال فقر کے اعلیٰ درجہ کے ایثار کی صفت تھی۔ آپ کے پاس جو کوئی ہدیہ لاتا اُسے قبول کر لیتے اور ویسے ہی کوئی چیز اپنی طرف سے ہدیہ کے طور پر اسے دیتے۔ آپ کی تھوڑی سی کھیتی تھی۔ اس میں ہر سال تھوڑی جو اور ماش بویا کرتے اور اسی کو کھاتے تھے۔ آپ کا نہ کوئی مکان تھا اور نہ کوئی نوکر۔ خود ہی کھانا پکاتے اور دسترخوان بچھا اور لوگوں کو کھلایا کرتے تھے۔ اگر کبھی آپ روزے سے ہوتے اور مہمان آ جاتا تو جو کھانا اُسے کھلاتے وہ آپ بھی تناول فرماتے اور اسکی خاطر افطار فرما لیتے تھے۔ آپ سے ملک حسین والی ہرات نے پوچھا کہ کیا درویشی آپکی موروثی ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ جذبات حق میں سے ایک جذبہ ہے جو ثقلین کے عمل سے بڑھا ہوا ہے۔ پھر پوچھا آپ کا طریقہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا "خلوت در انجمن" اس نے پوچھا یہ کیا چیز ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "ظاہر میں خلق کے ساتھ اور باطن میں خالق کے ساتھ رہنا" ؎

از درون شو آشنا و از بروں بیگانہ باش ۔۔۔ ایں چنیں زیبا روش کم می بود اندر جہاں

سلطان نے پوچھا کیا یہ بات حاصل ہو سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا خدائے عزوجل خود فرماتا ہے۔ رجال لاتلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله۔ یعنی ایسے بھی لوگ ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت ذکر الٰہی سے مانع نہیں ہو سکتی۔ پھر اس نے پوچھا کہ بعض مشائخ کہا کرتے ہیں کہ ولایت نبوت سے افضل ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں

نبی ہی کی ولایت اسکی نبوت سے افضل ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ ہمیں فضل کے دروازے سے اندر لائے ہیں اور ہمارا طریقہ فرض واجب اور سنت موکدہ کا ادا کرنا ہے۔ جو ہمارے اصحاب میں سے ہے اُسے ہماری پیروی کرنی چاہئے۔ ورنہ ہم سے اس سے کوئی تعلق نہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ بے اختیار ہو جاؤ اور عمل اس طرح کرو کہ اس کی رضا حاصل ہو۔ آپ نے فرمایا کہ درویش کے لئے خدمت مشائخ نفل سے افضل ہے۔ جب کبھی کوئی ملاقاتی آپ کے پاس آتا تو پہلی اس کی خدمت کرتے۔ اس کے بعد اس کے جانور کی خدمت کرتے۔ جب آپ کے پاس آپ کے درویشوں میں سے کوئی آتا تو فرماتے کہ اس کا احسان ہماری گردن پر ہے اور جب کبھی آپ کسی درویش کے گھر جاتے تو اس کے لڑکے بالوں نوکروں چاکروں ہر ایک کی خیریت الگ الگ پوچھتے بلکہ اس کے جانوروں تک کا حال دریافت فرماتے اور کمال شفقت کا اظہار فرماتے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جسے وصل یار نصیب ہوا ادب کے ذریعہ سے نصیب ہوا اور جو محروم رہا ترک ادب کی وجہ سے محروم رہا۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے طریقہ میں ریاضت نہیں ہے۔ مباحات میں آپ مخالفت نفس کے لئے ارشاد فرمایا کرتے۔ جو شخص مخالفت نفس کی توفیق رکھتا۔ اسکے تھوڑے کام کو بہت خیال کیا جاتا۔ اس راہ کے چلنے والے بہت ایسے ہوئی ہیں جنہوں نے دوسروں کے گناہوں کا بوجھ خود برداشت کیا ہے اور ظاہر و باطن اپنے آپ کو اس دوست پر سے فدا کیا ہے ؎

از خود چو گذشتی ہمہ عیش است و خوشی۔

آپ کا قول ہے کہ اللہ جلشانہٗ کے کلام یاایہا الذین آمنوا آمنوا باللہ ورسولہ میں یہ اشارہ ہے کہ اس طبعی وجود کی نفی کرو اور معبود حقیقی کا اثبات کرو۔ اگرچہ نماز و روزہ و ریاضت و مجاہدہ سب اللہ جلشانہ کی درگاہ کے راستے ہیں لیکن سب سے زیادہ نزدیک کی راہ نفی وجود ہے ؎

وجودک ذنب لایقاس بہا ذنب

یہ بات صرف اس وقت حاصل ہو سکتی ہے جبکہ آدمی ترک اختیار کرے اور اپنے اعمال میں قصور دیکھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایمان کے معنی یہ ہیں کہ ماسوی اللہ سے تعلق قطع کر دے اور جس شئے کی طرف دل مائل ہو اس سے اجتناب کرے۔ جب کبھی سالک راہ کو علامات وجودی نظر آئیں تو بعنایت حق اس سے نفی کرنی لازم ہے اس لئے کہ جب تک وہ احوال صفات۔ حرکات و سکنات۔ خطرات و تعلقات قلبی۔ قالبی دیسری سے قطع علاقہ کر کے خدائے عزوجل کی طرف مشغول نہ ہوگا اس وقت تک بندہ کا اطلاق اسیر نہ ہوگا اور اخلاص کی سعادت سے مشرف نہ ہو سکیگا۔ بخارا کے ایک عالم نے آپ سے پوچھا کہ نماز میں حضوری کس چیز سے حاصل ہو سکتی ہے آپ نے فرمایا کہ روزی حلال سے جو از روی وقوف و آگاہی کھائی جائے۔ آپ فرماتے ہیں کہ الصوم لی سے حقیقی روزی کی طرف اشارہ ہے جس سے قطع تعلق ماسوی اللہ مراد ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ولایت ایک نعمت ہے۔ ولی کو اپنی ولایت کا جاننا لازم ہے تاکہ وہ اس نعمت کا شکر ادا کر سکے۔ ولی عنایت الٰہی کی مدد سے محفوظ ہوتا ہے تمام آفات سے اُسے بچاتے ہیں خوارق عادات اور احوال و کرامات قابل اعتماد نہیں ہیں۔ کام کی بات اقوال و افعال پر قائم رہنا ہے۔ اس راہ کے چلنے والے کو اللہ جلشانہ کے احکام کی تعمیل سے ولایت خاصہ عنایت ہوتی ہے۔ اس گروہ کی تین قسمیں ہیں۔ مقلد۔ کامل۔ کامل مکمل۔ مقلد سنی ہوئے پر عمل کرتا ہے اور کامل اپنی ذات سے تجاوز نہیں کرتا۔ اور کامل و مکمل سوائے تربیت کی اور کچھ نہیں کرتا اور نہ کر سکتا ہے۔ نیز فرماتے تھے کہ ارادہ تسلیم و عدم اختیار بڑی صفتیں ہیں اور ان کا پیدا کرنا بڑا کام ہے۔ ارادہ سے مراد ترک ارادہ ہے۔ مرید کو چاہیے کہ مقتدا کے مرضی پر اپنی مرضی کو بالکل چھوڑ دے۔ یہ تسلیم ہے سہ۔

ما اختیار خویش ہم از دست دادہ ایم ۔ کاں اختیار شاہ ہمہ اختیار ماست ،

مرشد بمنزلہ طبیب حاذق کے ہے جس طرح ضرورت ہوتی ہے مرید کا علاج کرتا ہے مرید کو اپنے علاج میں اپنا اختیار سم قاتل ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ ہمارا طریقہ سنت نبوی صلعم کی پیروی اور صحابہ کرام کے آثار کا اقتدا کرنا ہے۔ اس راہ میں فضل کے دروازے سے

ہمیں اندر لائے ہیں۔ اول سے لیکر آخر تک یہی خدا کا فضل ہم نے مشاہدہ کیا ہے نہ کہ اپنا عمل۔ اس طریقہ سے تھوڑے عمل سے بہت فتوح حاصل ہوتی ہے لیکن اس میں رعایت اتباع سنت بڑا اہم کام ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہمارا طریقہ صحبت ہے۔ خلوت نہیں اسلئے کہ خلوت میں شہرت ہے اور شہرت میں مصیبت ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ مرشد کو طالب کے ماضی وحال و استقبال کے حالات سے واقف ہونا ضرور ہے تاکہ اسی لحاظ سے اس کی تربیت کر سکے۔ اس راہ کی طلب میں ادب شرط ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ادب سے یہ مراد ہے کہ ظاہر و باطن میں کمال بندگی سے اللہ جل شانہ کے احکام کی بجا آوری کرے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب سے یہ مراد ہے کہ آنحضرت صلعم کی پوری طور پر پیروی کرے اور تمام احوال میں آنجناب کی حرمت نگاہ رکھے اور کل موجودات کے لئے اللہ جلشانہ کی بارگاہ میں آنجناب ہی کو وسیلہ خیال کرے۔ مشایخ کا ادب کرنا اس واسطے لازم ہے کہ وہ متابعت سنت نبوی صلعم کا وسیلہ ہیں اور خلقت کو اللہ جلشانہ کی طرف دعوت دینے کا منصب رکھتے ہیں پس درویش کو چاہیئے کہ حاضر و غائب میں ان کا ادب ملحوظ رکھے مرشد کی مثال شکاری کی طرح ہے جو بہت ہوشیاری سے وحشی جانور کو دام میں لاتا ہے اور پھر اسی مقام استیناس میں پہونچا دیتا ہے۔ اسی واسطے ان لوگوں کو اہل حکمت کہتے ہیں۔ جس تدبیر سے مناسب ہوتا ہے طالب سے برتاؤ کرتے ہیں پھر اسے مطیع و منقاد بنا کر اتباع سنت نبوی کے طریقہ پر قایم کرتے ہیں اور وہاں سے مقام وصول میں پہونچا دیتے ہیں اس راہ کا سلوک اس پر منحصر ہے کہ اہل اللہ پر یقین کیا جائے ؎

تا تو نہ بینی جمال عشق نہ گیر د کمال　　　می شنوی وصف یار راست بباید شنید

آپ کا ارشاد ہے کہ ذکر کی تلقین کامل و مکمل پیر سے ہونی چاہیئے تاکہ اس کا اثر نظر آئے اور نتیجہ ظاہر ہو۔ ذکر سے مقصود یہ ہے کہ ذاکر کلمہ توحید کی حقیقت کو پہونچ جائے۔ اسکا بہت کہنا شرط نہیں۔ کلمہ کی حقیقت یہ ہے کہ اس کے تکرار سے ماسوا کے کلیتہً نفی ہو جائے۔ آپ فرماتے ہیں کہ وہ اسباب جن سے عارف لوگ خدا کی راہ پا لیتے ہیں تین ہیں (۱) مراقبہ (۲) مشاہدہ (۳) اور محاسبہ۔ مراقبہ کی تعریف ہے نسیان رویتہ المخلوق

بدوام النظر الی الخالق یعنی خالق پر اسطرح مدام نظر جمی رہے کہ مخلوق پر نگاہ ہی نہ پڑے۔ مشاہدہ سے مراد ہی واردات غیبیہ کا دل پر نزول کرنا۔ چونکہ گذرنے والے زمانہ کیطرح اسکا بھی قیام نہیں اسلئے ہم انکا ادراک نہیں کر سکتے۔ ہاں اگر قبض و بسط کی صورت میں ہو تو دریافت کر سکتے ہیں اسلئے کہ حالت قبض میں ہم جلالی صفت کا مشاہدہ کرتے ہیں اور حالت بسط میں جمالی صفت کا۔ محاسبہ کا مطلب یہ ہی گھڑی گھڑی کا ہم حساب کرتے رہیں کہ آیا حضوری میں گذرا یا غیر حضوری میں گذرا۔ غیر حضوری میں اگر دیکھیں کہ تمام نقصان ہی نقصان ہی تو ہمیں بازگشت کرنی چاہئے اور از سر نو عمل شروع کرنا چاہئے عمل کرنے میں یہ خیال ہنو کہ ہم نے کوئی عمل کیا بلکہ اپنے آپ کو ہمیشہ حقیر اور پر از تقصیر سمجھنا چاہئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ عبادت میں وجود کی طلب ہے اور عبودیت میں وجود کا تلف کرنا ہے۔ جبتک خودی باقی ہے کسی عمل کا نتیجہ ظاہر نہیں ہوتا۔ آپ فرماتے ہیں کہ جو اپنے تئیں اللہ جلشانہ کے سپرد کر دیتا ہی اسکا غیر التجا کرنا شرک میں داخل ہے۔ یہ شرک عام لوگونکے لئے قابل مواخذہ نہیں ہی بلکہ خواص سے قابل مواخذہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ متوکل کو چاہئے کہ اپنے آپکو متوکل نہ خیال کرے اور اپنے توکل کو کسب میں چھپائے رکھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہم نے تو اس راہ میں خواری کو اپنے لئے پسند کیا تہا لیکن اللہ تعالی نے اپنے فضل وکرم سے عزت عطا فرمائی۔ آپ فرماتے ہیں کہ عادت محبت ہو جایا کرتی ہے۔ سالک کیلئے نفلونکے ترک کی الفت کبھی کبھی جائز ہی تاکہ اُسے عادت سے انس نہو جائے۔ آپکا ارشاد ہی کہ باہر سے بیرنگ اور اندر سے بے جنگ ہونا درویشی ہے ؎

تا دریں خرقہ ایم از کس ما ۔ ہم نہ رنجیم وہم نہ رنجانیم

آپ فرماتے ہیں کہ اوائل حال میں ہم نے اپنی آپ کو مطلوب بنایا اور دوسروں کو طالب لیکن اب ہمنے یہ طریقہ چھوڑ دیا ہی اصل مرشد وہی حق سبحانہ تعالیٰ ہی اور جس شخص کو اس راہ کی طلب ہوتی ہے اسے وہی ہمارے پاس بھیجدیتا ہی۔ اور جو کچھ اسکا حصہ ہی اسے مل جاتا ہی۔ آپ فرماتے ہیں کہ المجاز قنطرۃ الحقیقۃ (یعنی مجاز حقیقت کا پل ہی) کے معنی یہ ہیں کہ تمام عبادتیں خواہ ظاہری ہوں خواہ باطنی اور خواہ قولی ہوں اور خواہ فعلی سب مجاز ہیں جبتک سالک ان سے نہ گزر جائے وہ حقیقت کو نہیں پہونچتا ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ سیر وسلوک سے مقصود کیا ہی آپنے فرمایا تفصیلی معرفت۔ اسنے پوچھا یہ کیا ہوتی ہی آپنے فرمایا کہ جو کچھ مخبر صادق سے بطور اجمال قبول کیا گیا ہی اسے مفصل پہچانا جائے اور دلیل

برہان کے مرتبے سے کشف وعیاں کے مرتبے کو پہنچ جائے۔ آپسے کسی نے پوچھا کہ بلا اور بلوی میں کیا فرق ہے آپنے فرمایا کہ بلا ظاہری ہوتی ہے اور بلوی باطنی۔ آپسے سوال کیا گیا کہ اگر اللہ جلشانہ کسی فقیر سے کوئی حال چھین لے تو اُسے کیا کرنا چاہیئے۔ آپنے فرمایا کہ اگر اس حال کا ذرہ بھر بھی اس میں باقی ہے تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ فقیر سے تضرع ونیاز مطلوب ہے اور اگر بالکل جاتا رہا ہے تو اس سے صبر و رضا مطلوب ہے۔ وظیفہ محبت کیلئے یہ لازم ہے کہ محب محبوب کو تلاش کرتا رہے۔ محبوب جتنا زیادہ عزیز ہوگا اتنی ہی اسکی طلب کی راہ میں مصیبتیں زیادہ ہونگی۔ آپ فرمایا کرتے ہیں کہ اس راہ کے طلب کا کمال یہ ہے کہ طالب بیقرار و بے آرام رہے۔

ایں طلب مفتاح مطلوبات تست ہم سپاہ نصرت از آیات تست

آپسے کسی نے پوچھا کہ الفقیر لا یحتاج الی اللہ سے کیا مراد ہے آپنے فرمایا کہ اس سے سوال کی غرور کی نفی مراد ہے حسبی من سوالی علمہ بحالی پھر کسی نے پوچھا کہ اذا تم الفقر فہو اللہ سے کیا مراد ہے آپنے فرمایا کہ اس سے مراد بندے کی ہستی اور فنا اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں مٹ جانا ہے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جب طالب کی روحانیت کا پرندہ کسی صاحب دولت کی تربیت کیوسیلے سے بیضہ بشریت سے باہر نکل آتا ہے تو پھر اسکی پرواز کو اللہ جلشانہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

خواجہ علاء الدین فرماتے ہیں کہ چونکہ ہمارے خواجہ (یعنی خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہٗ) کا طریقہ استقامت و اتباع سنت نبوی تھا۔ اسلئے آپ اکثر علما کے پاس بھی بیٹھا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں بخارا میں سب سے بڑے عالم مولانا حسام الدین اصیلی اور مولانا حمید الدین شاشیؒ تھے۔ یہ دونوں صاحب اکثر حضرت خواجہ صاحب کے پاس آیا کرتے تھے آپ فرماتے تھے کہ مغز کی حفاظت چھلکے سے ہوتی ہے اور اگر چھلکے میں کوئی خلل ہو تو مغز پر بھی اثر ہو جاتا ہے شریعت چھلکا ہے اور طریقت مغز پس اگر شریعت میں خلل واقع ہوگا تو طریقت پر ضرور اثر ہوگا۔

آپ کو خواجہ احمد یسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سلسلہ مبارک سے بھی تعلق اور حضرت قثم سے خرقہ خلافت حاصل کیا تھا۔ صاحب مراۃ الاسرار فرماتے ہیں کہ "دو سہ ماہ در خدمت او بود و انواع فیض ہی ربود"
آپکے لقب نقشبند کی وجہ تسمیہ میں بہت اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ خواجہ محمد بابا سماسیؒ نے سید امیر کلالؒ کے سپرد آپکو فرمایا تو یہ کہا "نقش بہاء الدین را بر بند" اسی وجہ سے آپکو نقشبند کہنے لگے۔ بعض کہتے ہیں کہ جو طالب حق صدق کے رو سے آپکی خدمت میں جاتا آپکو نظر فیض کیمیا اثر سے اسپر ایسا معنوی نقش بندہ جاتا کہ اسکی سبب سے اپنے مطلوب کو پہنچ جاتا۔ نقشبند کی تسمیہ یہ تھی بعض یہ کہتے ہیں کہ اپنے مریدوں کو آپ اسم اللہ کا نقش لکھکر دیتے تھے کہ دل صنوبری پر اسکا تصور کریں تا کہ القلوب بیت اللہ کی صفت ہو جائیں۔ خواجہ عبد الرزاقؒ و حضرت

خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہ کی اولاد میں سے تھے فرماتے ہیں چونکہ اس کام کی بنا لقمہ حلال پر رکھی گئی ہے اسوجہ سے اس سلسلہ کے اکثر بزرگوار کسب کرکے روزی حاصل کرتے تھے۔ چنانچہ خواجہ بہاء الدین نقشبند بھی اپنے پیران طریقت کے حکم کی اتباع میں بندبافی و نقاشی بافی کیا کرتے تھے اسی جہت سے آنحضرت کو نقشبند کہتے ہیں۔ صاحب مراۃ الاسرار کے نزدیک یہ آخری وجہ بہت قرین قیاس معلوم ہوتی ہے ؎

اول او آخر ہر منتہی　　　　　　ز آخر او جیب تمنا تہی۔

جب آپکی عمر چوہتر سال کی ہوئی تو وقت رحلت قریب آیا۔ خواجہ علاء الدین مجدوانی فرماتے ہیں کہ میں اسوقت خدمت میں حاضر ہوا کہ آپ حالت نزع کے قریب تھے مجھ سے فرمایا اے علا کچھ کھالے میں نے تین لقمہ کھائے اور دسترخوان تہہ کر دیا۔ آپنے فرمایا اور کہا میں نے تعمیل حکم میں چند لقمے اور کہائے پھر آپ نے آنکھ کھول کر فرمایا کہ طعام اچھی طرح کھانا چاہئے اور کام بھی اچھی طرح کرنا چاہئے۔ بعض اصحاب نے جو حاضر تھے فرمایا کہ خلافت و ارشاد کیلئے کسی کو مقرر کیا جائے آپ نے فرمایا مجھے اسوقت تکلیف کیوں دیتے ہو۔ یہ بات میرے اختیار میں نہیں ہے۔ اللہ جلشانہ جب چاہیگا خود کر دیگا۔ وہ حاکم علی الاطلاق جو چاہیگا حکم کریگا۔ آپکے انتقال کے وقت خواجہ علاء الدین سورۂ یٰسین پڑھ رہے تھے جب نصف پر پہونچے تو انوار ظاہر ہوئے۔ خواجہ صاحبؒ نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے۔ اور دیر تک دعا مانگتے رہے۔ پھر دونوں ہاتھ چہرہ پر ملے اور مشاہدہ حق میں فنا ہوگئے آپکی وفات امیر تیمور کے زمانہ میں شب دوشنبہ تیسری ربیع الاول سنہ سات سو اکیانوے ۷۹۱ ہجری میں واقع ہوئی اور قصر عارفان میں دفن ہوئے رحمۃ اللہ تعالی علیہ۔

آپ فرماتے تھے کہ شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے وصیت کی تھی کہ میرے جنازہ کے ساتھ یہ شعر پڑھتے چلنا ؎

چیست ازیں خوبتر در ہمہ آفاق کار　　　　　　دوست رسد نزد دوست یار بہ نزدیک یار

لیکن میں وصیت کرتا ہوں کہ میرے جنازے کے ساتھ یہ شعر پڑھتے چلنا ؎

مفلسانیم آمدہ در کوئے تو　　　　　　شیئاً للہ از جمال روئے تو۔

آپکی وفات کی تاریخیں بہت ہوئی ہیں جنمیں ایک یہاں درج کی جاتی ہے ؎

رفت شاہ نقشبندان خواجہ دنیا و دیں　　　　　　آنکہ بودہ شاہ راہ دین و ملت ملتمش

مسکن و ماوائے اوچوں بود قصر عارفان　　　　　　قصر عرفاں زیں سبب آمد حساب رحلتش

غلط نامہ اخبار الصالحین

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴	۷	افوال	اقوال	۴۵	۵	تک	تک کو
۶	۱۳	موہیت	موہبت	۴۶	۲	بات	بیان
"	۲۱	یاہم	باہم	۴۷	۱۳	ہوجاؤ گے اگر اقرار کرو گے	ہوجاؤ گے اگر اقرار
۱۰	۸	نام	تمام		و ۱۴		کرو گے
۱۱	آخر	جھوٹے مکا	جھوٹے مکار	۴۸	آخر	بصر	بصرہ
۱۲	۲	جیسے	جیسے کہ	۴۹	۱۴	بنا	بنتا
"	آخر	بقیدر	بقید	"	۱۶	نجلعھا	نجعلھا
۱۵	۵	مقامات ہیں	مقامات ہے	۵۳	آخر	مہجویری	ہجویری
۱۸	۲	کلام میں ملائے	کام میں لائے۔	۵۷	۸	بھی	مجھے بھی
۲۱	۱۴	بہانا	بہانہ	"	۲۱	والدہ	والد
۲۷	۱۸	دوسری	دوسری طرف	۵۸	۵	نے	کے
۳۱	۱۳	ولن	ہوں	۶۱	۱۶	جُبست	حُبنتُ
۳۲	۱۱	اجمعین سے	اجمعین	۶۳	۲۱	جب سمجھ لو گے	جب یہ سمجھ لو گے
۳۶	۱	اسرار حقایق و توحید	اسرار و حقائق توحید	۶۳	۲۳	یاد ہوں	یاد نہ ہوں
۴۱	۱۶	مجمی	عجمی	۶۴	۱۴	وہ بھی	وہ سبھی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
٦٥	١٠	طرف سے	طرف	١٠٣	٣	عدالت	راست
٦٦	١١	جس کا	جسکے	١٠٣	٦	جیبرہ	حَبّرہ
״	٢٠	اغراض	اِعراض	١٠٤	١٣	الوجھا	الوجعا
״	آخر	کہنا	رکھنا	١٠٨	٢	منقطعہ	منقطع
٦٧	١٠	کنہ	کہ نہ	١١٦	١٦	جبن	حین
٧٠	٧	وقبل	قبل	١٢٠	١٩	فضل	فصل
٧٣	١٢	دتنک دی	دستک دی	١٢٣	٢١	موفقت	موافقت
٧٤	٢١	خائف کو قرار	خائف کو فرار	״	٢٣	نوبة	توبة
٧٩	٥	منرہ	منزہ	١٢٩	٧	محری	مَعرّی
٩٤	٣	ساتھ ساتھ	ساتھ	١٣٠	١	لقا	بقا
٩٦	١٩	رہے تھے	رہے تھے۔ وہاں	״	٧	مہہ	مہنہ
	٢٠	وہاں کیا دیکھا	کیا دیکھا۔	١٣٥	١٦	بحبنی	بخشی
٩٦	آخر	خرجت	اخرجت	١٣٨	آخر	جلہ	جملہ
١٠١	١٠	معشوق	موصوف	١٥٣	٢	ہے	سے
١٠١	١٢	نام ہے	نام تھا	״	٥	فارع	فارغ
١٠١	آخر	آپ نے	آپ فقہ میں	١٥٥	٣	بقا تو بقا	بقا تو لقا
١٠٢	١٣	داتا گنج بخش	خواجہ احمدؒ	״	٤	اہل بقا	اہل لقا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
١٥٦	٧	اولیاء	اولیار	١٦٦	٧	پوچہیتے	پوچھنے
"	١٧	تمہاری	جو تمہاری	"	١١	حاصل	حائل
"	١٩	کام کو	کام لو	"	١٤	سے —	سے کھتے
١٥٧	٩	تم انکر	تم اُن کو	"	آخر	فادی	قاری
١٥٨	٢٠	ہدایت	بدایت	١٦٧	٢	مجلی	محلی
١٥٩	٣	سجار	بحار	"	٨	ملی	بلّی
"	٨	راکشد	واکشد	١٧٠	٣	کیں	کئے
١٦٠	٢	حطائر	حظائر	١٧١	٥	نقشبندی	نقشبند
"	٥	فاتینا	فأتینا	١٧٢	٦	اگر	اگرچہ
"	١٠	ابدال	یاران	"	٩	مریان	مریدان
١٦١	آخر	متوای	ستواری	"	١١	ہوئی	ہوئے
١٦٢	آخر	نقشبندی	نقشبند	١٧٤	٩	پونجی	پونچی
١٦٣	٤	نقوق	نقوی	"	"	شالرہولی	شاکرہوتی
"	٧	الغرنقین	الفرنقین	١٧٧	١١	ہین	نہین
١٦٥	٩	سنکہ	سنکر	١٧٨	٢	فائنہ	فائزبہ
"	"	ہوا ہے	ہوا ہوں	"	٣	مبرا	منزہ
١٦٦	١	نتہای	منتہای	"	١٠	البار	الباء

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۷۸	۱۰	تکبیر	تکسیر	۲۰۰	۷	اسلامی میں	اسلامی کی
۱۸۱	۹	لے تھہ تھامہ	ہاتھ تھاما	۲۰۴	۲۱	ہوگیا تھا	ہو رہا تھا
۱۸۳	۸	اشال	اشتغال	۲۰۶	۱۱	کر رتھے	کر رہے تھے
"	۱۷	کمال جنیدی	کمال خجندی	۲۰۹	۳	پانی ہے	پاتی ہے
۱۸۵	۲۰	پس وپشت	پس پشت	۲۱۴	۱	توبہ نضوح	توبہ نصوح
"	۲۲	آزار	ازار	۲۱۷	۱۳	جومجاہدہ	ومجاہدہ
۱۸۶	۶	از افگندہ ام	باز افگندہ ام	۲۱۹	۶	اگرحرت	اگرہم حرف
۱۸۷	۱۵	نزندہ	نزندو	"	۱۱	توصد	تووہ صد
۱۸۹	۸	عصاؤالدین	عصاوابریق	"	۱۴	کہ میں	کوئین
"	۲۲	سید شیخ	سلسلہ شیخ	۲۲۲	حاشیہ	۱۲۲	۲۲۲
۱۹۰	۲	اسلام	اللام	۲۲۹	۱۶	سمع	سماع
"	۸	طرح	اس طرح	"	۱۸	بقا کہاں ہوتا	لقا کہاں ہوتی
۱۹۲	۱۰	بالعراف	بالعراق	۴	۴	اور بقا کا	اور لقا کا
۱۹۸	۵	پیر بہائی	بھائی	۲۳۱	۶	رزندہ	زندہ
۱۹۹	۳	مشخت	مشیخت	"	۱۲	بھری	اُبھری
"	۵	دفترار	دفتر	"	۱۹	اوحدین	اوحدالدین
"	آخر	بداہنی	بداہنی سے	۲۳۲	۱۴	ہیں	سے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
				۲۶۳	۱۶	رغضب	غضب
۲۳۲	۲۲	بل سں	بل سرنی	۲۶۶	۱۷	خصوص	فصوص
۲۳۶	۵	شیخ محی الدین	شیخ محی الدین محمد	۲۶۷	۳	ابو العباس رسی	ابو العباس مرسی
۲۳۷	۱۳	ابن عربی	ابن العربی	۲۶۸	آخر	بلا سواری	تھا سواری
۲۳۸	۷	لکھے ہیں	لکھتے ہیں	۲۶۹	۲۱	فریا الدین	فخر الدین
"	۱۴	سہیل	سہل	۲۷۵	۱	حال	سال
۲۳۹	۱۰	مین	ہیں	۳۷۶	آخر	لوٹ نا	لوٹ جانا
"	۱۷	ولابت وعرفاں	ولایت عرفان و	۲۸۰	۱	مطمئنہ ہیں	مطمئنہ ہیں
۲۴۲	۱۶	انہوں	انہوں نے	"	۵	دو	وہ
۲۴۸	۱۶	ما بعد	بعد	"	۸	سرور وہیبت	سرور رہبت
۲۵۰	۱۲	الذین	ان الذین	۲۸۱	۴	ملک داود	ملک داد
"	"	الملئکہ	الملئکۃ	۲۸۱	۱۱	جنیدی	خجندی
۲۵۱	۲۱	حانت	حالت	"	۱۷	نساح	نساج
۲۵۳	۱۴	اس ہیں	اس شہر ہیں	۲۸۲	۲۱	جندی	خجندی
۲۵۶	۱۴	فص الہیہ	فص حکمت الہیہ	۲۸۳	۵	ے	گے
۲۶۳	۷	تو کثرت	تو وحدت ہیں کثرت	"	۲۱	لوٹ	ٹوٹ
			اور کثرت	۲۸۵	۱	ہے	میں سے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۸۵	۳	دار	دور دار	۲۹۳	۶	روانہ کرنا	رد نہ کرنا
۲۸۷	۱۶	روانی	مروانی	”	۱۱	رہے	نہ رہے
”	۱۹	مراۃ الاسرار	درۃ الاسرار	”	۲۱	ستامن	ستامن
”	آخر	انی	الی	۲۹۵	۴	ہے	ہے کہ
۲۸۸	۱۳	مرحبا	فرمایا مرحبا	”	۷	کرکے	کئے
”	۱۴	نسبت	نسبت جو	”	آخر	کے	کہ
۲۸۹	۱۴و۱۶	شیش	مشیش	”	”	نہ ا	نہ لو
۲۹۰	۴	تہارے	ہمارے	۲۹۶	۸	کیونکہ	کہ وہ
”	۱۰	کمی	کسی	”	۱۴	تجاوز کرو	تجاوز نہ کرو
”	۱۶	خدائے عزوجل	ہم خدائے عزوجل	۲۹۷	۵	چاہین	چاہنا
”	”	کہا	یہ کہا	”	۶	امل	حامل
”	۱۷	چنانچہ	چنانچہ ہم	”	۱۸	تہابات	نہایات
”	”	آیا جس	آیا	۳۰۱	۱۸	جبضت	حضرت
”	۲۱	کل	کل مجھے	۳۱۳	۱۱	کہنو	کتھولہ
”	آخر	اسے	اس شخص کو	۳۲۷	۱۷	مثنوی کے	مثنوی کا
۲۹۲	۱۴	من کان اللہ	من کان للہ	۳۲۸	۱۱	یہ کر	لیکر
۲۹۳	۱	چاہتا	چاہنا	۳۳۶	۱۵ تا آخر	مستقیم	مستم

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۳۷	۱ و ۲	ستیم	ستم	۴۱۵	۱۹	جود	جوَر
۳۳۹	۹	رہ	وہ	؍؍	۲۰	مستکبر	متکبر
۳۴۰	۱۴	یہودمن	یہودیم	؍؍	آخر	اصل	اضل
۳۴۲	۲۲	ماوراہد	تاوارہد	۴۲۳	۱۳	علار	علامہ
۳۴۳	۳	۱؎	۲؎	۴۲۸	۱۲	طبیب	طبیب ولہا
۳۴۴	۱۶	رامت	راست	۴۳۲	۱۷	ہیں	ہیں۔
۳۴۶	۱	خورد	خرد	؍؍	۲۰	اورسے	اوسے
۳۵۸	آخر	موصوف سے	موصوف کے	۴۳۳	۱۵	کیاگیا	کہاگیا
۳۷۴	۲۱	حضرات	حضرت	۴۳۵	۶	سرآمد وخوشیتن	سرآمدہ زخویشتن
۳۸۱	۱۷	رامستن	رامیتن	۴۳۶	۱۶	معاہدہ	مجاہدہ
۳۸۷	۲	طشت دار	طشت بردار	۴۴۹	حاشیہ	۹	۴۴۹
۳۹۱	۲۲	مرشدی	مہ شدی	؍؍	۱۹	خاص ونام	خاص وعام
۳۹۵	۱	دہلی میں	دہلی	۴۵۳	۱۹	کنگھم	کننگھم
۳۹۷	۴	کھڑاہوگیا	کھڑے ہوگئے	؍؍	؍؍	رہ	وہ
۴۰۰	۳	جب	حُب	۴۵۵	۱۴	فضلارسے	فضلائے ملک سے
۴۰۷	۱۱	منزلۂ	بمنزلۂ	۴۵۶	۵	مکنوبات	مکتوبات
۴۱۰	۱	ملتاہے	لکھاہے۔	؍؍	۱۱	رکتی	رُکتی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۵۶	۱۱	امریدین	المریدین	۴۷۶	۵	مجدانی	مجدوانی
۴۵۷	۹	مقدار ضرورت	دوسرے کے حق میں مقدار ضرورت	۴۸۱	۳	بیان	یہان
				۴۸۴	۱۶	کامل ومکمل	کامل مکمل
۴۶۳	۱۱	تویہ	توبہ	"	۱۹	"	"
۴۶۴	۱۸	لنت	کنت	۴۸۷	۱	ار بلوی	اور بلوی
۴۶۶	۹	گہٹائی	گھائی	"	آخر	وحضرت	جوحضرت
۴۶۷	۲۰	انہین	انھین	۴۸۸	۱	اصرار	احرار
۴۷۰	۱۸	چندمین	چندین	"	۶	چہ ہقر	چوہتر

اعلان

جملہ علوم وفنون کے عربی فارسی فقہ وحدیث

وغیرہ

کتب قدیمہ قلمی وغیرہ پتہ ذیل سے دستیاب

ہوسکتے ہین

المعلن

سید عبدالقادر تاجر کتب

گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹر چارمینار حیدرآباد دکن